عرض ناشر

کتاب اللمحات کی تیسری جلد ناظرین کے سامنے ہے، اس جلد میں بنیادی طور پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علمی مقام، فضل و تقویٰ، ان سے متعلق معاصرین و دیگر ائمہ کرام کے نقطۂ نظر اور مجلس تدوین کی تشکیل وغیرہ امور سے متعلق روایات پر تحقیقی نظر ڈالی گئی ہے اور نصوص وتصریحات سے بے تکلف وتعصب جو بات ثابت ہوتی ہے اسے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کسی موضوع کو تحقیقی طور پر منقح کرنے کے لیے جس طرح غیر جانبداری، انصاف پسندی اور وسعت ظرف کی ضرورت ہے اسی طرح کسی مختلف فیہ موضوع کو پڑھ کر صحیح نتیجہ تک پہنچنے کے لیے بھی کشادہ دلی حق پسندی اور سلامتی طبع درکار ہے، اس لیے ہمیں یہ خوش فہمی نہیں کہ زیر نظر حصہ کے مطالعہ کے بعد ہر شخص مصنف کے نقطۂ نظر سے متفق ہو جائے گا، لیکن یہ یقین ضرور ہے کہ حق وصداقت کے متلاشی کو اس حصہ میں بہت سی اہم اور مفید باتیں ملیں گی اور جو لوگ کسی خاص مقصد کے پیش نظر حقائق کو مسخ کرنے اور اسلاف کی علمی حیثیتوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں انھیں یہ اندازہ ہوگا کہ علم وتحقیق کے وسائل کی کثرت کے اس دور میں تلبیس و مغالطہ کا فروغ پانا بے حد مشکل ہے، کیونکہ ایسے نقطہ رس اور وسیع النظر عالم آج بھی موجود ہیں جن کی قدیم وجدید مآخذ پر گرفت مضبوط ہے اور وہ ہر دلیل کے صحت وسقم کو آسانی سے پہچان لیتے ہیں۔

سوانح نگاری سے متعلق یہ امر متفق علیہ ہے کہ جب کسی شخصیت کے بارے میں متعلقہ مآخذ کے بیانات مختلف یا متضاد ہوں تو ایسی صورت میں علمی دیانت کا تقاضا ہے کہ دونوں طرح کے بیانات کو پہلے سند کے اعتبار سے پرکھا جائے پھر یہ دیکھا جائے، کہ جو روایات صحیح سند سے ثابت ہیں ان میں باہم کسی طرح کا اختلاف وتضاد ہے یا نہیں؟ اگر مستند روایات کے مابین اختلاف ہو تو مثبت علمی انداز میں تطبیق کی کوشش کی جائے لیکن اگر روایات مساوی طور پر مستند نہ ہوں تو پھر تطبیق کا سوال نہیں بلکہ غیر صحیح روایات کا ترک ضروری ہے، مگر بعض مصنفین کے یہاں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ روایات کی استنادی حیثیت کا لحاظ کیے بغیر اپنے مدعا کے اثبات کی کوشش کرتے ہیں اور یہیں سے فکری انحراف اور تلبیس کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور متضاد روایات کی وجہ سے لوگ الجھن کا شکار ہو جاتے ہیں۔

فضائل ومناقب کے باب میں یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ کسی مصنف کو اگر کسی شخصیت یا گروہ سے عقیدت ہے تو اس کی فضیلت وبرتری کو ثابت کرنے کے لیے ایسا اسلوب اختیار کرنا چاہیے جس سے کسی دوسری شخصیت یا گروہ کی تخفیف وتنقیص کا کوئی پہلو نمایاں نہ ہو۔ جو لوگ اس امر کو ملحوظ نہیں رکھتے ان کی روش سے ردوقدح کا ایک وسیع باب کھل جاتا ہے اور بہت سی علمی حقیقتیں پامال ہو جاتی ہیں، نیز جواب میں دوسری شخصیتوں اور گروہ کی تنقیص وتخفیف بھی ہونے لگتی ہے۔

ائمہ کرام کے ساتھ محبت وعقیدت کا اظہار کرنے والے افراد جب ان کی زندگی اور کارناموں سے متعلق مباحث میں

جانبداری کا اسلوب اختیار کرتے ہیں تو اس سے گروہی عصبیت کو ابھرنے کا موقع ملتا ہے اور خود ائمہ کرام کے مقاصد کو ٹھیس لگتی ہے، کیونکہ ائمہ کے اقوال وافکار سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ گروہ بندی ان کی نظر میں مذموم ہے اور وہ فکر ونظر کے اختلاف کو تفرقہ کی بنیاد بنانے کے سخت مخالف ہیں۔ معاصرین اور شاگردوں کے ساتھ اختلاف میں ان کے موقف سے قطعی طور پر اس خیال کی تائید ہوتی ہے، ورنہ آج ہر امام کی تقلید کرنے والوں کے مابین بھی متعدد فرقوں کا وجود نظر آتا۔ افسوس ہے کہ آج کچھ لوگ ائمہ کے مسلک کی حمایت کے خیال میں گروہ بندی کے رجحان کو تقویت پہنچا رہے ہیں اور انھیں یہ خبر نہیں کہ ائمہ کی زندگی اور ان کے مقاصد سے وہ کس قدر دور جا رہے ہیں۔

گروہی عصبیت کی گرفت جب مضبوط ہوتی ہے تو انسان سے ایسی حرکتیں سرزد ہوتی ہیں جنھیں علم وتحقیق کی دنیا میں ہر شخص نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، مگر ایسا کرنے والا شخص اپنی روش کی کوئی نہ کوئی تاویل کر لیتا ہے، تقریباً پچھلی دو تین دہائیوں سے عربی مخطوطات کی اشاعت کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے اس میں بھی گروہی عصبیت اور بعض ائمہ کے ساتھ عقیدت میں غلو کے آثار نمایاں ہیں، بعض ناشرین کی جرأت وہنرمندی یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ مخطوطات کی طباعت کے وقت اگر کسی شخصیت کا ترجمہ ان کو پسند نہیں آیا تو اس کو حذف کر دیا یا پھر مندرجات کو ایسا معنی پہنایا جس پر "تأويل القول بما لا يرضىٰ به القائل" والا مقولہ صادق آتا ہے۔ ایسی جرأت کا محرک معلوم نہیں کیا ہوتا ہے، لیکن اس امر پر تعجب ہوتا ہے کہ جو لوگ دوسروں پر جرح وتنقید کے سلسلہ میں تیزی دکھاتے ہیں انھیں خود تنقید برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں ہوتا اور تنقید سے گھبرا کر وہ تحریف وتاویل بلکہ مسخ وحذف تک کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں۔ چنانچہ مکہ مکرمہ میں ایک دوست نے اپنے کتب خانہ میں ضعیف رواۃ سے متعلق ایک کتاب کا مخطوطہ دکھایا جس کے مصنف بہت معروف ہیں، مجھے دیکھ کر بہت حیرت اور افسوس ہوا کہ ایک شخصیت کے ترجمہ پر روشنائی کے دھبے اس طرح ڈال دیے گئے تھے کہ پوری عبارت مٹ گئی تھی۔

عصبیت وتنگ ظرفی کی ایسی مثال پہلی بار میرے سامنے آئی تھی، مسلکی بنیاد پر جدل ومناظرہ کی گرم بازاری وہنگامہ خیزی کے ماحول میں آنکھیں کھولنے والے شخص کے لیے اس حرکت کا کوئی جواز سمجھ میں نہیں آیا، مخطوطہ کے ایک صفحہ سے چند سطروں کو مٹا کر ذہن کی جس تنگی اور بزدلی کا ثبوت دیا گیا ہے اس سے اسلاف کے اس رویہ پر حرف آتا ہے جو اپنے مخالفین کے سلسلہ میں انھوں نے اختیا کیا تھا۔ یقیناً اگر وہ اس طرح کی چھوٹی حرکتوں پر اتر آتے تو آج کتابوں میں ایسے مواد ہی نہ ہوتے کہ مذکورہ فعل کے ارتکاب کی ضرورت پیش آتی مگر ان کے سامنے معاملہ اخلاص واعانت کا تھا۔ علمی جرأت وحقیقت پسندی انھیں عزیز تھی اس لیے انھیں ترجموں کو حذف کرنے یا کہیں تحریر پر دھبے ڈالنے کی ضرورت نہ محسوس ہوتی۔

مولانا شبلی نعمانی مرحوم نے سیرۃ النعمان میں مجلس تدوین کی تشکیل کی جو بات کہی تھی اس کا مآخذ تو نہ معلوم ہو سکا لیکن یہ یقین ہے کہ شبلی کی حیثیت اس مسئلہ میں "مورخ" کی نہیں بلکہ "مقلد" کی ہے۔ اگر معاملہ تقلید کا نہ ہوتا تو مجلس تدوین کے ممبران کے سلسلہ میں جس استحالہ کا ذکر صاحب حسن البیان نے کیا ہے اس پر مولانا مرحوم کی نظر ضرور جاتی۔ مولانا مرحوم نے اپنے اندازہ سے مجلس کے ممبران کی تعداد دس تک پہنچائی تھی مگر ان کے بعد انوار الباری کے باحوصلہ مؤلف نے ممبران کی تعداد چالیس تک پہنچا دی ہے، کسی علمی مجلس کی تشکیل اور اس کے ممبران کی تعداد میں اضافہ علمی دنیا کی خوشی کا باعث ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ ایسا ممکن ہو اور

ممبران کے سالہائے پیدائش ووفات عصرتدوین کا ساتھ دے سکیں۔

تخیل کی مدد سے کسی مجلس کا وجوداورممبران کی تعداد وغیرہ متعین کرنے کی جرأت کرنا یقیناً مستحسن ہوتا جبکہ مجلس کی مدون کی ہوئی فقہ علمی دنیا کے سامنے ہوتی اور اسے کم ازکم محدثین کی انفرادی کوششوں ہی جیسا استناد حاصل ہوتا،لیکن صورت حال یہ ہے کہ مجلس کی تیس سالہ محنت کا ثمرہ نہ تو مدون شکل میں دنیا کے سامنے ہے نہ ہی اس پر تعامل کا کوئی سراغ ملتا ہے۔فقہی ذخیرہ کو اعتبار واستناد کا مقام دلانے کی خواہش اصل میں اس اختراع کا محرک بنی،لیکن علمی دنیا ایسی کوئی چیز تسلیم کرنے کے لیے کیسے تیار ہوسکتی ہے؟

مصنف انوار الباری کو یہ خوش فہمی تھی کہ مولانا انور شاہ کشمیری اورشیخ زاہد کوثری کی تحریروں کی اشاعت کے بعد اہلحدیث محاذ ٹوٹ گیا، اورشاید اس خوش فہمی کی بناء پر انھوں نے مجلس تدوین کے ممبران کی تعداد کے سلسلہ میں مذکورہ حوصلہ مندی کا ثبوت دیا۔

اب ’’اللمحات‘‘ کی تیسری جلد ان کے سامنے ہے، تدوین سے متعلق ان کی معروضات کے ایک معتد بہ حصہ پر اس جلد میں تبصرہ ہوگیا ہے اور بقیہ امور چوتھی جلد میں سامنے آئیں گے۔ان شاء اللہ تعالیٰ۔اس جلد سے مصنف انوار الباری کومجلس تدوین کے متعلق حقائق کے ساتھ ساتھ محاذ کے بارے میں بھی اندازہ ہوگا کہ اس کی قوت ختم ہوچکی یا باقی ہے؟

ہماری گزارش ہے کہ موصوف تاریخی اور علمی معیار کو سامنے رکھتے ہوئے ٹھنڈے دل سے اپنے معروضوں پر ایک بار پھر غور کرلیں،ممکن ہے اصولِ بحث وتحقیق کا اشارہ کسی اور جانب ہو۔

(مقتدیٰ حسن ازہری)

جامعہ سلفیہ، بنارس

۱۸/۶/۵/۱۴ھ

تقریظ منظوم

از عبدالوہاب حجازی استاذِ حدیث جامعہ سلفیہ بنارس

زندگی کی تیرگی میں نورِ قرآن وحدیث
سرد راتوں میں ضیائے طور قرآن وحدیث

باد پیمائے سموم و صرصرِ رائے وقیاس
تہ بہ تہ ظلمات میں قبلہ نمائے حق شناس

وہ بخاری جس کی عظمت ہے سراپا معجزہ
اورکتاب اس کی ہے صدقِ مصطفے کا معجزہ

پھر زمینِ شور نے خورشید پہ ڈالے غبار
پھر ببولوں نے دکھائے عشوۂ سرووچنار

ساغروں نے پھر دکھائی بحر نوشی کی ہوس
طائرِ شب رنگ کو جلوہ فروشی کی ہوس

آج پھر تقلید کے جوہڑ میں اک جنبش ہوئی
چشمۂ صافیٔ سنت سے کسے رنجش ہوئی

پھر من و تو کی کمندیں بام پر ڈالی گئیں
کیا نئے انداز سے پھر سازشیں پا لی گئی

آہ صدیوں سے نہیں واقف ہوئے اس راز سے
کیا ممولے جیت سکتے ہیں کسی شہباز سے

اک طرف سنت کے شیروں کی قطار اندر قطار
دوسری جانب غزالِ رائے صحرائے تتار

اک طرف دشت عرب کے اسپ وفرسان اصیل
اک طرف دست عجم میں گاؤ عجمی کی نکیل

پھر بڑھا میدان میں سنت کا راہوارِ قلم
دیدنی ہے حق پسندوں کو یہ رفتارِ قلم

حق پسند وحق نگار و نکتہ سنج ونکتہ داں
آمدِ تحریر جیسے موج دریا ہو رواں

کیا سجائے ہیں زرد گوہر کے خرمن دیکھیے
چھوڑیے تقلید کا گلخن یہ گلشن دیکھیے

عدل کے میزان میں تلتی ہوئی ہر بات ہے
لشکرِ تقلید کا ہر ایک مہرہ مات ہے

حضرت ندوی کی سعی جادواں کا شکریہ
اک فریضہ تھا جماعت کا وہ پورا کردیا

حق پرستوں کے لیے اک بے بہا سوغات ہے
ظلمت تقلید میں سنت کی ''اللمحات'' ہے

ہے حجازی کی دعا مقبولِ خاص وعام ہو
اس شرابِ حق سے اب خالی نہ کوئی جام ہو

تمہید از مصنف

الحمد للّٰه رب العالمين، والصلوة والسلام على خاتم النبيين وسيد المرسلين محمد وعلى آلہٖ وأصحابہٖ وأتباعہٖ وأهل بيته أجمعين. ونشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وأن محمداً رسول اللّٰه. **أما بعد!**

اللہ رب العالمین کےفضل واحسان کی بدولت میری زیرتصنیف کتاب "اللمحات إلى ما في أنوار الباري من الظلمات" کے دو حصے طبع ہوکر لوگوں کے سامنے گزشتہ دوتین سالوں میں آچکے ہیں، زیرنظر حصہ اس کتاب کی تیسری جلد ہے۔

ناظرین کرام گزشتہ جلدوں کی طرح اس جلد کے مطالعہ سے بھی ان شاء اللہ تعالیٰ مصنف انوار الباری اوران کے ہم خیال لوگوں کی ان باتوں کی حقیقت سے بخوبی آگاہ ہوسکیں گے جن کو یہ لوگ خالص علمی ودینی اورتحقیقی خدمت کے نام پر تحریری وتقریری صورت میں پیش کیا کرتے ہیں۔

اس جلد میں مصنف انوار الباری کے ذکر کردہ مناقب وفضائل ابی حنیفہ وچہل رکنی مجلس تدوین کی حقیقت واضح ہوگئی ہے، اللہ تعالیٰ میری اس علمی ودینی خدمت کومفید ومقبول بنائے۔آمین۔وهو المستعان على ما يصفون.

محمد رئیس ندوی

مدرس جامعہ سلفیہ بنارس

منگل ۱۷/ ربیع الاول ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۱ دسمبر ۱۹۸۴ء

گزشتہ صفحات میں امام صاحب کی مدح وفضیلت میں واردہ شدہ متعدد روایات کی حقیقت ظاہر کی جا چکی ہے، جن کو مصنف انوار اوران کے ہم مزاج لوگوں نے صحیح ومعتبر قرار دے کر دلیل وحجت بنا لیا اور دعویٰ کر دیا کہ افراط وتفریط سے ہٹ کر خالص علمی وتحقیقی نقطۂ نظر سے صرف معتدل باتیں ہی ہم نے لکھی ہیں۔

گزشتہ صفحات میں مدح ابی حنیفہ سے متعلق جن روایات کی حقیقت واضح کی گئی ہے ان کی اجمالی فہرست درج ذیل ہے۔

۱۔ حدیث نبوی میں امام صاحب کو سراج الامۃ کہا گیا ہے۔❶

۲۔ حدیث نبوی میں امام صاحب کو سابق الامۃ کہا گیا ہے۔❷ نیز حدیث نبوی میں امام صاحب کو ''الامام الاعظم'' کہا گیا ہے۔❸

۳۔ حدیث نبوی میں پیش گوئی کی گئی ہے کہ امام صاحب آخری زمانے میں ظہور پذیر ہوں گے۔❹

۴۔ امام صاحب نے خواب میں اپنے آپ کو قبرِ نبوی کھودتے دیکھا جس کی تعبیر ابن سیرین نے یہ بتلائی کہ خواب مذکور کو دیکھنے والے امام ابوحنیفہ مہر نبوت جیسی نشانی سے بہرہ ور ہوں گے اور دین خداوندی وسنت نبویہ کو زندہ کریں گے۔❺

۵۔ متعدد صحابہ مثلا حضرت علی وابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ نے امام صاحب کے متعلق بشارت دی اور ان کی مدح کی۔❻

۶۔ امام صاحب کے ظہور کی بشارت کتب سابقہ تورات وانجیل وغیرہ میں ہے۔❼

۷۔ تقلیلِ روایتِ حدیث میں امام صاحب اکابر صحابہ مثلاً حضرت عمر فاروق، عثمان غنی، علی مرتضی، زبیر بن عوام، ابن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہ کے طور وطریق پر تھے۔❽

۸۔ امام صاحب کے فقہی مسلک کے مورث اعلیٰ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ (صحابی) اور علقمہ وابراہیم نخعی (تابعی) تھے۔❾

۹۔ متعدد صحابہ کو امام صاحب نے دیکھا، متعدد صحابہ سے امام صاحب نے ملاقات کی، متعدد صحابہ سے امام صاحب نے سماع حدیث کیا۔❿

۱۰۔ امام صاحب فارسی الاصل ہیں اس لیے ان پر "لو کان الدين معلقا عند الثريا" والی حدیث نبوی منطبق ہوتی ہے۔⓫

۱۱۔ امام صاحب کا آبائی وطن، حسب ونسب اور آبائی پیشہ وکاروبار۔⓬ مدحِ کوفہ کے ذریعہ مدحِ ابی حنیفہ کی حقیقت۔⓭

❶ اللمحات (۱/ ۹۱ تا ۹۴ و ۴۳۶)
❷ اللمحات (۱/ ۹۴، ۹۵)
❸ اللمحات (۲/)
❹ اللمحات (۱/ ۹۵)
❺ اللمحات (۱/ ۹۵، ۹۶ و ۲/ ۴۶۳ تا ۵۰۰)
❻ اللمحات (۱/ ۹۷، ۹۸ و ۴۳۶، ۴۳۷)
❼ اللمحات (۱/ ۹۶ و ۴۳۹ تا ۴۴۳)
❽ اللمحات (۱/ ۱۷۰ تا ۲۴۹)
❾ اللمحات (۱/ ۳۴۸ تا ۳۷۲ و ۴۱۴ تا ۴۳۵)
❿ اللمحات (۱/ ۱۰۲ تا ۱۱۷ و ۲/ ۲۳۸ تا ۴۴۳)
⓫ اللمحات (۲/ ۱۰۹ تا ۲۲۷)
⓬ اللمحات (۲/ ۱۲۳ تا ۲۳۸)
⓭ اللمحات (۳۳۸ تا ۴۹۱)

۱۲۔ امام صاحب کی ابراہیم نخعی، جعفر صادق، محمد بن السائب کلبی، عبدالکریم بن مسعر وغیرہ نے مدح کی۔ ❶

۱۳۔ امام صاحب شاگردِ نخعی تھے۔ ❷

۱۴۔ امام صاحب شاگردِ عامر شعبی تھے۔ ❸

۱۵۔ امام صاحب متعدد صحابہ کے علاوہ چار ہزار اساتذہ کے شاگرد تھے۔ ❹

۱۶۔ امام صاحب نے حماد بن ابی سلیمان سے اٹھارہ سال یا اس سے زیادہ عرصہ تک حدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کی۔ ❺ امام صاحب کے دیگر اساتذہ۔ ❻

۱۷۔ امام صاحب کی مدح ایوب سختیانی۔ ❼

۱۸۔ امام صاحب کی امام شعبہ نے مدح کی۔ ❽

۱۹۔ امام صاحب نخعی، حماد، علقمہ، اسود، ابن سیرین، قتادہ، حسن بصری، شریح اور تمام لوگوں سے اُفقہ ہیں۔ ❾

۲۰۔ عقیدۂ خلق قرآن اور امام صاحب۔ ❿

۲۱۔ بذریعہ مدحِ کوفہ امام صاحب کی مدح سرائی۔ ⓫

یہ ایک اجمالی فہرست ہے ۔ورنہ ناظرین کرام دیکھ چکے ہیں کہ اللمحات کی پہلی اور دوسری جلدوں میں فضائل امام صاحب سے متعلق مصنف انوار اوران کے ہم مزاج لوگوں خصوصًا کوثری گروپ کے افراد کی ذکر کردہ بہت ساری باتوں کی حقیقت واشگاف کی گئی ہے۔ اب ہم امام صاحب کے فضائل سے متعلق مصنف انوار اوران کے ہم مزاج لوگوں کی ذکر کردہ دوسری باتوں کی حقیقت بھی واضح کرنی چاہتے ہیں۔

ناظرین کرام کو اس تفصیل سے امام صاحب کے فضائل ومناقب میں وارد شدہ ان روایات کی حقیقت کا اندازہ بھی بخوبی ہو جائے گا جن کا ذکر کتب مناقب میں اگرچہ موجود ہے مگر اختصار کے پیش نظر ہم نے ان کا ذکر نہیں کیا۔ ہم نے انھیں روایات پر بحث کی ہے جن کو مصنف انوار اوران جیسے لوگوں نے صحیح ومعتبر قرار دے کر حجت بنا رکھا ہے، ضمناً دوسری ایسی روایات کا بھی ذکر آ گیا ہے جو اہل مناقب کے یہاں زیادہ شہرت پذیر ہیں، اس سے ناظرین کرام خود سمجھ سکتے ہیں کہ جن روایات کو خالص علمی، تحقیقی اور دینی نقطۂ نظر سے صحیح ومعتبر اور معتدل قرار دے لیا گیا ہے ان کا جب یہ حال ہے تو مصنف انوار نے جن روایات کے ذکر سے اعراض واغماض کیا ہے ان کا کیا حال ہوگا؟

امام صاحب کی مدح وفضیلت میں مختلف عناوین کے تحت مصنف انوار نے بہت سارے لوگوں کی طرف منسوب اقوال

---

❶ اللمحات (١/ ٩٦ تا ٩٩)

❷ اللمحات (١/ ٣٦٤،٣٦٥)

❸ اللمحات (١/ ٣٧٠ تا ٣٨٨)

❹ اللمحات (٢/٩٧ تا ١٠٢)

❺ اللمحات (١/٤٤٥ تا ٤٥٤ و ٢/ ٤تا٧٤)

❻ اللمحات (١/ ٣٩٧ تا ٤٩٤ و ٢/١/٩٧٨١)

❼ اللمحات (١/١٤٠ تا ١٥٢ و٢/٤٤٢ تا ٤٥٢)

❽ اللمحات (١/٤٣٢، ٤٣٣ و٢/ ٧٤ تا ٩٢)

❾ اللمحات (١/٤٠٦ و ٤٣٩ و ٤٧٨)

❿ اللمحات (٢/ ٤ تا ٥٧ و ٤٩٢ تا ٤٩٩)

⓫ اللمحات (١/ ٣٣٨ تا ٤٩٤ و٢/ ١٠٢)

نقل کیے ہیں لیکن امام عبداللہ بن المبارک اور سفیان ثوری کی طرف منسوب اقوال کونقل کرنے کی طرف خصوصی توجہ دی ہے، اس لیے ہم پہلے انھیں دونوں حضرات کی طرف منسوب اقوال پر بحث شروع کرتے ہیں۔

البتہ اس سلسلے میں بطور تمہید عرض ہے کہ ناظرین کرام دیکھ آئے ہیں کہ امام صاحب کے فضائل ومناقب میں وسیع پیمانے پر وضع روایات کرنے والوں نے متعدد احادیث تک گھڑ کر رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کردی ہیں، جب صورت حال یہ ہوتو دوسروں کی طرف امام صاحب کے جتنے بھی فضائل ومناقب منسوب کر دیے جائیں کم ہیں۔خود امام صاحب نے صراحت کر دی ہے کہ میرے تلامذہ میری بابت بہت سی مکذوبہ باتیں تحریری اورزبانی طور پر پھیلانے کا کاروبار کرتے ہیں۔اس سلسلے میں بہت ساری مثالوں کا تذکرہ آچکا ہے لیکن اس جگہ ایک مثال ناظرین کرام کے سامنے اورپیش کی جارہی ہے۔ملاحظہ ہو:

امام ابن کاس نخعی حنفی اورخطیب ناقل ہیں:

”عن أبي يوسف بينما أنا أمشي مع أبي حنيفة إذ سمع رجلا يقول لرجل: هذا أبوحنيفة لا ينام الليل، فقال أبوحنيفة: سبحان الله ألا ترى الله نشر لنا هذا الذكر؟ أو ليس بقبيح أن يعلم الله ضد ذلك، و الله لا يحدث الناس عني بما لا أفعل، فكان يحيى الليل صلوة ودعاءاً وتضرعا.“ [1]

''امام ابو یوسف نے کہا کہ میں امام صاحب کے ساتھ چل رہا تھا کہ موصوف امام صاحب نے سنا کہ ایک آدمی دوسرے آدمی سے یہ بات کر رہا تھا کہ یہ امام ابوحنیفہ ہیں جو رات بھر سوتے نہیں ہیں یعنی پوری رات تہجد گزاری وعبادت میں صرف کرتے ہیں۔ یہ سن کر امام صاحب نے ابو یوسف کو خطاب کر کے کہا کہ کیا تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں میں ہمارا ذکر خیر اور ہماری عبادت وریاضت کا کیسا شہرہ و چرچا پھیلا رکھا ہے؟ یہ تو بہت بری اورخراب بات ہے کہ ہماری عبادت وفضیلت سے متعلق ایسی بات لوگوں میں پھیل چکی ہے جس کی بابت اللہ تعالیٰ کو یہ علم ہے کہ ہمارے اندر یہ فضیلت ومنقبت اورعبادت وریاضت پائی نہیں جاتی۔اب میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ لوگ میری عبادت و ریاضت سے متعلق ایسی باتیں نہیں کہیں گے جو میرے اندر نہیں پائی جاتیں۔ چنانچہ اس کے بعد امام صاحب رات بھر نماز ودعا اور تضرع کرنے لگے۔''

امام ابن کاس نخعی نے کہا:

”حدثنا محمد بن الحسن بن مكرم حدثنا بشر بن الوليد عن أبي يوسف قال: بينا أنا أمشي مع أبي حنيفة إذ سمع رجلا يقول: هذا أبوحنيفة لا ينام الليل، فقال أبوحنيفة: والله لا يحدث عني بما لا أفعل، فكان يحيى الليل صلوة ودعاءا و تضرعا.“ [2]

''امام ابو یوسف نے کہا کہ میں امام ابوحنیفہ کے ساتھ چل رہا تھا کہ امام صاحب نے ایک آدمی کو یہ کہتے ہوئے

---

[1] عقود الجمان (ص: ۲۱۳ بحواله مناقب أبي حنيفة لابن كاس النخعي) وخطيب (۳۵۵/۱۳)

[2] خطيب (۳۵۵/۱۳ بحواله مناقب أبي حنيفة لابن كاس النخعي)

سنا کہ یہ ابوحنیفہ ہیں جو رات بھر نہیں سوتے، یعنی موصوف رات بھر تہجد پڑھتے اور عبادت کرتے رہتے ہیں۔ اس آدمی کی بات سن کر امام صاحب نے فرمایا: خدا کی قسم میرے بارے میں یہ ایسی بات کہی جا رہی ہے جو میں کرتا نہیں ہوں۔ میں آئندہ سے ایسا نہیں ہونے دوں گا کہ میرے اندر جو بات نہیں ہے وہ بھی بیان کی جائے، چنانچہ اس کے بعد امام صاحب رات میں تہجد، دعا خوانی اور تضرع کرنے لگے۔''

امام صیمری ناقل ہیں:

"عن أبي يوسف بينما أمشي مع أبي حنيفة إذ سمع الصبيان يصيحون: هذا أبوحنيفة الذي لا ينام الليل، فقال لي: يا أبا يوسف أما ترى ما يقوله هؤلآء الصبيان؟ فللّٰه علي أن لا أضع جنبي بفراش حتى ألقى اللّٰه تعالى." [1]

''ابو یوسف نے کہا کہ میں امام صاحب کے ساتھ جا رہا تھا کہ بہت سارے بچے بہت چیخ وپکار کر کہہ رہے تھے کہ یہ ابوحنیفہ ہیں جو رات بھر نہیں سوتے تو امام صاحب نے کہا کہ اے ابو یوسف! دیکھتے ہو کہ یہ بچے کیا کہہ رہے ہیں؟ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آئندہ سے بستر سے اپنا پہلو نہیں لگاؤں گا یعنی رات بھر جاگ کر تہجد گزاری کروں گا۔''

بشر بن الولید سے مروی ہے:

"سمعت أبا يوسف يقول: كنت أمشي يوما مع أبي حنيفة فبلغنا طرف سكة، فيها يجمع الناس، فإذا صبيان ينادون: هذا أبوحنيفة يقوم الليل كله، قال: فاستحى أبوحنيفة من القوم، فلما توسطنا السكة، قال لي أبوحنيفة: يا يعقوب! الناس يظنون بنا ما ليس فينا، قال: أعاهد اللّٰه أن لا أضع جنبي بالليل حتى ألقى اللّٰه عزوجل، قال: فكان بعد ذلك يصلي الليل كله، لا ينام حتى لقي اللّٰه عزوجل، قال الموفق وأخرجه الحارثي عن جعفر بن محمد بن علي الحميدي عن أبيه عن جده قال: كنت أنا وأبو يوسف وأسد بن عمرو، وأبو داود الطيالسي نمشي مع أبي حنيفة فلما بلغنا محلة بجيلة والباقي سواء." [2]

''ابو یوسف نے کہا کہ میں ابوحنیفہ کے ساتھ چل رہا تھا اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ امام صاحب کے ساتھ ابو یوسف کے علاوہ علی حمیدی، اسد بن عمرو اور ابوداود طیالسی بھی چل رہے تھے کہ لوگوں کے جمع ہونے کے ایک مقام پر پہنچے تو وہاں بچے پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ یہ ابوحنیفہ ہیں جو رات بھر تہجد پڑھتے ہیں۔ یہ بات سن کر امام ابوحنیفہ شرما گئے اور کہنے لگے کہ ہمارے اندر جو بات عبادت وریاضت سے متعلق نہیں ہے وہ لوگ بیان کرتے ہیں اور ہمارے بارے میں اس طرح کا حسن ظن رکھتے ہیں جس سے ہم عاری وخالی ہیں، اس لیے ہم آئندہ سے بستر پر پہلو بھی نہیں لگائیں گے، چنانچہ اس کے بعد امام صاحب رات بھر تہجد پڑھتے تھے۔''

---

[1] مناقب أبي حنيفة للصيمري (ص:٤١، ٤٢)

[2] موفق (١/٢٤١، ٢٤٢)

حافظ خطیب ناقل ہیں:

”عن يحيى بن فضيل قال: كنت مع جماعة فأقبل أبوحنيفة، فقال بعض القوم: ما ترونه؟ ما ينام هذا الليل، وسمع أبوحنيفة ذلك، فقال: أراني عند الناس خلاف ما أنا عند الله لا توسدت فراشا حتى ألقى الله، قال يحيى: فكان أبو حنيفة يقوم الليل كله حتى توفي أو قال: حتى مات.“ [1]

”یحییٰ بن فضیل نے کہا کہ میں لوگوں کی ایک جماعت کے ساتھ تھا کہ اتنے میں امام ابوحنیفہ آ گئے تو بعض لوگ کہنے لگے کہ آپ لوگ کیا سمجھتے ہیں؟ موصوف ابوحنیفہ رات بھر نہیں سوتے۔ یہ بات امام صاحب نے سن لی اور موصوف فرمانے لگے کہ میرے اندر اللہ کے یہاں جو بات نہیں پائی جا رہی ہے لوگ اس کا چرچا کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ بات میرے اندر موجود ہے، اب آئندہ سے میں کبھی رات بھر نہیں سویا کروں گا، چنانچہ اسی دن سے امام صاحب رات بھر تہجد پڑھا کرتے تھے چنانچہ وفات تک موصوف ایسا ہی کرتے رہے۔“

مذکورہ بالا روایات سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ امام صاحب کی زندگی میں بذریعہ پروپیگنڈہ عوام الناس اور خواص میں امام صاحب کے فضائل ومناقب سے متعلق بہت ساری ایسی باتوں مثلاً عبادت وریاضت، تہجد گزاری وشب بیداری، دعا خوانی وغیرہ کی تشہیر واشاعت اور ترویج کر دی گئی تھی جو بتصریح امام صاحب ان کے اندر پائی نہیں جاتی تھیں۔ لہٰذا ناظرین کرام مندرجہ بالا روایات کو اوران کے ہم معنی دوسری تمام روایات کو پیش نظر رکھتے ہوئے آنے والے مباحث کا مطالعہ انصاف واعتدال کے ساتھ کریں۔

مذکورہ بالا روایات کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب نے ابویوسف، ابوداود طیالسی، اسد بن عمرو، علی الحمیدی اور یحییٰ بن فضیل کے سامنے اس بات کی صراحت کی تھی کہ عوام الناس اور خواص میں خلاف امر واقع یہ شہرت ہوگئی ہے کہ میں شب زندہ دار اور تہجد گزار آدمی ہوں، نیز اسی موقع پر موصوف نے یہ عہد کیا تھا کہ آئندہ سے پوری رات میں تہجد گزاری وشب بیداری میں صرف کروں گا۔ چنانچہ موصوف نے اس پر عمل بھی کیا، اور یہ معلوم ہے کہ امام ابوداود طیالسی ۱۳۰، ۱۳۱ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ابویوسف ۱۱۳ھ میں، یہ بالکل واضح بات ہے کہ جس زمانہ میں امام ابوداود طیالسی امام صاحب کے شاگرد ومصاحب کی حیثیت سے امام صاحب کے ساتھ چلنے پھرنے کے لائق ہوئے ہوں گے اس وقت ان کی عمر پندرہ سولہ سال سے کم نہ ہوگی، لہٰذا اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ ۱۴۶/ ۱۴۷ھ تک بہرحال امام صاحب نہ تہجد گزار تھے نہ شب بیدار، اس کے بعد ہی واقعۂ مذکورہ کے سبب موصوف نے یہ عہد کیا کہ ہم تہجد گزار بن جائیں گے، یعنی اگر موصوف کی تہجد گزاری سے متعلق داستانیں صحیح مانی جاسکتی ہیں تو صرف اس حد تک کہ اپنی زندگی کے بالکل اواخر میں موصوف تہجد پڑھنے لگے تھے۔

مذکورہ بالا روایات سے ان اختراعی وخانہ ساز داستانوں کی تکذیب ہوتی ہے جن کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب ساٹھ سال تک یا چالیس، پچاس سال تک یا عرصہ دراز تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز اس طرح پڑھتے رہے کہ رات بھر تہجد اور

---

[1] خطیب (۱۱/۳۵۵) وعقود الجمان (ص:۲۱۳)

عبادت وریاضت نیز تلاوتِ قرآن میں بسر کرتے تھے، مگر مشکل یہ ہے کہ جن کتب مناقب کے بیانات کو مصنف انوار وحی الٰہی کی طرح حجت ومعتبر مانتے ہیں ان میں یہ تصریح بھی ہے کہ امام صاحب کی عبادت وریاضت اور تہجد گزاری صرف ابتدائی عمر کی بات ہے ورنہ موصوف امام صاحب نے اپنی زندگی کے اواخر میں قیاس ورائے سے اشتغال کے سبب عبادت وریاضت اور تہجد گزاری میں بھاری تخفیف اور کمی کر دی تھی، جیسا کہ تفصیل خیرات الحسان پر تنقید میں آرہی ہے۔

مذکورہ بالا روایات انھیں کتب مناقب ابی حنیفہ میں اسی طرح کی اسانید سے مروی ومنقول ہیں جن کو مصنفِ انوار وحی الٰہی کی طرح حجت مانتے ہیں، خصوصًا یہ روایات ان امام ابویوسف سے مروی ہیں جن کی طرف امام صاحب کو تابعی قرار دینے والی روایات منسوب ہیں۔ نیز دوسرے فضائل ومناقب ابی حنیفہ بھی اسی طرح کی اسانید وطرق سے مروی ہیں، امید ہے کہ ناظرین کرام ان باتوں کو پیش نظر رکھیں گے۔

امام صاحب کے بارے میں مروی بعض روایات کو مصنف انوار اوران کے ہم مزاج لوگ اگرچہ مدح وفضیلت کی بات سمجھتے ہیں مگر درحقیقت معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے، جس کی مثالوں میں سے خواب میں امام صاحب کے قبرِ نبوی کھودنے سے متعلق روایات ہیں۔ ان روایات اوران کے معنی ومحل پر مفصل بحث اللمحات (۲/۴۶۳ تا ۴۸۹) میں گزر چکی ہے۔

بعض روایات کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب کے کسی وصف خاص کا ذکر بعض اسلاف نے کر دیا ہے، جس سے زیادہ سے زیادہ امام صاحب کے اسی وصف خاص کی مدح مستفاد ہوتی ہے اوراس کے حقیقی معنی ومطلب بھی مختلف ہو سکتے ہیں، مگر مصنف انوار اوران کے ہم مزاج اسے مدح عام کی دلیل بنائے ہوئے ہیں اوراس سلسلے میں تحقیقی نقطۂ نظر سے جو باتیں قابل غور وفکر اورلائق تسلیم واعتراف ہیں ان سے یہ لوگ آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ مثلاً امام شافعی سے مروی ہے:

"الناس عيال على هؤلاء الخمسة، من أراد أن يتبحر في الفقه فهو عيال على أبي حنيفة، قال: وسمعته يقول: كان أبو حنيفة ممن وفق له الفقه، ومن أراد أن يتبحر في الشعر فهو عيال على زهير بن أبي سلمى، ومن أراد يتبحر في المغازي فهو عيال على محمد بن إسحاق، ومن أراد أن يتبحر في النحو فهو عيال على الكسائي، ومن أراد أن يتبحر في تفسير القرآن فهو عيال على مقاتل بن سليمان." [1]

"یعنی لوگ پانچ قسم کے علوم وفنون میں پانچ افراد کے ضرورتمند ہیں۔ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے موصوف ابوحنیفہ کو فقہ کی توفیق وموافقت حاصل تھی، شعر میں زہیر بن ابی سلمی کے، مغازی میں محمد بن اسحاق کے، نحو میں کسائی اورتفسیر قرآن میں مقاتل بن سلیمان کے۔"

مصنف انوار کے استاذ کوثری نے امام صاحب کی فقہ سے متعلق امام شافعی سے منقول مذکورہ بالا قول کو باعتبار سند متواتر کہا ہے، حالانکہ روایت مذکورہ "مشہور" کے درجہ کو بھی نہیں پہنچتی چہ جائیکہ یہ متواتر ہو؟ مگر حقیقت یہ ہے کہ روایت مذکورہ کے الفاظِ متن میں اختلاف ہے۔ مناقب صیمری میں ہے کہ امام شافعی کا ارشاد یہ ہے:

---

[1] خطیب (۱۳/۳٤٦) وعام کتب مناقب.

"الناس عيال عليه في القياس والاستحسان."[1]

''یعنی لوگ فنِ قیاس واستحسان میں امام صاحب کے حاجت مند ہیں۔''

اس کا حاصل یہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے امام صاحب کے قیاس واستحسان کے متعلق یہ بات کہی ہے کہ اس معاملہ میں لوگ موصوف کے ضرورت مند ہیں اور چونکہ عام احناف قیاس واستحسان کو فقہ سمجھے ہوئے ہیں اس لیے اپنی اس اصطلاح کے مطابق بزعم خویش روایت بالمعنی کرتے ہوئے بعض رواۃ نے امام شافعی کے قول قیاس واستحسان کے بجائے لفظ فقہ کے ساتھ تعبیر کر دیا، حالانکہ قیاس واستحسان ''فقہ'' سے مختلف چیز ہے اور قیاس واستحسان میں ماہر ہونا فقہ میں ماہر ہونے کو مستلزم نہیں ہے، البتہ اگر قیاس واستحسان کو مجازاً یا اپنی اصطلاح کے مطابق فقہ کہہ دیا جائے تو اس معنی میں قیاس واستحسان میں ماہر ہونا فقہ میں ماہر ہونے کو مستلزم ہے۔

ہم بتلائیں گے کہ فقہ اور قیاس واستحسان حقیقت میں دو مختلف چیزیں ہیں جن کے درمیان فرقِ عظیم ہے، اور قول مذکور کا انتساب بالفرض امام شافعی کی طرف صحیح ہے تو اس کا حاصل یہ ہے کہ موصوف امام شافعی نے فقہ میں نہیں بلکہ قیاس واستحسان میں لوگوں کو امام صاحب کا محتاج بتلایا ہے۔ امام صاحب کے جس مسئلہ قیاس ورائے کو کچھ لوگ اپنی اصطلاح کے مطابق فقہ کہتے ہیں اسے بقول امام یحییٰ بن آدم (متوفی ۲۰۳ھ) امام سفیان ثوری، شریک بن عبداللہ اور حسن بن صالح فقہ کے بجائے ''الخصومات'' یعنی لڑائی جھگڑے والی باتیں کہتے تھے۔ چنانچہ ان تمام حضرات کا یہ قول بسند معتبر منقول ہے:

"أدركنا أبا حنيفة وما يعرف بشيء من الفقه ما نعرفه إلا بالخصومات."[2]

''امام صاحب فقہ سے کچھ بھی واقف وآشنا نہیں تھے، ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ موصوف ''خصومات'' سے واقف تھے۔''

مذکورہ بالا روایت معتبر ہے۔ اس معنی ومفہوم کی دوسری روایات آئندہ صفحات میں آئیں گی۔ اس لیے یہ ماننا لازم ہے کہ امام شافعی نے مذکورہ بالا بات فقہ ابی حنیفہ نہیں بلکہ امام ابوحنیفہ کے قیاس ورائے سے متعلق کہی ہے۔ نیز مذکورہ بالا روایت کے مضمون کے الفاظ میں بھی اختلاف ہے، جیسا کہ مندرجہ ذیل روایت سے پتہ چلتا ہے۔:

"الناس كلهم عيال على ثلاثة، علىٰ مقاتل في التفسير وعلى زهير بن أبي سلمى في الشعر، وعلى أبي حنيفة في الكلام."[3]

''لوگ تین فنون میں تین اشخاص کے حاجت مند ہیں، تفسیر میں مقاتل کے، شعر میں زہیر بن ابی سلمیٰ کے، کلام میں امام ابوحنیفہ کے۔''

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مذکورہ بالا روایت میں امام شافعی کی طرف یہ منسوب کیا گیا ہے کہ لوگ علم کلام میں امام صاحب کے حاجت مند ہیں، صاف ظاہر ہے کہ امام شافعی سے مروی اس روایت کے مضمون میں معنوی اختلاف موجود ہے، اس

[1] مناقب أبي حنيفه للصيمري (ص:١٢) ومناقب أبي حنيفة للموفق (٢/ ٣١)
[2] خطيب (١٣٢/ ٤٠٦)
[3] خطیب (١٦١/١٣ وعام کتب مناقب ابی حنیفہ)

سے قطع نظر ان روایات کا حاصل یہ ہے کہ امام شافعی نے امام صاحب کے قیاس واستحسان بمعنی فقہ کی اور موصوف کے علم کلام کی مدح کی ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے امور میں بھی موصوف نے مدح کی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مذکورہ بالا روایات میں امام صاحب کی فقہ، قیاس یا کلام کی طرح امام شافعی نے مقاتل بن سلیمان کے علمِ تفسیر کی مدح کی ہے، مگر عام اہل علم نے روایت حدیث میں مقاتل مذکور کو غیر ثقہ اور کذاب ووضاع کہا ہے۔[1]

امام شافعی رحمہ اللہ سے منقول ہے:

"أبوحنيفة يضع أول المسألة خطأ، ثم يقيس الكتاب كله عليها، ما أعلم أحدا وضع الكتب أدل على عوار قوله من أبي حنيفة."[2]

''امام صاحب اپنا ایک غلط اصول وضع کرتے ہیں پھر اسے بنیاد بنا کر مسائل کی ایک پوری کتاب بذریعہ قیاس مرتب کر دیتے ہیں۔ میں امام صاحب سے زیادہ کوئی ایسا آدمی نہیں جانتا جو دلائل سے خالی وعاری کتابیں لکھتا ہو۔''

ناظرین کرام امام شافعی سے منقول مذکورہ بالا دونوں قسم کے اقوال غور سے ملاحظہ فرمائیں اور دونوں کا موازنہ کریں تو حقیقت امر خود بخود منکشف ہو جائے گی۔ اس بات کا تذکرہ آ چکا ہے کہ امام صاحب نے خود یہ صراحت اور وضاحت کر رکھی ہے کہ جس علم وفن سے ہمارا اشتغال وانہماک رہا کرتا ہے وہ خالص رائے وقیاس ہے۔ نیز امام صاحب کے اس فرمان کے مطابق امام صاحب کے عام معاصرین اور بعد کے اہل علم نے بھی تصریحات کی ہیں۔ ان باتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ناظرین کرام آئندہ مباحث کا مطالعہ کریں اور ساتھ ہی ساتھ بطور نمونہ مندرجہ ذیل روایت صحیحہ کو بھی ملحوظ رکھیں:

قال الحافظ سليمان بن حرب: كلمت يحيى بن أكثم، فقال: إني لست بصاحب رأي، وذكر أبا حنيفة فقلت له: دع التنازع، ولكن كان في زمانه أئمة بالكوفة وغير الكوفة، فأخبرني برجل واحد حمد أمره ورأيه؟ فقال سليمان: فسكت ساعة...الخ.[3]

''حافظ سلیمان بن حرب نے یحییٰ بن اکثم سے کہا کہ امام ابوحنیفہ کے زمانے میں کوفہ کے اندر یا کوفہ کے باہر اگر کسی امام نے امام صاحب کے طور وطریق اور قیاس ورائے کی مدح کی ہو تو اس کا نام لو۔ یعنی کسی بھی کوفی وغیر کوفی امام نے امام صاحب کی کسی چیز کی مدح نہیں کی، اس پر یحییٰ خاموش رہے۔''

مذکورہ بالا روایت سنداً صحیح ہے جس پر مفصل بحث آگے آ رہی ہے۔

یہ ایک واضح بات ہے کہ امام سلیمان بن حرب نے امام صاحب کے امر اور رائے کو اگرچہ غیر محمود کہا ہے اور اسے تمام کوفی وغیر کوفی اہل علم کا موقف قرار دیا ہے، مگر موصوف کی یہ بات ان کے اور ان کے ہم خیال لوگوں کے اپنے نظریہ وعلم کے مطابق ہے ورنہ امام صاحب کے امر اور رائے کی حمد وثنا کرنے والے مصنف انوار جیسے لوگوں کی بھی اچھی خاصی تعداد ہے،

---

[1] میزان الإعتدال وخطیب وعام کتب تراجم۔

[2] خطیب (١٣/ ٤١٠) التنكيل بما في تأنيب الكوثري من الأباطيل (١/ ٤١٦ تا ٤١٩)

[3] المعرفة والتأريخ للفسوي (٣/ ١٠٠)

یعنی اختلافِ نظریہ کی بنا پر ایک چیز کو کچھ لوگ مذموم مگر دوسرے لوگ محمود سمجھتے ہیں۔ یہ اتنی واضح بات ہے کہ اس کی وضاحت کی حاجت نہیں مگر مصنف انوار اور اراکین تحریک کوثری نیز اس طرح کے دوسرے لوگوں کی تقریبِ فہم کے لیے بطور مثال عرض ہے کہ مصنف انوار جن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو فقہ حنفی کا مورث اعلیٰ قرار دیے ہوئے ہیں وہ اعمال کو جزو ایمان مانتے اور ایمان میں کمی بیشی کے قائل ہیں۔ [1]

یہی بات قرآن مجید کی بہت سی آیات صریحہ اور احادیث نبویہ سے ثابت ہے۔ عام صحابہ وتابعین کا یہی عقیدہ ونظریہ تھا۔ ان حضرات کی پیروی کرنے والے اسلاف واخلاف کی نظر میں اس عقیدہ کے خلاف دوسرا نظریہ قائم کر لینا ان آیات واحادیث کی مخالفت وانکار کے مترادف ہے۔ دریں صورت ان آیات واحادیث نبویہ کی تاویل وتوجیہ کر کے یہ دعوی کرنا کہ یہ آیات واحادیث اعمال کے جزو ایمان ہونے اور ایمان میں کمی بیشی ہونے پر دلالت نہیں کرتی ان حضرات کے نزدیک تاویل وتوجیہ کے بجائے دراصل معنوی تحریف اور مسخِ حقیقت ہے اور ایمان میں کمی بیشی نہ ہونے اور اعمال کے جزو ایمان نہ ہونے کا عقیدہ ونظریہ ان حضرات کے نقطۂ نظر سے بدعت وضلالت ہے۔ اس عقیدہ ونظریہ کو یہ لوگ اپنی اصطلاح میں ''ارجاء'' اور اس کے معتقدین کو ''مرجیہ'' کہتے ہیں۔ مرجیہ کئی فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں اور ان کے درمیان متعدد نظریات وعقائد میں باہم اختلاف ہے مگر مرجیہ کے تمام فرقے اس عقیدہ پر متفق ہیں کہ اعمال جزو ایمان نہیں اور ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی، عام اہل علم کی نظر میں یہ فرقہ دراصل فرقہ جہمیہ کی ایک شاخ ہے اور ان کے بعض فرقے کلمہ توحید کی تصدیق واقرار کے بعد کسی بھی قول وعمل کو ایمان کے لیے مضر نہیں مانتے خواہ وہ سراسر موجبِ کفر وضلالت ہو۔ امام صاحب کے زمانہ میں عام محدثین کرام مرجیہ کے تمام فرقوں کو ناپسند کرتے اور انھیں بدعتی قرار دیتے، ان کی تردید کرتے اور انھیں نشانۂ تنقید وتجریح بناتے تھے۔

[1] اللمحات (۱/۳۵۵)

ایمان میں کمی بیشی کے معتقد معاصرین ابی حنیفہ

امام سوید بن سعید ابو محمد ہروی حدثانی انباری (مولود ۱۴۰ھ ومتوفی ۲۴۰ھ) نے کہا:

"سمعت مالك بن أنس، وحماد بن زيد، وسفيان بن عيينة، والفضيل بن عياض، وشريك بن عبد الله، ويحيى بن سليم، ومسلم بن خالد، وهشام بن سليمان المخزومي، وجرير بن عبد الحميد، وعلي بن مسهر، وعبدة۔ وعبد الله بن إدريس، وحفص بن غياث، و وكيع، ومحمد بن فضيل، وعبد الرحيم بن سليمان، وعبد العزيز بن أبي حازم، والدراوردي، وإسماعيل بن جعفر، وحاتم بن إسماعيل، وعبد الله بن يزيد المقرئ، وجميع من حملت عنهم العلم يقولون: الإيمان قول وعمل، يزيد وينقص، والقرآن كلام الله، وصفة ذاته غير مخلوق، من قال: إنه مخلوق، فهو كافر بالله العظيم، وأفضل أصحاب رسول الله ﷺ أبوبكر وعمر وعثمان وعلي رضى الله عنهم، قال عمران: وبذلك أقول، وبه أدين الله عزوجل، وما رأيت محمدياً قط إلا وهو يقوله."[1]

''علمائے مذکورین ایمان میں کمی بیشی کے معتقد تھے اور قرآن کے غیر مخلوق ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے۔ عمران بن موسیٰ جرجانی نے کہا کہ میرا دین وایمان بھی یہی ہے اور ہر محمدی کو میں نے اسی طرح کا پایا، سوید بن سعید نے کہا کہ میں نے جتنے لوگوں سے بھی علم حاصل کیا وہ یہی عقیدہ رکھتے تھے۔''

سوید بن سعید انباری امام صاحب کے ہم وطن یعنی انبار کے باشندے تھے، انہیں امام صاحب کی دس سال معاصرت حاصل رہی، ان کے مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کے عام معاصر اہل علم ایمان میں کمی بیشی کے قائل تھے۔[2]

سوید بن سعید انباری کا ترجمہ:

امام ابو محمد سوید بن سعید ہروی حدثانی انباری (مولود ۱۴۰ھ ومتوفی ۲۴۰ھ) نہایت صحیح العقیدہ وصحیح الروایہ محدّث اور امام صاحب کے معاصر تھے۔ ان کی احادیث امام مسلم نے صحیح مسلم میں نقل کی ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ موصوف پر اگر کسی قسم کا کوئی کلام بھی ہے تو وہ ناقابل اعتبار ہے۔ مسلم نے موصوف کو ''ثقہ ثقہ'' یعنی لفظ ثقہ کی تکرار کے ساتھ ثقہ قرار دیا ہے جو توثیق میں پختگی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ عجلی اور دوسرے اہل علم نے بھی موصوف کی توثیق کی ہے۔[3] سوید نے مذکورہ بالا جن

---

[1] الأسماء والصفات للبيهقي (ص: ١٨٤) نیز ملاحظہ ہو: كتاب الإيمان لابن تيمية (ص: ١٦١، ١٦٢ بحواله كتاب الإيمان لأبي عبيد قاسم بن سلام)

[2] نیز ملاحظہ ہو: كتاب السنة للإمام عبد الله بن أحمد بن حنبل (ص: ٧٢ تا ١٠٦)

[3] ماحصل از تهذيب التهذيب وميزان الاعتدال وتقريب وغیرہ۔

حضرات کو ایمان میں کمی بیشی کا عقیدہ رکھنے والا بتلایا ہے ان میں سے چھ حضرات اراکین مجلس تدوین بھی ہیں، یعنی فضیل بن عیاض، شریک بن عبداللہ، علی بن مسہر، عبداللہ بن ادریس، حفص بن غیاث اوروکیع۔ نیز یہی نظریہ چہل رکنی مجلس تدوین کے بیشتر ارکان سے بھی منقول ہے۔ (کماسیأتي)

اہل سنّت اورمرجیہ کی تعریف امام وکیع کی زبانی:

امام وکیع سے منقول ہے:

"أهل السنة يقولون: الإيمان قول وعمل، والمرجئة يقولون: الإيمان قول، وفي رواية: المرجئة يقولون: الإقرار يجزي من العمل." [1]

''یعنی اہل سنت ایمان کوقول وعمل سے مرکب مانتے اور مرجیہ عمل کے بغیر صرف قول واقرار کو ایمان قرار دیتے ہیں۔''

مصنف انوار امام وکیع کو امام صاحب کی چہل رکنی مجلس تدوین کا رکن قرار دیے ہوئے ہیں، ان کے مندرجہ بالا قول کے مطابق امام صاحب اور ان کے ہم مسلک لوگ اہل سنت کے علاوہ فرقۂ مرجیہ کے افراد قرار پاتے ہیں، اسی طرح دوسرے متعدد اراکین مجلس تدوین کے اقوال بھی یہی ہیں۔

ایمان میں کمی بیشی نہ ماننے والوں پر مجلسِ تدوین کے ایک رکن امام عبداللہ بن ادریس کا تبصرہ:

مصنف انوار نے امام صاحب کے ایک معاصر امام عبداللہ بن ادریس کوفی (مولود ۱۱۵ھ ومتوفی ۱۹۲ھ) کو امام صاحب کا ہم مسلک شاگرد قرار دے کر دعوی کررکھا ہے کہ موصوف امام عبداللہ بن ادریس بھی امام صاحب کی قائم کردہ مجلس تدوین فقہ کے ان چہل ارکان میں ہیں جن کو امام صاحب نے ۱۲۰ھ میں مجلس تدوین کا رکن منتخب کرلیا تھا اور انتخاب سے پہلے اس چہل رکنی مجلس کا ہر رکن بلند پایہ محدث وفقیہ ومجتہد بن گیا تھا (كما سيأتي التفصيل) حالانکہ مصنف انوار نے خود امام عبداللہ بن ادریس کا سال ولادت ۱۱۵ھ بتلایا ہے۔ [2] دریں صورت موصوف اپنی ولادت کے پانچ سال بعد ہی کیسے محدّث وفقیہ بن کر مجلس تدوین کے رکن منتخب ہوئے ہوں گے؟ اس طرح کا دعوی مصنف انوار نے مجلس تدوین کے بہت سے اراکین کے بارے میں کررکھا ہے جس پر تفصیلی بحث آئندہ صفحات میں آئے گی۔ اس سے قطع نظر اس جگہ یہ کہنا مقصود ہے کہ مصنف انوار نے جن امام عبداللہ بن ادریس کو امام صاحب کا ہم مسلک وہم عقیدہ شاگرد اور ان کی قائم کردہ چہل رکنی مجلس تدوین کا رکن قرار دیا ہے وہ فرماتے ہیں:

"كذاب من زعم أن الايمان لا يزيد ولا ينقص" [3]

''جوشخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی وہ کذاب اور جھوٹا ہے۔''

---

[1] كتاب الإيمان لابن تيمية (ص: ١٦٠)

[2] مقدمه أنوار (١ / ٢٠٥)

[3] خطيب (١٣ / ٣٨٣)

عبداللہ بن ادریس کے تبصرہ مذکور کی سند کی تصحیح:

امام عبد اللہ بن ادریس کا یہ قول امام ابومحمد رجاء بن السندی النیسا پوری الاسفرائنی (متوفی ۲۲۱ھ) نے نقل کیا ہے جو ثقہ وصدوق اور بقول امام حاکم "رکن من أرکان الحدیث" ہیں۔[1] رجاء موصوف سے اس روایت کے ناقل امام جعفر بن محمد بن شاکر ابومحمد الصائغ البغدادی (متوفی ۲۷۹ھ) بلند پایہ ثقہ وصدوق اورصالح وزاہد ہیں۔[2] جعفر الصائغ سے اس روایت کے ناقل محمد بن جعفر بن ہیثم الانباری اور محمد بن عبداللہ الشافعی ہیں، ان میں سے اول الذکر یعنی محمد بن جعفر بن ہیثم الانباری (مولود ۲٦۷/ ۲٦۸ھ ومتوفی ۳٦۰ھ) ثقہ ہیں، ان کے بارے میں امام برقانی سے پوچھا گیا کہ "ھل تکلم فیه أحد؟" کیا ان پر کسی نے کلام کیا ہے؟ تو موصوف نے کہا "ولا، وکان سماعه صحیحا بخط أبیه"[3] یعنی ان پر کسی قسم کا کسی نے کلام نہیں کیا ہے اور یہ صحیح السماع ہیں۔ ان کی متابعت امام محمد بن عبداللہ بن ابراہیم ابوبکر البزار الشافعی (مولود ۲٦۰ھ ومتوفی ۳۵۴ھ) نے کر رکھی ہے جو بقول امام دارقطنی "ثقه مأمون، ما کان في ذلك الزمان أوثق منه" تھے۔ امام خطیب نے کہا: "کان ثقة ثبتا کثیر الحدیث حسن التصنیف"[4]

حاصل یہ کہ جعفر صائغ سے اس روایت کی نقل میں دو ثقہ اماموں نے ایک دوسرے کی متابعت کر رکھی ہے، اور محمد بن جعفر انباری سے اسے امام خطیب کے دو ثقہ اساتذہ محمد بن احمد بن رزق اور برقانی نے نقل کیا ہے اور شافعی سے حسین بن شجاع صوفی (متوفی ۴۲۳ھ) نے، اور حسین موصوف ثقہ ہیں۔[5]

حاصل یہ کہ روایت مذکورہ صحیح ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ مصنف انوار نے جن امام عبداللہ بن ادریس کو امام صاحب کا ہم مسلک شاگرد اور ان کی چہل رکنی مجلس تدوین کا رکن قرار دے رکھا ہے وہ ایمان میں کمی بیشی کا عقیدہ نہ رکھنے والوں کو کذاب کہتے ہیں۔

ایمان میں کمی بیشی نہ ماننے والوں پر امام سفیان ثوری کا تبصرہ:

ناظرین کرام! ابن ادریس کے مذکورہ بالا قول پر غور کریں۔ اسی طرح مصنف انوار سفیان ثوری کو امام صاحب کا ہم مسلک ومداح بتلاتے ہیں مگر امام سفیان ثوری کا ارشاد ہے:

"خالفتنا المرجئة في ثلاث، نحن نقول: الإیمان قول و عمل، وهم یقولون: الإیمان قول بلا عمل، ونحن نقول: یزید و ینقص، وهم یقولون: لا یزید ولا ینقص، ونحن نقول: نحن مؤمنون بالإقرار، وهم یقولون: نحن مؤمنون عند الله."[6]

---

[1] تهذیب التهذیب (۳/ ۲٦۷، ۲٦۸) والتنکیل (۱/۲۵۳، ۲۵٤)

[2] خطیب (۷/ ۱۷٦) وتهذیب التهذیب (۲/ ۱۰۲) والتنکیل (۱/ ۲۱۸) وطلیعة التنکیل (ص: ۱۰۹، ۱۱۰)

[3] خطیب (۲/۱۵۰، ۱۵۱) والتنکیل (۱/ ٤۳٤)

[4] خطیب (٥/٤٥٦ تا ٤٥۸) وتذکرة الحفاظ والتنکیل (۱/ ٤٥۳)

[5] خطیب (۸/ ٥۳) [6] حلیة الأولیاء (۷/ ۲۹)

''یعنی مرجیہ تین مسائل میں ہمارے مخالف ہیں (۱) ہم ایمان میں عمل کو داخل مانتے ہیں وہ نہیں مانتے۔(۲) ہم ایمان میں کمی بیشی کے قائل ہیں وہ نہیں ہیں (۳) ہم کہتے ہیں کہ باعتبار اقرار ہم مومن ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم عند اللہ بھی مومن ہیں۔''❶

مذکورہ بالا بات امام سفیان بن عیینہ اور فضیل بن عیاض نیز متعدد اہل علم سے بھی کئی سندوں کے ساتھ معنوی طور پر مروی ہے۔❷ ایک دوسری روایت میں ہے:

''ليس أحد أبعد من كتاب اللهمن المرجئة.''❸

''مرجیہ کے بالمقابل کوئی دوسرا فرقہ کتاب اللہ سے دور نہیں ہے۔''

حتی کہ امام سفیان ثوری مرجیہ کی نماز میں بھی شریک نہیں ہوتے تھے۔❹ مرجیہ کے بارے میں امام ابراہیم نخعی کے اقوال ہم درج کر آئے ہیں اور بتلا آئے ہیں کہ وفات نخعی کے بعد جب حماد مرجی المذہب ہوگئے تو امام نخعی کے تمام ہم مسلک تلامذہ ومتوسلین نے وصیتِ نخعی کے مطابق حماد کا بائیکاٹ کردیا اور ان سے سلام و کلام بھی بند کر دیا۔ بدعویٰ مصنف انوار امام صاحب بھی حماد کے ہم مسلک تھے اور یہ بالکل معروف ومشہور بات ہے کہ امام صاحب ایمان میں اعمال کو داخل نہیں مانتے اور نہ اس میں کمی بیشی کے قائل ہیں، مگر ان کے عام معاصرین اس نظریہ کو ارجاء قرار دے کر اس پر تنقید کرتے تھے، یہ تنقید اختلاف نظریہ کی بنیاد پر تھی، اس طرح کئی معاملہ میں اختلافِ نظریہ کے سبب امام صاحب اپنے معاصرین کے نشانۂ تنقید وتجریح بنے۔ جس کی ایک مثال امام عبداللہ بن ادریس سے بسند صحیح مروی مذکورہ بالا روایت بھی ہے۔ اس طرح امام صاحب کے عام معاصر اہل علم حتی کہ کتنے اراکین مجلس تدوین سے امام صاحب پر مختلف انداز کی تنقید وتجریح منقول ہے۔ امام سفیان ثوری ایمان میں کمی بیشی نہ ہونے کے عقیدہ اور ایمان میں اعمال کو داخل نہ ماننے کے عقیدہ کی بابت فرماتے تھے:

''هو رأي محدث أدركنا الناس علىٰ غيره.''❺

''یہ ایجاد واختراع کردہ بدعتی عقیدہ ہے، ہم نے لوگوں (مراد اسلاف کرام) کو اس کے خلاف عقیدہ والا پایا ہے۔''

امام یحییٰ بن سعید قطان کا یہ عقیدہ کہ ایمان میں عمل داخل ہے اور ایمان گھٹتا بڑھتا ہے:

''قال الإمام أحمد بن حنبل: سمعت يحيى بن سعيد القطان: ما أدركنا من أصحابنا ولا بلغني إلا على الاستثناء والإيمان قول و عمل، وحسن يحيى الزيادة والنقصان ورآه.''

''امام یحییٰ بن سعید قطان نے کہا کہ ہم نے اپنے اصحاب واسلاف میں سے کسی کو ایسا نہیں پایا جو ایمان میں عمل کو داخل نہ مانتا ہو۔ نیز موصوف یحییٰ قطان کا عقیدہ یہ تھا کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔''❻

---

❶ نیز ملاحظہ ہو: كتاب الإيمان لابن خزيمة۔

❷ كتاب السنة للإمام عبد الله بن أحمد بن حنبل۔

❸ حلية الأولياء (٧/٢٩) ❹ حلية الأولياء (٧/ ٢٩) وتهذيب التهذيب (١١٥/١٠ ترجمه مسعر)

❹ كتاب السنة لعبد الله بن أحمد بن حنبل (ص: ٧٣)

❻ كتاب السنة لعبد الله بن أحمد بن حنبل (ص: ٧٣)

مصنف انوار نے امام یحییٰ بن سعید قطان کو چہل رکنی مجلس کا رکن قرار دیا ہے مگر ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ یحییٰ قطان کا ایمان وعقیدہ اور مذہب ومسلک امام ابو حنیفہ سے مختلف تھا، حتیٰ کہ اپنے اس مذہب ومسلک کو موصوف قطان اپنے تمام اصحاب واسلاف کا مذہب قرار دیتے ہیں، جس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ امام یحییٰ قطان امام صاحب کے مسلک ومذہب کو مسلکِ اسلاف کے خلاف سمجھتے تھے، مگر افسوس کہ مصنف انوار یحییٰ قطان کو حنفی المذہب قرار دیتے ہیں۔ اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ اختلاف نظریہ کی بنا پر کچھ اہل علم بعض لوگوں پر تنقیدیں کرتے ہیں، اس لیے ان امور کو بھی ملحوظ رکھتے ہوئے اقوال جرح وتعدیل کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

امام عبداللہ بن المبارک بھی اعمال کو ایمان میں داخل مانتے اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے اور اس کے خلاف موصوف بھی عام اہل علم کی طرح اس معاملہ میں امام ابو حنیفہ کے عقیدہ ونظریہ کو بدعت ومحدث اور اختراعی مذہب قرار دیتے تھے۔ جس کی تفصیل امام عبداللہ بن احمد بن حنبل کی کتاب السنۃ اور امام ابن تیمیہ کی کتاب الایمان نیز دوسرے اسلاف کی متعدد کتابوں میں موجود ہے۔ اب ناظرین کرام آنے والے مباحث کا بغور مطالعہ فرمائیں۔

مدح امام صاحب میں ابن المبارک سے مروی روایات کا جائزہ:

''عبادت و ورع'' کا عنوان قائم کر کے مصنف انوار نے سب سے پہلے مندرجہ ذیل روایت نقل کی ہے:

''حضرت عبداللہ بن المبارک کا قول ہے کہ میں نے کوفہ پہنچ کر پوچھا کہ کوفہ والوں میں سب سے زیادہ پارسا (أورع) کون ہے؟ تو لوگوں نے کہا کہ ابوحنیفہ۔''[1]

روایت مذکورہ مصنف انوار کے ممدوح موفق معتزلی نے مندرجہ ذیل سند سے نقل کی ہے:

"أخبرنا الخلال أخبرنا الحريري أن النخعي حدثهم أنبأنا سليمان بن الربيع أنبأنا حبان بن موسى سمعت ابن المبارك ...الخ."[2]

اس سند میں واقع شدہ راوی سلیمان بن الربیع نہدی کوفی متروک وساقط الاعتبار ہے۔[3] ایسی ساقط الاعتبار روایت کو مصنف انوار کا معتبر وصحیح قرار دے لینا کیا معنی رکھتا ہے؟ یہ معلوم ہے کہ ابن المبارک ۱۴۰ھ کے بعد وارِدِ کوفہ ہوئے تھے اور یہ ثابت ہے کہ بقول امام صاحب امام صاحب کے تلامذہ امام صاحب کے بارے میں بہت ساری خود ساختہ مکذوبہ باتیں تحریری وتقریری طور پر لوگوں میں رائج کیا کرتے تھے۔[4] اس لیے بعید نہیں کہ ابن المبارک کو اسی طرح کے کذابین نے مذکورہ بالا بات بتلائی ہو ورنہ درحقیقت ابن المبارک کی طرف اس روایت کا انتساب صحیح نہیں ہے۔ موفق نے روایت مذکورہ نقل کرنے کے بعد کہا:

"قلت: وأورد هذا الحديث الإمام الحارثي أطول من هذا، بروايته عن إسماعيل بن بشر

---

[1] مقدمہ أنوار (۱/ ۵۵)

[2] مناقب موفق (۱/ ۱۹۳) وخطیب (۱۳/ ۳۵۷، ۳۵۸) وعام کتب مناقب۔

[3] لسان الميزان ترجمة سليمان (۳/ ۹۱) وترجمہ همام بن مسلم زاهد (۱/ ۱۹۹، ۲۰۰)

[4] اللمحات (۲/ ٤۹۹، طبع قديم)

عن علي بن حبيب عن ابن المبارك، قال: دخلت الكوفة، فسألت عن أفقه أهلها، فقيل لي: أبوحنيفة، وسألت عن أزهد أهلها، فقيل لي: أبو حنيفة، و سألت عن أورع أهلها فقيل لي: أبوحنيفة.“[1]

”یعنی حارثی نے روایت مذکورہ سلیمان نہدی کے بالمقابل زیادہ طویل تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے، جس میں ابن المبارک کا یہ قول منقول ہے کہ میں کوفہ وارد ہوا تو میں نے پوچھا یہاں سب سے زیادہ فقیہ کون ہے؟ جواب ملا ابوحنیفہ، پھر میں نے پوچھا کہ سب سے زیادہ زاہد اور پارسا کون ہے؟ تو جواب ملا ابوحنیفہ۔“

روایت مذکورہ کا واضع حارثی کذاب ہے، جس کی طبیعت سلیمان نہدی والی روایت سے آسودہ نہیں ہورہی تھی تو اس نے اسے وضع کرلیا مگر اس وضعی روایت کو مصنف انوار نے صحیح ومعتبر قرار دے کر حجت بنالیا ہے۔[2]

آگے چل کر مصنف انوار نے اسی روایت کو بحوالہ حدائق الحنفیہ (ص: ۷۶) ذرا مختلف الفاظ میں نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

”یہ بھی بیان کیا (یعنی ابن المبارک نے بیان کیا) کہ میں کوفہ پہنچا تو وہاں کے علماء سے سوال کیا تمھارے شہر میں کون سب سے بڑا عالم ہے؟ سب نے کہا کہ ابوحنیفہ، پھر پوچھا کہ سب سے زیادہ پرہیز گار کون ہے؟ تو سب نے کہا کہ ابوحنیفہ، پھر کہا کہ سب سے زیادہ عابد اور علم سے شغل رکھنے والا کون ہے؟ تو جواب ملا کہ ابوحنیفہ، غرض میں نے اخلاق محمودہ وحسنہ میں سے جس وصف کا بھی سوال کیا سب نے امام صاحب ہی کو افضل وبرتر بتلایا۔“[3]

مصنف انوار نے مذکورہ بالا روایت حدائق الحنفیہ سے نقل کی ہے، جس میں مندرج روایات کی اسناد حذف کر دی گئی ہیں، نیز مصنف حدائق الحنفیہ بھی مصنف انوار کی طرح اکاذیب کو معتبر باتیں کہنے کے عادی ہیں۔

مندرجہ بالا افسانوی کہانیوں میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ابن المبارک کو اہل کوفہ نے امام صاحب کی بابت مذکورہ باتیں بتلائی تھیں مگر جن کتب مناقب کی روایات کو مصنف انوار اور ان کے ہم مزاج نصوص کتاب وسنت کی طرح حجت بنانے کے عادی ہیں ان میں امام صاحب کے جلیل القدر استاذ امام باقر محمد بن علی سے منقول ہے کہ اہل کوفہ کذاب ہیں۔[4] پھر کوفہ کے مجہول افراد کی بیان کردہ یہ بات کیونکر مقبول ہوسکتی ہے؟

مذکورہ بالا روایت اور اس کے ہم معنی جملہ روایات کی تکذیب وتردید حافظ سلیمان بن حرب کے مندرجہ ذیل بیان سے ہوتی ہے:

”كلمت يحيى بن أكثم، فقال: إني لست بصاحب رأي، قال: وذكر أبا حنيفة، فقلت له: دع التنازع، ولكن كان في زمانه أئمة بالكوفة وغير الكوفة، فأخبرني برجل واحد حمد أمره ورأيه؟ قال سليمان: فسكت ساعة.“[5]

”حافظ سلیمان بن حرب نے کہا کہ میں نے یحییٰ بن اکثم سے ایک علمی مسئلہ پر گفتگو کی تو یحییٰ نے کہا کہ میں

---

[1] موفق (۱/ ۱۹۳)

[2] مقدمہ أنوار (۱/ ۷۳، بحوالہ موفق وانتصار وکردری وغیرہ)

[3] مقدمہ أنوار (۱/ ۹۶)

[4] اللمحات (۱/۴۷۶) نیز ملاحظہ ہو: اللمحات (۱/ ۳۴۲ تا ۳۴۵) و تاریخ فسوی (۲/۷۴۶ تا ۷۶۰)

[5] تاریخ یعقوب فسوي (۲/ ۷۹۴)

صاحب الرای نہیں ہوں۔ نیز یحییٰ نے دوران گفتگو امام ابوحنیفہ کا ذکر کر دیا تو حافظ سلیمان نے کہا کہ تنازع مت کھڑا کرو بلکہ یہ بتلاؤ کہ امام حنیفہ کے زمانہ میں کوفہ کے اندر اور کوفہ کے علاوہ دوسری بستیوں میں ائمہ کرام موجود تھے، بھلا امام صاحب کے معاصر اماموں میں سے کسی فرد بشر نے بھی امام صاحب کی رائے یا ان کی کسی بھی چیز کی مدح وتوصیف کی ہے؟ حافظ سلیمان کہتے ہیں کہ میرے اس سوال کے جواب میں یحییٰ بن اکثم تھوڑی دیر خاموش رہے، پھر موصوف دوسری بات کی طرف رخ پھرتے ہوئے بطریق جریر عن مغیرہ ایک روایت بیان کرنے لگے..الخ۔''

روایت مذکورہ باعتبار سند نہایت صحیح ومعتبر ہے۔ اسے بیان کرنے والے حافظ سلیمان بن حرب صحیحین کے رواۃ میں سے ہیں۔[1] اور یہ معلوم ہے کہ مصنف انوار اور ان کے شیخ انور صحیح بخاری کے رواۃ کو ثقہ مانتے ہیں۔ موصوف حافظ سلیمان بقول خویش ۱۴۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۲۳ھ یا ۲۲۴ھ میں فوت ہوئے۔[2] اس اعتبار سے موصوف سلیمان امام صاحب کے معاصر بھی ہیں۔ موصوف سلیمان سے روایت مذکورہ کو ان کے ثقہ شاگرد یعقوب بن سفیان فسوی نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے، یعقوب فسوی مشہور ثقہ امام ہیں۔[3] یحییٰ بن اکثم امام صاحب کی وفات کے کئی سال بعد ۱۵۹ھ میں پیدا ہوئے تھے، لہٰذا اس روایت کا مفاد یہ ہے کہ یحییٰ سے حافظ سلیمان نے مذکورہ بالا بات ۱۵۹ھ کے بعد کہی تھی، جس کا مفاد یہ ہے کہ حافظ سلیمان نے پورے چیلنج کے ساتھ یہ دعوی کیا کہ امام صاحب کے معاصر اماموں میں سے، خواہ کوفہ کے ہوں یا غیر کوفہ کے، کسی نے بھی امام صاحب کے کسی وصف حتی کہ امام صاحب کے وصف خاص ''رائے'' کی بھی تحسین وتوصیف نہیں کی۔ نیز حافظ سلیمان کے اس چیلنج کا کوئی جواب یحییٰ بن اکثم نہیں دے سکے، حالانکہ مصنف انوار نے یحییٰ بن اکثم کو مشہور حنفی محدث، فقیہ اور امام محمد کا شاگرد خاص بتلایا ہے۔[4]

حافظ سلیمان کے بیان مذکور کی تائید وتصدیق میں واردشدہ دوسرے معاصرین وغیر معاصرین ابی حنیفہ کا ذکر اس جگہ کرکے ہم بات لمبی نہیں کرنا چاہتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مدح امام صاحب میں واردشدہ جن روایات کا ذکر مصنف انوار نے کیا ہے نیز جن کا ذکر موصوف کسی وجہ سے نہیں کر سکے وہ سب حافظ سلیمان کی نظر میں مکذوب وبے اصل ہیں۔ اس کا اعتراف مصنف انوار کے ممدوح پیشرو یحییٰ بن اکثم نے بھی حافظ سلیمان کے چیلنج کے جواب میں خاموشی کے ذریعہ کیا تھا۔ دریں صورت مصنف انوار اپنے ممدوح یحییٰ بن اکثم کے خلاف مدح امام صاحب میں ساقط الاعتبار ومکذوبہ روایات کو کیوں صحیح ومعتبر بتلا کر حجت بنائے ہوئے ہیں؟ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ امام صاحب نے اپنی بیان کردہ عام علمی وفقہی باتوں کو مجموعۂ اغلاط کہا ہے، یعنی امام صاحب کے اپنے فرمان ہی سے حافظ سلیمان کے قول مذکور کی پوری تصدیق ہو جاتی ہے۔

واضح رہے کہ حافظ سلیمان کی مذکورہ بات حافظ سلیمان کے نقطۂ نظر سے ان کی معلومات کے مطابق ہے ورنہ امام صاحب کے ہم عصر لوگوں میں سے جو لوگ امام صاحب کے ہم مذہب تھے، وہ بہر حال امام صاحب کے مسلک رائے کے مداح ہونے کے

[1] الجمع بين رجال الصحيحين اور عام کتب رجال۔
[2] تاريخ خطيب وتهذيب التهذيب۔ [3] تذكره الحفاظ (۲/ ۱٤٦)
[4] مقدمه انوار (۱/ ۲۳۸) وجواهر المضيئة (۲/ ۲۱۰، ۲۱۱)

ساتھ امام صاحب کی مہارت رائے کی تحسین کرتے رہتے ہوں گے، لیکن حافظ سلیمان کے نزدیک اس طرح کے لوگوں کی بات کا غالبًا کوئی اعتبار نہیں تھا، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حافظ سلیمان کی اس بات کا آخر یحیٰی کوئی جواب کیوں نہیں دے سکے؟

مصنف انوار حسبِ عادت فرماتے ہیں:

''ان ہی کا یعنی امام عبد اللہ بن المبارک کا یہ قول بھی ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہ سے زیادہ پارسا کسی کو نہیں دیکھا۔ حالانکہ دروں (کوڑوں) سے، مال سے اور دولت سے امام صاحب کی آزمائش کی گئی۔''[1]

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار کی دلیل بنائی ہوئی مذکورہ بالا روایت کی سند درج ذیل ہے:

"أخبرنا الحسن أخبرنا ابن الصواف حدثنا محمود بن محمد المروزي قال: سمعت حامد بن آدم يقول: سمعت ابن المبارك ...الخ."[2]

یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ اس سند میں واقع شدہ راوی حامد بن آدم مروزی کذاب ہے۔[3] حامد کذاب سے روایت مذکورہ کے ناقل محمود بن محمد مروزی نے پہلے یہ روایت ابراہیم بن عبد اللہ خلال کے واسطے سے سنی تھی، پھر بعد میں موصوف نے حامد سے براہ راست اس کو سنا، جیسا کہ مندرجہ ذیل روایت سے معلوم ہوتا ہے:

"قال محمود بن محمد المروزي: سمعت إبراهيم بن عبد الله الخلال، ذكروا له عن حامد بن آدم أنه قال: سمعت ابن المبارك يقول: ما رأيت أحدًا أورع من أبي حنيفة، فقال من رأيي أن أخرج إلى حامد في هذا الحرف الواحد أسمع منه."

''محمود بن محمد مروزی نے کہا کہ میں نے ابراہیم خلال سے سنا کہ لوگوں نے ان سے حامد والی روایت کا تذکرہ کیا تو میری یہ رائے ہوئی کہ روایت مذکورہ کو حامد سے سننے کے لیے میں حامد کے پاس جاؤں۔''[4]

حاصل یہ کہ روایت مذکورہ کی سند کا دار ومدار حامد کذاب پر ہے جس سے اس کو ابراہیم بن عبد اللہ الخلال اور محمود مروزی نے سنا۔ ابراہیم خلال سے یہ بھی مروی ہے:

"سمعت ابن المبارك يقول، وذكر عنده أبو حنيفة، فقال: أتذكرون رجلاً عرضت عليه الدنيا بحذافيرها ففر عنها؟"[5]

''یعنی ابن المبارک کے پاس امام صاحب کا تذکرہ ہوا تو انہوں نے کہا کہ تم لوگ ایسے شخص کا ذکر کر رہے ہو جس پر دنیا پوری طرح پیش کی گئی مگر انہوں نے اس سے فرار اختیار کیا۔''

روایت مذکورہ کے ناقل ابو یعقوب یوسف بن احمد المعروف با بن الدخیل ہیں اور یہ بتلایا جاچکا ہے کہ ابن الدخیل غیر موثق ہیں۔

اسماعیل بن داود سے منقول ہے:

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۵۵)
[2] خطیب (۳/ ۳۵۹) موفق اور عام کتب مناقب۔
[3] اللمحات (۱/ ۷۷)
[4] خطیب (۱۳/ ۳۵۸، ۳۵۹)
[5] الانتقاء (ص: ۱۶۸)

"كان ابن المبارك يذكر عن أبي حنيفة كل خير، ويزكيه، ويقرضه، ويثني عليه، وكان أبو إسحاق الفزاري يكره أبا حنيفة، وكانوا إذا اجتمعوا لم يجترئ أبو إسحاق أن يذكر أبا حنيفة بحضرة ابن المبارك بشيء."[1]

یعنی ابن المبارک ہرطرح سے امام صاحب کا ذکرِ خیر، تزکیہ، تعریف وتوصیف کیا کرتے تھے، مگر ابو اسحٰق فزاری امام صاحب کو ناپسندیدہ قرار دیتے تھے، جب یہ لوگ اکٹھا ہوتے تو ابن المبارک کی موجودگی میں ابو اسحٰق فزاری امام صاحب کی کوئی برائی بیان کرنے کی ہمت نہیں کرتے تھے۔

روایت مذکورہ کے کئی رواۃ غیر معروف ہیں خصوصاً ابن الدخیل باعتراف مولانا ابوالوفاء افغانی مجہول وغیر موثق ہیں (کمامر) نیز اس امر کی تفصیل آگے آرہی ہے کہ امام صاحب کی تجریح وتنقید میں ابن المبارک ابواسحاق فزاری کے موافق ہیں۔ دراصل مذکورہ بالاقسم کی روایات امام صاحب کی تجریح میں ابن المبارک سے مروی روایات صحیحہ کو بے اثر بنانے کے لیے وضع کی گئی ہیں۔

مصنف انوار نے کہا:

''کسی نے امام صاحب کا ذکر بے ادبی سے کیا تو ابن المبارک نے فرمایا کہ تمام علماء میں سے ایک تو ابوحنیفہ کا مثل پیش کرو ورنہ ہمارا پیچھا چھوڑو اور ہم کو عذاب میں مت ڈالو۔ میں ان کی مجلس میں اکابر کو دیکھتا کہ صغیر معلوم ہوتے، ان کی مجلس میں میں اپنے آپ کو جس قدر ذلیل پاتا تھا اور کسی مجلس میں نہیں۔ اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ افراط کی نسبت میری طرف کی جائے گی تو امام ابوحنیفہ پر کسی کو مقدم نہیں کرتا۔''[2]

مصنف انوار کی مندرجہ بالا عبارت تین روایات پر مشتمل ہے، ان میں سے پہلی والی روایت کو مصنف انوار نے درج ذیل الفاظ میں مکرر ذکر کیا ہے:

''ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن المبارک کی مجلس میں امام صاحب کا ذکر ہوا اور کچھ موافق اور کچھ مخالف باتیں ہوئیں تو ابن المبارک نے فرمایا کہ علماء میں سے کسی کو امام صاحب جیسا پیش کرو ورنہ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑو اور ہمیں عذاب مت دو۔ معلوم ہوا کہ امام صاحب سے عناد، حسد، مخالفت کا بیج اس وقت بھی موجود تھا اور ایسے لوگ بڑے بڑے حضرات کو اپنی غیر ذمہ دارنہ روش سے تکلیف پہنچایا کرتے تھے۔''[3]

مذکورہ بالا روایت موفق معتزلی نے مندرجہ ذیل سند کے ساتھ نقل کی ہے:

" وبه قال: أخبرنا أحمد بن محمد المروزي أنبأنا يعلى بن حمزة سمعت إبراهيم بن رستم يحدث عن عبد الله يعني المبارك... الخ"[4]

اس سند کے لفظ "وبه قال" کی ضمیر کا مرجع مناقب موفق (۲/۳۸) میں حارثی کذاب مذکور ہے اور کذاب کی روایت

---

[1] الانتقاء (ص: ۱۳۲، ۱۳۳)

[2] مقدمہ انوار (۱/ ۵۰، بحوالہ موفق وکردری) [3] مقدمہ انوار (۱/ ۹۷)

[4] موفق (۲/ ۵۲)

مکذوب ہے۔ اس نے روایت مذکورہ کے لیے جو سند وضع کی ہے اس میں ابن المبارک سے اس کا ناقل ابراہیم بن رستم مروزی (متوفی ۲۱۰ھ یا ۲۱۱ھ) کو ظاہر کیا ہے، جن کو متعدد اہل علم نے مجروح، ساقط الاعتبار اور مرجی المذہب بتلایا ہے۔ [1]

پھر روایت مذکورہ کو صحیح ومعتبر قرار دے کر حجت بنانا کیا معنی رکھتا ہے؟ مصنف انوار کی اس مستدل روایت میں اعتراف کیا گیا ہے کہ ابن المبارک کے سامنے کچھ لوگ امام صاحب کی تجریح کیا کرتے تھے، ہم آگے چل کر بتلائیں گے کہ متعدد روایات صحیحہ کا مفاد ہے کہ ابن المبارک امام صاحب کی تجریح کرنے والوں کے موافق ہیں۔

مصنف انوار نے اپنی ذکر کردہ مذکورہ بالا تینوں روایات میں سے دوسری کا ذکر دوسری جگہ اس طرح کیا ہے:

''ابن المبارک نے فرمایا کہ میں نے بڑے بڑوں کو دیکھا کہ امام صاحب کی مجلس میں ان کی کوئی حیثیت نہ تھی...الخ'' [2]

مذکورہ بالا روایت بھی مناقب موفق (۵۲/۲) میں حارثی کذاب سے منقول ہے اور اس کذاب کی وضع کردہ سند میں حامد بن آدم مروزی کذاب موجود ہے، پھر اسے معتبر کہہ کہ حجت بنانا کون سی دیانت داری ہے؟

مذکورہ بالا تینوں روایات میں سے آخری والی روایت کو ایک دوسری جگہ مصنف انوار نے اس طرح نقل کیا ہے:

''اگر مجھے افراط کا الزام دیے جانے کا خوف نہ ہوتا تو میں امام صاحب پر کسی کو ترجیح نہ دیتا۔'' [3]

روایت مذکورہ مناقب موفق (۵۱/۲) میں ''وبه قال: أخبرنا القمر بن عباد أنبأنا أحمد بن عبد الله السرح عن عبدان عن ابن المبارك'' الخ کی سند سے مروی۔ ہے اور ''وبه قال'' میں ''قال'' کی ضمیر کا مرجع حارثی کذاب ہے اور حارثی کذاب نے جس قمر بن عباد کو اپنا استاذ ظاہر کیا ہے اس کا ذکر ہم کو کتب رجال میں نہیں ملا۔ ایسی مکذوبہ روایت کو صحیح ومعتبر قرار دینا کون سی دینی، تحقیقی اور علمی خدمت ہے؟

مصنف انوار نے بحوالۂ کردری کہا:

''ابن المبارک فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ ''امام اعظم'' (ابوحنیفہ) کی نسبت یہ کیونکہ کہہ سکتے ہو کہ وہ حدیث نہیں جانتے؟'' [4]

ایک سے زیادہ مرتبہ ہم کہہ چکے ہیں کہ جس کردری کے حوالے سے مصنف انوار نے مذکورہ بالا روایت نقل کی ہے اس میں مندرج روایات کی اسانید حذف کردی گئی ہیں، نیز اس میں انوار الباری کی طرح اکاذیب کو صحیح ومعتبر کہہ کر لکھا گیا ہے۔ دریں صورت مصنف انوار نے کس آلہ سے روایت مذکورہ کا معتبر ہونا معلوم کرلیا اور اسے حجت بنا لیا ہے؟ روایت مذکورہ کو نقل کرنے کے بعد مصنف انوار نے کہا:

''اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ''امام اعظم'' کا لقب بھی امام صاحب کو امیر المومنین فی الحدیث ابن المبارک نے ہی دیا تھا، جس کی اتباع سب محدثین کو کرنی چاہئے، چنانچہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں امام صاحب کے ترجمہ کی

[1] لسان الميزان (١/ ٥٦ تا ٥٨)
[2] مقدمه انوار (١/ ٩٧)
[3] مقدمه انوار (١/ ٩٧)
[4] مقدمه انوار (١/ ٥٩)

ابتدا "الإمام الأعظم" کے لفظ ہی سے کی ہے۔"[1]

ہم کہتے ہیں کہ یہ بیان ہو چکا ہے کہ مصنف انوار کے بعض ہم مزاج لوگوں نے خاتم المرسلین ﷺ کی طرف یہ جھوٹی حدیث منسوب کردی ہے کہ امام صاحب کا لقب امام اعظم ہے۔[2] پھر مصنف انوار نے اپنے خلاف مزاج اس وضعی حدیث کو صحیح ومعتبر قرار دے کر یہ کیوں نہیں کہا کہ رسول اللہ ﷺ ہی نے امام صاحب کو "الإمام الأعظم" کا لقب دیا ہے، جس کی اتباع ابن المبارک، ذہبی اور عام مقلدین احناف وغیر احناف کرتے ہوئے امام صاحب کو امام اعظم کہتے ہیں؟ حقیقت امر یہ ہے کہ چوتھی صدی سے پہلے امام صاحب کے لیے اس لقب کا استعمال کسی سے ثابت نہیں۔ چوتھی صدی کے بعد بعض لوگوں نے یہ لقب ایجاد کیا اور بذریعہ پروپیگنڈہ اس کی اس قدر تشہیر کی کہ چوتھی صدی کے احناف اور بعض غیر احناف میں بھی امام صاحب کے لقب کے طور پر اس کا استعمال ہونے لگا، چوتھی صدی کے بعد ایجاد شدہ اور بذریعہ پروپیگنڈہ مروج لقب کی علمی وتحقیقی حیثیت کیا ہوسکتی ہے؟ البتہ بعض کتب مناقب میں ہے:

"قال مكرم القاضي: أنبأ أحمد أنبأنا محمد بن مقاتل سمعت ابن المبارك يقول: قدم محمد بن واسع إلى خراسان، فقال قبيصة بن ذويب: قدم عليكم صاحب الدعوة، قال: فاجتمع عليه قوم، فسألوه عن أشياء من الفقه، فقال إن الفقه صناعة لشاب بالكوفة، يكنى أبا حنيفة، فقالوا له: إنه ليس يعرف الحديث، فقال ابن المبارك: كيف تقولون إنه لايعرف الحديث؟ لقد سئل عن الرطب بالتمر فقال: لا بأس به، فقالوا: حديث سعد؟ فقال: ذاك حديث شاذ، لا يؤخذ برواية زيد أبي عياش، فمن تكلم بهذا لم يكن يعرف الحديث."[3]

"یعنی ابن المبارک نے کہا کہ محمد بن واسع خراسان آئے تو قبیصہ بن ذویب نے اعلان کیا کہ "صاحب الدعوة" (حکومتِ وقت کے خلاف تحریک کے داعی) آگئے ہیں، قبیصہ کے اس اعلان کے بعد محمد بن واسع کے پاس کچھ لوگ جمع ہوگئے اور ان سے کچھ فقہی باتیں دریافت کرنے لگے تو محمد بن واسع نے کہا کہ "فقہ دراصل کوفہ کے ایک "شاب" (نوجوان) کا فن ہے جو ابو حنیفہ کے لقب سے ملقب ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ "ابوحنیفہ معرفتِ حدیث نہیں رکھتے۔" ابن المبارک نے کہا تم کیونکر یہ بات کہہ رہے ہو جبکہ ان (امام صاحب) سے تازہ کھجور کو خشک کھجور کے بدلے میں فروخت کرنے کی بابت مسئلہ دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ "اس میں کوئی حرج نہیں۔" لوگوں نے امام صاحب سے کہا کہ "حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی شدہ حدیث نبوی میں اس بیع کو ممنوع کہا گیا ہے، اس کا جواب امام صاحب نے یہ دیا کہ حدیث مذکور شاذ ہے، جو زید ابی عیاش سے مروی ہے اسے قبول نہیں کیا جاسکتا ہے، جو امام ابو حنیفہ فن حدیث پر اس طرح کا کلام کریں انکی بابت یہ کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ وہ ناآشنائے علم حدیث ہیں؟"

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۵۹) [2] اللمحات (۲/ ۷۳)

[3] مناقب صیمری (ص: ۱۲) وموفق (۱/۹۱ وغیرہ)

اولاً: روایت مذکورہ کے ناقل قاضی مکرم کی کتاب مناقب ابی حنیفہ بقول دارقطنی مجموعۂ اکاذیب ہے (کما تقدم) اور قاضی مکرم کی کتاب مناقب ابی حنیفہ میں روایتِ مذکورہ احمد (المعروف بابن المغلس) سے مروی ہے جو کذاب ہے۔ (کما تقدم) ابن المغلس نے روایت مذکورہ جس محمد بن مقاتل سے نقل کی ہے وہ متعین نہیں، اس نام کے متعدد رواۃ ساقط الاعتبار ہیں۔❶ غیر متعین ہونے کے سبب محمد بن مقاتل بمنزلۂ مجہول ہیں۔

اس روایت میں جس محمد بن واسع کے وارد خراسان ہونے کے موقع پر واقعۂ مذکورہ پیش آنے کا تذکرہ ہے وہ بتصریح حافظ ابن حجر ۱۲۳ھ میں فوت ہوئے۔❷ اور جس قبیصہ بن ذویب کی بابت اس روایت میں کہا گیا ہے کہ محمد بن واسع کے وارد خراسان ہونے کے موقع پر موصوف نے اعلان کیا تھا کہ ''صاحب الدعوۃ'' آگئے ہیں، وہ ۹۰ھ کے لگ بھگ فوت ہوئے تھے۔❸ جس کا مطلب یہ ہوا کہ محمد بن واسع نے امام صاحب کو فن فقہ کا ماہر نوجوان ۹۰ھ سے پہلے قرار دیا جبکہ امام صاحب کی عمر دس سال سے بھی کم تھی اور یہ معلوم ہے کہ دس سال سے کم عمر لڑکے کو جس روایت میں ماہر فقہ نوجوان کہا گیا ہو اس کے مکذوب ہونے میں کسی صاحب عقل کو کوئی شک نہیں ہوسکتا، کیونکہ دس سال سے کم عمر والے لڑکے کا جوان اور فقیہ ہونا دونوں مستبعد ہے۔ نیز بوقتِ وفات محمد بن واسع (المتوفی ۱۲۳ھ) ابن المبارک کی عمر چار سال کے لگ بھگ تھی۔ ظاہر ہے کہ محمد بن واسع سے ابن المبارک کا سماع مستبعد ہے، اور روایت میں یہ مذکور نہیں کہ ابن المبارک نے محمد بن واسع اور ان کے گرد جمع ہونے والوں کے مابین ہونے والے مکالمہ مذکورہ کو کس سے سنا؟ اس لیے اس کی سند میں انقطاع بھی ہے۔ نیز وفات محمد بن واسع کے پہلے امام صاحب فقیہ نہیں بلکہ متکلم کی حیثیت سے شہرت رکھتے تھے۔ (کما تقدم) دریں صورت روایت مذکورہ کے مکذوبہ ہونے میں کیونکر شبہ کیا جاسکتا ہے؟

روایت مذکورہ کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب دس سال کی عمر کو پہنچنے سے پہلے ماہر فقیہ بن کر فقیہ کے لقب سے شہرت پذیر ہوگئے، لیکن یہ تفصیل آرہی ہے کہ مصنف انوار نے غیر پیدا شدہ متعدد حضرات کو بھی فقیہ ومجتہد کہا ہے!!

مذکورہ بالا افسانوی کہانی میں جو یہ کہا گیا ہے کہ امام صاحب نے حدیث سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو شاذ اور نا قابل قبول قرار دیا اس کی حقیقت آئندہ صفحات میں بیان ہوگی۔ یہاں یہ بات اجمالی طور پر ملحوظ رہے کہ حدیث سعد بن ابی وقاص صحیح ہے اور اسکی متعدد معنوی متابعات باسانید صحیحہ موجود ہیں۔ حدیث سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ایک راوی زید کو امام صاحب نے اگر چہ مجہول کہا ہے مگر موصوف اصول جرح وتعدیل کے مطابق ثقہ ہیں۔ (کما سیأتي) نیز تمر کے ساتھ رطب کے مسئلہ پر تحقیقی تفصیل نہایت شرح وبحث کے ساتھ آگے آرہی ہے۔

مصنف انوار نے کہا:

> ''حسن بن عمارہ سفیان ثوری کے استاذ ہیں۔ ابن المبارک نے نقل کیا ہے کہ امام صاحب کے گھوڑے کی نکیل پکڑے ہوئے حسن بن عمارہ کہہ رہے تھے کہ خدا کی قسم میں نے تم سے بڑا فقیہ بلیغ وحاضر جواب نہیں دیکھا اور

---

❶ میزان الاعتدال ولسان المیزان وتهذیب التهذیب۔ ❷ تقریب التهذیب۔

❸ تقریب التهذیب و تهذب التهذیب۔

آپ تمام فقہاء کے سردار ہیں، جو لوگ آپ پر طعن کرتے ہیں وہ صرف حسد سے کرتے ہیں۔"❶

ہم کہتے ہیں کہ روایت مذکورہ مصنف انوار نے جن تبییض الصحیفہ وخیرات الحسان سے نقل کی ہے ان میں مندرج روایات کی سندیں حذف کر دی گئی ہیں۔ (کما تقدم) پھر مصنف انوار کو روایت مذکورہ کا معتبر ہونا کیسے معلوم ہوا؟ البتہ تاریخ خطیب وعام کتب مناقب میں روایت مذکورہ احمد بن عطیہ (ابن المغلس) سے مروی ہے جو کذاب ہے۔ نیز جس حسن بن عمارہ سے مدح امام صاحب میں یہ روایت ابن المغلس کذاب نے نقل کی ہے اس کو امام شعبہ نے کذاب، وضاع، غیر ثقہ کہا۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا: "أحاديثه موضوعة" حافظ زکریا ساجی نے کہا: "أجمع أهل الحديث على ترك حديثه" اور جن ابن المبارک کو حسن بن عمارہ سے روایت مذکورہ کا ناقل ظاہر کیا گیا ہے انہوں نے بھی حسن موصوف کو متروک کہا ہے۔❷

حاصل یہ کہ حسن بن عمارہ کے متروک ہونے پر اہل علم کا اتفاق ہے اور اس اتفاق کا سبب یہ ہے کہ حسن موصوف کذاب اور وضاع ہے، دریں صورت روایت مذکورہ کو معتبر قرار دے کر حجت بنانا کون سی دیانتداری ہے؟ اس مکذوبہ روایت میں بھی اعتراف ہے کہ حسن بن عمارہ (متوفی ۱۵۳ھ) کی زندگی میں ۱۵۰ھ سے پہلے امام صاحب پر طعن وجرح ہوا کرتا تھا۔

مصنف انوار نے کہا:

"ایک دفعہ امیر کوفہ نے علمائے کوفہ کو جمع کیا اور ایک مسئلہ میں سب سے سوال کیا، سب نے جوابات دیے، سب نے بالاتفاق مان لیا کہ امام ابو حنیفہ کا جواب زیادہ صحیح ہے۔ امیر نے بھی اس کو تسلیم کیا اور حکم دیا کہ اس کو لکھ لیا جائے، لیکن امام صاحب نے فرمایا کہ سب کے جوابات میں کچھ نہ کچھ غلطی ہے اور میرے نزدیک سب سے بہتر اور صحیح تر جواب حسن بن عمارہ کا ہے۔ حسن بن عمارہ نے کہا کہ مجھے امام صاحب کے اس فرمان پر بڑا تعجب ہوا کیونکہ وہ مجلس حاکمِ وقت کی تھی اور مجلس مفاخرت بھی، ہر شخص چاہتا تھا کہ میری بات اونچی ہو، امام صاحب چاہتے تو اپنی قوت استعمال سے بھی میری بات کو گرا کر اپنی بات اونچی کر سکتے تھے مگر انہوں نے کسی چیز کی پرواہ نہیں کی اور میری بات کو ایسے موقع پر حق بتلایا، اس سے مجھے یقین ہو گیا کہ ان سب میں وہی (امام صاحب) سب سے زیادہ اَورع ہیں۔

"اس سے پہلے حسن بن عمارہ بھی امام صاحب سے کچھ بدظن تھے اور کسی موقع سے کچھ برائی بھی کر دیا کرتے تھے مگر اس واقعہ کے بعد ہمیشہ امام صاحب کی غیر معمولی مدح وثنا کرتے تھے۔ محمد بن خزیمہ نے کہا کہ اسی وجہ سے اصحابِ حدیث حسن بن عمارہ کی تضعیف کرنے لگے کیونکہ وہ امام صاحب کی طرف مائل ہو گئے تھے۔ اس واقعہ کے ساتھ یہ بھی نقل ہے کہ نہ حسن بن عمارہ کے دل میں امام صاحب کی عزت بڑھی بلکہ دوسرے لوگوں کا رجحان بھی امام صاحب کی طرف بڑھ گیا۔"❸

---

❶ مقدمه انوار (۱/ ۷۳ بحواله تبييض الصحيفه والخيرات الحسان)

❷ ميزان الاعتدال و تهذيب التهذيب و خطيب ترجمه حسن بن عماره.

❸ مقدمه انوار (۱/ ۱۱۱، ۱۱۲ بحواله موفق: ۱/ ۱۹۵، ۱۹۶)

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار نے روایت مذکورہ موفق (۱/ ۱۹۵، ۱۹۶) سے نقل کی ہے اور موفق کے مقامِ مذکور پر اس کی سند اس طرح منقول ہے۔:

"وبه قال: أخبرنا محمد بن خزيمة الفلاس أنبأ زكريا بن يحيٰى أنبأنا مالك بن سليمان الهروي أنه قال كان الحسن بن عمارة يقع...الخ."

"وبه قال" میں "قال" کی ضمیر کا مرجع حارثی کذاب ہے، اس کذاب نے جس جعلی سند سے روایت مذکورہ وضع کی ہے اس میں واقع شدہ راوی مالک بن سلیمان ہروی قاضیِ ہرات کی بابت امام عقیلی اور سلیمانی نے فرمایا کہ "فيه نظر"[1] جو دوسرے درجے کے الفاظ تجریح میں سے ہے اور جس کی بابت دوسرے درجے کے الفاظ تجریح وارد ہوں ان کی بابت اہل علم کی تصریح ہے: "لا يحتج به ولا يعتبر ولا يستشهد به."[2]

دریں صورت اس مکذوبہ روایت کو مصنف انوار کا صحیح قرار دے کر حجت بنانا کیا معنی رکھتا ہے؟ اس مکذوبہ روایت میں یہ صراحت بھی ہے: "فكان الحسن بعد ذلك يطري ويمدحه" یعنی واقعہ مذکورہ کے بعد حسن بن عمارہ امام صاحب کی مدح سرائی میں مبالغہ آرائی کرنے لگے، حالانکہ حدیث نبوی میں اس سے منع کیا گیا ہے۔

روایت مذکورہ کا مفاد یہ ہے کہ امام صاحب کے بیان کردہ جن فتاوی کو عام اہل علم صحیح تسلیم کر چکے تھے ان کو امام صاحب بعد میں غلط قرار دے ڈالتے تھے۔ یہ روایت اگرچہ مکذوبہ ہے مگر اس سے مستفاد ہونے والی یہ بات دوسری صحیح سندوں سے ثابت ہے کہ امام صاحب نے اپنی بیان کردہ فقہی وعلمی باتوں کو اپنی آخری زندگی میں مجموعۂ اغلاط قرار دیا ہے۔[3]

مصنف انوار کی دلیل بنائی ہوئی اس مکذوبہ روایت میں جو یہ کہا گیا ہے کہ حسن بن عمارہ جب امام صاحب کی طرف میلان رکھنے لگے تو اہل حدیث ان کی تضعیف کرنے لگے، وہ بلا شک ان اکاذیب میں سے ہے جن کو بقول مصنف انوار کچھ لوگوں نے سفید کو سیاہ کر دکھانے کے لیے کار ثواب سمجھ کر گھڑا اور لوگوں میں پھیلایا ہے۔[4] اور مصنف انوار نے بھی انہیں کذابین کی پیروی میں اسے صحیح قرار دے کر حجت بنالیا ہے۔ ورنہ حسن بن عمارہ کو کذاب قرار دینے والوں میں امام صاحب کے جلیل القدر استاذ امام شعبہ بھی ہیں، اور وہ ابن المبارک موصوف حسن کو متروک قرار دیے ہوئے ہیں جن کو مصنف انوار فرضی چہل رکنی مجلس کا رکن کہتے ہیں۔ مصنف انوار امام ابن المدینی کی بابت کیا فرماتے ہیں جنھوں نے حسن بن عمارہ کو امام شعبہ کی طرح وضاع وکذاب قرار دیا ہے؟[5]

مصنف انوار نے عبداللہ بن المبارک کی طرف منسوب مندرجہ ذیل روایات بھی نقل کر رکھی ہیں:

"اگر میں سفہاء کی بات سنتا جو حسد وعداوت کی وجہ سے امام صاحب کے پاس آنے سے روکتے تھے تو ابوحنیفہ کی ملاقات فوت ہو جاتی، جس سے میری مشقت اور خرچ، جو تحصیل علم میں ہوا تھا، سب ضائع ہو جاتا، اگر میں ان سے ملاقات نہ کرتا اور ان کی صحبت نصیب نہ ہوتی تو میں علم میں مفلس رہ جاتا اور فرمایا کرتے تھے کہ آثارو

[1] لسان الميزان (٥/ ٤) و ميزان الاعتدال۔ [2] توضيح الافكار (٢/ ٢٧٠) وعام کتب اصول حدیث۔

[3] اللمحات (١/ ٤٩٠ تا ٤٩٥) [4] مقدمه انوار (١/ ١٢٣، ١٢٤)

[5] تهذيب التهذيب ترجمه شعبه۔

احادیث کو لازم پکڑو، مگر اس کے لیے ابوحنیفہ کی ضرورت ہے۔"[1]

ہم کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا عبارت تین روایات پر مشتمل ہے۔ ان میں سے پہلی روایت کو مصنف انوار نے آگے چل کر اس طرح بھی نقل کیا ہے:

"اگر میں بعض بے وقوفوں کی بات پر رہتا تو میں امام صاحب سے محروم رہتا اور اگر ان سے محروم رہتا تو کہنا چاہیے کہ طلب علم کی راہ میں میری ساری مشقت وتعب اور ہزاروں لاکھوں روپے کا صرف رائیگاں چلا جاتا۔"[2]

اولاً: روایت مذکورہ کو موفق نے مندرجہ ذیل سند کے ساتھ نقل کیا ہے:

"وبه قال: أخبرنا عمرو بن عاصم المروزي أنبأ ابن وهب سمعت عبد الله بن المبارك ...الخ."[3]

اور ہر صاحب علم بآسانی معلوم کرسکتا ہے کہ موفق کے قول "وبه قال أخبرنا" میں قال کی ضمیر کا مرجع حارثی کذاب ہے، جس کا ذکر موفق نے کئی صفحات پہلے (۳۲/۲) کرتے ہوئے کہا کہ "وبه إلى الحارثي هذا... الخ" چنانچہ حارثی مذکور کے حوالے سے موصوف نے (۲/ ۳۲ تا ۵۲) میں بہت ساری روایات نقل کی ہیں جن میں سے مذکورہ بالا زیر بحث روایت بھی ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ مناقب (۵۲/۲) میں حارثی کے حوالہ سے دوسری قسم کی روایات کو نقل کرنے کا سلسلہ موفق نے جاری کر دیا جو (۶۲/۲) تک چلا گیا ہے، حارثی کا کذاب ہونا ظاہر کیا جا چکا ہے، اس کذاب نے اپنی وضع کردہ مکذوبہ روایت کے لیے جو جعلی سند بنائی ہے اس میں اپنا استاذ عمرو بن عاصم مروزی کو ظاہر کیا ہے، یہ شخص ابو عاصم عمرو بن عاصم بن الشاہ بن عاصم فقیہ مروزی (متوفی بعد ۳۹۵ھ) ہے، اس کا ذکر علامت "تمییز" کے ساتھ تہذیب التہذیب (۵۸/۸) میں کیا گیا ہے، مگر کسی سے اس کی توثیق وتجریح میں کوئی بات منقول نہیں، یعنی موصوف بمنزلہ مجہول ہے، نیز تقریب التہذیب میں اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔

ثانیاً: حارثی کذاب نے اس مکذوبہ روایت کے لیے اپنی وضع کردہ جعلی سند میں ابن المبارک سے روایت مذکور کا ناقل و راوی ابن وہب نامی شخص کو ظاہر کیا ہے اور شخص مذکور متعین ومعروف نہیں۔ ابن المبارک کے معاصرین میں ایک وھب بن وہب ابوالبختری قاضی (متوفی ۲۰۰ھ) کذاب اور وضاع ہے۔[4] لسان المیزان (۴۹۰/۶) میں ہے:

"ابن وهب لا يعرف، وبنو وهب عبد الله وعبد الرحمن وأيوب ليسوا با لمشهورين."

"ابن وہب نام کے اتنے سارے افراد مجہول ہیں۔"

یہی حال ابن وہب سے روایت کرنے والے راوی ابن حرب کا بھی ہے۔ دریں صورت اسے صحیح ومعتبر کیونکر کہا جا سکتا ہے؟ اس روایت کا مفاد ہے کہ کچھ لوگ ابن المبارک کو امام صاحب کے پاس جانے سے روکتے تھے جنھیں اس روایت میں ابن المبارک کی زبانی سفہاء کہا گیا ہے اور یہ بات مصنف انوار کی ان مستدل روایات کے مضمون کے معارض ہے جن میں ظاہر

---

[1] مقدمه انوار بحواله موفق وانتصار وکردری (۱/ ۷٦)

[2] مقدمه انوار (۱/ ۹۷)　[3] موفق (۱/ ۵۱)

[4] خطيب و ميزان الاعتدال ولسان الميزان (٦/ ۲۳۱۱ تا ۲۳٤)

کیا گیا ہے کہ سبھی لوگ ابن المبارک کے سامنے امام صاحب کی مدح سرائی ہی کرتے تھے۔ عنقریب یہ بحث آرہی ہے کہ امام صاحب کے پاس آنے جانے سے روکنے والے امام صاحب کے جلیل القدر اساتذہ اور وہ محدثین بھی ہیں جنھیں مصنف انوار نے مفروضہ چہل رکنی مجلس تدوین کا رکن قرار دے رکھا ہے۔ نیز یہ بحث آگے آرہی ہے کہ بالآخر امام ابن المبارک نے امام صاحب کو متروک ہی قرار دے دیا اگرچہ مصنف انوار کو اس ثابت شدہ حقیقت سے بہت زیادہ انکار ہے۔

ثانیاً: اس روایت کو صحیح فرض کر کے ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ امام ابن المبارک امام صاحب کی مجلس میں آمد و رفت رکھنے سے روکنے والے جن افراد کو ''سفہاء'' سمجھ بیٹھے تھے بعد کے تجربہ سے موصوف پر ثابت ہوگیا کہ امام صاحب کے بارے میں انہیں کا بیان صحیح ہے، اسی وجہ سے انہوں نے امام صاحب کو متروک قرار دیا۔

انوار الباری کے مذکورہ بالا اقتباس میں نمبر دو پر منقول روایت کو مصنف انوار نے آگے چل کر اس طرح نقل کیا ہے:

''اگر میں امام صاحب سے نہ ملتا تو علم کے اعتبار سے دیوالیہ ہوتا اور ایک روایت میں ہے کہ میں بھی دوسرے حدیث کے نقالوں کی طرح ہوتا۔''[1]

مگر یہ روایت بھی موفق (۲/۵۱، ۵۲) میں حارثی کذاب کی سند کے ساتھ منقول ہے، پھر اسے معتبر کیونکر کہا جا سکتا ہے؟

انوار الباری کے مذکورہ بالا اقتباس میں مندرج تیسری روایت کو بھی موفق نے حارثی کی سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔[2] اس طرح کے اکاذیب کو صحیح و معتبر کہہ کر دلیل و حجت بنانا کیا معنی رکھتا ہے؟

کیا ابن المبارک کو اصولِ حلال وحرام امام صاحب سے معلوم ہوئے؟

مصنف انوار نے ابن المبارک کی طرف منسوب یہ روایت بھی نقل کی ہے:

''میں بہت سے شہروں میں رہا، علم حاصل کیا مگر جب تک امام صاحب سے ملاقات نہ ہوئی حلال وحرام کے اصول مجھے معلوم نہیں ہوئے۔''[3]

یہی روایت مصنف انوار نے دوسری جگہ اس طرح نقل کی ہے:

''میں تمام بستیوں اور شہروں میں علم کی طلب کے لیے گیا ہوں لیکن امام ابوحنیفہ کی ملاقات سے قبل تک حلال وحرام کے اصول سے واقف نہ ہو سکا کیونکہ فقہ واصول فقہ کے امام وہی تھے۔''[4]

روایت مذکورہ بھی موفق (۲/۵۱) میں حارثی کذاب سے مروی ہے، کذاب کی وضع کردہ روایت کو صحیح قرار دینا کیا معنی رکھتا ہے؟

مصنف انوار نے کہا:

''حموی نے شرح اشباہ میں صحیفۂ ذہبی سے نقل کیا کہ ابن المبارک نے فرمایا کہ حدیث مشہور ومعروف ہوگئی، اب اگر اجتہاد کی ضرورت پڑے تو اجتہاد مالک وسفیان وابوحنیفہ کا ہے، لیکن ان میں ابوحنیفہ اجتہاد کے لحاظ سے احسن اور رسائی کے لحاظ سے ادق اور دونوں سے افقہ ہیں۔

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۹۷) [2] موفق (۲/ ۵۳)

[3] مقدمہ انوار (۱/ ۷٦) [4] مقدمہ انوار (۱/ ۹۷)

''یہ سب کے نزدیک مسلم امیر المومنین فی الحدیث یعنی ابن المبارک کا فیصلہ خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ حدیث تو مشہور و معروف ہوگئی یعنی جس قدر ذخیرہ احادیثِ صحاح کا تھا وہ سب نہ صرف اس وقت سامنے آگیا تھا بلکہ درجۂ شہرت کو پہنچ گیا تھا، اس زمانہ کی احادیث بھی اکثر ثنائیات وثلاثیات تھیں، زمانہ خیرالقرون کا تھا، جھوٹ کا شیوع نہ ہوا تھا، رواۃ ثقہ وعدول تھے...الخ''[1]

ہم کہتے ہیں کہ جس صحیفہ ذہبی یعنی مناقب ابی حنیفہ للذہبی سے روایت مذکورہ منقول ہے اس میں روایت مذکورہ اس طرح ہے:

''أحمد بن محمد بن المغلس ثنا محمد بن مقاتل سمعت ابن المبارك يقول: إن كان الأثر قد عرف، واحتيج إلى الرأي، فرأي مالك والثوري وأبي حنيفة، وأبو حنيفة أحسنهم، وأدقهم فطنة، وأغوصهم على الفقه، وهو أفقه الثلاثة.''[2]

''یعنی ابن المبارک نے کہا کہ اگر اثر (حدیث) معلوم ہو چکی ہو اور اسے سمجھنے کے لیے ''رائے'' کی ضرورت ہو تو امام مالک وسفیان ثوری وابوحنیفہ کی رائے سے کام لینا چاہیے، ان سب میں سب اچھی اور باریک سمجھ والے ابوحنیفہ ہیں، وہی فقہ کی گہرائیوں میں زیادہ جانے والے اور تینوں میں سب سے زیادہ فقیہ ہیں۔''

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ روایت مذکورہ احمد بن محمد بن مغلس کذاب سے مروی ہے۔ مصنف انوار نے جس صحیفۂ ذہبی (مناقب ابی حنیفہ ذہبی) سے یہ مکذوبہ روایت نقل کی اس پر حاشیہ لکھنے والے مصنف انوار کے ممدوح مولانا ابو الوفاء افغانی نے ابن المغلس کی بابت حافظ خطیب کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''بعض الناس يقولون: أحمد بن الصلت يضع الحديث''، یعنی کچھ لوگ ابن المغلس کو وضاع وکذاب کہتے ہیں۔ مصنف انوار کے دوسرے ممدوح کوثری نے مولانا افغانی کی اس تحریر کے بعد ابن المغلس کی طرف سے مختصر الفاظ میں دفاع اور حسب عادت مسخ حقائق کی مذموم کوشش کرتے ہوئے کہا ہے کہ ''اس کی تفصیل تانیب (۱۶۵، ۱۶۶) میں ہے۔'' مگر ہم کوثری کی حقیقت بیانی واضح کر کے بتلا آئے ہیں کہ ابن المغلس بتصریح ائمہ جرح وتعدیل بدترین قسم کا کذاب ہے۔[3] کذاب مذکور نے روایت مذکورہ کے لیے جو جعلی سند بیان کی ہے اس میں یہ ظاہر کیا ہے کہ اس نے یہ روایت محمد بن مقاتل سے سنی ہے لیکن محمد بن مقاتل کی تعیین نہیں کی اور ابن المبارک کے معاصرین میں اس نام کے ایک سے زیادہ رواۃ ہیں، ان میں سے بعض ثقہ اور بعض ساقط الاعتبار کذاب و وضاع ہیں۔[4] دریں صورت محمد بن مقاتل کم از کم مجہول کے درجہ میں ہے۔ پھر اس مکذوبہ روایت کو مصنف انوار کا صحیح قرار دے لینا کیا معنی رکھتا ہے؟

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مصنف انوار نے اپنی دلیل بنائی ہوئی اس مکذوبہ روایت میں تحریف کر رکھی ہے اور اپنی تحریف کاری کی بنیاد پر طویل عبارت آرائی کی ہے۔ روایت کا مفاد صرف اس قدر ہے کہ ابن المبارک نے کہا کہ اگر حدیث معلوم ہو اور اس کا مطلب سمجھنے کے لیے رائے کی ضرورت پڑے تو امام مالک وثوری وابوحنیفہ کی رائے سے کام لیا جا سکتا

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۹۷)

[2] مناقب أبي حنيفه للذهبي (ص: ۱۹) مناقب صيمري (ص: ۷۷) خطيب (۱۳/ ۴۴۳) وغیرہ۔

[3] اللمحات (۱/ ۷۸ تا ۸۵)

[4] لسان الميزان و تهذيب التهذيب و ميزان الاعتدال و عام كتب رجال۔

ہے، مگر مصنف انوار نے اپنی تحریف کاری کے ذریعہ روایت مذکورہ کا جو معنی و مطلب بتلا رکھا ہے وہ ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ اسی مفہوم کی بات مصنف انوار نے مقدمہ انوار (ا/ ٦٠، ٦١) میں بھی کہی اور محدثین خصوصاً امام بخاری کو خوب مطعون کیا ہے۔ مصنف انوار کی تکذیب کے لیے شعرانی کا یہ بیان کافی ہے کہ ''امام صاحب کے زمانہ میں چونکہ تدوین حدیث نہیں ہوئی تھی اس لیے امام صاحب سے بہت زیادہ احادیث کی مخالفت سرزد ہوئی ہے۔ [1]

مصنف انوار کا مذکورہ بالا دعوی صحیح ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ابن المبارک کے زمانہ میں پائے جانے والے وہ اہل الرای بھی ''احادیث نبویہ'' سے واقف تھے اور حدیث فہمی کی صلاحیت رکھتے تھے جن کی بات ارشادِ فاروقی ہے کہ اہل الرای احادیث کے حفظ و ضبط و روایت کی صلاحیت سے محروم ہوتے اور استعمال رائے کر کے خود گمراہ ہوتے اور دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں۔ [2] امام صاحب پر ابن المبارک اور دوسرے اہل علم سے ثابت شدہ کلماتِ تجریح آئندہ صفحات میں آرہے ہیں، اس سے مصنف انوار کی صداقت و دیانت واضح ہو جائے گی، امام صاحب کے زمانے میں اگرچہ جھوٹ کا غلبہ نہیں تھا مگر اسی زمانہ میں امام صاحب کے استاذ جابر جعفی جیسے ”أكذب الناس“موجود تھے، امام صاحب کے کذاب اساتذہ کی ایک فہرست ہم پیش کر آئے ہیں۔ [3]

خود امام صاحب کا ارشاد ہے کہ میری بیان کردہ عام علمی وفقہی باتیں مجموعۂ اغلاط اور میری روایت کردہ احادیث باطل ہیں۔ (کما تقدم) نیز منقول ہے کہ ابن المبارک نے چار ہزار اساتذہ سے تحصیل علم حدیث و فقہ کیا تھا مگر موصوف ان میں سے صرف ایک ہزار سے روایت کرتے ہیں، باقی کو انہوں نے متروک قرار دیدیا تھا، انہیں میں امام صاحب بھی تھے۔ (کما سیأتي) ظاہر ہے کہ غیر عدول وغیر ثقہ ہونے کے سبب ہی ابن المبارک نے اپنے تین ہزار اساتذہ کو متروک قرار دیا تھا، امام مالک نے بھی اپنے بہت سارے معاصر رواۃ کو متروک قرار دیا۔ آخر کیوں؟

مصنف انوار ناقل ہیں:

''ابن المبارک نے کہا کہ اگر امام صاحب تابعین میں ہوتے تو وہ بھی ان کی طرف محتاج ہوتے۔'' [4]

حالانکہ روایت مذکورہ موفق (ا/٥١) میں بایں طور منقول ہے:

”وبه قال: حدثنا محمد بن علي بن سهل سمعت عمرو بن صالح سمعت ابن المبارك... الخ.

اور اہل علم پر مخفی نہیں کہ ''وبه قال'' میں قال کی ضمیر کا مرجع حارثی کذاب ہے، اس کذاب کی جعلی سند میں واقع شدہ راوی محمد بن علی بن سہل اور عمرو بن صالح ساقط الاعتبار ہیں۔ [5]

حاصل یہ کہ مصنف انوار کی صحیح قرار دی ہوئی روایت مذکورہ مکذوبہ ہے اور اس کا مفاد چونکہ یہ ہے کہ امام صاحب تابعی نہیں تھے۔ (کما تقدم) اس لیے مصنف انوار نے کہا:

---

[1] اللمحات (١/ ١٥٦)

[2] اللمحات (١/ ١٨٠، ١٨١ و ١٩٦، ١٩٧) نیز ملاحظہ ہو: (١/ ٣٧٦ تا ٣٨٨ و ١/ ٤٢١، ٤٢٢)

[3] اللمحات (١/ ١٦٠)

[4] مقدمہ انوار (١/ ٧٠ و ١/ ٩٧)

[5] ملاحظہ ہو: لسان الميزان و ديوان الضعفاء والمجروحين للذهبي ترجمہ محمد بن على بن سهل وعمرو بن صالح۔

''ابن المبارک نے مذکورہ بالا بات اس لیے کہی کہ امام صاحب تابعین کے آخری دور میں پیدا ہوئے اور امام صاحب کے ظہور کا زمانہ تابعین کے گزر جانے کے بعد ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ امام صاحب خود تابعی تھے۔''❶

جب امام صاحب بدعوئ مصنف انوار تابعین کے آخری دور میں پیدا ہوئے اور مصنف انوار کا دوسرا دعویٰ یہ ہے:

''قرن اول سے مراد زمانہ بعثت سے لے کر ۱۱۰ھ تک کا زمانہ ہے جو عہد رسالت و عہد صحابہ کہلاتا ہے۔ اور قرن دوم ۱۱۱ھ سے لے کر ۱۷۰ھ تک ہے جو عہد تابعین کہلاتا ہے۔''❷

مصنف انوار کی مذکورہ بالا باتوں کا مفاد یہ ہے کہ عہد تابعین ۱۱۱ھ سے شروع ہو کر ۱۷۰ھ پر ختم ہوا اور امام صاحب تابعین کے آخری زمانہ میں پیدا ہوئے اور تابعین کا زمانہ گزر جانے کے بعد امام صاحب ظہور پذیر ہوئے، جس کا لازمی مطلب ہے کہ امام صاحب ۱۷۰ھ کے بعد ظہور پذیر ہوئے اور ۱۱۱ھ کے بعد پیدا ہوئے، جب بدعوئ مصنف انوار صحابہ کا زمانہ ۱۱۰ھ میں ختم ہو گیا جس کے بعد ہی نہ جانے کس زمانہ میں امام صاحب پیدا ہوئے تو اس کا لازمی مطلب ہے کہ امام صاحب کسی بھی صحابی کو نہیں دیکھ سکے۔ یعنی مصنف انوار کی اسی مستدل روایت کی مذکورہ بالا تحریف کا مفاد بھی یہی ہے کہ امام صاحب کسی صحابی کو نہیں دیکھ سکے۔

مصنف انوار نے ابن المبارک کی طرف منسوب مندرجہ ذیل روایت بھی صحیح و معتبر قرار دے کر نقل کیا ہے:

''امام صاحب مجید الغور تھے یعنی مسائل کی گہرائیوں تک جاتے تھے۔''❸

مذکورہ بالا روایت بھی موفق (۵۱/۱) میں حارثی کذاب سے منقول ہے۔ پھر اسے صحیح قرار دینا کیا معنی رکھتا ہے؟

اسی طرح مصنف انوار کی نقل کردہ مندرجہ ذیل روایت بھی حارثی کذاب سے مروی ہے:

''ابن المبارک نے فرمایا کہ علماء امام صاحب سے مستغنی نہیں ہو سکتے، کم سے کم تفسیرِ حدیث کے لیے تو ان کی احتیاج ظاہر و باہر ہے۔''❹

مصنف انوار نے کہا:

''حضرت عبداللہ بن المبارک امام صاحب پر نقد و جرح کرنے والوں کے بارے میں ایک مشہور شعر پڑھا کرتے تھے کہ جب کسی شخص کے علم و فضل کے غیر معمولی مرتبہ تک لوگوں کا پہنچنا دشوار ہوتا ہے تو اس پر حسد کرنے لگتے ہیں اور حسد کی وجہ سے جرح پر اتر آتے ہیں، خود امام صاحب سے بھی چند اشعار ایسے منقول ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کے پاکیزہ قلب پر بھی حاسدین کے حسد کا صدمہ تھا۔''❺

مصنف انوار کی دلیل بنائی ہوئی روایت مذکورہ میں بھی اعتراف کیا گیا ہے کہ بقول ابن المبارک اور باقرار امام صاحب، امام صاحب پر معاصرینِ امام صاحب میں سے بہت سارے لوگ جرح و نقد کیا کرتے تھے، ناقدین امام صاحب کی بابت ابن المبارک کی طرف شعر خوانی کی منسوب کہانی ظاہر ہے کہ مکذوبہ ہے، اپنے حاسدین کی بابت امام صاحب کی شعر

---

❶ مقدمه انوار (۱/ ۹۷) ❷ مقدمه انوار (۱/ ۱۸) ❸ مقدمه انوار (۱/ ۹۷)

❹ مقدمه انوار (۱/ ۹۷) ❺ مقدمه انوار (۱/ ۷۶، ۷۷)

خوانی کے سلسلے میں دو روایات تاریخ خطیب (۱۳/ ۳٦٧) میں منقول ہیں۔ پہلی کی سند میں سفیان بن وکیع واقع ہیں، جن کو مصنف انوار کے استاذ کوثری نے ساقط الا عتبار کہا۔[1] اسی سند کا دوسرا راوی محمد بن اسحاق بن ابراہیم ابوبکر سکرہ اہوازی قاضی بقول خویش کذاب اور وضاع ہے۔[2] اور سکرہ سے روایت مذکورہ کا راوی محمد بن حسن احمد اہوازی بھی کذاب اور وضاع ہے۔[3] دوسری روایت کی سند میں واقع شدہ ایک راوی حسن بن الحسین بن حمکان ابوعلی ہمدانی بھی ساقط الاعتبار ہے۔[4] ایسے اکاذیب کو دلیل بنانا کیا معنی رکھتا ہے؟

مصنف انوار فرماتے ہیں:

''امام صاحب کی قبر پر کھڑے ہو کر ابن المبارک نے کہا کہ ابراہیم نخعی و حماد نے مرتے وقت اپنا خلیفہ چھوڑا تھا، خدا آپ پر رحم کرے آپ نے اپنا خلف نہیں چھوڑا۔ یہ کہہ کر دیر تک زار زار روتے رہے۔''[5]

مصنف انوار نے روایت مذکورہ بحوالۂ الخیرات الحسان نقل کی ہے، جس میں مندرج روایات کی اسناد محذوف ہیں، پھر مصنف انوار کو روایت مذکورہ کا صحیح ہونا کیسے معلوم ہوا؟ عقود الجمان (ص: ۳٦۳، ۳٦۴) میں روایت مذکورہ حارثی کذاب سے منقول ہے، یعنی روایت مذکورہ حارثی کذاب کی اختراع کردہ ہے۔

ایک روایت اس طرح ہے:

" قال يعقوب: أملٰى عليّ بعض أصحابنا أبياتا، مدح بها ابن المبارك أباحنيفة... الخ "[6]

یعنی یہ اشعار ہمارے بعض اصحاب نے املاء کرایا جن کو ابن المبارک نے مدح ابی حنیفہ میں کہہ رکھا ہے۔

ظاہر ہے کہ ''بعض أصحابنا'' مجہول راوی ہے۔ الانتقاء (۱۳۳، ۱۳۴) میں روایت مذکورہ حسن بن ربیع ابو علی بجلی سے مروی ہے جن کو کوثری نے ساقط الاعتبار کہا ہے۔[7] نیز اسکی سند میں ابو یعقوب المعروف بابن الدخیل غیر موثق ہے۔

مصنف انوار نے کہا:

''ابن المبارک نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ افقہ الناس تھے۔ میں نے فقہ میں ان کا مثل نہیں دیکھا۔''[8] ابن المبارک نے کہا کہ ابوحنیفہ فقہ میں سب علماء سے زیادہ تھے، میں نے ان جیسا فقہ میں نہیں دیکھا۔''[9]

مصنف انوار کی مذکورہ بالا دونوں تحریریں دراصل ایک ہی روایت کی دو تعبیریں ہیں، روایت مذکورہ طویل ہے اس کا صرف ایک ٹکڑا مصنف انوار نے نقل کیا ہے۔ اس کا باقی حصہ مصنف انوار کے بعض مزعومات کی تکذیب کر رہا ہے، وہ یہ کہ اس روایت میں صراحت ہے کہ ابن المبارک نے عبدالعزیز بن ابی رواد کو ''أعبد الناس'' (سب سے زیادہ عبادت گزار) اور فضیل بن عیاض کو ''أورع الناس'' (سب سے زیادہ پارسا) اور سفیان ثوری کو ''أعلم الناس'' قرار دیا

---

[1] تانیب (ص: ٥٧) [2] لسان المیزان (٥/ ٦٩)

[3] لسان المیزان (٥/ ١٢٤، ١٢٥) خطیب (٢/ ٢١٦، ٢١٧)

[4] دیوان الضعفاء للذهبي (ص: ٥٦) ولسان المیزان ومیزان الاعتدال۔ [5] مقدمہ انوار (١/ ٦٠ بحوالہ الخیرات الحسان)

[6] خطیب (٣/ ٣٥٠) وعقود الجمان (ص: ٣٧٩، ٣٨٠) وموفق وغیرہ۔

[7] تانیب (ص: ١٥١) [8] مقدمہ انوار (١/ ٧٢) [9] مقدمہ انوار (١/ ٩٦)

ہے۔[1] حالانکہ ان تینوں اوصاف میں بھی مکذوبہ روایات کے مطابق ابن المبارک نے امام صاحب کو سب سے بڑا قرار دیا ہے، اور لطف کی بات یہ کہ ان اکا ذیب کو بھی مصنف انوار نے حجت بنا رکھا ہے۔ (کما لایخفی) مذکورہ بالا روایت کی دو سندیں ہیں، ایک میں محمد بن سعید مروزی بورقی کذاب ہے۔[2] دوسری میں محمد بن علی بن عفان عامری ہیں جن سے مروی ہے کہ امام صاحب کے دادا کابلی الاصل مملوک و غلام تھے۔ (کما تقدم) مگر مصنف انوار اس کے خلاف مدعی ہیں کہ امام صاحب فارسی الاصل اور آزاد خاندان کے تھے۔ (کما تقدم)

مصنف انوار رقمطراز ہیں:

''ابن المبارک نے کہا کہ میں نے مسعر بن کدام کو امام ابوحنیفہ کے حلقہ درس میں مستفید ہوتے دیکھا۔ اگر خدائے تعالیٰ ابوحنیفہ وسفیان ثوری سے میری فریادرسی نہ کرتا تو میں بھی عام آدمیوں کی طرح ہوتا۔''[3]

مصنف انوار کی مذکورہ بالا عبارت دو روایات پر مشتمل ہے، پہلی روایت خطیب (۱۳/۳۴۳) وموفق (۲/۲۹) اور عام کتب مناقب میں ابن المغلس کذاب سے منقول ہے، جس کی سند میں محمد بن حمدان بن الصباح راوی مجہول ہے۔[4] صحیح سند سے ثابت ہے کہ ابن المبارک نے امام سفیان ثوری کو افضل الناس اوراعلم الناس کہا ہے۔[5] اس کے بالمقابل مصنف انوار کا مکذوبہ روایت کو معتبر کہہ کر حجت بنانا کیا معنی رکھتا ہے؟

مصنف انوار کی ذکر کردہ مذکورہ بالا دونوں روایات میں سے دوسری روایت کی سند میں حامد بن آدم مروزی کذاب ہے۔[6] یہ بحث آگے آرہی ہے کہ مسعر بن کدام نے امام صاحب کو غیر ثقہ کہا ہے جس کی تائید عام اہل علم نے کر رکھی ہے، نیز کتبِ مناقب میں مسعر کو امام صاحب کا استاذ کہا گیا ہے۔

مصنف انوار نے کہا:

''ابن المبارک نے فرمایا کہ میں نے ایک روز امام سفیان ثوری سے کہا کہ امام ابوحنیفہ غیبت سے کس قدر محتاط ہیں کہ میں نے ان کو کسی دشمن کی بھی غیبت کرتے نہیں دیکھا؟ امام سفیان نے فرمایا واللہ وہ بڑے عاقل ہیں، وہ کس طرح ایسی بات کر سکتے ہیں جس سے ان کی نیکیاں دوسروں کے حوالہ ہو جائیں۔''[7]

مصنف انوار نے روایت مذکورہ بحوالہ موفق (۱/۱۹۰) نقل کی ہے اور موفق کے مقام مذکور پر یہ صراحت ہے:

" أنا الفقيه ظاهر بن محمد بن أحمد عن بعض من يحكي عن ابن المبارك... إلى أن قال: وسمعت هذا الحديث في مناقب الصيمري، و مسند أبي حنيفة على هذا السياق، وأخرجه أيضا الإمام أبو بكر الخطيب في تاريخه..."[8]

موفق کے بیان کا حاصل یہ ہے کہ روایت مذکورہ کی سند ہیں ''من يحكي'' مجہول راوی ہے اور جس صیمری وخطیب کے

---

[1] خطیب (۱۳/ ۳۴۲، ۳۴۳) [2] اللمحات (۱/ ۷۷) [3] مقدمه انوار (۱/ ۹۶)
[4] لسان المیزان (۵/ ۱۴۷) [5] خطیب (۹/ ۱۵۷) و تقدمة الجرح والتعديل لا بن أبي حاتم و حلية الأولياء وغيره۔
[6] خطیب (۱۳/ ۲۳۷، ۲۳۸) [7] مقدمه انوار (۱/ ۲۹)
[8] مناقب صیمری (ص: ۳۱) وخطیب (۱۳/ ۳۶۳)

حوالے سے موفق نے روایت مذکورہ نقل کی ان میں روایت مذکورہ کی سند میں ابن المغلس کذاب ہے۔

امام ابن المبارک کی طرف منسوب مندرجہ ذیل روایت بھی مصنف انوار نے نقل کی ہے:

''سفیان ثوری نے کہا کہ بخدا امام ابو حنیفہ علم اخذ کرنے میں سخت مستعد اور منہیات کی روک تھام کرنے والے تھے، وہی حدیث لیتے تھے جو رسول اللہ ﷺ سے پایۂ صحت کو پہنچ چکی ہو، ناسخ و منسوخ کی معرفت میں قوی ملکہ رکھتے تھے، ثقہ اصحاب کی حدیث اور آخری فعل نبوی کی تحقیق و تلاش میں رہتے، حق بات کی پیروی میں جس بات پر جمہور علماء کوفہ کو متفق پاتے اسی سے تمسک کرتے اور اسی کو اپنا دین و مذہب قرار دیتے تھے۔''[1]

مصنف انوار نے یہاں یہ بتلایا کہ مندرجہ بالا بات ابن المبارک نے سفیان ثوری سے نقل کی ہے، اسی طرح مقدمہ انوار (۱/۲۶) میں بھی موصوف نے اسے قول سفیان قرار دے کر اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے، مگر مقدمہ انوار (۱/۹۷) میں موصوف اس روایت کو ابن المبارک کا مستقل قول قرار دے کر نقل کر چکے ہیں، وہاں موصوف کے الفاظ بھی بدلے ہوئے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

''ایک دفعہ فرمایا یعنی ابن المبارک نے فرمایا کہ خدا کی قسم ابو حنیفہ علم حاصل کرنے میں بہت سخت تھے، محارم سے دور رہتے، وہی کہتے جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے ..الخ''[2]

مصنف انوار کی اس کارستانی کے ساتھ مقدمہ انور (۱/۹۷) میں یہ روایت کافی طویل ہے، جس کے ایک حصہ کو مصنف انوار نے نقل کیا ہے۔ اور اس میں ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ روایت ابن المبارک نے سفیان ثوری سے نقل کی ہے۔ اس میں اس امر کی بھی صراحت ہے کہ ''سفیان ثوری نے کہا کہ امام صاحب پر پوری ایک قوم نے حتی کہ ہم نے بھی بلا وجہ کلام کیا ہے۔ اللہ معاف فرمائے۔''

ناظرین کرام کو بتلایا جا چکا ہے کہ کردری میں منقول روایات کی اسانید مذکور نہیں۔ پھر مصنف انوار کو یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ روایت مذکورہ صحیح ہے جب کہ باسانید صحیحہ امام صاحب پر امام سفیان ثوری و ابن المبارک کی سخت تجریح ثابت ہے؟ عقود الجمان (ص: ۱۹۱) میں یہ روایت بلا سند بحوالۂ ابن کاس منقول ہے، البتہ مناقب صیمری (ص: ۶۶، ۶۷) میں یہ روایت ابن المغلس کذاب سے مروی ہے۔ اس مفہوم کی ایک روایت الانتقاء لابن عبدالبر (ص: ۱۴۲) میں ابن المبارک سے مروی ہے جس کی سند میں ابو بشر دولابی مجروح ہے۔ نیز اس کا ایک راوی ابو بکر مجہول ہے۔

مصنف انوار نے کہا:

''فرمایا (یعنی ابن المبارک نے فرمایا) کہ وہ شخص محروم ہے جس کو امام صاحب کے علم سے حصہ نہیں ملا۔''[3]

مصنف انوار نے روایت مذکورہ جس موفق کے حوالے سے نقل کی ہے اس میں یہ روایت حارثی کذاب سے منقول ہے، حارثی نے ایسی جعلی سند اس روایت کے لیے وضع کی جس کے بعض رواۃ مجہول و غیر معروف ہیں۔

مصنف انوار نے مزید کہا:

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۰۹) [2] مقدمہ انوار (۱/ ۹۷)

[3] مقدمہ انوار (۱/ ۹۷) بحوالہ موفق (۲/۵۲)

''ابن المبارک فرماتے تھے کہ خدا اس کا برا کرے جو ہمارے شیخ کا ذکر برائی سے کرے یعنی امام صاحب کا۔''[1]

روایت مذکورہ موفق (۲/۵۳) میں بایں طور منقول ہے کہ ''وبه قال حدثنا محمد بن مهدی.. الخ''اور ''به قال'' میں ضمیر ''قال'' کا مرجع حارثی کذاب ہے اور اس کی بناوٹی سند کے کئی رواۃ غیر معروف وغیر متعین ہیں۔

مصنف انوار نے کہا:

''ایک دفعہ ایک شخص نے کوئی مسئلہ پوچھا، ابن المبارک نے طاؤس کا قول بھی نقل کر دیا اور امام صاحب کا بھی جو اس کے خلاف تھا، اس شخص نے کہا کہ ہم طاؤس کے قول پر عمل کریں گے اور ابو حنیفہ کے قول کو دیوار پر ماریں گے، ابن المبارک نے کہا کہ افسوس ہے تجھ پر کیا تو نے امام صاحب کو دیکھا ہے؟ اس نے کہا نہیں، فرمایا واللہ اگر تو ان کو دیکھ لیتا تو ایسی بات نہ کہتا وہ تیرے خلاف اتنے قوی دلائل لاتے کہ تو ان کے ہوتے ہوئے امام صاحب کے قول کو دیوار پر نہ مارتا۔''[2]

روایت مذکورہ بھی موفق (۲/۵۳) میں حارثی کذاب سے منقول ہے، اس روایت کا مفاد بھی یہ ہے کہ کچھ لوگ امام صاحب کو مطعون کرتے تھے۔

مصنف انوار نے کہا:

''ایک دفعہ ابن المبارک نے ایک حدیث امام صاحب سے روایت کر کے سنائی، ایک شخص نے اس پر کچھ کلام کیا تو ابن المبارک نے غصہ سے فرمایا کہ تم لوگوں کا اس سے کیا مقصد ہے؟ جس کو خدا نے بلند فرمایا وہ ہی بلند ہوگا۔''[3]

روایت مذکورہ بھی موفق (۲/۵۲) میں حارثی کذاب سے مروی ہے اور باسانید صحیحہ امام صاحب پر ابن المبارک کی تجریح ثابت ہے۔

رائے ابی حنیفہ کی مدح ابن المبارک کی زبانی:

یہ تفصیل گزر چکی ہے کہ مصنف انوار اور ان کے ہم مزاج لوگوں کے دعوی کے مطابق امام صاحب جس حماد کی درسگاہ میں تعلیم و تربیت پا کر'' فقیہ اور امام'' بنے، نیز امام صاحب جس حماد کے ہم مسلک و ہم مذہب تھے وہ تا حیات امام ابراہیم نخعی اور وفات نخعی کے بعد کچھ زمانہ تک مسلک نخعی کے پابند رہے مگر وفات نخعی کے کچھ دنوں بعد موصوف حماد مسلک نخعی سے منحرف ہو کر مذہب رائے وارجاء کے پیرو بن گئے تھے، اور حماد کے اختیار کردہ مذہبِ جدید کے خلاف امام عامر شعبی نیز عام تلامذہ نخعی بے حد نقد کرنے لگے تھے اور حماد سے ربط و تعلق توڑ بیٹھے تھے، مسائل رائے وارجاء سے اشتغال میں انہماک کے سبب نیز آسیب و مرگی اور اختلاط کے باعث حدیث میں حماد ساقط الاعتبار قرار پاگئے تھے، البتہ آسیب و مرگی اور اختلاط کا شکار ہونے سے پہلے اور مسلک نخعی چھوڑ کر مذہب رائے وارجاء اختیار کرنے کے بعد والے زمانے میں حماد اہل الرای والارجاء کے مسائل کو اہل الرای والارجاء کے اصول کے مطابق ٹھیک سے بیان کر لیا کرتے تھے، اسی بات کو بعض علماء جرح و تعدیل نے یوں ظاہر کیا ہے کہ'' حماد رائے میں ٹھیک ہیں مگر حدیث میں ٹھیک نہیں۔''

---

[1] مقدمه انوار (۱/ ۹۷)
[2] مقدمه انوار (۱/۹۷)
[3] مقدمه انوار (۱/ ۹۸)

حاصل یہ کہ مذہب ''رائے وارجاء'' کے مسائل کی تدریس، تعلیم، توضیح اور تبیین میں حماد کی صلاحیت اور امامت مسلم ہے، ''رائے'' کو بعض لوگ فقہ اور اجتہاد کے لفظ سے بھی تعبیر کرنے کے عادی ہیں، اسی مناسبت سے ''رائے وقیاس'' میں مہارت ولیاقت کو فقہ واجتہاد میں مہارت ولیاقت سے بھی تعبیر کرنے کا بعض حلقوں میں رواج ہو گیا، بنا بریں ''رائے وقیاس'' میں مہارت رکھنے والے کو ''فقیہ ومجتہد'' کے لفظ سے بھی بعض حلقوں میں یاد کیا جانے لگا، بعد میں یہ بات بعض حلقوں سے نکل کر عام لوگوں میں پھیل گئی اور ہر ماہرِ رائے وقیاس مجتہد وفقیہ کے لقب سے مشہور ہو گیا، حالانکہ اسلاف میں رائے وقیاس کو فقہ واجتہاد کے نام سے یاد کرنے کا رواج نہیں تھا، حماد کے فقیہ ومجتہد مشہور ہونے کی بنیاد یہی چیز ہے کہ وہ مذہب رائے وارجاء کے مسائل کے ماہر وامام تھے۔ مذہب رائے وارجاء کے مسائل کے کسی ماہر وفاضل کو جب فقیہ ومجتہد کہا جاتا ہے تو محدثین کے نقطۂ نظر سے اس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ شخص مذکور مذہب رائے وقیاس اور مسلک ارجاء کی ''رائے'' کا ماہر وعالم ہے، عبداللہ بن المبارک یا کسی بھی محدث سے اگر بالفرض مذہب رائے وارجاء کے مسائل کی مہارت رکھنے والے شخص کے بارے میں '' فقیہ ومجتہد'' یا اس مفہوم کے الفاظ کا استعمال کرنا ثابت ہو تو اس کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ محدث مذکور شخصِ مذکور کو مذہب رائے وارجاء کی ''رائے'' کا ماہر وعالم قرار دیتا ہے۔

امام ابن المبارک اور دوسرے محدثین پورے انشراح صدر کے ساتھ اس حقیقت کے معترف ہیں کہ امام صاحب مذہب رائے وقیاس کے ماہر وعالم تھے، ابن المبارک اور دوسرے محدثین کے اس اعتراف کی تعبیر اگر کوئی شخص اپنے نقطۂ نظر سے یہ کرتا ہے کہ انہوں نے امام صاحب کے فقیہ ومجتہد اور ماہرِ فقہ واجتہاد ہونے کا اعتراف کیا ہے تو وہ بالکل حق بجانب ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن المبارک اور دوسرے محدثین سے مروی جن روایات میں امام صاحب کو ماہر فقہ واجتہاد نیز فقیہ ومجتہد کہا گیا ہے انہیں اسی توجیہ مذکور کی روشنی میں دیکھنا چاہئے بشرطیکہ روایات مذکورہ صحیح ومعتبر ہوں۔ ابن المبارک نیز دوسرے محدثین سے مروی متعدد روایات میں امام صاحب کے ماہر ''رائے'' ہونے کا اعتراف کیا گیا ہے۔ یہ تفصیل آگے آرہی ہے کہ امام صاحب نے فرمایا ہے کہ جس علم اور دینی خدمت سے ہمارا اشتغال ہے وہ تمام کا تمام مجموعۂ رائے ہے۔❶

نیز امام صاحب ایک زمانہ تک ''رائے'' ہی کو اصل دین ومذہب سمجھتے تھے، چنانچہ انہوں نے فرمایا:

"هل الدين إلا الرأي الحسن." ''اچھی رائے ہی ہمارا دین وایمان ہے۔''❷

چونکہ امام صاحب '' رائے'' ہی کو اصل دین ومذہب سمجھتے تھے اس لیے موصوف نے '' رائے'' کے ساتھ اشتغال وانہاک کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا اور زندگی بھر یہ مشغلہ خدمت دین اور کارثواب سمجھ کر اختیار کئے رہے، چنانچہ امام صاحب کا ارشاد ہے کہ "علمنا هذا رأي"❸ جس علم سے ہمارا اشتغال ہے وہ مجموعۂ رائے وقیاس ہے۔

اپنے شاگرد امام محمد بن حسن شیبانی کی موجودگی میں تمام لوگوں کے سامنے امام صاحب نے فرمایا تھا:

---

❶ ملاحظہ ہو: اللمحات (١/ ١٦٧ و ١/ ٣٧٤ تا ٤٤٠ و ١/٤٨٤ تا ٤٨٧ و ٤٩٠ تا ٤٩٥)

❷ الكامل لابن عدى (٣/ ٨٠) المجروحين لا بن حبان (٣/ ٦٥) خطيب (١٣/ ٣٩٠)

❸ اللمحات (١/١٦٧ وسيأتى التفصيل)

”فإني قد أرى الرأي اليوم، وأتركه غداً، و أرى الرأي غدا، وأتركه بعد غد.“ ❶
یعنی میں روز اپنی رائے بدلتا رہتا ہوں۔

مذکورہ بالا روایت معتبر ہے، اس کا مفاد یہ ہے کہ جس زمانہ میں امام صاحب کی خدمت میں امام زفر، ابو یوسف اور محمد پڑھا کرتے تھے اس زمانہ میں بھی امام صاحب کا اشتغال صرف ”رائے“ سے تھا ورنہ موصوف یہ نہ فرماتے کہ میری ”رائے“ روزانہ بدلتی رہتی ہے، اس لیے میری بیان کردہ ساری باتیں مت لکھا کرو۔ یہ معلوم ہے کہ امام محمد درسگاہِ امام صاحب میں امام صاحب کی بالکل آخری زندگی میں جانے لگے تھے (کماسیأتی) نیز امام صاحب کے شاگرد حفص بن غیاث نے کہا کہ ہمہ وقت امام صاحب کی رائے کی تغیر پذیری کو دیکھ کر میں نے امام صاحب کو چھوڑ کر حدیث کی طرف توجہ کی۔ ❷

رائے ابی حنیفہ چھوڑ کر حدیث کی طرف توجہ کا لازمی مطلب ہے کہ امام صاحب کا اشتغال صرف رائے سے تھا۔ اس مفہوم کی متعدد روایات گزر چکی ہیں کہ زندگی بھر ”رائے“ سے اشتغال رکھنے والے امام صاحب نے اپنی زندگی کے بالکل اواخر میں اعلان کر دیا کہ میری بیان کردہ عام علمی باتیں مجموعۂ اغلاط ہیں۔ نیز موصوف فرمانے لگے کہ بعض قیاس (رائے) مسجد میں پیشاب کرنے سے بھی زیادہ مذموم ہوتے ہیں۔ ❸ اسلاف کرام نصوص کتاب وسنت کی روشنی میں ہمیشہ ”رائے“ کی تغلیط اور مذمت کرتے رہے، اس سلسلے میں متعدد روایات کا ذکر آچکا ہے۔ ❹

جن کتابوں کے مندرجات کو مصنف انوار نصوص کتاب وسنت کی طرح حجت بنایا کرتے ہیں ان میں منقول ہے:

”علي بن قدامة سمعت عبد الحكم بن ميسرة يقول: أتيت حماد بن أبي حنيفة، وقد كان أمسك عن الحديث، فسألته أن يحدثني، وذكرت له محبتي إياه، فقال: تركت الحديث، فإني رأيت أبي في المنام كأني أقول له: ما فعل الله بك؟ فيقول: هيهات هيهات عليك بالرأي ثلاث مرات، و دع الحديث ثلاث مرات.“ ❺

”یعنی عبد الحکم بن میسرہ نے کہا کہ میں امام صاحب کے بیٹے حماد کے پاس آیا، اس زمانے میں وہ روایت حدیث کو بند کر چکے تھے، میں نے حماد سے اپنی محبت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ آپ حدیث بیان کیجئے، حماد نے کہا میں نے حدیث بیان کرنا بند کر دیا ہے کیونکہ میں نے خواب میں اپنے والد یعنی امام صاحب کو تین بار یہ فرماتے سنا کہ حدیث کو چھوڑ کر صرف رائے (یعنی قیاس پر مشتمل فقہ) سے تعلق و اشتغال لازم پکڑو۔“

اس سے معلوم ہوا کہ امام صاحب حدیث کے بجائے ”رائے“ سے اشتغال کو واجب سمجھتے تھے اور اشتغال بالحدیث سے منع کرتے تھے۔ موفق نے امام حاکم سے اس روایت کی یہ تاویل نقل کی ہے کہ ”اس سے مراد مکذوبہ احادیث ہیں“ لیکن اگر یہ بات ہوتی تو حماد امام صاحب کے حکم کی تعمیل میں صرف مکذوبہ احادیث بیان کرنے سے پرہیز کرتے مطلقاً نہیں۔ حاکم کی

---

❶ خطیب (١٣/ ٤٠٢)
❷ اللمحات (١/ ٤٩٠ تا ٤٩١)
❸ مناقب صیمری (ص: ١٣) الکامل لابن عدی (٣/ ٨١)
❹ اللمحات (١/ ٣٧٤ تا ٤٠٠)
❺ موفق (٢/ ٢٠٤) وکردری وغیرہ۔

بات سے امام ابوحنیفہ وحماد کے قولِ مطلق کو مقید کرنا اصول احناف کے خلاف ہے، جب قرآن کے حکم مطلق کو حدیث نبوی (خبر واحد) سے مقید کرنا احناف کے یہاں جائز نہیں تو فرمان امام صاحب کو قول حاکم سے کیونکر مقید کیا جا سکتا ہے؟ روایت مذکورہ کا مفاد ہے کہ اپنی زندگی ہی میں نہیں بلکہ موت کے بعد بھی امام صاحب صرف رائے کے ساتھ اشتغال رکھنا ضروری سمجھتے تھے، ظاہر ہے کہ اس قسم کی روایات صرف اس لیے گھڑی گئی ہیں کہ ان روایات کو رد کیا جا سکے جن کا مفاد ہے کہ امام صاحب آخری زندگی میں ''رائے'' کو قابل ترک کہتے تھے۔

ظاہر ہے کہ جب امام صاحب ''رائے'' کو اصل دین سمجھ کر ''رائے'' سے اشتغال کو اپنا نصب العین بنائے ہوئے تھے اور اپنی تمام تر توجہ اسی پر صرف کرتے تھے تو ''رائے'' میں موصوف کو مہارت و بصیرت بھی بہت زیادہ حاصل ہوگئی ہوگی، چنانچہ امام ابن المبارک اور دوسرے اہل علم نے ''رائے قیاس'' میں امام صاحب کی بصیرت وعظمت کا پورا اعتراف کیا ہے۔ امام عبداللہ بن عثمان المعروف بعبدان سے مروی اس روایت کا ذکر آ چکا ہے کہ امام ابن المبارک نے کہا کہ رائے میں امام صاحب کی بصیرت مسلم ہے مگر حدیث میں موصوف ''تھیم'' (غیر معتبر وغیر ثقہ) تھے۔ نیز کتاب ''المصنف'' کے مصنف امام عبدالرزاق سے مروی ہے:

" سمعت ابن المبارك يقول: إن كان أحد ينبغي له أن يقول برأيه فأبو حنيفة ينبغي له أن يقول برأيه." [1]

''اگر کسی کو ''رائے'' سے بات کرنے کا حق حاصل ہے تو امام ابوحنیفہ کو بھی ''رائے'' سے بولنے کا حق حاصل ہے۔''

مطلب یہ کہ اگر امور دین میں رائے زنی کا حق اور لوگوں کو حاصل ہے تو امام صاحب بھی اس کا حق رکھتے ہیں۔

اس روایت میں بھی ابن المبارک نے رائے میں امام صاحب کی بصیرت ومہارت کا اعتراف کیا ہے۔ نیز اس معنی و مفہوم کی بہت ساری روایات کتب مناقب میں موجود ہیں کہ رائے میں امام صاحب کی بصیرت و مہارت کا اعتراف امام صاحب کے عام معاصرین وغیر معاصرین نے کر رکھا ہے، ان میں سے بعض کا ذکر آگے آئے گا مگر رائے میں امام صاحب کی بصیرت ومہارت کے اعتراف کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ابن المبارک اور دوسرے اہل علم کے نزدیک ''رائے'' کے ساتھ امام صاحب کا یہ اشتغال وانہماک پسندیدہ تھا، حافظ سلیمان کا یہ بیان گزر چکا ہے کہ امام صاحب کے کسی معاصر نے امام صاحب کی رائے یا کسی چیز کی تحسین نہیں کی۔

رائے سے امام صاحب کا اشتغال ابن المبارک کی نظر میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟

امام عبداللہ بن المبارک کے وراق امام سلمہ بن سلیمان مروزی نے کہا:

"قال رجل لابن المبارك: كان أبو حنيفة مجتهدا؟ قال: ما كان بخليق لذلك، كان يصبح نشيطا في الخوض إلى الظهر، ومن الظهر إلى العصر، و من العصر إلى المغرب، ومن المغرب إلى العشاء، فمتى كان مجتهد ا؟ و سمعت أبا قدامة يقول: سمعت سلمة بن

[1] خطیب (۱۳/ ۳۴۳) وعام کتب مناقب۔

سليمان يقول: قال رجل لابن المبارك: أكان أبو حنيفة عالما؟ قال: لا، ما كان بخليق لذاك ترك عطاء وأقبل على أبي العطوف.»❶

''یعنی ایک آدمی نے ابن المبارک سے پوچھا کہ کیا امام صاحب ''مجتہد'' (عبادت و ریاضت میں زیادہ توجہ و محنت صرف کرنے والے) تھے؟ ابن المبارک نے کہا کہ نہیں امام صاحب مجتہد نہیں تھے اور وہ اس لائق تھے ہی نہیں کہ ''مجتہد'' ہوتے، کیونکہ وہ صبح سے لے کر عشاء کے وقت تک ''خوض'' (رائے کے ساتھ انہماک واشتغال) میں مصروف رہا کرتے تھے پھر وہ عبادت میں توجہ ومحنت کب کر سکتے تھے؟ ایک شخص نے ابن المبارک سے پوچھا کیا امام صاحب عالم تھے؟ ابن المبارک نے کہا نہیں امام صاحب عالم نہیں تھے، بھلا وہ عالم ہوتے تو امام عطاء بن ابی رباح کو چھوڑ کر ابو العطوف کی طرف متوجہ ہو جاتے؟''

مصنف انوار کے استاذ کوثری اور ملک معظم عیسی نے روایت مذکورہ کو ساقط الاعتبار بتلایا ہے۔❷ لیکن اصول روایت و درایت سے کوثری وعیسی کی تکذیب ہوتی ہے، کوثری نے روایت مذکورہ کے ساقط الاعتبار ہونے کی صرف ایک علت یہ بیان کی ہے کہ ابن المبارک سے سوال مذکور کرنے والے آدمی کا نام قصۂ مذکورہ کو بیان کرنے والے سلمہ بن سلیمان نے نہیں بتلایا اور نہ یہ بتلایا کہ قصۂ مذکورہ کے وقوع کے وقت سلمہ، ابن المبارک کے پاس موجود تھے یا نہیں؟ لہٰذا یہ روایت منقطع بھی ہے اور مجہول راوی سے منقول ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ سلمہ بن سلیمان المودب مروزی خراسانی صحیح بخاری ومسلم کے رواۃ میں سے ہیں۔❸ اور مصنف انوار نیز ان کے شیخ انور معترف ہیں کہ صحیح بخاری کے رواۃ ثقہ ہیں، انہیں غیر معتبر نہیں قرار دیا جا سکتا۔❹ بقول ابو رجاء محمد بن حمدویہ موصوف سلمہ امام ابن المبارک کے وراق تھے اور بقول ابو حاتم موصوف سلمہ امام ابن المبارک کے جلیل القدر تلامذہ میں سے تھے، بقول محمد بن اللیث سلمہ کی وفات ۱۹۶ھ میں اور بقول ابو رجاء محمد ۲۰۳ھ اور بقول بعض ۲۰۴ میں ہوئی۔❺ اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ سلمہ نہ صرف یہ کہ امام ابن المبارک کے ثقہ معاصر تھے بلکہ موصوف امام ابن المبارک کے خصوصی تلامذہ میں سے اور ان کے وراق تھے، لہٰذا اصول روایت ودرایت سے ابن المبارک سے موصوف کی نقل کردہ کوئی بھی بات اصلاً متصل مانی جائے گی اور ابن المبارک سے موصوف کی روایت کو بلا دلیل قاطع منقطع کہنا علم روایت ودرایت کے ساتھ تلاعب وتعدی ہے، جو کوثری اور ان کے دم چھلوں کا خاص شیوہ وشعار ہے۔ جب سلمہ، ابن المبارک کے خاص شاگرد تھے تو ان کا یہ بیان کہ ''ابن المبارک سے کسی آدمی نے فلاں قسم کا سوال کیا۔'' اصول روایت ودرایت کے مطابق اس بات پر محمول کرنا ضروری ہے کہ جس وقت ابن المبارک سے اس آدمی نے سوال مذکور کیا تھا اس وقت سلمہ بذات خود موجود تھے اور انہوں نے واقعۂ مذکورہ و مکالمۂ مذکورہ کا بذات خود مشاہدہ کر رکھا تھا۔ دریں صورت سوال کنندہ کا مجہول یا معروف اور ثقہ وغیر ثقہ ہونا روایت کے صحیح ہونے

---

❶ خطیب (۱۳/ ٤٠٦) ❷ تانیب الخطیب (ص: ۱۲۸، ۱۲۹) الرد علی الخطیب للملك المعظم (ص: ۹۹)

❸ الجمع بين رجال الصحيحين (۱/ ۱۹۲)

❹ مقدمه انوار (۱/ ٤٥، ٤٦) واللمحات (۱/ ۲٤ تا ۲۸) ❺ تهذيب التهذيب (٤/ ۱٤٥، ۱٤٦) وعام کتب رجال۔

میں ہرگز قادح نہیں ہوسکتا، خواہ سوال کنندہ بدترین قسم کا کذاب اور ملحد و زندیق ہی کیوں نہ ہو۔ پھر اس روایت کو منقطع کہنا اور شخص مذکور کو مجہول قرار دے کر اسے ساقط الاعتبار بتلانا کونسی اصول پرستی، دینی، علمی، تحقیقی خدمت اور دیانت داری ہے؟

سلمہ سے روایت مذکورہ کے ناقل حافظ ابو قدامہ عبید اللہ بن سعید بن یحییٰ یشکری سرخسی نیسا پوری (متوفی ۲۴۱ھ) بھی صحیحین کے رواۃ میں سے ہیں۔ [1] اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مصنف انوار اور ان کے شیخ انور صحیح بخاری کے رواۃ کو ثقہ مانتے ہیں۔ ابو قدامہ سے روایت مذکورہ کے ناقل ابو العباس السراج محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن مہران ثقفی نیساپوری (مولود ۲۱۶ یا ۲۱۷ھ و متوفی ۳۱۳ھ) بلند پایہ ثقہ ہیں۔

حافظ خطیب نے کہا:

"وكان من المكثرين الثقات الصادقين الأثبات، عني بالحديث، و صنف كتبا كثيرة، وهي معروفة مشهورة." [2]

"حافظ ابو العباس سراج بلند پایہ ثقہ ائمہ میں سے ہیں، انھوں نے بہت ساری کتابیں لکھیں جو مشہور و معروف ہیں۔"

موصوف حافظ سراج کی ایک مشہور و معروف کتاب "التاریخ" بھی ہے۔ [3] ظاہر ہے کہ روایت مذکورہ حافظ سراج کی کتاب التاریخ ہی سے حافظ خطیب نے بدو واسطہ نقل کی ہے، لہٰذا روایت مذکورہ باعتبار سند صحیح و معتبر ہے۔

روایت مذکورہ میں اس بات کی واضح طور پر صراحت ہے کہ ابن المبارک نے نہایت صاف صاف کہا کہ امام صاحب صبح سے لیکر عشاء کے وقت تک "خوض" میں سرگرم عمل رہا کرتے تھے، یعنی اپنے مشغلۂ رائے وقیاس میں امام صاحب صبح سے لے کر عشاء کے وقت تک مصروف و مشغول رہا کرتے تھے، امام ابن المبارک کا یہ بیان اس امر کی واضح دلیل ہے کہ امام صاحب جس علم وفن سے اشتغال و انہماک رکھتے تھے وہ محض "رائے و قیاس" تھا۔ نیز امام ابن المبارک نے اپنے اس سلسلۂ بیان میں اس بات کی صراحت کر رکھی ہے کہ جب امام صاحب صبح سے لے کر عشاء تک "رائے و قیاس" میں سرگرمِ عمل رہا کرتے تھے تو انہیں عبادت میں زیادہ توجہ و محنت کا موقع کہاں میسر ہوسکتا تھا کہ وہ عبادت میں مجتهد (یعنی زیادہ توجہ اور محنت صرف کرنے والے) بنتے؟ امام ابن المبارک کا مطلب یہ ہے کہ صبح سے عشاء تک مسائل رائے و قیاس پر سرگرمی کے ساتھ بحث و مباحثہ کرنے والے امام صاحب ظاہر ہے کہ لازمی طور پر رات کا بہت بڑا حصہ مسائل رائے و قیاس کے مطالعہ اور مباحث رائے وقیاس پر غور وفکر میں صرف کرتے ہوں گے اور دن بھر مناظرہ کرنے کی تیاری کرتے رہتے ہوں گے، پھر انہیں عبادت میں محنت وتوجہ دینے کا موقع ملنا ہی دشوار تھا تو وہ عبادت کیا کرتے ہوں گے؟

امام ابن المبارک کے اس واضح اور صاف وصریح بیان کو دیکھ کر کوثری اور کوثری کے ہم مزاج لوگوں کا تلملا اٹھنا اور غصہ کی شدت سے حواس باختہ ہوکر ہرزہ سرائی پر آمادہ ہو جانا بالکل لازمی تھا، کیونکہ پروپیگنڈہ کے زور پر ان لوگوں نے دنیا کو یہ باور کرانے کی بڑی حد تک کامیاب کوشش کر رکھی ہے کہ امام صاحب عبادت و ریاضت میں بہت زیادہ وقت صرف کرتے تھے

[1] الجمع بين رجال الصحيحين (١/ ٣٠١ و ٧/ ١٦، ١٧) و تهذيب التهذيب وخلاصه تذهيب التهذيب۔

[2] خطيب (١/ ٢٤٨)

[3] معجم المؤلفين (٩/ ٣٨) تذكرة الحفاظ (٢/ ٧٣١) المنتظم (٦/ ١٩٩، ٢٠٠)

اور موصوف بے حد عابد، شب زندہ دار، تہجد گزار، تالی القرآن وغیرہ وغیرہ تھے۔ نیز یہ کہ امام صاحب صرف رائے وقیاس ہی سے اشتغال نہیں رکھتے تھے بلکہ دوسرے علومِ شریعت کتاب وسنت اور فقہ وغیرہ سے بھی بہت زیادہ ربط وشغل رکھتے تھے۔ بنا بریں روایت مذکورہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کوثری نے کہا:

"فيا سبحان اللّٰه! يعترف لأبي حنيفة خصومه بأنه كان عامر الوقت من الصبح إلى العشاء بالفقه وتعليم العلم، و لا يعترفون له بكثرة العبادة ، وأي عبادة أرضٰى عند اللّٰه بعد أداء الفرائض من تفقيه الناس في دينهم بهذا الوجه؟ ولو لا أبو حنيفة وأصحابه لما نضج الفقة هذا النضج، ولا يبعد أن يكون الراوي حاول رواية المعنى فغيّر وبدّل، وقول ابن المبارك يحتمل جدًّا أن يكون من باب تأكيد المدح بما يشبه الذم، وخاصة بعد تذكر ما نقله الخطيب عن مسعر بن كدام في هذا الباب حيث قال (١٣/٣٥٥): أخبرنا محمد بن أحمد بن رزق قال: سمعت القاضي أبا نصر ح والحسن بن أبي بكر أخبرنا القاضي أبو نصر أحمد بن نصر بن محمد بن أشكاب البخاري قال: سمعت محمد بن خلف بن رجاء يقول: سمعت محمد بن سلمة يقول عن ابن أبي معاذ عن مسعر بن كدام قال: أتيت أبا حنيفة فى مسجده، فرأيته يصلي الغداة، ثم يجلس للناس في العلم إلى أن يصلي الظهر، ثم يجلس إلى العصر، فإذا صلىٰ العصر جلس إلى المغرب، فإذا صلىٰ المغرب جلس إلى أن يصلي العشآء، فقلت في نفسي: هذا الرجل في هذا الشغل متى يتفرغ للعبادة ؟ لأتعاهد الليلة، قال: فتعاهدته فلما هدأ الناس، خرج إلى المسجد، فانتصب للصلوة إلى أن طلع الفجر، ودخل منزله، ويلبس ثيابه، و خرج إلى المسجد، وصلى الغداة فجلس للناس إلى الظهر، إلى آخر ما ذكره هناك... الخ،

هكذا كان حاله ليلا و نهارا، و لو كان اقتصر بعد أداء الفرائض على تفقيه الناس كما سبق لكفاه عبادة و طاعة للّٰه سبحانه، فكيف و هو عامر الليل بالعبادة، كما ترى، ثم الغريب أن يزعم زاعم ويقول عن أبي حنيفة: "ترك عطاء وأقبل على أبي العطوف" مع أنه ما من مسند من المسانيد السبعة عشر المؤلفة في أحاديث أبي حنيفة إلا و فيه روايته عن عطاء بكثرة، وأما أبو العطوف جراح بن المنهال الجزري فهو متأخر الوفاة عن أبي حنيفة، بنحو ثماني عشرة سنة، وقد قلت رواية أبي حنيفة عنه جدا، ولا مانع من الروية عنه قبل طرؤ الغفلة به، وقد ذكره أحمد بالغفلة فقط، وقال ابن معين: ليس بشيء، وهوكثيرًا ما يقول هذا فيما قل حديثه، ومن ظن بأبي حنيفة أنه لا يميز بين من به غفلة أو تهمة وبين غيره مع صحبته له فقد ظن باطلا، و أبو حنيفة يكثر جدًّا عن عطاء بن أبي رباح، بل ليس

بين شيوخه بعد حماد بن أبي سليمان من يكثر عنه قدر إكثاره عن عطاء، وأما أبو العطوف فروايته عنه كلها لا تزيد على خمس روايات فقط، مثل الصلٰوة في ثوب واحد، والاحتجام في حال الصوم، والنهى عن بيع وشرط، والتسوية بين دية الكتابي ودية المسلم الحر، وكون الشهر تسعًا وعشرين أو ثلاثين، وكل ذلك مما ورد عن غيره أيضا بطرق، هكذا يكون الكذب المكشوف؟ وابن المبارك بريئ من الروايتين، وهو الذي قال عن أبي حنيفة: أنه أفقه الناس، وأعبدهم، وأورعهم، كما سبق من الخطيب ١٣/٣٤٢ و ٣٥٥ و ٣٥٩ بأسانيده، والتناسي من شأن الخطيب، وقد سبق من ابن عون أن أبا حنيفة صاحب ليل وعبادة بل تناهيه في العبادة مضرب مثل، راجع الانتقاء لابن عبد البر."[1]

''یعنی ابن المبارک کی اس روایت میں مخالفین ابی حنیفہ نے اعتراف کر رکھا ہے کہ صبح سے لے کر عشاء تک امام صاحب فقہ (خوض) اور تعلیم علم میں مشغول رہا کرتے تھے، مگر یہ مخالفین ابی حنیفہ اس کے معترف نہیں ہیں کہ امام صاحب بکثرت عبادت کرتے تھے، حالانکہ فرائض کے بعد فقہ کی تعلیم دینے سے بڑھ کر اللہ کو راضی کرنے والی کوئی دوسری عبادت اللہ کے نزدیک نہیں ہے۔ اگر امام صاحب اور ان کے اصحاب نہ ہوتے تو ''فقہ'' میں اتنی پختگی نہ آتی، یہ مستبعد نہیں کہ روایت مذکورہ کے راوی نے روایت بالمعنی کے ارادہ سے اس کے مضمون کو بدل دیا ہو، کیونکہ ابن المبارک کا قول مذکور اس کا بہت زیادہ احتمال رکھتا ہے اس میں امام صاحب کی بڑی مدح کی گئی ہو جو بظاہر قدح معلوم ہوتی ہے، خصوصا مسعر بن کدام سے خطیب کی نقل کردہ اس روایت کی موجودگی میں کہ میں امام صاحب کی مسجد میں آیا تو وہ نماز فجر سے فارغ ہو کر تعلیم دینے کے لیے بیٹھ گئے، یہ سلسلہ نماز ظہر تک رہا، نماز ظہر کے بعد پھر عصر تک یہی سلسلہ رہا، اسی طرح عشاء تک ہوتا رہا، میں نے اپنے جی میں کہا اس مشغلہ والا ہو کر بھلا امام صاحب عبادت کے لیے کب وقت نکال سکتے ہوں گے؟

میں رات میں بھی ان کے مشاغل کا مشاہدہ کروں گا، جب لوگ خاموش ہوگئے یعنی رات کا سناٹا چھا گیا تو امام صاحب مسجد میں آ کر طلوعِ صبح تک نماز پڑھتے رہے، پھر گھر میں جا کر کپڑے بدل کر مسجد گئے اور نماز فجر کے وقت سے لے کر عشاء تک اسی طرح تعلیم دیتے رہے جیسے کل والے دن میں دیتے رہے تھے اور بعد عشاء رات بھر نماز پڑھتے رہے، میں نے سوچا کہ ہوسکتا ہے کہ اتفاقی طور پر آج اور کل اس مشغولیت کے ساتھ عبادت بھی امام صاحب نے کر لی ہو، مگر میں نے مسلسل چارروز اسی طرح کا مشاہدہ کرنے کے بعد فیصلہ کیا کہ یہ امام صاحب کا روزانہ کا معمول ہے۔ لہٰذا میں اتنے بڑے معلم وعابد کے ساتھ اپنی پوری زندگی گزار دوں گا، ابن ابی معاذ کہتے ہیں کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ مسعر مسجد ابی حنیفہ میں ہی فوت ہوئے۔

کوثری نے کہا کہ دن رات امام صاحب کا یہ حال تھا حالانکہ اگر موصوف فرائض کی ادائیگی کے بعد صرف اس

---

[1] تأنيب الخطيب (ص: ١٢٨، ١٢٩)

انداز میں لوگوں کو تعلیم فقہ پر اکتفاء کرتے جس کا ذکر اوپر ہوا تو یہ بھی موصوف امام صاحب کی بہت بڑی عبادت گذاری واطاعت شعاری قرار پاتی، حالانکہ امام صاحب رات بھر عبادت میں بھی مصروف رہا کرتے تھے۔ یہ خیال بھی عجیب ہے کہ امام صاحب نے عطاء کو چھوڑ کر ابو العطوف (جراح بن منہال) کی طرف توجہ کی، حالانکہ احادیث ابی حنیفہ جن سترہ مسانید ابی حنیفہ میں مدون ہیں ان میں سے عطاء سے امام صاحب کی روایات بکثرت ہیں اور ابو العطوف سے بہت کم یعنی تقریباً پانچ روایات ہیں۔ ابو العطوف وفات ابی حنیفہ کے اٹھارہ سال بعد فوت ہوئے اور انہیں امام احمد نے صرف غفلت سے متصف بتلایا ہے اور ابن معین نے "لیس بشیء" کہا ہے، حالانکہ ابن معین اس طرح کی بات قلیل الحدیث راوی کی بابت بکثرت کہتے ہیں، جو شخص یہ خیال کرے کہ امام صاحب غفلت وتہمت اور غیر غفلت وتہمت والے رواۃ کے مابین فرق ملحوظ نہیں رکھتے تھے وہ باطل بکواس کرنے والا ہے، اپنے استاذ حماد کے بعد سب سے زیادہ روایت امام صاحب نے عطاء ہی سے کر رکھی ہے۔ حاصل یہ کہ ابن المبارک سے مروی روایت مذکورہ کذب مکشوف (سفید جھوٹ) ہے۔ ابن المبارک ایسی باتیں کہنے سے بری ہیں، ابن المبارک تو وہ ہیں جنہوں نے امام صاحب کو افقہ الناس، اعبدالناس، اورع الناس کہہ رکھا ہے، جیسا کہ خود تاریخ خطیب میں مروی ہے، مگر خطیب عمداً امام صاحب کی مدح میں مروی اس طرح کی روایات کو بھول جانے کی عادت رکھتے ہیں، خود خطیب نے ابن عون سے روایت کر رکھی ہے کہ امام صاحب شب زندہ دار اور عبادت گذار تھے، بلکہ عبادت میں امام صاحب کی انتہائی توجہ ضرب المثل ہے، تم ابن عبدالبر کی کتاب الانتقاء کی طرف مراجعت کر کے یہ بات معلوم کر سکتے ہو۔"

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ کوثری نے اپنی مندرجہ بالا طویل عبارت میں دعویٰ کر رکھا ہے کہ ابن المبارک سے مروی روایت مذکورہ میں "خوض" سے مراد فقہ، تعلیم العلم، تفقیہ الناس ہے، جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرائض کے بعد سب سے زیادہ پسندیدہ عبادت ہے۔ امام صاحب کے اس محمود وصف کا اعتراف روایت مذکورہ کے مطابق امام صاحب کے مخالفین نے بھی کر رکھا ہے، مگر ہم بتلا چکے ہیں کہ امام صاحب کے متعلق مذکورہ بات امام ابن المبارک کی کہی ہوئی ہے، جن کو کوثری اور ارکان تحریکِ کوثری اور کوثری کے ہم مزاج جملہ افراد مذہب امام صاحب کا پیرو اور امام صاحب کا بہت زیادہ معتقد و مداح کہتے ہیں، جس ابن المبارک کو یہ لوگ متبع ابی حنیفہ اور معتقد و مداح ابی حنیفہ کہتے ہوں انہیں کو "مخالفین ابی حنیفہ" کے لقب سے یاد کرنا یقیناً تنابز بالالقاب (نام بگاڑ کر پکارنا) ہے، جس کی قرآن نے شدید مذمت کی ہے، لیکن کوثری اور ارکان تحریک کوثری اور کوثری کے ہم مزاج لوگوں کو اس مخالفتِ قرآنی کی کوئی پرواہ نہیں۔

بہر حال کوثری نے اپنے ہم مزاج اسلاف و اخلاف کی عادت کے مطابق رائے سے امام صاحب کے اشتغال و انہماک کو فقہ، تعلیم علم، تفقیہ الناس کے القاب سے موسوم کیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ رائے کے ساتھ اس طرح کا اشتغال اگر امام صاحب اور ان کے ہم مذہب اصحاب نے نہ اختیار کیا ہوتا تو "فقہ" میں اتنی پختگی نہیں آتی، حالانکہ یہ بتلایا جا چکا ہے کہ امام صاحب کے پہلے اور ان کے زمانے میں پائے جانے والے اسلاف کرام صحابہ و تابعین رائے کے ساتھ اشتغال خصوصاً

غیر واقع شدہ امور سے متعلق فرضی مسائل یا غیر مسئو لہ فرضی مسائل سے اشتغال و انہاک کو مذموم وملعون کام بتلا یا کرتے تھے۔ کوثری نے یہ تاثر بھی دینے کی کوشش کی ہے کہ ابن المبارک کی زیر بحث جس روایت سے بظاہر ''خوضِ امام صاحب'' کی مذمت مستفاد ہوتی ہے وہ دراصل امام صاحب کی فقہی خدمات کا اعتراف، تحسین اور مدح وتوصیف ہے، لیکن کوثری کی تکذیب کے لیے اسی سلسلۂ روایت میں واقع شدہ یہ قول ابن المبارک کافی ہے کہ ''امام صاحب عالم نہیں تھے۔'' ظاہر ہے کہ عالم ہونے کی نفی ''خوض'' کے معنی فقہ، تعلیم العلم اور تفقیہ الناس ماننے سے مانع ہے۔ ہاں ابن المبارک نے امام صاحب کے جس اشتغال کو ''خوض'' سے تعبیر کیا ہے اسے اہل الرای فقہ، اجتہاد، تعلیم علم وتعلیم فقہ سے تعبیر کرنے کے عادی ہیں۔

دریں صورت یہ محض لفظی و اصطلاحی اختلاف ہوا کہ کہ محدثین کرام جس چیز کو رائے و قیاس، خوض قرار دے کر مذموم بتلاتے ہیں اسی کو اہل الرائے اپنی اصطلاح اور اپنے محاورہ میں فقہ، اجتہاد، تعلیم علم وتعلیم فقہ کہتے ہیں، یعنی جس علم سے امام صاحب کا دن ورات زندگی بھر اشتغال رہا اسے رائے و قیاس اور خوض قرار دینے میں تمام اہل الرائے و اہل حدیث متفق ہیں، البتہ اس مفہوم کو ادا کرنے کے لیے صرف اصطلاح اور محاورہ کا ظاہری اختلاف ہے۔ کوثری نے قیاس و رائے سے امام صاحب کے اشتغال کو سب سے زیادہ پسندیدہ عبادت قرار دیا ہے، اس طرح کی رائے و قیاس پر مشتمل کتب فقہ کے مطالعہ کو حنفی مذہب کی مشہور فتاوی کی کتاب درمختار وغیرہ میں تہجد اور تعلیم قرآن سے زیادہ افضل بتلایا گیا ہے، اور امام صاحب کے فضائل میں وضع کردہ احادیث وآثار واقوال پر مشتمل اکاذیب سے مملو کتابوں کو مقبول ومروج بنانے پر زور دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ امام صاحب کے اس طرح کے فضائل بیان کرنا افضل الاعمال ہے اور جو ایسا نہ کرے وہ ناپسندیدہ ہے۔ [1]

امام صاحب کے جس اشتغال (خوض) کو ابن المبارک نے ''خوض'' سے تعبیر کیا ہے اسکے تفقیہ الناس، تعلیم العلم نیز فقہ ہونے پر کوثری نے مسعر بن کدام کی طرف منسوب جس روایت سے استدلال کیا ہے اس کی بابت اولا کہا جا سکتا ہے کہ ابن المبارک نے امام صاحب کے جس اشتغال کو ''خوض'' کہا ہے اس کو کسی راوی نے بزعم خویش روایت بالمعنی کرتے ہوئے یا عمداً تحریف معنوی کرتے ہوئے ''علم'' سے تعبیر کردیا ہے۔

ثانیاً: مسعر کی طرف روایت مذکورہ کا انتساب صحیح نہیں ہے، اس کی سند میں واقع شدہ راوی محمد بن خلف رجاء کا حال معلوم نہیں ہوسکا اور ان کے استاذ محمد بن سلمہ غیر متعین ہونے کے سبب بمنزلۂ مجہول ہیں۔ اسی نام کے کتنے رواۃ ساقط الاعتبار ہیں۔ [2] نیز ابن ابی معاذ کی تعیین بھی نہیں ہوسکی، کوثری اور ارکان تحریک کوثری سے پوچھنا چاہیے کہ ابن المبارک والی روایت کو ساقط الاعتبار قرار دینے اوراس کے بالمقابل مسعر کی طرف منسوب روایت مذکورہ کو دلیل وحجت بنا لینے میں کس اصول وقاعدہ کو آپ لوگوں نے ملحوظ رکھا ہے؟

کوثری کی مستدل روایتِ مسعر میں جو یہ کہا گیا ہے کہ بعد نماز فجر تا نماز عشاء تعلیم علم میں مصروف رہنے والے امام صاحب بعد نماز عشاء تا طلوع صبح نفلی نماز میں مصروف رہا کرتے تھے اور موصوف کا یہ روزانہ معمول تھا تو:

---

[1] در مختار (۱/ ۲۷، ۲۸ و ۳۶، ۳۷) اللمحات (۱/ ۹۲، ۹۹)

[2] ملاحظہ ہو: لسان المیزان و میزان الا عتدال ترجمہ محمد بن سلمہ ۔

أولاً: روایت مذکورہ کا انتساب مسعر کی طرف صحیح نہیں۔

ثانیاً: دن بھر اس طرح کے اشتغال کے ساتھ رات بھر نماز پڑھتے رہنے والے امام صاحب ایک انسان تھے، کیا چوبیس گھنٹے میں وہ کبھی سوتے نہیں تھے؟ کیا کسی انسان کے لیے روزانہ اس طرح کا معمول رکھنا ممکن اور جائز بھی ہے؟ خاتم النبیین ﷺ نے بلا سوئے ہوئے رات و دن عبادت میں مشغول رہنے کا ارادہ کرنے والوں پر سخت برہمی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ میری سنت یہ ہے کہ میں سویا بھی کرتا ہوں۔[1] کیا امام صاحب اس فرمان نبوی کے خلاف زندگی بھر عمل کرتے رہے؟

ثالثاً: کوثری کی مستدل روایتِ مسعر اگر چہ روایت ابن المبارک کے معارض نہیں ہے، کیونکہ دونوں روایات اس بات پر اگر چہ متفق ہیں کہ امام صاحب روزانہ بعد نماز فجر تا عشاء خوض یا علم میں مصروف رہتے تھے، مگر روایت ابن المبارک یہ بتلانے سے خاموش ہے کہ امام صاحب بعد عشاء رات بھر تا طلوع فجر کیا کرتے تھے۔ دریں صورت روایت مسعر کو صحیح مان کر کہا جا سکتا ہے کہ دن بھر خوص یا علم میں مصروف رہنے والے امام صاحب بعد عشاء تا فجر مشغولِ نماز رہا کرتے تھے، مگر اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ دن بھر تعلیم دینے والے امام صاحب تعلیم دینے کے لیے مطالعۂ کتب، مسائل پر غور وفکر اور دیگر گھریلو ضروریات کے کام کب اور کس وقت انجام دیا کرتے تھے؟ کیا امام ابن المبارک کا یہ قول کسی ذی عقل و صاحب شعور کے لیے نظر انداز کرنے کے لائق ہے کہ فجر سے لے کر عشاء تک خوض میں نشاط کے ساتھ سرگرمِ عمل رہنے والے امام صاحب بھلا عبادت کے لیے کب اور کہاں سے وقت نکال سکتے تھے؟

امام ابن المبارک نے جو یہ کہا کہ ''امام صاحب عالم نہیں تھے'' تو اس کا واضح مفاد یہ ہے کہ جس رائے و قیاس سے امام صاحب اشتغال رکھتے تھے وہ امام ابن المبارک کی نظر میں ''علم'' کہلانے کا مستحق نہیں تھا، اگر چہ دوسرے لوگ اپنے نقطۂ نظر سے اسے علم اور فقہ سے تعبیر کرتے ہیں، یعنی اپنی اپنی اصطلاح اور نظریہ کے مطابق ایک ہی چیز کو کچھ لوگ ''علم وفقہ'' سے تعبیر کیا کرتے ہیں اور کچھ لوگ اس کے علم وفقہ ہونے کی نفی کرتے ہیں، امام ابن المبارک والی روایت میں یہ تلمیح ہے کہ کوئی عالم شخص ایسا نہیں کر سکتا کہ امام عطاء بن ابی رباح کی صحبت و درسگاہ چھوڑ کر ابو العطوف کی صحبت اختیار کرے، یعنی صحبتِ عطاء پر صحبتِ ابی العطوف کو ترجیح دے خصوصا اس صورت میں کہ خود امام صاحب کا ارشاد ہے کہ ''ما رأیت أفضل من عطاء'' میں نے عطاء سے افضل کسی کو نہیں دیکھا۔ دریں صورت اپنے افضل قرار دیے ہوئے امام پر ابو العطوف کو ترجیح دینا ابن المبارک کی نظر میں نہایت نامناسب اقدام تھا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ابو العطوف جراح بن منہال کذاب اور شراب خور تھا۔[2]

حافظ ابن حبان نے صراحت کی ہے:

''كان يكذب في الحديث، يشرب الخمر، مات سنة ١٦٨ھ''[3]

---

[1] عام کتب حدیث۔

[2] اللمحات (١/ ١٦٠) [3] لسان الميزان (٢/ ٩٩) وميزان الاعتدال، المجروحين۔

''یعنی ۱۶۸ھ میں فوت ہونے والا جراح بن منہال ابو العطوف کذاب تھا اور شراب خور تھا۔''

حافظ برقی نے بھی ابوالعطوف کو متہمین بالکذب میں شمار کیا ہے۔ امام نسائی، دارقطنی، ابو حاتم، دولابی نے اسے متروک قرار دیا، امام بخاری ومسلم نے منکر الحدیث کہا اور کئی ایک نے "لا یکتب حدیثه، لیس بشيء، ذاهب الحديث" ضعیف کہا۔[1]

حافظ یعقوب بن سفیان فسوی (متوفی ۲۷۷ھ) نے اپنی کتاب التاریخ میں جراح کا ذکر ان لوگوں میں کیا جن کی بابت ارشاد ہے:

"هؤلآء لاينبغي لأهل العلم أن يشتغلوا أنفسهم بحديث هولآء."[2]

''یعنی اہل علم کے شایان شان نہیں کہ ان رواۃ کی روایات سے اشتغال رکھیں۔''

ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ امام عطاء کو چھوڑ کر کذاب، شراب خور، متروک، منکر الحدیث، ذاہب الحدیث کی صحبت اختیار کرنی قابل اعتراض بات ہے، لیکن اس سلسلے میں یہ تاویل کی جا سکتی ہے کہ کذاب وغیر ثقہ سے روایت کرنا بعض مصالح کے پیش نظر چونکہ جائز ہے امام صاحب نے شاید کسی مصلحت ہی کے پیش نظر جراح کی طرف توجہ کی تھی نہ کہ امام عطاء سے اعراض مقصود تھا، اس لیے اگرچہ بعض لوگوں مثلاً ابن المبارک نے یہ سمجھ لیا کہ امام صاحب نے عطاء سے اعراض کر کے ابو العطوف کی طرف توجہ کی ہے مگر درحقیقت یہ عطاء سے بوجہ اعراض نہیں تھا۔

ہماری اس تفصیل کی روشنی میں کوثری نے ابوالعطوف سے امام صاحب کی روایت کے سلسلے میں جو سخن سازی کی ہے اس کا تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہونا بالکل ظاہر ہو گیا، کوثری نے جو یہ کہا کہ حماد کے بعد امام صاحب نے سب سے زیادہ احادیث عطاء ہی سے روایت کی ہیں، پھر یہ بات کیونکر صحیح ہو سکتی ہے کہ امام صاحب نے عطاء کو ترک کر دیا تھا؟ تو کوثری نے یا تو عمداً روایت مذکورہ کا معنی ومطلب غلط بتلانے کی کوشش کی ہے یا پھر وہ فی الواقع اس کا معنی ومطلب سمجھنے سے قاصر رہے، کیونکہ امام عطاء سے امام صاحب کی روایات کا ہونا اس امر کو مستلزم نہیں ہے کہ امام عطاء سے ایک زمانہ تک پڑھتے رہنے کے بعد امام صاحب ابو العطوف کی طرف متوجہ نہیں ہو گئے، ویسے صاحب التنکیل نے کوثری کے اس دعوی کا بطریق احسن ابطال کر دیا ہے کہ حماد کے بعد سب سے زیادہ روایت امام صاحب نے عطاء ہی سے کر رکھی ہے۔[3]

کوثری نے جو یہ کہا کہ جراح کی بابت ابن معین کے قول "لیس بشيء" کا مطلب جراح کا قلیل الحدیث ہونا ہے تو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ بعض ائمہ جرح وتعدیل نے جراح کو کذاب وشراب خور کہا ہے، ظاہر ہے کہ جراح کے اسی وصف کے سبب ابن معین نے جراح کو "لیس بشيء" کہا اور دوسرے اہل علم نے متروک کہا، اور ابن المبارک کا قولِ مذکور بھی اسی بات کا غماز ہے کہ جراح کذاب اور فاسق، شراب خور تھا۔ اس تفصیل کا حاصل یہ کہ کوثری نے کلام ائمہ میں تحریف کی کوشش کی ہے۔

کوثری نے مسعر کی طرف منسوب ساقط الاعتبار روایت کو اگرچہ حجت بنا کر دعویٰ کر دیا کہ مسعر نے امام صاحب کی نماز میں شب بیداری کی مدح کر رکھی ہے۔ مگر عنقریب یہ تفصیل آ رہی ہے کہ مسعر نے بھی عام اہل علم کی طرح امام صاحب کی سخت

---

[1] لسان المیزان۔ [2] تاریخ فسوی (۲/ ۲۴۸، ۲۴۹) [3] التنکیل ترجمه جراح بن منهال۔

تجریح کر رکھی ہے۔ نیز امام صاحب کی تہجد گزاری اور شب بیداری و کثرت عبادت کے سلسلے میں وارد شدہ روایات پر گفتگو آئندہ صفحات میں آرہی ہے۔

کوثری کے اس دعوی کی تکذیب گزر چکی ہے کہ ابن المبارک نے امام صاحب کو افقہ الناس، اعبد الناس، اورع الناس کہا ہے، لیکن ہم بتلا چکے ہیں کہ یہ مستبعد نہیں کہ ابن المبارک نے جس رائے سے امام صاحب کے اشتغال کا ذکر روایت مذکورہ بالا میں کر رکھا ہے۔ اس کا مطلب بعض لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہو کہ رائے سے مراد فقہ وعلم ہے، جو اہل الرائے کے نزدیک تمام عبادتوں اور ہر قسم کے زہد وتقویٰ سے بھی زیادہ افضل اور اہم ہے، بنا بریں اس طرح کی سمجھ رکھنے والوں نے ابن المبارک کی طرف اپنی سمجھی ہوئی بات کو منسوب کر دیا ہوگا۔

کوثری نے جو یہ کہا کہ امام صاحب کے فضائل میں روایات کا ذکر کرنے والے خطیب اپنے ہی ذکر کردہ فضائلِ امام صاحب کو بھول جانے کی عادت رکھتے ہیں تو خطیب پر کوثری کا یہ الزام صحیح نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ خطیب کی نظر میں فضائل ابی حنیفہ سے متعلق اس طرح کی روایات اصول محدثین کے مطابق غیر معتبر اور ساقط الاعتبار نیز بعید از صواب ہیں۔ (كما سيأتي)

آنے والی تفصیل سے معلوم ہوگا کہ ساقط الاعتبار روایات کے مطابق ابن المبارک کو جن مجہول اہل کوفہ کی زبانی یہ معلوم ہوا تھا کہ امام صاحب افقہ الناس اور اعبد الناس ہیں، ان کی بیان کردہ یہ بات ابن المبارک کے ذاتی تجربہ سے غلط ثابت ہوئی، امام صاحب کی تجریح وتنقید میں ابن المبارک سے مروی روایات کی خبر مصنف انوار کو بھی ہے مگر ان کی نظر میں یہ روایات ساقط الاعتبار ہیں، جیسا کہ ذیل کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے۔

مصنف انوار کی ڈینگ اور ابوعصمہ سعد بن معاذ و ابن المبارک کی طرف غلط باتوں کا انتساب

فضائل ابی حنیفہ میں ابن المبارک سے مروی ساقط الاعتبار روایتوں کو معتبر کہہ کر دلیل بنانے والے مصنف انوار اپنے خالص علمی، دینی، تحقیقی نقطۂ نظر سے فرماتے ہیں:

> ''راقم الحروف نے حضرت عبداللہ بن المبارک کے اقوال اس لیے زیادہ نقل کر دیے ہیں کہ امام بخاری نے اپنے رسائل میں ان کو اپنے زمانہ کا سب سے بڑا عالم تسلیم کیا ہے اور ان کے مقابلہ میں دوسروں کو بے علم تک کہہ دیا ہے، اور غالباً پہلے اور محدثین تھے جو ابن المبارک کو تو امیر المومنین فی الحدیث وغیرہ وغیرہ سب کچھ مانتے تھے، مگر خود ابن المبارک جن کو اپنا بڑا اور سب کچھ سمجھتے تھے وہ انکی نظر میں کچھ نہ تھے، اس لیے محدث ابوعصمہ سعد بن معاذ جب محدثین سے یہ سنتے تھے کہ ابن لمبارک اعلم ہیں امام ابو حنیفہ سے، تو فرمایا کرتے تھے کہ جو لوگ عبداللہ بن المبارک کو اپنا امام سمجھتے ہیں اور خود عبداللہ نے جس کو امام مانا تھا اس کو امام نہیں مانتے ان کی مثال شیعہ حضرات (دوسری جگہ مصنف انوار نے روافض لکھا ہے) کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تو امام مانتے ہیں لیکن جن کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے امام تسلیم کیا تھا ان کو ماننے کے لیے تیار نہیں یعنی حضرت ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما۔''[1]

[1] مقدمہ انوار (۱ / ۹۸)

اس معنی کی بات مصنف انوار نے اس سے زیادہ جارحانہ انداز میں دوسری جگہ (۱/ ۶۰ تا ۶۲) کہی ہے، مگر ناظرین کرام دیکھ چکے ہیں کہ مدح امام صاحب میں ابن المبارک کی طرف منسوب جن اقوال کو مصنف انوار نے نقل کر رکھا ہے انکی کیا حقیقت ہے؟ پھر اس طرح کے اقوال کو دلیل بنا کر مندرجہ بالا بات لکھنے سے کیا حاصل؟ مصنف انوار نے بزعم خویش ان ساری روایات کو امام بخاری کی تردید میں جمع کر رکھا ہے، مگر یہاں سوال یہ ہے کہ مصنف انوار نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ امام بخاری نے اپنے بعض رسائل میں ابن المبارک کو اپنے زمانے کا بڑا عالم تسلیم کیا ہے اور ان کے مقابلہ میں دوسروں کو بے علم تک کہہ دیا ہے، وہ بات امام بخاری نے اپنے کن بعض رسائل میں لکھی ہے؟ آخر امام بخاری نے ابن المبارک کے مقابلہ میں دوسروں کو بے علم کس جگہ کہا ہے؟

ہم دیکھتے ہیں کہ امام بخاری نے ابن المبارک کے علاوہ بہت سارے اہل علم کے علم وفضل کی تعریف اور مدح وتوصیف اپنی کتابوں خصوصاً کتب تاریخ میں کر رکھی ہے اور یہ اتنی ظاہر بات ہے کہ اس کے لیے ثبوت فراہم کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں امام بخاری نے صحیح ذرائع سے حاصل شدہ اپنی معلومات کی بنیاد پر بعض لوگوں پر جرح وتنقید بھی کی ہے، جن میں امام صاحب بھی شامل ہیں، بس یہی بات مصنف انوار کو بہت بری لگی ہے جس کی وجہ سے موصوف نے مندرجہ بالا بات لکھی ہے اور غصہ میں آ کر محدثین کرام کو روافض وشیعہ قرار دے ڈالا ہے اور کمال یہ کہ موصوف نے محدثین پر یہ گولی سعد بن معاذ کے کندھے پر بندوق رکھ کر چلائی ہے، حالانکہ سعد بن معاذ کی طرف منسوب یہ روایت مصنف انوار نے موفق (۲/ ۵۳، ۵۴) سے نقل کی ہے اور موفق میں اس جگہ یہ روایت وہب بن زمعہ سے منقول ہے، اس وہب بن زمعہ کی بابت لسان المیز ان (۶/ ۲۳۱) میں منقول ہے کہ "شيخ لابن أبي السري هو أبو البختري كما سيأتي في آخر ترجمته نسبه إلى جده" یعنی یہ شخص ابن ابی السری کا استاذ ہے، یہ وہی ابو البختر ی ہے جس کا بیان عنقریب آگے آ رہا ہے۔ پھر پانچ تراجم کے بعد اس شخص کا تعارف اس طرح کیا گیا ہے کہ یہ "وہب بن وہب بن کثیر بن عبداللہ بن زمعہ حدیث میں متہم ہے، بقول ابن معین یہ شخص کذاب اور بقول عثمان بن ابی شیبہ دجال اور بقول احمد بن حنبل وضاع ہے۔ نیز اسے امام وکیع، ابن الجارود، شعیب بن اسحاق، مالک بن انس، ابن عدی اور دوسرے اہل علم نے کذاب اور وضاع کہا ہے۔[1] اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ موفق نے روایت مذکورہ حارثی کذاب سے نقل کی ہے، یہ روایت اسی کذاب نے وضع کی ہے، یہ ابوعصمہ سعد بن معاذ صاحب آخر کون بزرگ ہیں؟

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ ابن المبارک کی طرف مذکورہ بالا قسم کی منسوب متعدد روایات میں ظاہر کیا گیا ہے کہ ابن المبارک کو علمائے کوفہ نے امام صاحب کے بہت سارے فضائل سے آگاہ کیا تھا اور خود ابن المبارک بھی امام صاحب کی بہت مدح سرائی کرتے تھے، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اسانید صحیحہ سے ثابت ہے کہ امام صاحب کے معاصر وغیر معاصر کوفی اور غیر کوفی علماء نے امام صاحب پر سخت تنقید وتجریح کر رکھی ہے حتی کہ ابن المبارک نے بھی، جس کی جھلک مصنف انوار کی مستدل روایات میں بھی نظر آتی ہے۔ دریں صورت فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام صاحب کی مدح وقدح میں وارد

[1] لسان المیزان (٦/ ٢٣١تا ٢٣٤) و خطیب (١٣/ ٤٥١ تا ٤٥٧) و میزان الا عتدال۔

شدہ ان روایات کے رد وقبول میں طالب حق کون سا موقف اختیار کرے؟ مدح امام صاحب میں غیر معتبر روایات کو صحیح قرار دے کر دلیل وحجت بنانے والے مصنف انوار نے تو یہ کیا ہے کہ نقد وجرح پر مشتمل روایاتِ صحیحہ واقوالِ ثابتہ کو مطلقاً مکذوب و خانہ ساز بتلا دیا ہے۔

مصنف انوار کی تکذیب حقائق کا ایک انداز:

امام صاحب کی تنقید وتجریح میں امام ابن المبارک سے باسانید صحیحہ مروی روایات میں سے بعض روایات میں بتلایا گیا ہے کہ انہوں نے آخر میں امام صاحب سے روایت کرنی ترک کر دی تھی۔ ان روایات اور ان کی نقل کرنے والے رواۃ پر اظہارِ برہمی کرتے ہوئے مصنف انوار فرماتے ہیں:

''کچھ لوگوں نے ایسی باتیں بھی گھڑی ہیں کہ ابن المبارک نے کہا کہ ہم شروع زمانہ میں امام صاحب کے پاس غلط فہمی کی وجہ سے جایا کرتے تھے مگر پھر انہیں ترک کر دیا، کیا ایسے دروغ بے فروغ چند قدم بھی چل سکتے ہیں، بالاتفاق سب مورخین نے لکھا ہے کہ یہ شیخ اعظم (یعنی ابن المبارک) جس نے دنیائے حدیث کے گوشہ گوشہ میں جا کر لاکھوں روپے اسفار پر صرف کر کے اس دور خیر القرون کے ایک ایک محدث سے حدیثیں حاصل کی تھیں اور اپنے سینے سے لاکھوں احادیث لگائے پھرتے تھے، وہ جب امام صاحب کے پاس آئے تو آخر تک آپ سے جدا نہ ہوئے اور انتقال کے بعد بھی ان کی قبر مبارک پر کھڑے ہوئے کیا فرما رہے ہیں؟ (یعنی ابراہیم نخعی اور حماد نے مرتے وقت اپنا خلیفہ چھوڑا تھا، خدا آپ پر رحم کرے کہ آپ نے اپنا خلف نہیں چھوڑا، یہ کہہ کر دیر تک زار زار روتے رہے) یہ عجیب بات ہے کہ جھوٹی باتیں چلتی کرنے میں فرقۂ روافض کے بعد امام صاحب کے معاندین و حاسدین اہل حدیث کا نمبر معلوم ہوتا ہے، یہ بات حد درجہ افسوس ناک ہے۔ اللہ رحم کرے بعض محدثین نے یہ بھی کہا ہے کہ ابن المبارک امام صاحب سے علم میں بڑھے ہوئے ہیں، اس پر ابوسعد بن معاذ نے کہا تھا کہ ان کی مثال رافضیوں کی سی ہے... الخ۔''[1]

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مصنف انوار نے مدح امام صاحب میں وارد شدہ غیر معتبر روایات کو معتبر قرار دینے اور جرح میں وارد شدہ روایات صحیحہ سے اعراض کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جرح میں واردشدہ روایات صحیحہ کو دروغ بے فروغ اور گھڑی ہوئی باتیں قرار دیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ علمائے اہل حدیث کے خلاف بہت زیادہ زہر افشانی سے کام لیا ہے۔ اسی طرح کئی صحیح سندوں سے مروی ہے کہ امام صاحب کی وفات ہو جانے کے بعد امام اوزاعی وثوری اور متعدد اہل علم نے امام صاحب پر بہت ہی زیادہ سخت تبصرہ کیا تھا۔

تجریحِ امام صاحب میں سفیان ثوری سے مروی بعض روایات کا ذکر مصنف انوار کی زبانی:

ان روایات میں سے ایک روایت امام نعیم بن حماد سے متعدد کتب تاریخ و رجال خصوصا تاریخ صغیر للامام البخاری میں بھی منقول ہے، مگر مصنف انوار امام ابوحنیفہ کی مدح میں امام سفیان کی طرف غیر معتبر طور پر مروی بعض روایات کو نقل کرنے

[1] مقدمه انوار (١/ ٦٠، ٦١)

کے بعد فرماتے ہیں:

''کیا سفیان ثوری بھی تقیہ کرتے تھے کہ ہمیشہ تعریفیں کرتے رہے اور انتقال کی خبر پہنچی تو بروایت نعیم خزاعی امام صاحب کی وفات پر خوشی کا اظہار کیا کہ اسلام کو سب سے زیادہ نقصان پہنچانے والا اچھا ہوا کہ چلا گیا؟ کچھ ٹھکانہ ہے اس جھوٹ کا اور اس کے پر لگانے والے امام بخاری جیسے محتاط محدث ہیں، کسی طرح عقل باور نہیں کرتی کہ امام بخاری جیسا بال کی کھال نکالنے والا شخص جس نے سب سے پہلے وکیع وابن المبارک کی کتابیں یاد کیں اور تحصیل علم کے لیے ہر ہر شہر پہنچے اور کوفہ و بغداد تو اتنی دفعہ گئے کہ خود کہتے ہیں کہ ان کا شمار نہیں کر سکتا، کیا امام صاحب اور ان کے اخص اصحاب کے صحیح حالات سے ان کو ایسی بے خبری ہو اور وکیع، ابن المبارک، مکی بن ابراہیم اور دوسرے اپنے بیسیوں شیوخ سے جو امام صاحب اور صاحبین کے شاگرد تھے ان حضرات کے بارے میں اچھی باتیں نہیں پہنچیں ہوں؟ ہاں پہنچیں تو نعیم سے اوپر جیسی خبریں، حالانکہ سب اکابر رجال لکھتے ہیں کہ نعیم ترویج سنت کے لیے جھوٹی روایتیں کیا کرتے تھے اور امام صاحب پر طعن کرنے کے لیے جھوٹی حکایات گھڑتے تھے۔''[1] الخ

مصنف انوار امام نعیم سے مروی روایت مذکورہ کے بارے میں دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''امام بخاری نے تاریخ صغیر میں ایک دوسری جھوٹی روایت نعیم بن حماد سے امام صاحب کی تنقیص میں نقل کی۔''[2] الخ

مصنف انوار نے اپنی یہ بات الفاظ کی ذرا سی تبدیلی کے ساتھ ایک اور جگہ (۱/ ۱۵۸) پر بھی کہی ہے۔ پھر مقدمہ انوار الباری (۲/۲۳) پر رقم طراز ہوئے:

''تیسری روایت سفیان (شاید سفیان ثوری ہے) سے بطریق نعیم بن حماد تاریخ صغیر میں امام بخاری نے نقل کی ہے، جن کے بارے میں کم سے کم یہ بات کہی جاتی ہے کہ وہ روایات منکرہ بیان کرتے تھے اور خاص طور سے امام صاحب کے بارے میں جھوٹی حکایات گھڑ کر روایت کیا کرتے تھے... إلی أن قال: پھر سفیان بن عیینہ کی طرف اس روایت کی نسبت بھی خلاف درایت ہے، روایت یہ ہے کہ نعیم مذکور نے فزاری سے سنا کہ میں سفیان کے پاس تھا اتنے میں نعمان کی خبر وفات آئی، سفیان نے فرمایا کہ خدا کا شکر ہے مر گئے۔ انہوں نے اسلام کے جوڑ جوڑ پر ضرب کاری لگائی ہے، اسلام میں اس سے زیادہ کوئی بد بخت نہیں پیدا ہوا۔ امام صاحب کے تذکرہ میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ سفیان بن عیینہ امام اعظم کے تلمیذ رشید ہیں، ان سے حدیث کی روایت بھی کرتے ہیں، اگرچہ خطیب نے ایک روایت ایسی بھی اپنی معتبر و مشہور تاریخ میں نقل کر دی ہے جس کی سند میں کریمی و مؤمل جیسے کذاب ہیں اور خطیب نے بھی یہ خیال نہ کیا کہ مسانید الامام خصوصاً الحارثی میں سفیان کی روایات امام صاحب سے موجود ہیں، دنیا ایسی نقول تاریخ میں پڑھ کر کیا کہے گی؟ یا سوچا ہو گا کہ جس طرح امام اعظم اور آپ کے سیکڑوں ہزاروں تلامذہ محدثین کے صحیح حالات و مناقب سے دنیا کو بے خبر رکھنے کی مسلسل اور بڑی حد تک کامیاب کوشش کی گئی ہے ایسے ہی امام صاحب کے مسانید بھی دنیا کی نظروں سے اوجھل رہیں گے، مگر امت

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۶۱، ۶۲) [2] مقدمہ انوار (۱/ ۳۰)

کے یہ چراغ خطیب ایسوں کی پھونکوں سے بجھنے والے نہیں ہیں۔ وللہ الحمد والمنة“[1]

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ مصنف انوار نے اپنے مذکورہ بالا بیانات میں کس انداز سے علمائے اہل حدیث و محدثین کرام خصوصا امام بخاری اور ان کے جلیل القدر استاذ نعیم بن حماد کے خلاف زہرافشانی ولغوطرازی کر رکھی ہے؟ صفحاتِ گزشتہ میں ہم مصنف انوار کے دوسرے اقتباسات بھی نقل کر آئے ہیں جو اس قسم کے مضمون پر مشتمل ہیں، لہٰذا اتنی جارحانہ زہرافشانی اور وہ بھی مسخ حقائق کرتے ہوئے مصنف انوار نے جو بدعویٔ خویش افراط وتفریط سے ہٹ کر معتدل شاہراہ اختیار کرتے ہوئے خالص علمی وتحقیقی ودینی خدمت کے نام پر کر رکھی ہے، اس کی حقیقت ظاہر کرنے کے لیے اگر ہم ان روایات صحیحہ کے صحیح ہونے کی توضیح وتشریح اصول اہل علم کے مطابق کریں جنھیں مصنف انوار نے مکذوبہ قرار دیا ہے یا ان روایات غیر ثابتہ کے غیر معتبر ہونے کی وضاحت اہل علم کے اصول کے مطابق کریں جنھیں موصوف صحیح ومعتبر قرار دے کر دلیل بنائے ہوئے ہیں تو ناظرین کرام ہم کو معذور سمجھیں۔

بقول ابن المبارک مجلسِ امام صاحب میں درود نہیں پڑھا جاتا تھا:

مذکورہ بالا تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ ”رائے“ کے ساتھ امام صاحب کا اشتغال امام صاحب کا اصل مشغلہ تھا، اس کی تائید وتصدیق امام صاحب کے بہت سے دوسرے معاصرین کے اقوال سے بھی ہوتی ہے (كما سيأتي) صبح سے لے کر عشاء تک ”رائے“ کے مباحث میں مشغول رہنے والے امام صاحب کی مجلسِ ”رائے“ میں اگر طویل طویل گھڑیوں کے گزر جانے کے باوجود ذکر نبوی اور ذات نبوی پر درود پڑھے جانے کی نوبت نہ آتی رہی تو مستبعد نہیں، چنانچہ اس مفہوم کی متعدد روایات وارد ہیں کہ مجلس امام صاحب میں درود نہیں پڑھا جاتا تھا۔

اس طرح کی بعض روایات کا تذکرہ امام بخاری نے بھی اپنی بعض کتابوں میں کر دیا ہے، مصنف انوار امام بخاری کے اوپر اپنے ہم مزاج لوگوں کی طرح بہت خفا ہوگئے حالانکہ یہ روایات امام بخاری نے بسند صحیح ان امام ابن امام ابن المبارک سے نقل کی ہے جن کی طرف مدح امام صاحب میں منسوب روایات مکذوبہ کو بڑی کثرت سے مصنف انوار اور ان کے ہم مزاج لوگوں نے صحیح ومعتبر کہہ کر دلیل و حجت بنا لیا ہے، لہٰذا مصنف انوار کو دراصل امام ابن المبارک پر خفا ہونا چاہئے تھا مگر موصوف نے معاملہ الٹ دیا اور امام بخاری پر پل پڑے، چنانچہ امام بخاری پر اظہار برہمی کرتے ہوئے مصنف انوار فرماتے ہیں:

”تاریخ کبیر میں بعض جگہ دوسروں کے تذکروں میں بھی امام بخاری نے امام صاحب پر تعریض کی ہے، مثلاً سفیان ثوری کے تذکرہ میں علی بن الحسن کے واسطہ سے ابن المبارک کا قول نقل کیا کہ ”میں نے سفیان سے زیادہ اعلم کسی کو نہیں دیکھا، پھر عبدان کے واسطہ سے ابن المبارک کا یہ قول نقل کیا کہ میں جب چاہتا تھا سفیان کو نماز میں مشغول دیکھتا اور جب چاہتا محدث کی شان سے روایت حدیث کرتے ہوئے دیکھتا اور جب چاہتا انکو فقہ کی باریکیوں میں غور وفکر کرتے دیکھتا، اور وہ ایک مجلس میں اور شریک ہوئے جس میں نبی ﷺ پر درود نہیں پڑھا گیا

---

[1] مقدمہ انوار (۲/ ۲۳)

یعنی مجلس نعمان (ابوحنیفہ) میں۔ شعبہ اور یحییٰ قطان نے ان سے حدیث سنی۔[1] یہ روایت اگر صحیح ہے تو بظاہر اس زمانہ کی ہے جب ابن المبارک کو لوگ امام صاحب سے بدظن کر کے ان کے پاس جانے سے روکا کرتے تھے، ممکن ہے کہ ان بدگمانیوں کے اثرات امام صاحب کی ابتدائی مجالس میں بھی رہے ہوں، ہر مجلس میں ایک بار درود شریف پڑھنا ضروری ہے، یہ درمیانی مجلس میں پہنچے ہوں اور ان کے سامنے جتنی دیر کسی مسئلہ پر بحث جاری رہی ہو اس میں درود شریف کا اعادہ نہ ہوا ہو، جس سے ان کی غلط فہمی دور ہوئی ہو، ورنہ ظاہر ہے کہ امام صاحب جیسا عاشق رسول جس نے علویوں کو برسر اقتدار لانے کے لیے آخر تک کوششیں کیں اور جس کا سارا دن قال الله قال الرسول میں گزرتا ہو اور پوری رات تلاوت و نماز میں گزرتی ہو اور احادیث رسول جمع کرنے کا ایسا شغف کہ جب بھی کوئی محدث عالم کوفہ میں باہر سے آتا تو خاص طور سے اپنے اصحاب کو بھیجتے کہ کوئی نئی حدیث ان کے پاس ہو تو سن کر آؤ، جس کے گھر کے کئی کمرے ذخیرۂ حدیث سے پر تھے، کیسے ممکن ہے کہ اس کی مجلس میں درود شریف نہ پڑھا گیا ہو؟ پھر اگر بات صحیح ہوتی تو معاندین وحاسدین کثرت سے نقل کرتے، غرض غالب خیال یہی ہے کہ یہ روایت خلاف درایت بے اصل اور الحاقی ہے۔ والعلم عند الله"[2]

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ امام ابن المبارک سے امام صاحب کی تنقید میں مروی روایت مذکورہ کے بارے میں مصنف انوار نے یہ خیال ظاہر فرمایا ہے کہ خلاف درایت، بے اصل، الحاقی اور غیر صحیح ہے۔ ایک اور جگہ مصنف انوار نے کہا:

> "بعض رواۃ نے ان کی طرف یعنی ابن المبارک کی طرف امام صاحب کے بارے میں وہ اقوال منسوب کئے ہیں جو انہوں نے ہرگز نہیں کہے، جیسا کہ بہت سے دوسرے حضرات کی طرف بھی ایسی نسبتیں کی گئی ہیں۔"[3]

یہ بات معلوم و معروف ہو چکی ہے کہ مصنف انوار اپنے ہم مزاج لوگوں کی طرح روایات کی تصحیح وتکذیب اور ردوقبول میں صرف اپنی پسند و ناپسند کو معیار بنائے ہوئے ہیں، اس لیے ہمارے لیے یہ ممکن نہیں کہ ان کے معیار کے مطابق کسی روایت کی تصحیح یا تکذیب کریں، البتہ اہل علم کے اصول وقواعد کے مطابق ہم روایت مذکورہ کے صحیح ہونے کی توضیح کر کے مصنف انوار کی حقیقت بیانی واضح کر سکتے ہیں۔

روایت مذکورہ جس طرح تاریخ کبیر للبخاری میں ہے اسی طرح تاریخ صغیر للبخاری میں بھی ہے، اور اہل علم جانتے ہیں اور مانتے بھی ہیں کہ امام بخاری بذات خود ثقہ ہیں اور انہوں نے اپنی کتابوں میں جرح قادح سے محفوظ ثقہ ومعتبر رواۃ کی متصل اسانید کے ذریعہ علت قادحہ سے خالی جو روایات نقل کی ہیں وہ صحیح ومعتبر ہیں، آخر امام بخاری کی مختلف کتابوں میں منقول بہت ساری روایات کو مصنف انوار اور ان کے ہم مزاج کوثری گروپ کے افراد کس اصول وضابطہ سے صحیح ومعتبر مانتے ہیں حتی کہ مصنف انوار بخاری کو نسخۂ شفاء، خیر و برکت کا عظیم سرمایہ اور دین و دنیا کی سب سے بڑی دولت قرار دیے ہوئے ہیں؟ دریں صورت ثقہ رواۃ کی سند سے علت قادحہ سے محفوظ امام بخاری کی نقل کردہ کسی روایت کو کوئی معتدل مزاج صاحب

---

[1] تاریخ کبیر (٢/ ٩٣، ق: ٢)
[2] مقدمہ انوار (١/ ٢٤)
[3] مقدمہ انوار (١/ ١٧٢)

علم کیونکر بے اصل، الحاقی، غیر صحیح اور خلاف درایت ومکذوب کہنے کی جرأت کرسکتا ہے؟ خصوصا جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہو کہ افراط وتفریط سے ہٹ کر معتدل شاہراہ پر چلتے ہوئے خالص علمی و دینی وتحقیقی نقطۂ نظر سے ہم صرف صحیح ومعتبر باتیں لکھے ہوئے ہیں، وہ اس طرح کی روایات کو کیونکر بے اصل، الحاقی، غیر صحیح اور خلاف درایت کہہ سکتا ہے؟

کیا مجلس امام صاحب میں ذکر نبوی نہیں آتا تھا؟

ناظرین کرام پہلے روایت مذکورہ کو سند ومتن کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں۔ امام بخاری نے تاریخ کبیر ترجمہ سفیان ثوری میں نیز تاریخ صغیر میں فرمایا:

"قال لنا عبدان عن ابن المبارك: كنت إذا شئت رأيت سفيان مصليا، وإذا شئت رأيته محدثا، وإذا شئت رأيته في غامض الفقه، و مجلس شهد (وفي التاريخ الصغير، ص: ۱۸۷، شهدته) ما صلي فيه على النبي ﷺ يعني مجلس النعمان."[1]

"یعنی امام عبدان نے ابن المبارک سے روایت کی کہ میں جب چاہتا امام سفیان ثوری کو نماز پڑھتے یا حدیث بیان کرتے یا فقہ کے باریک مسائل بیان کرتے دیکھ سکتا تھا، مگر ایک مجلس میں نے امام ابوحنیفہ کی دیکھی جس میں نبی ﷺ پر درود نہیں پڑھا جاتا تھا۔"

ناظرین کرام! ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ اس روایت کی سند میں ابن المبارک اور امام بخاری کے مابین صرف ایک واسطہ امام عبدان کا ہے، اور امام عبدان عبداللہ بن عثمان بن جبلہ بن ابی رواد میمون ازدی عتکی مروزی (مولود ۱۴۰ھ یا ۱۴۵ھ ومتوفی ۲۲۰ یا ۲۲۱ھ) نہایت بلند پایہ ثقہ محدث ہیں۔ احمد بن عبدہ نے کہا کہ "تصدق عبدان في حياته بألف ألف درهم، وكتب كتب ابن المبارك بقلم واحد" امام حاکم نے کہا: "كان إمام أهل الحديث" محمد بن حمدویہ نے کہا: "ثقة مأمون" موصوف کی روایات صحیحین میں موجود ہیں۔ صحیح بخاری میں ان کی ایک سو دس احادیث ہیں۔[2] دریں صورت ضوابط محدثین کے مطابق یہ روایت بالکل صحیح ہے۔

مصنف انوار اور ان کے شیخ انور صحیح بخاری کے رواۃ کو ثقہ مانتے ہیں۔[3] پھر مصنف انوار روایت مذکورہ کو کیوں مکذوبہ کہتے ہیں؟

امام ابن المبارک سے اس روایت کی نقل میں امام عبدان منفرد بھی نہیں بلکہ زکریا بن سہل مروزی نے کہا:

"سمعت عبد الله (عبدان) و علي (ابن حسن) بن شقيق كليهما يقول: قال ابن المبارك: كنت إذا أتيت مجلس سفيان... إلى أن قال: وأما مجلس لا أذكر أني سمعت فيه قط صلي على رسول الله صلى الله عليه وسلم فمجلس أبي حنيفة."[4]

"یعنی امام عبدان اور علی بن حسن بن شقیق میں سے ہر ایک نے مذکورہ بالا روایت نقل کی ہے، جس میں صراحت

---

[1] تاريخ كبير للبخاري ترجمه سفيان ثورى (٤/ ٩٢)
[2] تهذيب التهذيب (٥/ ٣٠٣، ٣٠٤)
[3] اللمحات (١/ ٢٣، ٢٤)
[4] خطيب (١٣/ ٤٠٤)

ہے کہ ابن المبارک نے فرمایا کہ مجلس ابی حنیفہ میں کبھی بھی ذات نبوی پر میرے علم کی حد تک درود نہیں پڑھا گیا۔‘‘

جس طرح عبدان امام ابن المبارک کے خاص تلامذہ میں سے ہیں اسی طرح امام علی بن حسن بن شقیق (مولود ۱۳۷ھ ومتوفی ۲۱۵ھ) بھی ہیں، یہ بھی ثقہ وصدوق اور حجت ہیں، امام داود صاحب السنن نے فرمایا کہ امام ابن المبارک کی کتابیں انہوں نے چودہ مرتبہ لکھیں اوران کی کتابوں کا سماع متعدد بارکیا، وہ اصحاب ابن المبارک میں زیادہ معتبر اشخاص میں سے ہیں۔ ❶ موصوف علی بن حسن بن شقیق بشمول صحیح بخاری عام کتب حدیث کے رواۃ میں سے ہیں، اور مصنف انوار صحیح بخاری کے رواۃ کوثقہ مانتے ہیں۔ ❷ پھر مصنف انوار کواسے صحیح ماننے میں کیا عذر ہے؟

ایک تیسری روایت اس معنی کی حسن بن ہارون سے درج ذیل الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

”سمعت ابن المبارك يقول: تعجبني مجالس سفيان... إلى أن قال: فأما مجلس أتيته فلا أعلم أنهم صلوا على النبي صلى الله عليه وسلم قط حتى قاموا عن شغب يعني مجلس أبي حنيفة وأصحابه.“ ❸

’’یعنی ابن المبارک نے فرمایا کہ اپنے علم کی حد تک میں نے کبھی امام ابوحنیفہ اوران کے اصحاب کی مجلس میں ذات نبوی پر درود پڑھتے نہیں سنا، یہاں تک کہ یہ مجلس شور کے ساتھ ختم ہو جاتی تھی۔‘‘

ایک چوتھی روایت امام ابو داود صاحب السنن نے نقل کی ہے:

” ما مجلس ما رأيت ذكر فيه النبي صلى الله عليه وسلم قط، ولا يصلى عليه إلا مجلس أبي حنيفة، وما كنا نأتيه إلا خفيا من سفيان الثوري.“ ❹

’’یعنی ابن المبارک نے فرمایا کہ مجلس ابی حنیفہ میں میں نے کبھی ذات نبوی ﷺ پر درود پڑھے جاتے نہیں دیکھا اور ہم سفیان ثوری کے ڈر سے خفیہ طور ہی مجلس ابی حنیفہ میں جاتے تھے۔‘‘

امام ابو داود سے یہ روایت امام ابوسالم محمد بن سعید بن حماد جلودی (متوفی ۳۲۹ھ) نے نقل کی ہے، جوسنن ابی داود کے ناقلین و رواۃ میں سے ہیں اور بتصریح یوسف بن عمر قواس موصوف ثقہ ہیں۔ ❺ اور امام جلودی سے یہ روایت ابو الطیب عبدالواحد بن علی المعروف بابن اللحیانی فامی (متوفی ۳۷۶ھ) نے نقل کی ہے اور موصوف بھی ثقہ وصدوق ہیں۔ ❻ اور فامی ابن اللحیانی سے یہ روایت امام حسن بن محمد بن حسن ابومحمد الخلال (متوفی ۴۳۹ھ) نے نقل جو کہ ثقہ ہیں۔ ❼ اور خلال سے اسے امام خطیب نے نقل کیا ہے، یعنی امام ابو داود تک اس روایت کی سند صحیح ہے۔

کئی اسانید سے مروی یہ روایت ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق بالکل صحیح ہے۔ چنانچہ ان سب کا حاصل یہ ہے کہ اپنی معلومات کی حد تک ابن المبارک نے یہ بات کہی ہے کہ مجلس امام صاحب میں انہوں نے کبھی ذکرِ نبوی ہوتے اور ذاتِ

❶ خطيب (١١/ ٢١٧، ٣٧٢) وتهذيب التهذيب و تذكرة الحفاظ (١/ ٣١٦ تا ٣٢٠)
❷ اللمحات (١/ ٢٣ تا ٢٨) ❸ حلية الأولياء (٦/ ٣٥٨) ❹ خطيب (١٣/ ٤٠٤)
❺ خطيب (٥/ ٣١١) ❻ خطيب (١١/ ٩) ❼ خطيب (٧/ ٤٢٥)

نبوی پر درود وسلام پڑھتے نہیں دیکھا، اور یہ بات اس امر کو مستلزم نہیں کہ فی الواقع مجلسِ امام صاحب میں کبھی درود نہیں پڑھا جاتا تھا، کیونکہ یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ امام صاحب نے بعض اوقات بعض احادیث نبویہ بیان کی ہیں اور بیانِ حدیث کے وقت انہوں نے عام رواج کے مطابق نبی ﷺ کا نام لیا ہے اور آپ پر درود پڑھا ہے۔

بعض اوقات مجلس امام صاحب میں ذکر نبوی کا آنا اور درود کا پڑھا جانا ثابت شدہ حقیقت ہے مگر چونکہ باعتراف مصنف انوار غیر وقوع پذیر امور سے متعلق فقہی مسائل کو حل کرنے سے امام صاحب کا اشتغال و انہماک زیادہ تھا اور اس طرح کا اشتغال رکھنے والوں کے سامنے بسا اوقات ایسے مسائل کا پیش آجانا مستبعد و بعید از قیاس نہیں جن میں دیر تک مشغول رہنے کے باوجود ذکر نبوی اور درود پڑھنے کی نوبت نہ آسکے، اس لیے امام ابن المبارک سے مروی اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ موصوف جب بھی مجلس امام صاحب میں آئے امام صاحب اسی طرح کے مسائل حل کرنے میں مصروف تھے اور موصوف جب تک مجلس امام صاحب میں رہے تب تک اس طرح کے مسائل سے اشتغال کے سبب ذکر نبوی کرنے اور ذات نبوی پر درود پڑھنے کی نوبت نہیں آسکی۔ اس بات کو امام ابن المبارک نے اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کر دیا کہ میں نے مجلس امام صاحب میں ذکر نبوی ہوتے اور ذات نبوی پر درود پڑھے جاتے کبھی نہیں دیکھا، یعنی یہ بات ابن المبارک کے اپنے علم کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ چیز اس امر کو مستلزم نہیں کہ مجلس امام صاحب میں کبھی ذکر نبوی آتا تھا اور نہ درود پڑھا جاتا تھا۔

مجلس ابی حنیفہ میں درود نہ پڑھے جانے سے متعلق روایات کی تاویلِ مصنف انوار:

مصنف انوار نے اولاً مذکور بالا روایات کی تکذیب کی، ثانیاً انہیں صحیح فرض کر کے کہا:

''یہ اس زمانہ کی بات ہے جب ابن المبارک کو لوگ امام صاحب سے بدظن کر کے ان کے پاس جانے سے روکتے تھے، ممکن ہے کہ ان بدگمانیوں کے اثرات امام صاحب کی ابتدائی مجالس میں رہے ہوں۔''[1]

ہم کہتے ہیں کہ ناظرین کرام ہماری پیش کردہ مذکورہ بالا تفصیل کو پیش نظر رکھتے ہوئے بنظر انصاف اور انشراح صدر کے ساتھ غور فرمائیں کہ کیا مصنف انوار کی یہ تاویل اور تکذیبِ حقائق کی مہم کوئی وزن رکھتی ہے؟

مصنف انوار کی تاویل مذکور کی تکذیب:

تفصیل گزر چکی ہے کہ مصنف انوار کی دلیل بنائی ہوئی بعض روایات میں تصریح ہے کہ جب ابن المبارک کوفہ آئے تھے تو ان کو علمائے کوفہ نے جمیع علوم وفنون اور اوصاف محمودہ میں امام صاحب ہی کو سب سے افضل و بہتر بتلایا تھا، اپنی دلیل بنائی ہوئی ان روایات کی نبیاد پر مصنف انوار کا نظریہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ کوفہ آنے پر شروع میں لوگوں کی زبانی فضائل ومناقب ابی حنیفہ سن کر ابن المبارک امام صاحب سے خوش گمان تھے، مگر عجیب بات ہے کہ مصنف انوار اس کے الٹ فرما رہے ہیں۔ آخر یہ بات کیوں نہ صحیح مانی جائے کہ شروع میں لوگوں کی زبانی امام صاحب کے فضائل ومناقب کی جھوٹی داستانیں سن کر ابن المبارک امام صاحب کے بارے میں خوش گمان ہو کر فیض یاب ہونے کی غرض سے مجلسِ امام میں جاتے رہے اور مجلس امام

[1] مقدمه انوار (۲/ ۲٤)

صاحب میں آنے جانے سے ذاتی طور پر انہیں یہ مشاہدہ ہوا کہ فضائل امام صاحب کی جھوٹی داستانوں کے صحیح ہونے کے بجائے مجلس امام صاحب کا حال یہ ہے کہ اس میں کبھی ذکر نبوی ہوتا ہے نہ کبھی ذات نبوی پر درود پڑھا جاتا ہے، مصنف انوار ابن المبارک کی جس بات کو ابتدائی زمانے سے متعلق قرار دینا چاہتے ہیں وہ بات ابن المبارک کی زبان سے امام عبدان نے سنی تھی، جو بعض اقوال کے مطابق اگرچہ ۱۴۰ھ یا ۱۴۱ھ میں پیدا ہوئے مگر تہذیب التہذیب میں ہے:

"قال البخاري وغيره مات سنة ۲۲۱هـ وزاد غيره وهو ابن ۷٦سنة."

"یعنی امام بخاری وغیرہ نے فرمایا کہ موصوف ۲۲۱ھ میں بعمر چھہتر سال فوت ہوئے۔"

اس کا لازمی مطلب یہ ہوا کہ موصوف ۱۴۵ھ میں پیدا ہوئے، صاف ظاہر ہے کہ ۱۴۵ھ میں پیدا ہونے والے امام عبدان نے امام ابن المبارک سے یہ بات وفات امام صاحب کے بعد ہی سنی، کیونکہ امام صاحب ۱۵۰ھ میں فوت ہوگئے اور بدعویٰ مصنف انوار وفات سے تین سال پہلے جیل خانہ میں ہمیشہ کے لیے بند کر دیے گئے تھے۔

مصنف انوار کی تاویل مذکور کا حاصل یہ ہے کہ ابتداء میں ابن المبارک لوگوں کے بدگمان کرنے سے امام صاحب کے بارے میں بدگمانی رکھتے تھے بعد میں امام صاحب کے پاس آنے جانے سے ان کی یہ بدگمانی دور ہوگئی، حالانکہ اگر یہ تاویل صحیح ہوتی تو امام صاحب کی وفات کے بعد امام صاحب کے بارے میں ایسی تنقیدی بات ابن المبارک نہ کرتے کہ "میں نے کبھی بھی مجلس امام صاحب میں ذکر نبوی ہوتے اور ذات نبوی پر درود پڑھتے نہیں دیکھا۔"

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس تاویل کے صحیح ہونے پر کوئی معتبر دلیل وقرینہ نہیں ہے، البتہ اس کے مکذوبہ وباطل ہونے پر دلائلِ معتبرہ ضرور ہیں، وہ یہ کہ وفات امام صاحب کے بعد بھی امام صاحب پر ابن المبارک کی تنقیدیں جاری تھیں حتی کہ موصوف نے امام صاحب کو متروک قرار دے دیا، اگر ان کی یہ بات ابتدائی زمانے سے متعلق ہوتی، جو بعد میں ختم ہوگئی تھی، تو وفات امام صاحب کے بعد ابن المبارک کا رویہ امام صاحب کے بارے میں ہرگز ایسا نہ ہوتا۔

اس سلسلے میں اصل بات وہ ہے جو ہم نے کہی کہ مختلف وجوہ سے امام صاحب کی مجلس میں موصوف کی آمد و رفت کم تھی اور جب بھی وہ مجلس امام صاحب میں آئے اتفاق سے ایسی صورتِ حال درپیش تھی کہ ان کی موجودگی تک درود پڑھنے کی نوبت نہ آسکی۔

اور مصنف انوار نے جو یہ کہہ رکھا ہے:

"ظاہر ہے کہ امام صاحب جیسا عاشق رسول جس نے علویوں کو برسراقتدار لانے کے لیے آخر تک کوششیں کیں اور جس کا سارا دن قال اللہ قال الرسول ﷺ میں گزرتا ہو اور پوری رات تلاوت ونماز میں گزرتی ہو اور احادیث رسول جمع کرنے کا ایسا شغف کہ جب بھی کوئی محدث کوفہ میں باہر سے آتا تو اپنے اصحاب کو بھیجتے کہ کوئی نئی حدیث ان کے پاس ہو تو سن کر آؤ، جس کے گھر میں کئی کمرے ذخیرۂ حدیث سے بھرے ہوں کیسے ممکن تھا کہ اس کی مجلس میں درود نہ پڑھا گیا ہو...الخ۔"

تو یہ بہت واضح بات ہے کہ امام صاحب کے عاشق رسول ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی مجلس میں کبھی کبھار شریک ہونے والے ابن المبارک نے اس چیز کا مشاہدہ نہ کیا ہو جو ان کے زیر بحث بیان میں مذکور ہے، خصوصا اس صورت

میں کہ مصنف انوار بھی اس بات کو خارج از امکان نہیں مانتے کہ ابن المبارک کی موجودگی میں مجلس امام صاحب میں درود پڑھنے کی نوبت نہ آسکی ہو۔ اسی طرح علویوں کو برسر اقتدار لانے کی کوشش بھی ابن المبارک کے بیان مذکور کے بے اصل ہونے کو مستلزم نہیں، کسی عاشق رسول اور علویوں کو برسراقتدار لانے کی کوشش کرنے والے کی مجلس میں کبھی کبھار حاضر ہونے والے ابن المبارک کی موجودگی میں درود پڑھا جانا کوئی لازمی چیز نہیں ہے خصوصا جبکہ یہ عاشق رسول اور علویوں کو برسر اقتدار لانے کی کوشش کرنے والے امام صاحب ابن المبارک ہی کے بقول صبح سے عشاء تک ''خوض'' میں مشغول رہا کرتے ہوں، علویوں کو برسراقتدار لانے کی کوشش کرنے والے امام صاحب کے بارے میں ابن المبارک کا ثابت شدہ بیان کیونکر بے اصل قرار دیا جاسکتا ہے، جبکہ فرض نمازوں میں بھی امام صاحب درود پڑھنا ضروری نہیں کہتے بلکہ بقدر تشہد خاموش بیٹھ کر درود پڑھے بغیر سلام پھیرنے کی بجائے ریاح خارج کر دینے سے بھی نماز کو امام صاحب جائز وصحیح قرار دیتے ہیں، اور بعض کتب فقہ کی تصریح کے مطابق زندگی میں صرف ایک بار درود پڑھنا امام صاحب کے مذہب میں ضروری ہے، علویوں کو برسر اقتدار لانے کی کوشش میں مختار ثقفی اور اس کے اصحاب بھی سرگرداں رہے تو کیا یہ لوگ ہر وقت درود پڑھتے رہتے تھے کہ جب بھی ان کی مجلس میں کوئی جائے انہیں درود پڑھتے ضرور دیکھے؟

جن کتابوں میں مندرج مکذوبہ روایات کو مصنف انوار بکثرت دلیل بنائے ہوئے ہیں انہیں سے جب یہ ثابت ہے کہ اما م صاحب قرآنی آیت کی تفسیر پوچھنے پر خفا ہو کر فرماتے کہ مجھے میرے مشغلہ خاص کے علاوہ تفسیر بیان کرتے ہوئے کب دیکھا گیا؟ یا یہ کہ موصوف نے بذریعہ خواب حدیث سے اشتغال رکھنے کو منع کر دیا۔ نیز مصنف انوار کا خود یہ دعویٰ ہے کہ شدت احتیاط وتورع کے سبب امام صاحب روایت حدیث سے اشتغال نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ فقہ سے اشتغال رکھتے تھے نیز مجلس تدوین فقہ کے رکن امام حفص کے ثابت شدہ بیان سے جب لازم آتا ہے کہ امام صاحب حدیث کے بجائے فقہی مسائل کی تخریج کیا کرتے تھے تو مصنف انوار کا یہ دعویٰ کس دلیلِ معتبر پر قائم ہے کہ امام صاحب کا سارا دن **قال الله و قال الرسول** میں گزرتا تھا؟ آخر کس بنیاد پر موصوف کے اس دعویٰ کو ان کذابین کا جھوٹا پروپیگنڈہ نہیں کہہ سکتے جو موصوف ہی کے بیان کے مطابق سفید کو سیاہ کر دکھانے کے لیے جھوٹ کو کار خیر سمجھ کر پھیلاتے تھے؟

امام صاحب کا بعض احادیث کو بیان کرنا ثابت ہے، اس لیے ہم بہر حال یہ مانتے ہیں کہ بیان حدیث کے وقت موصوف ضرور درود پڑھتے تھے، مگر اس سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ موصوف کا سارا دن **قال الله وقال الرسول** ﷺ میں اس طرح گزرتا تھا کہ ان کی مجلس سے متعلق ابن المبارک نے اپنے مشاہدہ والی جس بات کا ذکر کیا ہے وہ بے اصل ہو۔ اور یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ جس وقت ابن المبارک نے عبدان، علی بن حسن بن شقیق وغیر ہم کے سامنے یہ بات کہی تھی، یعنی ۱۸۱ھ سے پہلے اس وقت بدعویٰ مصنف انوار امام صاحب کی مجلس تدوین میں ہمہ وقت شریک رہنے والے کئی تلامذۂ امام صاحب اور ان کے علاوہ دوسرے بہت سے تلامذہ واصحابِ امام صاحب دنیا میں زندہ موجود تھے، اگر ابن المبارک کی یہ بات غیر صحیح ہوتی تو یہ لوگ ان پر نہ صرف یہ کہ نکیر کرتے بلکہ غلط بیانی کا الزام لگا کر سخت مطعون کرتے، بلکہ اس جرم کی سزا میں انہیں جسمانی وروحانی اذیت بھی پہنچائی جاسکتی تھی، کیونکہ حکومت کے بہت سے عہدے ان کے ہاتھ میں تھے، مگر ابن المبارک

کے اس بیان پر امام صاحب کے تلامذہ ومعتقدین میں سے کسی کا بھی کوئی نکیر نہ کرنا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ وہ لوگ بھی ابن المبارک کے اس بیان کو صحیح مانتے تھے۔ اسی طرح عبدان وعلی بن حسن بن شقیق نے جب لوگوں کے سامنے ابن المبارک کا یہ قول نقل کیا تو ان پر بھی کسی نے نکیر کی نہ اعتراض کیا، گویا اس وقت موجود رہنے والے تلامذہ ومعتقدینِ امام صاحب کا ابن المبارک کے بیان کے صحیح ہونے پر اجماع سکوتی تھا۔ اسی طرح اپنی تاریخ صغیر وکبیر امام بخاری نے جب لوگوں کو برسر عام پڑھ کر سنائی اور سب کے سامنے یہ کتابیں آئیں تو امام صاحب کے معتقدین اپنی کثرت کے باوجود امام بخاری کی نقل کردہ اس روایت کی تغلیط نہیں کر سکے۔ دریں صورت چودھویں صدی میں مصنف انوار کی یہ بات یقیناً بہت حیرت انگیز ہے کہ اگر یہ بات صحیح ہوتی تو معاندین و حاسدین بکثرت اسے نقل کرتے، ایک ثقہ آدمی کے جس بیان کے صحیح ہونے پر امام صاحب کے تلامذہ ومعتقدین کا سکوتی اجماع دوسری تیسری صدی تک رہ چکا ہو اس کے بارے میں آج چودھویں صدی کے مصنف انوار کا فرمان مذکور علمی وتحقیقی نقطۂ نظر سے کیا وزن رکھتا ہے؟ جب امام صاحب کے متعدد معاصرین کا یہ بیان ہے کہ مجلس امام صاحب میں ''خصومات'' و''خوض'' اور قیاسی مسائل سے اشتغال رہا کرتا تھا تو ابن المبارک کے بیان مذکور پر مصنف انوار کی اس قدر برہمی بالکل بے معنی ہے۔

''رائے'' کے ساتھ امام صاحب کے اشتغال سے متعلق روایات اگر چہ بہت زیادہ ہیں، جن میں سے متعدد روایات کا ہم ذکر بھی کر چکے ہیں مگر سب کے استقصاء یا اکثر کے ذکر سے ہم اعراض کر رہے ہیں کیونکہ اختصار ہمارے پیش نظر ہے، پھر بھی اس جگہ مزید بعض روایات کا تذکرہ ہم کر دے رہے ہیں تا کہ حقیقتِ امر زیادہ سے زیادہ اطمینان بخش طریقہ پر سب کی سمجھ میں آجائے۔

رائے کے ساتھ امام صاحب کے اشتغال سے متعلق بعض دوسری روایات:

ابو الحسن علی بن عاصم واسطی بغدادی (متوفی ۲۰۱ھ) نے کہا:

"دخلت على أبي حنيفة، وعنده حجام يأخذ من شعره، فقال للحجام: تتبع مواضع البياض، قال الحجام: لا ترد، قال لم قال: لأنه يكثر، قال: تتبع مواضع السواد، لعله يكثر، بلغني أن شريكا حكيت له هذه الحكاية فضحك، وقال: لو ترك قياسه لترك مع الحجام."[1]

''یعنی میں امام صاحب کے پاس گیا، اس وقت ایک حجام ان کے بال بنا رہا تھا، امام صاحب نے حجام سے کہا کہ سفید بال اکھاڑ دو، حجام نے کہا ایسا کرنے سے سفید بال اور زیادہ ہوں گے تو امام صاحب نے فرمایا کہ تب کالے ہی بالوں کو اکھاڑو تا کہ وہی زیادہ ہوں، قاضی شریک کو یہ بات معلوم ہوئی تو موصوف نے فرمایا کہ اگر صاحب کسی بھی معاملہ میں قیاس آرائی سے باز رہتے تو حجام کے ساتھ ضرور باز رہتے۔''

یہ روایت صحیح ہے۔ علی بن عاصم سے اسے امام عثمان بن ابی شیبہ (متوفی ۲۳۹ھ) نے نقل کیا جو مشہور ومعروف ثقہ امام ہیں اور ان سے یہ روایت امام محمد بن منصور ابو الحسن القاض نوشری نے نقل کی جو ثقہ ہیں۔[2] اور ان سے اس روایت کے ناقل

[1] خطیب (۱۳/ ۳۴۷، ۳۴۸) و بمعناه الانتقاء (ص: ۱۶۲)

[2] خطیب (۳/ ۲۵۳)

محمد بن جعفر مطیری (متوفی ۳۳۵ھ) نے نقل کی یہ بھی ثقہ ہیں۔[1] اوران سے یہ رویات معافی بن زکریا نے نقل کی جو ثقہ ہیں۔[2] اوران سے یہ روایت قاضی ابو الطیب طاہر بن عبداللہ الطبری (متوفی ۴۵۰ھ) نے نقل کی یہ بھی ثقہ ہیں۔[3] اوران سے یہ روایت امام خطیب نے نقل کی ہے۔

امام شریک نے اس واقعہ کوسن کر امام صاحب پر جوتبصرہ کیا اس سے صاف ظاہر ہے کہ قیاس ورائے سے امام صاحب کا اشتغال بہت زیادہ تھا۔ امام شریک کومصنف انوار نے امام صاحب کی مجلس تدوین کا رکن قرار دیا ہے اس لیے ان کے بیان کی وقعت ضرور موصوف کی نظر میں ہوگی، اور صرف شریک ہی نے نہیں بلکہ الانتقاء کی روایت کے مطابق یہی تبصرہ حسن بن ابی مالک نے بھی امام صاحب پر کیا تھا اور حسن بن ابی مالک کو جواہر المضیہ وفوائدالبہیہ وغیرہ میں حنفی المذہب قرار دیا گیا ہے۔

امام صاحب کی عقل ورائے کی مدح میں امام ابن المبارک سے ایک اور روایت ابوسلیمان جوزجانی سے اس طرح منقول ہے:

"قال أبو سليمان الجوزجاني: سمعت ابن المبارك يقول: ما رأيت أحدًا أتقى لله من سفيان الثوري، ولا رأيت أحدا أعقل من أبي حنيفة."[4]

"یعنی ابن المبارک نے فرمایا کہ میں نے سفیان ثوری سے زیادہ متقی اور امام صاحب سے زیادہ عقلمند کوئی نہیں دیکھا۔"

مصنف انوار نے نہ جانے کیوں مدح امام صاحب میں ابن المبارک سے منقول مذکورہ بالاقول نہیں نقل کیا، اس میں بھی امام صاحب کی عقل کی فضیلت مذکور ہے۔ ظاہر ہے کہ راوی نے رائے اور عقل کو مترادف الفاظ سمجھ کر ہی عقلِ امام صاحب کی تحسین کی ہے، اس روایت میں صراحت ہے کہ ابن المبارک نے بقول خویش سفیان ثوری سے زیادہ متقی کسی کونہیں دیکھا، جس کا مفاد ہے کہ موصوف کی نظر میں امام ثوری امام صاحب سے بھی زیادہ متقی تھے، غالبًا یہی چیز مصنف انوار کے لیے اس روایت کونقل کرنے سے مانع ہوئی، کیونکہ اس سے مصنف انوار کی دلیل بنائی ہوئی وہ ساری روایات بے وزن ہو جاتی ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ ابن المبارک نے امام صاحب کوسب سے زیادہ متقی اور متورع بتلایا ہے۔

رائے ابی حنیفہ پر مساور ورّاق کا اظہار خیال:

امام سلیمان بن ابی شیخ منصور بن سلیمان (مولود ۱۵۱ھ ومتوفی ۲۴۶ھ) نے کہا:

"قال مساور الوراق:

كنا من الدين قبل اليوم في سعة — حتى ابتلينا بأصحاب المقاييس

قاموا من السوق إذ قلت مكاسبهم — فاستعملوا الرأي عند الفقر والبؤس

أما العريب فامسوا لأعطاء لهم — وفي الموالي علامات المفاليس

فلقيه أبو حنيفة فقال: هجوتنا، نحن نرضيك فبعث إليه بدراهم فقال:

إذا ما أهل مصر بادهونا — بداهية من الفتيا لطيفة

---

[1] خطیب (۲/ ۱٤٦)

[2] خطیب (۱۳/ ۲۳۰، ۲۳۱)

[3] خطیب (۹/ ۳۵۸ تا ۳٦۰)

[4] الانتقاء (ص: ۱۳۳)

أتيناهم بمقياس صحيح صليب من طراز أبي حنيفة
إذا سمع الفقيه به وعاه وأثبته بحبر في صحيفة[1]

وقال في الأغاني: لما سمع مساور الوراق لفظ أصحاب أبي حنيفة و صياحهم أنشأ يقول:

كنا من الدين قبل اليوم في سعة حتى بلينا بأصحاب المقاييس
قوم إذا اجتمعوا ضجوا كأنهم ثعالب ضجت بين النواويس

فبلغ ذلك أبا حنيفة وأصحابه فشق عليهم وتوعدوه، فقال أبياتا يرضيهم بها. وهي:

إذا ما الناس يوما قايسونا بآبدة من الفتيا طريفه
أتيناهم بمقياس ظريف مصيب من قياس أبي حنيفه
إذا سمع الفقيه بها وعاها وأثبتها بحبر في صحيفه

فبلغت أبا حنيفة فرضي عنه، قال مساور: ثم دعيت إلى وليمة بالكوفة في يوم شديد الحر، فدخلت فلم أجد لرجلي موضعا من الزحام إذا أبو حنيفة في صدرالبيت، فلما رآني، قال: إليّ يا مساور! إليّ يا مساور! فجئت فإذا مكان واسع بارد، وقال: اجلس، فجلست، فقلت في نفسي: نفعتني أبياتي اليوم، قال: وكان إذا رآني بعد ذلك يقول لي: ههنا ههنا، ويوسع لي إلى جنبه، ويقول: إن هذا من أهل الأدب والفهم."[2] وقال أبو الفرج الأصبهاني أخبرني إسماعيل بن يونس الشيعي قال: حدثنا الرياشي قال: حدثنا محمد بن الصباح عن سفيان بن عيينة ونسخت هذا الخبر أيضا من بعض الكتب أن حامد بن أبي يحيى البلخي حدث عن سفيان بن عيينة، وهذه الرواية أتم... الخ."[3]

"یعنی مساور وراق نے امام صاحب کی بابت بعض اشعار کہے، جن کا حاصل معنی یہ ہے کہ اصحاب الرای والقیاس کی فتنہ سامانی سے پہلے ہم کو دین کے معاملہ میں وسعت میسر تھی مگر ان اہل الرای نے لوگوں کو مبتلائے فتنہ کر دیا ہے۔ اصل بات یہ ہوئی کہ یہ اہل الرای کمائی اور روزی روٹی کے ذرائع کم ہوجانے کے سبب فقر و افلاس میں مبتلا ہوگئے، بنا بریں ان لوگوں نے بازار میں تجارتی سرگرمی اور دکان داری چھوڑ کر دین میں قیاس ورائے سے کام لینے کا مشغلہ اختیار کر لیا، عریب (عربوں اور آزاد لوگوں) کا حال یہ ہے کہ وہ کوئی عطیہ نہیں دیتے اور موالی (غلاموں یا عربوں کے غیرعربی حلیفوں پر) مفلسی کے آثار پائے جاتے ہیں۔

مساور کے ان اشعار کو سننے کے بعد امام صاحب نے مساور سے ملاقات کی اور کہا کہ آپ نے ہماری ہجوسرائی کی

---

[1] منا قب صیمری (ص: ٨٥) خطیب (١٣/ ٢٦٢) الانتقاء (ص: ١٢٩، ١٣٠) عقود الجمان (ص: ٢٨٨)
[2] مختار الأغاني (٩/ ٣١٣، ٣١٤)
[3] الأغاني (١٦/ ١٦٣)

ہے، ہم آپ کو خوش کرنے کی کوشش کریں گے، چنانچہ امام صاحب نے مساور کو کچھ پیسے بھجوا دیے تو مساور نے بعض اشعار اس معنی کے کہے کہ اگر کسی شہر کے لوگ کوئی دقیق مشکل مسئلہ ہمارے سامنے اچانک پیش دیں گے تو ہم امام صاحب کے طرز کے پختہ وصحیح مقیاس کے مطابق اس کا جواب دیں گے، جس کو سن کر فقیہ یاد کرے گا اور کتاب میں لکھ لے گا۔

اغانی کی روایت میں یہ ہے کہ مسائلِ رائے وقیاس پر بحث کے دوران اصحاب ابی حنیفہ کے شوروشغب اور ہنگامہ آرائی کو دیکھ کر مساور نے ان کی ہجو میں اشعار مذکورہ کہے، نیز روایت اغانی میں ایک شعر اس مفہوم کا بھی منقول ہے کہ اصحاب ابی حنیفہ اکٹھا ہو کر اتنا چیخ وپکار مچاتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ قبرستان میں رہنے والی لومڑیاں چیخ چلا رہی ہیں، مساور کے ان اشعار کی خبر امام صاحب اور ان کے اصحاب کو ہوئی تو ان پر یہ اشعار گراں گزرے او رانہوں نے مساور کو ڈرایا دھمکایا، جس کے نتیجہ میں خوف زدہ ہو کر مساور نے وہ اشعار کہے جن سے بظاہر رائے ابی حنیفہ کی مدح مستفاد ہوتی ہے، چنانچہ امام صاحب مساور پر خوش ہو گئے۔

مساور نے کہا کہ اس واقعہ کے بعد ایک دن شدید گرمی کے موسم میں ایک ولیمہ میں بہت سارے لوگوں کے ساتھ میری بھی دعوت ہوئی، میں گیا تو مہمانوں کی کثرت سے پاؤں رکھنے کی جگہ بھی مجھے نہیں مل رہی تھی، امام صاحب گھر کے صدر نشین تھے، مجھے دیکھ کر امام صاحب نے مجھے اپنے پاس بلا کر بیٹھا لیا، جہاں وسیع اور ٹھنڈی جگہ تھی، میں نے اپنے جی میں سوچا کہ آج اشعار مذکورہ میرے لیے مفید ثابت ہوئے، اس وقت سے امام صاحب مجھے جب بھی دیکھتے تھے بڑی گرم جوشی کے ساتھ مجھے بلا کر اپنے پاس بیٹھا یا کرتے تھے اور میری تعریف کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ مساور اہل ادب واہل فہم آدمی ہیں۔''

موفق نے حارثی کی سند سے ایسی روایت نقل کی ہے جس میں دو اشعار زائد ہیں، ان اشعار کا حاصل معنی یہ ہے کہ امام صاحب کے مقیاسِ صحیح کے مطابق دیا جانے والا جواب اسلاف سے مروی ایسے اقوال کے موافق ہوگا جو ان کے پاس منقول ہو کر پہنچے ہیں، اور امام صاحب نے پیش آمدہ ایسے مسائل مشکلہ حل کر دیے جن کے بارے میں ان کے پہلے والے لوگوں کو توقف تھا۔ امام صاحب کو مساور کے یہ اشعار معلوم ہوئے تو انہوں نے مساور کا شکریہ ادا کیا، مساور نے کہا کہ امام صاحب نے مجھے تین سو دراہم دیے تھے۔ چنانچہ مساور تاحیات ہمیشہ امام صاحب کی مدح کرتے رہے۔ حارثی کی ایک روایت میں ہے کہ مساور اس زمانہ سے امام صاحب کے پاس بالالتزام بیٹھتے رہے اور ان سے جدا نہیں ہوتے تھے۔''[1]

سلیمان بن ابی شیخ اور اغانی وحارثی والی روایات کے مجموعہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ مساور وراق امام صاحب اور ان کے ہم مذہب اصحاب کے مشغلۂ رائے وقیاس اور اس سلسلے میں ان لوگوں کے شوروشغب کے بہت زیادہ شاکی تھے، اور یہ تفصیل گزر چکی ہے کہ امام عامر شعبی امام صاحب کے استاذ حماد اور ان کے اصحاب کے اس طرز عمل کے بے حد شاکی تھے اور انہیں صعافقہ، بنواستھا، الآرائیون کے الفاظ سے یاد کرتے تھے، یعنی امام صاحب اور ان کے استاذ حماد کے مشغلۂ رائے وقیاس سے

---

[1] موفق (۲/ ۱۸۸، ۱۸۹)

بیزار ہونے کے معاملہ میں مساور امام عامر شعبی کے موافق تھے۔

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مساور وراق نے امام صاحب کے مشغلۂ رائے وقیاس اختیار کرنے کا سبب یہ بتلایا ہے کہ موصوف امام صاحب کے ذرائع معاش کم ہوگئے اور ان کی تجارت و دکان فیل ہونے لگی، جس سے موصوف امام صاحب معاشی پریشانی اور فقر میں مبتلا ہوگئے تو انہوں نے بازار میں کمائی کا کام نیز تجارت اور دکان داری چھوڑ کر مشغلۂ رائے وقیاس اختیار کیا، ممکن ہے کہ مساور کے اس بیان کو شاعرانہ خیال آرائی کہہ کر ٹال دیا جائے، مگر جن کتب مناقب کو مصنف انوار اور ان کے ہم مزاج نصوص کتاب وسنت کی طرح حجت بنایا کرتے ہیں ان میں یہ صراحت ہے کہ امام صاحب نے فرمایا:

"كيف لو رأيت حمادا عالني وعيالي عشرين سنة..الخ."[1]

"یعنی امام صاحب نے فرمایا کہ میری اور میرے بال بچوں کی روزی روٹی بیس سال کی طویل مدت تک میرے استاذ حماد چلاتے رہے تھے۔"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام صاحب ایک طویل زمانے تک اتنی بری طرح معاشی بد حالی کے شکار رہے کہ ان کی روزی روٹی کا انتظام حماد کو کرنا پڑا، مصنف انوار کی ممدوح کتابوں کا مندرجہ بالا بیان مساور کے بیان کی واضح طور پر تائید کر رہا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مساور شاعر ہونے کے ساتھ ثقہ محدث تھے، انہوں نے اپنے کہے ہوئے اشعار کو سوصفحات پر مشتمل کتاب میں جمع کیا تھا۔[2]

مساور صحیح مسلم کے رواۃ میں سے ہیں۔[3] اور یہ معلوم ہے کہ صحیحین یعنی صحیح بخاری ومسلم کے رواۃ ثقہ ہوتے ہیں، لہٰذا مساور کی مذکورہ بالا بات کو مبنی برحقیقت ماننے میں کوئی چیز مانع نہیں۔ جن روایات میں امام صاحب کے مشغلۂ رائے وقیاس اختیار کرنے کے اسباب مساور کے بیان کردہ سبب سے مختلف بیان کئے گئے ہیں، ان کے ساتھ بیانِ مساور کی تطبیق کے لیے یہ کہنا کافی ہے کہ امام صاحب کے مشغلہ رائے اختیار کرنے میں ایک سے زیادہ اسباب جمع ہوگئے، ان اسباب متعددہ کے اکٹھا ہوجانے کے تحت امام صاحب نے مشغلۂ رائے اختیار کیا اور مختلف افراد نے اپنی اپنی معلومات کے مطابق کہا کہ فلاں سبب پیدا ہوگیا تو امام صاحب نے مشغلۂ رائے اختیار کیا، یہ کوئی معنوی اور حقیقی اختلاف نہیں ہے۔ اس روایت سے بظاہر مستفاد ہوتا ہے کہ مساور نے رائے وقیاس سے امام صاحب کے اشتغال پر نقد وہجو سے رجوع کر کے رائے امام صاحب کی مدح سرائی کا راستہ اختیار کرلیا تھا۔

خطیب وانتقاء والی روایت میں صراحت ہے کہ اپنی ہجو میں مساور کے اشعار کی خبر امام صاحب کو ہوئی تو امام صاحب نے مساور سے ملاقات کر کے کہا کہ آپ نے اگرچہ ہماری ہجو کی ہے مگر ہم آپ کو خوش کرنے کی کوشش کریں گے، چنانچہ امام صاحب نے مساور کو کچھ پیسے بھجوائے، حارثی کی روایت میں پیسوں کی مقدار تین سو درہم بتلائی گئی ہے، پیسے ملنے کے بعد

---

[1] کردری (١/ ٢٥٤، ٢٥٥)

[2] إعلام زركلي (٨/ ٥٠٢) معجم المؤلفين (١٢/ ٢٢٤) الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٨/ ٣٥١) ثقات ابن حبان (٧/ ٥٠٢) تهذيب التهذيب (١٠/ ١٠٣) تقريب التهذيب، خلاصه تذهيب التهذيب، أغاني۔

[3] الجمع بين رجال الصحيحين (٢/ ٥٢٧)

مساور نے امام صاحب کی بابت بعض ایسے اشعار کہے جن سے بظاہر امام صاحب کے قیاس ورائے کی مدح مستفاد ہوتی ہے۔ اغانی و حارثی کی روایت کا مفاد یہ ہے کہ امام صاحب اور ان کے اصحاب کی ہجو میں اشعارِ مساور کی خبر اصحاب ابی حنیفہ کو ہوئی تو انہوں نے مساور کو ڈرایا دھمکایا، جس سے خوف زدہ ہوکر مساور نے وہ اشعار کہے جن سے بظاہر قیاس امام صاحب کی مدح مستفاد ہوتی ہے۔

دونوں روایات کے ظاہری اختلاف کو رفع کرنے کے لیے یہ صورتِ تطبیق کافی ہے کہ بسااوقات آدمی ایک کام دو یا دو سے زیادہ اسباب پیدا ہو جانے پر کرتا ہے، یعنی مذکورہ اشعار مساور نے امام صاحب کی ملاقات اور داد دہش سے خوش ہوکر بھی کہے اورا صحاب ابی حنیفہ کے ڈرانے دھمکانے سے خوف زدہ ہوکر بھی، بسااوقات اس طرح کی دو باتیں اکٹھا ہو جایا کرتی ہیں کہ آدمی دھمکی سے خوف زدہ ہوکر نیز روپیہ پیسہ کے ذریعہ خوش ہوکر ایک کام کر ڈالتا ہے، نیز دھمکی یا عطیہ کے بعد مساور کے کہے ہوئے اشعار سے اگرچہ بظاہر امام صاحب کے طرز قیاس کی مدح مستفاد ہوتی ہے مگر ان اشعار کا حاصل بہر حال یہ ہے کہ امام صاحب کا اصل اشتغال صرف رائے وقیاس کے ساتھ تھا اور جس علم کو امام صاحب نے مرکز توجہ بنا رکھا تھا وہ محض رائے وقیاس تھا۔

ان اشعار میں جو "مقياس أبي حنيفه" کو "صحيح و مصيب" کہا گیا ہے تو ان میں صراحت ہے کہ "مقياس أبي حنيفه" صرف ابوحنیفہ کے طرز وطریقِ قیاس کے اعتبار سے صحیح ومصیب ہے، دوسروں کے طریق ونقطۂ نظر سے بھی اس کا صحیح ومصیب ہونا ضروری نہیں ہے۔ یعنی صرف شاعرانہ تعریض کے مطابق قیاس ابوحنیفہ کی مدح ظاہر کی گئی ہے، بسا اوقات شاعر کی بات کا مقصد ہجو ہوتا ہے مگر بظاہر اس سے مدح مستفاد ہوتی ہے۔ حطیئہ جرول بن مالک بن عیسیٰ (متوفی ۵۹ھ) نے زبر قان بن بدر کی ہجو میں جو یہ شعر کہا تھا:

دع المكارم لا ترحل لبغيتها
واقعد فإنك أنت الطاعم الكاسي

تو حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اسے ہجو کے بجائے مدح سمجھا۔[1] یہ مستبعد نہیں کہ مساور نے بعد والے اشعار کے ذریعہ بھی تعریض کے انداز میں قیاس ابی حنیفہ کی ہجو ہی کی ہو، جس کا اصل مطلب عام لوگ نہ سمجھ سکے، بعض روایات کے مطابق امام صاحب نے منصور سے کہا تھا کہ میں عہدۂ قضا سنبھالنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ امام وکیع نے ہارون سے کہا کہ مجھے سال بھر سے نظر نہیں آتا۔[2] ظاہر ہے کہ یہ تعریض ہے، ان باتوں کا وہ مقصود نہیں جو بظاہر نظر آتا ہے، بعض روایات میں مساور کے صرف ان اشعار کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے جن کو مساور نے امام صاحب کے عطیہ اور اصحاب امام صاحب کے ڈرانے دھمکانے کے بعد کہا تھا، اور یہ معلوم ہے کہ ایک واقعہ کو بسا اوقات تفصیل کے ساتھ اور کبھی کبھار اس کے بعض اجزاء کو حذف کر کے اختصار کے ساتھ بیان کرنے کا رواج عام ہے۔

مساور کے جن اشعار سے بظاہر قیاس ابی حنیفہ کی مدح مستفاد ہوتی ہے ان کی بابت امام سفیان بن عیینہ کا تبصرہ یہ ہے

[1] البداية والنهاية واقعات سنه ٥٩ هـ
[2] أخبار القضاة لوكيع (١ / ٢٧)

کہ مساور کو اس طرح کے اشعار نہیں کہنے چاہیے تھے۔[1] لیکن ہمارے نزدیک حقیقت یہ ہے مساور کے دونوں قسم کے اشعار میں کوئی معنوی اختلاف نہیں دونوں ایک ہی مفہوم کی دو تعبیریں ہیں، یعنی امام صاحب اور ان کے اصحاب اہل الرای والقیاس ہیں، جن کا تمام تر مشغلہ رائے وقیاس سے رہا کرتا ہے۔ اگر بالفرض آخری والے اشعار اپنے ظاہری معنی پر محمول کئے جائیں تو پہلے والے اشعار کی معنوی موافقت بہت ساری روایات صحیحہ اور معتبر سے ہوتی ہے، ان میں سے امام عامر شعبی سے مروی بعض روایات کا ذکر آچکا ہے، جن کا حاصل بہر حال یہ ہے کہ امام صاحب اور ان کے اصحاب کو ان کے عام معاصرین اہل الرای والقیاس کے نام سے جانتے تھے اور رائے وقیاس میں امام صاحب کی معرفت لوگوں کو تسلیم تھی۔

تاریخ خطیب اور الانتقاء میں روایت مذکورہ جن الفاظ کے ساتھ مروی ہے ان الفاظ کے ساتھ روایت مذکورہ کے ناقل سلیمان بن ابی شیخ نے امام صاحب اور مساور کا زمانہ نہیں پایا کیونکہ امام صاحب اور مساور دونوں ایک ہی سال ۱۵۰ھ میں فوت ہوئے، جس کے تقریبا سال بھر بعد سلیمان پیدا ہوئے، اس اعتبار سے سند میں انقطاع ہے جو ارسال کے معنی میں ہے اور یہ معلوم ہے کہ حنفی مذہب میں اس طرح کی منقطع روایت حجت ہے، مگر اغانی والی سند متصل ہے اور حارثی والی سند بھی متصل ہے جس سے روایت سلیمان کی تائید ہوتی ہے۔ سلیمان موصوف ثقہ ہیں، موصوف علوم نسب، تواریخ، اخبار الناس کے خصوصی ماہر تھے۔[2] چونکہ ظن غالب ہے کہ سلیمان مذکور نے مساور والی روایت مذکورہ مساور کی کتاب سے لی ہوگی، اس لیے اس کا منقطع ہونا مضر نہیں، خصوصاً اس لیے بھی کہ مصنف انوار جن کتب مناقب کو وحی الٰہی کی طرح حجت مانتے ہیں ان میں روایت مذکورہ بعض اضافات کے ساتھ متصل سند سے منقول ہے، یعنی موفق (۲/ ۱۸۸، ۱۸۹) کے مطابق روایت مذکورہ امام سفیان بن عیینہ نے نقل کی ہے جو امام صاحب اور مساور کے مشہور ثقہ معاصر ہیں اور سفیان سے روایت مذکورہ کے تین ناقلین حامد بن یحییٰ بلخی طرسوسی، علی بن حسن بن شقیق بلخی، عباس بن یزید بحرانی بصری میں سے ہر ایک ثقہ ہے۔[3]

اور ان تینوں حضرات تک پہنچنے والی سند اصول مصنف انوار کے مطابق صحیح ہے اگرچہ اس کی سند میں واقع شدہ حارثی اہل علم کی تصریح کے مطابق کذاب اور ساقط الاعتبار ہے۔ نیز اغانی کی ذکر کردہ متصل سند روایت سلیمان کی متابع ہے۔ خطیب اور الانتقاء والی روایت کے بالمقابل حارثی کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ ''ہمارا جواب امام صاحب کے طرز کے صحیح مقیاس کے مطابق ہوگا، جس کی موافقت سلف کے ایسے آثار سے ہوتی ہوگی جو امام صاحب تک مروی ہو کر پہنچے'' لیکن ظاہر ہے کہ یہ اضافہ ایک کذاب کا ایجاد کردہ ہونے کے سبب ساقط الاعتبار ہے، پھر اس سے ممکن ہے کہ مساور کی مراد یہ ہو کہ اہل الرای اپنے اصول قیاس سے جو جوابات علمی سوالات کے دیتے ہیں ان کو اپنے طور پر اسلاف کے آثار کے مطابق سمجھتے ہیں، حالانکہ محدثین کے نقطۂ نظر سے وہ جوابات نصوص کتاب وسنت کے خلاف ہوتے ہیں۔ بہر حال روایت مذکورہ کا یہ مطلب بھی چونکہ نکلتا ہے کہ مساور نے رائے مدح ابی حنیفہ کی ہجو سے رجوع کرکے مدح کی، اس لیے ہم نے روایت مذکورہ فضائل ابی حنیفہ میں ذکر کی ہے۔

---

[1] المعرفة والتاريخ ليعقوب الفسوي (١٣/ ٤٠٨)

[2] خطيب (٩/ ٥٠، ٥١) نیز ملاحظہ ہو: ثقات ابن حبان (٨/ ٢٧٤)

[3] تهذيب التهذيب۔

اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب کا اشتغال زیادہ تر ایسے مسائل سے رہا کرتا تھا جن سے مشغول ہونے کے سبب دیر دیر تک ان کی مجلس میں ذکر نبوی کا نہ ہونا اور ذات نبوی پر درود پڑھنے کی نوبت نہ آنا بعید از قیاس نہیں۔ اور اس امر کا کوئی ثبوت نہیں کہ امام صاحب نے اس طرح کے فقہی مسائل سے اشتغال اپنی زندگی کے آخری زمانہ میں بند کر کے دوسرا مشغلہ اختیار کیا، بلکہ متعدد روایات سے مستفاد ہوتا ہے کہ آخری زندگی تک امام صاحب کا اشتغال اسی طرح کا تھا حتی کہ مصنف انوار کے ممدوح سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ فقہی مسائل کا لکھنا امام صاحب نے ۱۴۳ھ میں شروع کیا تھا، یعنی اپنی زندگی کے اواخر میں، جیسا کہ تفصیل آ رہی ہے۔ اس لیے اگرچہ یہ ثابت ہے کہ امام ابن المبارک بقول خویش ۱۱۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۴۱ھ میں پہلی بار عراق آئے۔[1] جس کے بعد ہی موصوف کو مجلس امام صاحب میں آنے کی نوبت آئی ہوگی مگر یہ بالکل ممکن ہے کہ موصوف جب بھی مجلس امام میں حاضر ہوئے ہوں امام صاحب فقہی مسائل کے حل میں اس طرح مشغول ہوں کہ موصوف کی موجودگی میں مجلس امام میں ذکر نبوی نہ آ سکا ہو اور ذات نبوی پر درود نہ پڑھا جا سکا ہو، اور مندرجہ بالا تفصیل میں مذکور شدہ روایات کا حاصل بھی یہی ہے کہ ابن المبارک جب بھی مجلس امام میں آئے اور جتنی دیر تک اس میں وہ رہے ذکر نبوی ہونے اور ذات نبوی پر درود پڑھے جانے کی نوبت نہیں آئی۔

یہ بات بذات خود اس امر کی دلیل ہے کہ ابن المبارک کی آمدورفت مجلس امام صاحب میں بہت کم رہا کرتی تھی ورنہ اگر زیادہ ہوتی تو موصوف ضرور کسی وقت مجلس امام صاحب میں ذکر نبوی ہوتے اور ذات نبوی پر درود پڑھتے دیکھ لیتے، مجلس امام صاحب میں موصوف کی کم آمدورفت کا ایک بھاری سبب یہی ہوا کہ انہوں نے اس مجلس میں وہ چیز نہیں دیکھی جس سے اس میں زیادہ آمدورفت رکھنے کی طرف کشش اور اشتیاق ہو۔ نیز اس کا دوسرا بھاری سبب یہ بھی تھا کہ انہیں کی تصریح ہے کہ ان کے قابل احترام استاذ و شیخ امام ثوری نے مجلس امام صاحب میں آنے جانے سے منع کر دیا تھا۔

مساور سے مروی مذکورہ بالا اشعار کا معنی و مفہوم خواہ کچھ ہو لیکن جب امام صاحب نے خود صراحت کر دی ہے کہ میری جملہ علمی خدمات تمام تر رائے و قیاس پر مشتمل ہیں، نیز میری بیان کردہ تمام علمی و فقہی باتیں مجموعۂ اغلاط و ناقابل نوشت و تحریر ہیں، تو پھر امام صاحب کا یہ فرمان دوسروں کے اقاویل کے بالمقابل امام صاحب کے عقیدے مندوں نیز ان کی تقلید کا دم بھرنے والوں کے نزدیک زیادہ قابلِ قبول ہے، اور یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ امام ابن المبارک شروع شروع میں امام صاحب کے یہاں آمدورفت رکھتے تھے، یعنی ۱۴۱ھ کے بعد موصوف خدمت ابی حنیفہ میں آنے جانے لگے تھے مگر بعد میں انہوں نے امام صاحب سے ترک تعلق کر لیا تھا، اس لیے یہ مستبعد نہیں کہ جس زمانہ میں امام صاحب سے موصوف کا تعلق تھا اس زمانہ میں موصوف کی زبان سے بعض کلماتِ مدح نکل گئے ہوں، مگر یہ معلوم ہے کہ اعتبار آخری معاملہ کا ہوتا ہے اور آخری معاملہ یہ ہے کہ امام ابن المبارک نے امام صاحب کو متروک قرار دے دیا تھا۔ اس حقیقت ثابتہ کے خلاف مصنف انوار اور ان کے ہم مزاج خواہ کتنا ہی شور و غل مچائیں لیکن یہ معلوم ہے کہ شور و شغب اور انکارِ حقائق کے ذریعہ حقائق کو بدلا نہیں جا سکتا۔

بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک زمانہ میں ایک شخص کے حالات کچھ تھے، جن کے مطابق اس کے معاصرین نے اس

[1] تاريخ خطيب (ص: ١٦٨ ترجمه ابن المبارك)

پر تبصرے کئے پھر بعد میں حالات بدل گئے تو ان کے مطابق پہلے تبصروں کے خلاف اس کے انہیں معاصرین نے دوسری قسم کے تبصرے کئے، جیسا کہ یہ تفصیل گزر چکی ہے کہ وفات امام ابراہیم نخعی کے بعد تلامذۂ نخعی نے امام صاحب کے استاذ حماد کو جانشین نخعی بنایا، مگر کچھ دنوں کے بعد جب حماد مذہب نخعی سے منحرف ہو کر مرجی ہو گئے تو وصیت نخعی اور اپنے نظریہ کے مطابق انہیں تلامذۂ نخعی نے حماد کو ترک کر دیا حتی کہ ان سے سلام وکلام تک بند کر دیا۔ کتب رجال میں اس طرح کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔

بعض اوقات ایک شخص کی بابت حاصل شدہ معلومات کچھ ہوتی ہیں، جن کے مطابق اس پر اہل علم کے تبصرے ہوتے ہیں مگر بعد میں اسی شخص کی بابت دوسری طرح کی معلومات حاصل ہونے سے تبصرے بھی بدل جاتے ہیں، اس کی بھی بہت سی مثالیں کتب رجال میں موجود ہیں۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی کے ظاہری حالات اچھے ہوتے ہیں مگر باطنی حالات خراب، جو اہل علم اس کے باطنی حالات پر واقف نہیں ہو پاتے وہ ظاہری احوال کے مطابق تبصرے کرتے ہیں اور جو واقف ہوتے ہیں وہ احوال واقعی کا اظہار کر دیتے ہیں، حتی کہ ایک ہی صاحب علم ایک زمانہ تک اس کے احوال باطنی سے نا واقف ہونے کے سبب اس کی مدح کرتا رہتا ہے مگر بعد میں احوال باطنی پر واقف ہو کر وہی صاحب علم اپنے اس ممدوح کو نشانہ طعن وتنقید بنا لیتا ہے، اس کی مثالیں بھی کتب رجال میں بکثرت ہیں۔ اور بھی بہت سے اسباب ہیں جن کی بناء پر ایک آدمی کی مدح وقدح میں اہل علم کے اقوال مختلف طرح سے منقول ہوتے ہیں، اس کی تفصیل مطولات میں ہے۔

امام صاحب کو ترکِ ابن المبارک سے متعلق پہلی روایت صحیحہ:

ناظرین کرام پر واضح رہنا چاہئے کہ امام عبداللہ بن المبارک کے ایک مشہور ومعروف اور خصوصی شاگرد امام حسن بن ربیع بجلی قسری بورانی ابوعلی (متوفی ۲۲۰ھ یا ۲۲۱ھ) ہیں، انہیں حسن بن ربیع نے مرتے وقت ابن المبارک کی آنکھیں بند کی تھیں اور موصوف کی تکفین وتدفین کا انتظام کیا تھا۔ صحاح ستہ میں ان کی احادیث ہیں، امام بخاری ومسلم نے متفقہ طور پر ان کی روایات قبول کی ہیں، اور یہ معلوم ہے کہ جس کی روایت قبول کرنے پر بخاری ومسلم متفق ہوں وہ ثقہ وحجت ہے، ائمہ فن نے موصوف کو ثقہ وحجت قرار دیا ہے۔[1] انہیں حسن بن ربیع سے بسند صحیح مروی ہے:

"ضرب ابن المبارك على حديث أبي حنيفة قبل أن يموت بأيام يسيرة."[2]

"یعنی امام ابن المبارک نے امام صاحب کو اپنی وفات سے چند دنوں پہلے متروک قرار دے دیا تھا۔"

حسن بن ربیع سے یہ روایت امام ابوبکر محمد بن ابی عتاب الاعین (متوفی ۲۴۰ھ) نے نقل کی ہے جو ثقہ وصدوق ہیں۔[3] حسن بن ربیع سے اس روایت کے ناقل امام احمد بن حنبل اور ان سے اس روایت کے ناقل ان کے صاحبزادے امام عبداللہ بن احمد بن حنبل ہیں، ان دونوں حضرات کی امامت وجلالت وثقاہت محتاجِ بیان نہیں، اور امام عبداللہ بن احمد سے اس روایت کے ناقل امام

---

[1] ملاحظہ ہو: خطيب (٧/ ٣٠٧، ٣٠٨) وتهذيب التهذيب (٢/ ٢٧٧، ٢٧٨) والتنكيل (١/ ٢٣٢، ٢٣٣)

[2] خطيب (١٣/ ٤١٤)

[3] ملاحظہ ہو: خطيب (٢/ ١٨٢، ١٨٣) و تهذيب التهذيب (٢/ ٣٣٤، ٣٣٥) و التنكيل (١/ ٤٦٠)

ابو داود صاحب السنن کے صاحبزادے ابو بکر عبداللہ بن سلیمان ازدی سجستانی (مولود ۲۳۰ھ ومتوفی ۳۱۶ھ) بھی بلند پایہ ثقہ ہیں۔ [1] اور ابو بکر سے اس کے ناقل امام عمر بن احمد ابو حفص واعظ المعروف با بن شاہین (مولود ۲۹۷ھ ومتوفی ۳۸۵ھ) بھی بلند پایہ ثقہ ہیں۔ [2] خود مصنف انوار معترف ہیں کہ امام ابن شاہین مشہور حافظ حدیث ہیں، ان کی کتاب السنہ مقبول ومعروف ہے۔ [3]

اور ان سے اس روایت کے ناقل ان کے صاحبزادے عبید اللہ بن عمر ابو القاسم الواعظ (مولود ۳۵۱ھ ومتوفی ۴۴۰ھ) ثقہ ہیں۔ [4] اور ان سے اس روایت کے ناقل امام خطیب جیسے بلند پایہ ثقہ ہیں۔ ویسے ہمارا ظن غالب یہ ہے کہ روایت مذکورہ امام ابن شاہین کی کسی کتاب میں موجود ہوگی بلکہ اس کا امام ابو بکر عبداللہ بن ابی داود کی کسی کتاب میں ہونا مستبعد نہیں۔ بہر حال یہ روایت بالکل صحیح ہے اور اس بات کو نقل کرنے میں امام حسن بن ربیع منفرد بھی نہیں بلکہ اس معنی ومفہوم کی روایت کئی سندوں کے ساتھ ابن المبارک کے دوسرے شاگرد امام ابراہیم بن شماس (متوفی ۲۲۱ھ) سے بھی منقول ہے۔ ان اسانید میں سے صرف ایک صحیح الاسناد روایت کو نقل کرنے پر ہم اس جگہ اکتفاء کریں گے، مصنف انوار نے حدیث وفقہ کے مشہور ومعروف امام ابو حاتم محمد بن حبان بستی (متوفی ۳۵۴ھ) کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔ [5]

امام صاحب کو ابن المبارک کے متروک قرار دینے سے متعلق دوسری روایت صحیحہ:

مصنف انوار کے مذکورہ بالا ممدوح امام ابن حبان نے درج ذیل روایت صحیحہ نقل کی ہے:

"سمعت عمر بن محمد البحيري يقول سمعت محمد بن سهل بن عسكر يقول سمعت إبراهيم بن شماس يقول: رأيت ابن المبارك يقرأ كتابا على الناس في الثغر وكلما مر على ذكر أبي حنيفة، قال: اضربوا عليه، وهو آخر كتاب قرأ على الناس، ثم مات." [6]

''یعنی میں نے عمر بن محمد بجیری سے اور بجیری نے محمد بن سہل بن عسکر سے سنا کہ ابراہیم بن شماس نے کہا کہ میں نے ابن المبارک کو آخری مرتبہ کتاب پڑھتے دیکھا تو جب بھی امام صاحب کا نام آتا وہ فرماتے کہ ان کو ترک کر دو، یہ آخری کتاب تھی جسے ابن المبارک نے پڑھا، اس کے بعد موصوف کا انتقال ہوگیا۔''

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ ابن المبارک کے خاص شاگرد امام ابراہیم بن شماس نے ان کا یہ ارشاد نقل کیا ہے اور یہ معلوم ہے کہ امام ابراہیم بن شماس ثقہ وصدوق ہیں۔ [7] ابراہیم سے اس روایت کے ناقل محمد بن سہل بن عسکر ثقہ ہیں۔ [8] اور ان سے اس روایت کے ناقل امام ابن حبان کے استاذ عمر بن محمد بن بجیر ہمدانی سمرقندی بجیری ابو حفص (مولود ۲۲۳ھ ومتوفی ۳۱۱ھ) بلند پایہ حافظ حدیث ثقہ وصدوق ہیں۔ [9] یہ روایت بالکل صحیح ہے اور اس معنی ومفہوم کی کئی روایات تاریخ خطیب (۱۳/۴۱۳، ۴۱۴) میں موجود ہیں۔

---

1. خطیب (۹/ ٤٦٤ تا ٤٦٩) وتذكرة الحفاظ والتنكيل (۱/ ۲۹۷ تا ۳۰۵)
2. خطیب (۱۱/ ۲٦٥ تا ۲٦۸) تذكرة الحفاظ۔
3. مقدمه انوار (۲/ ۹٤)
4. خطیب (۱۰/ ۳۸٦)
5. مقدمه انوار (۱/ ۹۰)
6. التنكيل (۱/۳۸٦، بحواله الثقات لا بن حبان)
7. تهذيب التهذيب (ص: ۱۲۷) و تاريخ خطيب (٦/ ۹۹ تا ۱۰۲) وغيره.
8. تهذيب التهذيب (۹/ ۲۰۷) وغيره.
9. تذكرة الحفاظ (۲/ ۲۸٦)

امام صاحب کو ابن المبارک کے متروک قرار دینے سے متعلق تیسری روایت صحیحہ:

امام ابن المبارک کے ان دونوں جلیل القدر ثقہ شاگردوں یعنی حسن بن ربیع بجلی اور ابراہیم بن شماس کے علاوہ موصوف کے تیسرے جلیل القدر شاگرد امام عبداللہ بن زبیر بن عیسیٰ ابوبکر اسدی حمیدی مکی (متوفی ۲۱۹ھ یا ۲۲۰ھ) سے بھی یہ بات بسند قوی منقول ہے۔ اس روایت کے الفاظ درج ذیل ہیں:

"قال الحميدي: سمعت ابن المبارك يقول: كتبت عن أبي حنيفة أربع مائة حديث، إذا رجعت إلى العراق إن شاء الله تعالى محوتها." [1]

''یعنی امام حمیدی نے کہا کہ میں نے امام ابن المبارک کو فرماتے سنا کہ میں نے امام صاحب کی بیان کردہ چار سو احادیث لکھ رکھی ہیں، جب میں عراق واپس جاؤں گا تو انہیں قلم زد کردوں گا۔''

امام ابن المبارک سے اس روایت کے ناقل امام حمیدی مشہور ومعروف ثقہ امام ہیں، ان کی مسند حمیدی مشہور کتاب ہے۔ کوثری اور کوثری گروپ کے افراد بشمول مصنف انوار نے امام حمیدی کے خلاف چودھوی صدی میں جو شورش مچا رکھی ہے اس کا تحقیقی جائزہ التنکیل میں لیا گیا ہے اور ہم بھی اس سلسلے میں مستقل بحث کریں گے، مگر ان لوگوں کی شورش کا بھرپور جواب یہ ہے کہ صحیحین میں امام حمیدی کی روایت کردہ بہت ساری احادیث موجود ہیں اور مصنف انوار صحیح بخاری کو نسخۂ شفاء، دین ودنیا کی سب سے بڑی دولت وسعادت قرار دیے ہوئے ہیں۔ پھر ان کے خلاف یہ شورش چہ معنی دارد؟ موصوف امام بخاری کے خاص اساتذہ میں سے ہیں، ان سے اس روایت کے ناقل عیسیٰ بن عبداللہ بن سنان بن دلویہ ابوموسی طیالسی رغاث (مولود ۱۹۳ھ ومتوفی ۲۷۷ھ) ثقہ اور جلیل القدر حافظ حدیث ہیں۔[2] اور طیالسی موصوف سے اس روایت کے ناقل امام ابوبکر محمد بن جعفر بن احمد بن یزید الصیر فی المطیری (متوفی ۳۳۵ھ) جلیل القدر ثقہ محدث ہیں۔[3] اور مطیری سے اس روایت کے ناقل احمد بن محمد بن یوسف بن دوست ابوعبداللہ العلاف (مولود ۳۱۳ھ ومتوفی ۴۰۷ھ) قوی ومعتبر ہیں۔[4] اور ابوالعلاف سے یہ روایت امام حسن بن ابی طالب محمد بن الحسن بن علی ابومحمد خلال مولود ۳۵۲ھ ومتوفی ۴۳۹ھ نے نقل کی جو ثقہ وصدوق ہیں۔[5] اور ان سے روایت مذکورہ امام خطیب نے نقل کی ہے۔ الغرض یہ روایت معتبر ہے، اپنے سے پہلے والی روایات کے ساتھ ملنے سے صحیح کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کو متروک قرار دینے والی بات ابن المبارک سے امام حمیدی نے بذات خود سنی تھی، اور اس کے بعد فوراً ہی دوسری روایت تاریخ خطیب میں موجود ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن المبارک کی یہ بات امام حمیدی نے امام ابراہیم بن شماس سے سنی تھی اور ایسا اکثر ہوتا ہے کہ ایک روایت کو کوئی راوی کسی سے بلاواسطہ بھی سنتا ہے اور بالواسطہ بھی۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابن المبارک نے امام صاحب سے چار سو احادیث سن رکھی تھیں، مگر یہاں پر

---

1. خطیب (۱۳/ ٤١٤)
2. خطیب (۱۱/ ۱۷۰)
3. خطیب (۲/ ١٤٥، ١٤٦)
4. التنکیل (۱/ ۲۰۰ تا ۲۰۲)
5. خطیب (٤/ ٤٢٥)

احادیث سے مراد احادیث مرفوعہ نہیں ہیں بلکہ وہ فقہی اقوال اور فتاویٰ ہیں جن کو امام صاحب نے اپنے بعض اساتذہ اور اساتذہ کے اساتذہ یعنی اتباع تابعین و تابعین کی زبان سے سن رکھا تھا، جن میں بعض روایات موقوفہ بھی رہی ہوں گی۔ اسلاف کے یہاں تابعین وصحابہ بلکہ اتباع تابعین کے اقوال وفتاویٰ پر بھی لفظ احادیث کا اطلاق ہوا کرتا رہا ہے، یہ بات ہم نے اس لیے کہی ہے کہ امام ابن المبارک کے متعدد بیانات سے مستفاد ہوتا ہے کہ وہ امام صاحب سے احادیث مرفوعہ نہیں سن سکے تھے، جیسا کہ تفصیل آ رہی ہے۔

امام صاحب کو ابن المبارک کے متروک قرار دینے سے متعلق چوتھی روایت صحیحہ:

امام ابن المبارک کی یہ بات مذکورہ بالا تینوں حضرات یعنی امام حسن بن ربیع و ابراہیم بن شماس وحمیدی کے علاوہ معنوی طور پر ایک سے زیادہ سندوں کے ساتھ امام علی بن جریرا بیوردی سے بھی منقول ہے۔[1] امام علی بن جریر کے ایک طویل بیان میں یہ الفاظ بھی منقول ہیں کہ امام عبداللہ بن المبارک نے کہا:

أستغفر الله من رواياتي عن أبي حنيفة.“[2]

”یعنی امام صاحب سے روایت کرنے سے میں توبہ کرتا ہوں۔“

امام صاحب کو ابن المبارک کے متروک قرار دینے سے متعلق پانچویں روایت صحیحہ:

امام زکریا ساجی نے فرمایا:

”حدثني محمد بن روح المدائني قال: حدثني معلٰى بن أسد قال: قلت لابن المبارك: كان الناس يقولون: إنك تذهب إلى قول أبي حنيفة، قال: ليس كل ما يقول الناس يصيبون فيه، قد كنا نأتيه زمانا، ونحن لا نعرفه، فلما عرفناه تركناه.“[3]

”یعنی محمد بن روح مدائنی نے کہا کہ مجھ سے معلٰی بن اسد نے بیان کیا کہ میں نے امام ابن المبارک سے عرض کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ قول ابی حنیفہ پر عمل کرتے ہیں۔ اس پر امام ابن المبارک نے جواب دیا کہ لوگ جتنی باتیں کہتے ہیں وہ سب صحیح نہیں ہوتی۔ ہم ایک زمانہ تک امام صاحب کے پاس جایا کرتے تھے لیکن یہ اس زمانہ کی بات ہے جب ہم امام صاحب کو اچھی طرح جانتے نہیں تھے مگر جب ہم نے انہیں بخوبی جان لیا تو ہم نے موصوف کو متروک قرار دے دیا۔“

امام ابن المبارک سے مذکورہ بالا روایت کو امام معلٰی بن اسد ابوالہیثم بصری اسدی (متوفی ۲۱۸ھ یا ۲۱۹ھ) نے نقل کیا ہے، موصوف ثقہ وحجت ہیں، صحیحین میں ان کی روایات موجود ہیں اور یہ چیز موصوف کے صحیح الروایۃ ہونے کی واضح دلیل ہے۔[4] معلٰی سے اس روایت کے ناقل محمد بن روح مدائنی ہیں۔ یہ معلوم ہے کہ بغداد مدائن سے قریب ہے اور وہاں سے قریب

---

[1] خطيب (١٣/ ٤١٣، ٤١٤) وكتاب الثقات لابن حبان ترجمه على بن جريرا بيوردى والتنكيل ترجمه على بن جريرا بيوردى.

[2] خطيب (١٣/ ٤١٤)

[3] الانتقاء (ص: ١٥١)

[4] تهذيب التهذيب (١٠/ ٢٣٦، ٢٣٧)

ہی عکبرئ نامی گاؤں ہے جو مدائن ہی کے زیر انتظام ہے، یعنی مدائنی وبغدادی وعکبری میں کوئی منافات نہیں ہے، ہمارے خیال سے محمد بن روح مدائنی سے مراد محمد بن روح عکبری بغدادی مدائنی ہیں جو امام احمد کے دوست تھے۔ خطیب نے کہا:

”وكان صديقا لأحمد بن حنبل، وكان أحمد إذا خرج إلى عكبرا ينزل عليه... و كان من الثقات.“ ❶

”یعنی موصوف محمد بن روح امام احمد کے دوست تھے، امام احمد جب عکبرا جاتے تو انہیں کے یہاں ٹھہرتے اور محمد بن روح موصوف ثقہ تھے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ روایت مذکورہ کے سبھی رواۃ ثقات ہیں اور یہ روایت صحیح ہے، خصوصاً دوسری روایات سے مل کر صحیح ہو جاتی ہے۔ روایت مذکورہ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کی زندگی ہی میں ابن المبارک نے انہیں ترک کر دیا تھا مگر دوسری روایت کے ساتھ اس روایت کو ملانے سے یہ مستخرج ہوتا ہے کہ اپنی زندگی کے آخر میں ابن المبارک نے حقیقت امر سے مطلع ہو کر امام صاحب کو متروک قرار دیا تھا۔

امام صاحب کو ابن المبارک کے متروک قرار دینے سے متعلق چھٹی روایت صحیحہ:

امام ابن المبارک کے ایک شاگرد حفص بن عبداللہ نیشاپوری سے مروی ہے:

أشهد على عبد الله بن المبارك شهادة، يسألني الله عنها، أنه قال لي: يا حفص قد تركت كل شيء رويته عن أبي حنيفة، فأستغفر الله، وأتوب إليه.“ ❷

”یعنی حفص بن عبداللہ نے کہا کہ میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ ابن المبارک نے مجھ سے کہا کہ میں نے امام صاحب سے نقل کردہ ساری روایات ترک کردیں میں اب امام صاحب سے روایت کرنے سے توبہ واستغفار کرتا ہوں۔“

ہمارے پاس تاریخ خطیب کے موجودہ نسخہ میں حفص بن عبداللہ کا نام غلطی سے حسین چھپ گیا ہے، اس کی تصحیح ہوجانی چاہئے۔

تنبیہ:

حفص بن عبداللہ بن راشد سلمی نیشاپوری قاضی (متوفی ۲۰۹ھ) بلند پایہ ثقہ ہیں، بقول محمد بن عقیل موصوف بیس سال قاضی رہ کر حدیث کے مطابق فیصلے کرتے رہے اور رائے سے دور رہے۔❸ اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ ابن المبارک سے یہ بات کم از کم ان کے چھ تلامذہ حسن بورانی، ابراہیم بن شماس، حمیدی، علی بن جریر، معلیٰ بن اسد، حفص بن عبداللہ نے نقل کی ہے اور یقین کی حد تک ظن غالب ہے کہ ان چھ کے علاوہ دوسرے اشخاص سے بھی ابن المبارک کی یہ بات ان کتب رجال وعلل وتاریخ میں منقول ہیں جن تک ہماری رسائی نہیں ہوسکی۔

مذکورہ بالا چھ حضرات امام ابو حاتم محمد بن ادریس منذر حنظلی (مولود ۱۹۵ھ ومتوفی ۲۷۷ھ) کے اساتذہ ہیں۔ امام ابو حاتم کو مصنف انوار نے فن جرح وتعدیل کا بڑا امام تسلیم کیا ہے اور فرمایا ہے کہ موصوف حدیث میں امام بخاری کے درجہ میں تسلیم

❶ خطیب (٥/ ٢٧٧، ٢٧٨) ❷ خطیب (١٣/ ٤٠٤)

❸ تهذيب التهذيب (٢/ ٤٠٣)

کئے گئے ہیں۔[1] انھی امام ابو حاتم نے بالصراحت فرمایا ہے کہ امام ابن المبارک نے امام صاحب کو آخر میں متروک قرار دے دیا تھا۔[2] کوئی شک نہیں کہ امام ابو حاتم نے یہ بات اپنے مذکورہ بالا ثقہ اساتذہ کے مندرجہ بالا اقوال کے پیش نظر کہی ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مصنف انوار نے جن امام ابو حاتم کو فن جرح و تعدیل کا بڑا امام کہا ہے ان کی مذکورہ بالا بات کو موصوف صحیح ماننے کے بجائے کیوں مکذوب قرار دیتے ہیں جبکہ ابو حاتم کی کہی یہ بات ابن المبارک سے کم از کم ان کے چھ جلیل القدر تلامذہ نے نقل کر رکھی ہے؟

امام ابن المبارک کے سال وفات سے متعلق حسن بن ربیع کا ایک تحریری بیان:

امام ابن المبارک سے قول مذکور کو نقل کرنے والوں میں سے حسن بن ربیع کی مندرجہ ذیل بات قابل توجہ ہے:

”قدمت بغداد، فلما خرجت، شيعني أصحاب الحديث، فلما برزت إلى الخارج، قال لي أصحاب الحديث: توقف! فإن أحمد بن حنبل يجيئ، فتوقفت، فجاء أحمد بن حنبل، فقعد فأخرج ألواحه، فقال: يا أبا على أمل علي وفاة عبد الله بن المبارك في أي سنة مات؟ فقلت: سنة إحدىٰ وثمانين، فقيل له: ما تريد بهذه؟ قال: أريد الكذابين.“[3]

”یعنی میں بغداد گیا ہوا تھا، وہاں سے جب واپس ہونے لگا تو اصحاب الحدیث مجھے رخصت کرنے کے لیے شہر سے باہر تک گئے، باہر پہنچے تو اصحاب الحدیث نے کہا کہ ذرا تھوڑا سا توقف کرنے کے بعد روانہ ہوں کیونکہ آپ سے ملنے کے لیے امام احمد بن حنبل بھی آرہے ہیں، میں نے توقف کیا، اتنے میں امام احمد آکر بیٹھ گئے اور اپنی تختیاں نکال کر مجھ سے فرمانے لگے کہ مجھے یہ لکھوا دیجئے کہ کس سنہ میں امام ابن المبارک کا انتقال ہوا ہے؟ موصوف حسن نے کہا کہ ۱۸۱ھ میں۔ لوگوں نے پوچھا کہ اس بات کو لکھنے کا کیا مقصد ہے؟ امام احمد نے فرمایا کہ میرا مقصد ہے کہ ان کذابین کی تکذیب کی جا سکے جن کا ابن المبارک سے لقاء وسماع ۱۸۱ھ سے پہلے ممکن نہیں ہو سکا۔ پھر بھی انہیں دعوی ہے کہ ہم نے ابن المبارک سے فلاں فلاں باتیں سن رکھی ہیں۔“

اس روایت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ امام ابن المبارک سے جن کذابین کا لقاء وسماع نہیں بھی تھا وہ بھی یہ دعوی کرتے پھرتے تھے کہ ہم نے فلاں فلاں باتیں ابن المبارک سے سن رکھی ہیں۔ اوپر یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ امام ابن المبارک کے چھ تلامذہ نے نقل کیا ہے کہ موصوف نے آخر میں امام صاحب کو متروک قرار دیدیا تھا، ان چھ میں امام حسن بن ربیع اور ابراہیم بن شماس خاص طور پر قابل ذکر ہیں اور یہ سبھی حضرات صدوق وثقہ اور ائمۂ دین ہیں، ان حضرات کے متفقہ بیان کو مکذوب ودروغ قرار دینے والا کوئی شخص کبھی سچا نہیں ہوسکتا بلکہ اس کے مکذوب اور افتراء پرداز ہونے میں کوئی شک نہیں۔

---

[1] مقدمہ انوار (۲/ ۸۱)

[2] الجرح والتعدیل ترجمہ امام صاحب۔

[3] خطیب (۷/ ۳۰۷، ۳۰۸)

ائمہ ثقات کے بیان کو جھوٹ کہنے والے خود جھوٹے ہیں:

ناظرین کرام! امام احمد بن حنبل کے مندرجہ ذیل قول کو ملاحظہ فرمائیں۔ امام علی بن عثمان بن نفیل نے کہا:

”قلت لأحمد: إن أبا قتادة الحراني كان يتكلم في وكيع وعيسى بن يونس وابن المبارك، فقال: من كذب أهل الصدق فهوالكذاب.“[1]

”میں نے امام احمد بن حنبل سے کہا کہ ابوقتادہ حرانی (عبداللہ بن واقد خراسانی متوفی ۲۰۷ھ/ ۲۱۰ھ ان کا ترجمہ تہذیب التہذیب (۱/ ۶۶، ۶۷) میں ہے) امام وکیع، عیسیٰ بن یونس اورابن المبارک جیسے جلیل القدر ثقات پر کلام کرتے ہیں؟ تو امام احمد نے فرمایا: جو شخص اہل صدق کی تکذیب کرے وہ بذات خود کذاب ہے۔“

اس طرح کی بات امام احمد کے علاوہ دوسرے اماموں سے بھی منقول ہے، اور یہ بہت واضح بات ہے کہ ثقہ وصدوق اماموں کے بیانات کی تکذیب کرنے والا بذات خود کذاب ہے۔ دریں صورت مذکورہ بالا چھ ثقہ وصدوق اماموں کے بیان کو دروغ بے فروغ اور مکذوب قرار دینے والے مصنف انوار کی دیانت داری محتاج توضیح وتشریح نہیں رہ جاتی۔ مصنف انوار کے ہم مزاج اسلاف کو مذکورہ بالا حضرات کی بیان کردہ زیر بحث بات اچھی طرح معلوم تھی، کیونکہ اتنی کثرت سے نقل ہونے والی بات ان معتقدین ابی حنیفہ پر مخفی نہیں رہ سکتی تھی جو امام صاحب کے احوال سے واقف ہونے میں دلچسپی رکھتے ہوں۔ لہٰذا مصنف انوار کے ان ہم مزاج اسلاف نے مندرجہ ذیل باتوں کو ایجاد کرنا لازمی فریضہ سمجھا تاکہ امام ابن المبارک کے مذکورہ بالا چھ ثقہ تلامذہ کی بیان کردہ سچی بات کو بے وزن بنایا جاسکے، اور مصنف انوار کا خود اپنا بیان ہے کہ سفید کو سیاہ کر دکھانے کے لیے کچھ لوگ جھوٹ کو کارخیر وثواب سمجھ کر پھیلاتے ہیں، چنانچہ مصنف انوار کے ہم مزاج موفق وغیرہ نے اس کارخیر کی طرف خصوصی توجہ دی۔

مذکورہ بالا روایات صحیحہ کے خلاف ابن المبارک کی طرف کذابین کی منسوب کردہ روایات:

ابوحفص عمر بن ابی بکر زرنجری سے منقول ہے کہ میرے والد یعنی ابو بکر زرنجری نے کہا کہ ابن المبارک کے شاگرد ابواسحاق خلال نے کہا:

”بلغني أن إبراهيم بن شماس يقول: إن ابن المبارك ترك أبا حنيفة، فغمني ذلك، وأنكرت، فجئت إلى إبراهيم بن شماس، وأنا شبه المغضب، فقلت له: بلغني عنك أن عبد الله بن المبارك ترك أبا حنيفة، فقال: معاذ الله! ما قلت من هذا شيئًا، قال أبو إسحاق: وكان من رأيي أن إبراهيم بن شماس لو قال غير هذا استقبلته، وحملت عليه ورددت كلامه عليه، وصككت في وجهه، قلت: وأخرج الإمام الحارثي هذا الحديث مختصرا، ثم قال: قيل لأحمد بن مردويه: إن إبراهيم بن شماس يذكر أن عبد الله بن

---

[1] تهذيب التهذيب (۱/ ۲۳۸، ترجمه عيسى بن يونس وكتب مصطلح حديث)

المبارك ترك أبا حنيفة، فغضب، وقال: قل لإبراهيم: إن ثلاثة وثلاثين كتابا من كتب عبد الله تكذبك، وبه قال الزرنجري: قال أبو عبد الله بن أبي حفص: ذكر بعض الطاعنين أن ابن المبارك ترك الرواية عن أبي حنيفة، فأخبرت الحسن بن الربيع، وكان من أصحاب عبد الله، فقال هؤلاء كذبوا على عبد الله، فإني سمعته قبل موته بثلاثة أيام يروي عن أبي حنيفة رحمه الله، ويذكر مسائل أبي حنيفة، فمن أخبرك غير هذا فلا تصدقه فإنه كذاب.''[1]

''مجھے یہ خبر ملی کہ ابراہیم بن شماس کہتے ہیں کہ ابن المبارک نے امام صاحب کو متروک قرار دے دیا ہے، مجھے اس خبر سے غم ہوااور میں نے اسے منکر سمجھا۔ پھر میں ابراہیم کے پاس غصہ کی حالت میں آیا اور ان سے میں نے کہا کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ ابن المبارک نے امام صاحب کو ترک کر دیا تھا؟ موصوف ابراہیم نے کہا معاذ اللہ میں نے اس طرح کی کوئی بھی بات نہیں کہی۔ ابواسحاق خلال کہتے ہیں کہ میرا ارادہ تھا کہ اگر ابراہیم اس طرح کا جواب دیں گے تو میں ان کے ساتھ بری طرح پیش آؤں گا اور ان پر حملہ کردوں گا، پھر انہیں طمانچے لگاؤں گا اور ان کی بات کی تردید کروں گا۔

''موفق نے کہا کہ اس روایت کو اختصار کے ساتھ حارثی نے بھی نقل کیا ہے۔ اس روایت کو نقل کر کے حارثی نے کہا ہے کہ احمد بن مردویہ سے کہا گیا کہ ابراہیم بن شماس کہتے ہیں کہ ابن المبارک نے امام صاحب کو ترک کر دیا تو وہ خفا ہو کر کہنے لگے کہ ابراہیم سے کہو کہ ابن المبارک کی تینتیس کتابیں تمہاری تکذیب کرتی ہیں۔ یعنی ان کتابوں میں ابن المبارک نے امام صاحب سے روایات کر رکھی ہیں۔ زرنجری نے کہا کہ ابوعبداللہ بن ابی حفص نے ذکر کیا کہ بعض طعن کرنے والوں نے کہا کہ ابن المبارک نے امام صاحب سے ترک روایات کر دیا تو میں نے اس بات کا تذکرہ حسن بن ربیع سے کیا۔ جو ابن المبارک کے اصحاب میں سے تھے، انہوں نے کہا کہ ایسی بات کہنے والے ابن المبارک پر جھوٹ بولتے ہیں۔ میں نے ابن المبارک کو ان کے مرنے سے تین دن پہلے امام صاحب سے روایت کرتے ہوئے سنا ہے۔ نیز انہیں امام صاحب کے مسائل کا ذکر بھی ان کی موت سے تین دن پہلے کرتے ہوئے سنا ہے، جو آدمی اس کے خلاف کوئی بات کہے اس کی تصدیق مت کرو کیونکہ وہ کذاب ہے۔''

ناظرین کرام موفق کے ذکر کردہ اس طویل وعریض بیان کو ملاحظہ فرمائیں کہ مسخِ حقائق کے لیے مصنف انوار کے ہم مزاج اسلاف نے کیا کر رکھا ہے؟ یہاں سوال یہ ہے کہ اس طویل اقتباس میں مندرج پہلی روایت بدعوی موفق پانچویں صدی کے آدمی ابوحفص عمر زرنجری نے اپنے باپ ابو بکر زرنجری سے نقل کی ہے اور پانچویں صدی کے اس شخص نے بدعوئ خویش ابواسحاق خلال ابراہیم بن عبداللہ بن احمد مروزی متوفی ۳۴۱ھ (موصوف خلال کا ترجمہ تہذیب التہذیب (۱/ ۱۳۲) میں ہے) سے یہ روایت نقل کی ہے اور ابو بکر زرنجری وخلال کے درمیان کا پورا سلسلۂ سند ساقط وحذف ہے، بلفظ دیگر روایت مذکورہ کی

---

[1] موفق (٢/ ١٦٥، ١٦٦)

سند ہی نہیں ہے، اور ابوبکر زرنجری کو ابوالفضائل شمس الائمہ کے لقب سے بھی ملقب کیا جاتا ہے، ان کا نام بکر بن محمد بن علی بن الفضل بن الحسن بن احمد بن ابراہیم بن عثمان بن جعفر بن عبداللہ بن جعفر بن جابر بن عبداللہ انصاری (مولود ۴۲۷ھ یا ۴۲۹ھ و متوفی ۵۱۲ھ یا ۵۱۷ھ) ہے۔ جواہر المضیہ (۱/۱۷۲) وفوائد البہیہ (ص: ۵۶) میں موصوف کا ترجمہ لکھا گیا ہے مگر موصوف کی توثیق وتجریح سے متعلق کوئی بات نہیں لکھی، البتہ موصوف کا ذکر لسان المیز ان میں کرتے ہوئے کہا:

''بعض نے کہا کہ ان کا نام ابو بکر اور کنیت ابو الطفیل ہے، جس گاؤں کی طرف موصوف منسوب ہیں اس کا نام زرنگر یا زرنگری ہے، جس کی تعریب زرنجری ہے، یہ بخارا کے پاس ایک گاؤں ہے۔[1] موصوف اپنے والد اور مختلف اساتذہ سے روایت کرتے ہیں، مذہب حنفی کی معرفت میں اتنی دستگاہ والے تھے کہ لوگ انہیں ''ابو حنیفہ صغیر'' کہا کرتے تھے، مشکل اوراہم مسائل میں موصوف مرجع انام تھے، ایک باران سے ایک مسئلہ پوچھا گیا تو کہا کہ اس مسئلہ پرمیں نے چار سو مرتبہ بحث ونظر کی ہے، ابوسہل ابیوردی سے ان کے دعویٰ سماع پر لوگوں نے طعن کیا ہے۔''[2]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف مجروح ہیں۔ اس سے قطع نظر چونکہ موصوف جس خلال سے روایت مذکورہ کے ناقل ہیں ان کی وفات کے زمانہ بعد پیدا ہوئے ہیں، اس لیے ان کی نقل کردہ یہ روایت کسی طرح بھی معتبر نہیں ہے۔

اوپر بتلایا گیا ہے کہ ابو بکر زرنجری موصوف کو ابوحنیفہ صغیر کہا جاتا تھا اور یہ بتلایا جاچکا ہے کہ امام صاحب سے مروی ہے کہ میرے علاوہ میرے بعد جوشخص اس نام سے پکارا جائے گا وہ پاگل ومجنون ہوگا۔ اس اعتبار سے مصنف انوار جیسے لوگوں کا موصوف زرنجری کے بارے میں کیا خیال ہے جبکہ علمائے بخارا کی ایک جماعت موصوف کومطعون اور مجروح بھی قرار دیتی تھی؟

ابو بکر زرنجری سے روایت مذکورہ کے ناقل ان کے صاحبزادے عمر بن بکر ابوحفص زرنجری (مولود ۴۹۴ھ ومتوفی ۵۸۴ھ) ہیں، ان کا ترجمہ بھی جواہر المضیہ وغیرہ میں ہے مگر توثیق منقول نہیں۔ اور ان سے روایت مذکورہ کے ناقل موفق معتزلی وشیعی اور مجروح ہیں۔ (کما تقدم) دریں صورت روایت مذکورہ اہل علم کے اصول سے مکذوبہ وساقط الاعتبار قرار پاتی ہے۔ خصوصا اس لیے کہ یہ روایت دوسری روایات صحیحہ ومعتبرہ کے معارض ومناقض ہے جسے دراصل روایات صحیحہ کے ابطال اور رد ومسخ ہی کے لیے وضع وایجاد کیا گیا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ اسی طرح کے اکاذیب کے ابطال کے لیے امام احمد بن حنبل نے امام حسن بن ربیع بورانی سے امام عبداللہ بن المبارک کا سال وفات دریافت کیا تھا اور لکھوا بھی لیا تھا۔

موفق کی مستدل روایت میں بھی اعتراف کہ یہ بات مشہور ہے کہ ابن المبارک نے امام صاحب کو ترک کر دیا:

بہر حال اس روایت میں اس بات کا اقرار واعتراف ہے کہ لوگوں میں عام طور سے یہ بات مشہور ہوگئی تھی کہ امام ابن المبارک نے امام صاحب کومتروک قرار دے دیا تھا۔ موفق کے مذکورہ بالا اقتباس میں ابومحمد حارثی سے دوسری روایت جن احمد بن

[1] الأنساب للسمعاني (٦/ ٢٧٨) [2] لسان الميزان (٢/ ٥٨، ٥٩ ملخصا) والأنساب للسمعاني (٦/ ٢٧٨، ٢٧٩)

مردویہ (موصوف کا پورا نام احمد بن محمد بن موسی ابو العباس سمسار مروزی المعروف بابن مردویہ ہے، وہ ۲۳۵ھ میں فوت ہوئے جو ثقہ وصدوق ہیں، ان کا ترجمہ تہذیب التہذیب (۱/ ۷۷) وتذکرۃ الحفاظ میں ہے) کی طرف منسوب کی گئی ہے وہ یقیناً مکذوب ہے، کیونکہ حارثی بذات خود کذاب ہے اور اس کی ولادت ابن مردویہ کی وفات کے بیس سال سے بھی زیادہ بعد ۲۵۸ھ میں ہوئی، یعنی ابن مردویہ سے حارثی کذاب کا لقاء وسماع ممکن نہیں! پھر اہل علم کی نظر میں اس روایت کا کیا وزن ہوسکتا ہے؟

اس مکذوبہ روایت میں بھی اعتراف ہے کہ لوگوں میں یہ بات کافی شہرت پذیر تھی کہ ابن المبارک نے امام صاحب کو ترک کر دیا۔ اس روایت میں جو یہ مذکور ہے کہ ابن المبارک کی تینتیس کتابیں اس بات کی تکذیب کرتی ہیں کہ امام ابن المبارک نے امام صاحب کو ترک کر دیا تو روایات صحیحہ میں صراحت ہے کہ ابن المبارک نے امام صاحب کو ترک کرنے کا فیصلہ اپنی وفات سے صرف چند دنوں پہلے کیا تھا، ان روایات صحیحہ کی تکذیب امام ابن المبارک کی لکھی ہوئی انہیں کتابوں کے ذریعہ ممکن ہوسکتی ہے جن کے بارے میں ثابت ہو کہ انھوں نے یہ کتابیں اپنے مذکورہ بالا فیصلہ کے بعد لکھی تھیں۔ اور یہ بالکل واضح بات ہے کہ اپنی وفات سے چند دنوں پہلے تینتیس عدد کتابوں کی تصنیف ناممکن ہے، پھر حارثی کذاب کا یہ مکذوب دعویٰ کیا معنی رکھتا ہے؟

یہ بہت واضح بات ہے کہ امام ابن المبارک کے مذکورہ بالا فیصلہ سے پہلے ان کی لکھی ہوئی تینتیس کتابوں میں اگر بالفرض فی الواقع امام صاحب سے ابن المبارک نے روایت کر رکھی ہو تو اس سے مذکورہ بالا روایات صحیحہ کی تکذیب ہرگز نہیں ہوسکتی، کیونکہ یہ روایات صحیحہ بذات خود اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ اپنے فیصلۂ مذکورہ کے پہلے امام ابن المبارک امام صاحب سے روایت کرتے تھے۔ موفق کے اقتباسِ مذکور میں منقول تیسری روایت بدعویٰ موفق زرنجری نے ابوعبداللہ بن ابی حفص سے نقل کر رکھی ہے اور دونوں کے ما بین زمانۂ دراز حائل ہے۔ اس طرح کی روایت کو امام ابن المبارک نے ساقط الاعتبار قرار دیتے ہوئے کہا:

"يا أبا إسحاق بين الحجاج وبين النبي مفازة تنقطع فيها أعناق المطي."[1]

''یعنی حجاج اور نبی کریم ﷺ کے درمیان جب ایک زمانہ حائل ہے تو ایسی روایت معتبر نہیں ہوسکتی۔''

اس میں شک نہیں کہ اس طرح کی روایات کذابین نے حقائق کے رد وابطال اور مسخ کے لیے گھڑی ہیں۔

امام صاحب کو ابن المبارک نے کیوں متروک قرار دیا؟

اس بات کی تفصیل نہیں معلوم ہوسکی کہ امام ابن المبارک نے امام صاحب کو کن اسباب کی بنا پر متروک قرار دیا مگر یہ معلوم ومعروف اور مشہور بات ہے کہ کسی بھی راوی کو امام ابن المبارک اسی وقت ترک کرتے تھے جبکہ اس کے بارے میں انہیں ایسی باتیں معلوم ہو جاتی تھیں کہ اسے ترک کئے بغیر کوئی چارہ نہیں رہا۔ بسند صحیح مروی ہے:

"كان ابن المبارك لا يترك حديث الرجل حتى يبلغه عنه الشيء الذي لا يستطيع أن يدفعه.[2]

كا ن ابن المبارك لا يطرح حديث الرجل حتى يبلغه عنه الشيء الذي لا يستطيع أن يدفعه."[3]

---

[1] تقدمة الجرح والتعديل (ص: ٢٧٤) [2] تقدمة الجرح والتعديل (ص: ٢٧٠)

[3] تقدمة الجرح و التعديل (ص: ٢٧٤) وعام كتب مصطلح حديث۔

''یعنی ابن المبارک اسی شخص کو متروک قرار دیتے تھے جس کے متعلق انہیں ایسی بات معلوم ہو جاتی تھی جس کے سبب اسے ترک کئے بغیر چارہ نہ رہے۔''

آئندہ صفحات میں آنے والی تفاصیل سے ان اسباب پر کچھ روشنی پڑ سکے گی جن کے تحت امام ابن المبارک نے امام صاحب کو متروک قرار دیا ہے، مگر تفصیلی معلومات تک بہر حال ہماری رسائی نہیں ہوسکی۔ آئندہ صفحات میں یہ تفصیل بھی آرہی ہے کہ امام صاحب کو متروک قرار دینے میں امام ابن المبارک منفرد نہیں ہیں حتی کہ جو لوگ مصنف انوار نے امام صاحب کی مجلس تدوین کے اراکین قرار دے رکھے ہیں ان میں سے بھی متعدد حضرات نے ایسا ہی کیا ہے۔

اس بات کا ذکر آچکا ہے کہ یمامی کے یہاں سے حاصل کردہ کتبِ حماد کی روایت امام صاحب حماد سے سنے بغیر کرتے تھے، جس کو اصحاب ابن المبارک قابل ترک چیز قرار دیتے تھے اور ابن المبارک سے مطالبہ کرتے تھے کہ امام صاحب کو ترک کر دیں۔

امام حفص بن غیاث کا ترکِ ابی حنیفہ اور اس کا سبب:

۱۱۷ھ میں پیدا ہونے والے امام حفص بن غیاث کو بھی مصنف انوار نے انھیں اراکین مجلس تدوین میں شامل کیا ہے، جنھیں ۱۲۰ھ میں فقیہ و مجتہد کی حیثیت سے اراکین مجلس منتخب کیا گیا تھا۔ اس بات سے قطع نظر کہ ۱۱۷ھ میں پیدا ہونے والا تین سالہ بچہ ۱۲۰ھ میں کیسے رکن مجلس تدوین منتخب ہو سکا؟ بسند صحیح مروی ہے کہ انہیں حفص بن غیاث نے کہا:

"كنت أجلس إلى أبي حنيفة، فأسمعه يسأل عن مسألة في اليوم الواحد، فيفتي فيها بخمسة أقاويل، فلما رأيت ذلك تركته، وأقبلت على الحديث."[1]

''یعنی میں امام صاحب کے پاس آکر باتیں سنا کرتا تھا، میں دیکھتا تھا کہ ایک ہی دن میں پانچ پانچ مرتبہ پوچھے جانے والے ایک ہی مسئلہ کی بابت موصوف پانچ قسم کے مختلف فتاویٰ دیتے رہتے تھے، یہ کیفیت دیکھ کر میں نے انہیں ترک کر دیا اور حصولِ علم حدیث کی طرف متوجہ ہوا۔''[2]

اس روایت صحیحہ سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ابن المبارک کی طرح حفص بن غیاث نے بھی امام صاحب کو متروک قرار دے دیا تھا۔ اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام صاحب کا مشغلہ حدیث کے بجائے فقہی فتاوی بیان کرنا تھا ورنہ امام صاحب کو متروک قرار دیتے ہوئے موصوف یہ نہ کہتے کہ امام صاحب کو ترک کر کے میں حدیث کی طرف متوجہ ہو گیا۔

امام ابو عاصم ضحاک نے امام صاحب کو قابل ترک قرار دیا:

مصنف انوار نے امام ابو عاصم ضحاک بن مخلد نبیل کو بھی ان اراکین مجلس تدوین میں شامل کیا ہے جنھیں ۱۲۰ھ میں امام صاحب نے اراکین مجلس تدوین منتخب کیا تھا، حالانکہ موصوف ابو عاصم ۱۲۲ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ دریں صورت ۱۲۰ھ میں موصوف کا رکنِ مجلس منتخب ہونا محال ہے۔ اس سے قطع نظر انہوں نے امام محمد بن الولید بن عبدالحمید بسری (متوفی ۲۵۰ھ) کو دیکھا کہ موصوف مسائل ابی حنیفہ کو یاد کیے ہوئے ہیں تو موصوف ابو عاصم نے فرمایا:

---

[1] خطیب (۱۳/ ۴۰۲) [2] ملاحظہ ہو: تاریخ فسوی (۲/ ۷۸۹)

”ما أحسن حفظك! ولكن ما دعاك أن تحفظ شيئا تحتاج أن تتوب إلى الله منه.“[1]

”یعنی تمہارا حافظہ بہت اچھا ہے مگر امام صاحب کے یہ مسائل ایسے ہیں کہ تمہیں ان سے توبہ واستغفار کرنا ہوگا۔“

اس روایت کی سند صحیح ہے۔ ابو عاصم سے اس کے ناقل محمد بن الولید بسری ثقہ ہیں۔ ان کی ثقاہت کے ثبوت کے لیے یہ بات کافی ہے کہ صحیحین میں ان کی احادیث موجود ہیں۔[2] اور محمد بن ولید سے یہ روایت امام زکریا ساجی نے اپنی کتاب میں نقل کی ہے جو ثقہ ہیں۔[3] اس روایت صحیحہ کا مفاد ومطلب بہت واضح ہے کہ امام ابو عاصم النبیل نے بھی امام ابن المبارک وحفص بن غیاث کی طرح امام صاحب کو متروک قرار دیا اور دوسروں کو بھی انہیں ترک کرنے کی ہدایت ونصیحت کی۔

امام عبداللہ بن ادریس نے امام صاحب کو قابل ترک قرار دیا اور قاضی شریک نے بھی:

مذکورہ بالا تینوں حضرات کی طرح مصنف انوار نے امام عبداللہ بن ادریس کوفی کو بھی مجلس تدوین کا رکن قرار دیا ہے (**كما سيأتي**) موصوف امام عبداللہ بن ادریس سے امام زکریا ساجی بیک واسطہ ناقل ہیں:

”إني لأشتهي من الدنيا أن يخرج من الكوفة قول أبي حنيفة.“[4]

”میری خواہش ہے کہ کوفہ سے قول ابی حنیفہ کا خاتمہ ہوجائے۔“

اس روایت کا حاصل بھی یہ ہے کہ ابن ادریس امام صاحب کو قابل ترک سمجھتے تھے مگر ابن ادریس اور زکریا کے مابین کا راوی ”**بعض أصحابنا**“ مجہول ہے، لیکن گذشتہ صفحات میں بسند صحیح امام عبداللہ بن ادریس کا یہ بیان گزر چکا ہے: ”كذاب من زعم أن الإيمان لا يزيد ولا ينقص.“ نیز اس سے بھی کہیں زیادہ سخت بات امام صاحب کے بارے میں ابن ادریس سے بسند صحیح منقول ہے۔[5] اس کا لازمی مطلب ہے کہ ابن ادریس امام صاحب کو قابل ترک قرار دیے ہوئے ہیں، اس مفہوم کی بات قاضی شریک سے بھی مروی ہے۔ (**كما سيأتي**) انہیں بھی مصنف انوار نے مجلسِ تدوین کا رکن کہا ہے۔

امام رقبہ بن مصقلہ رحمہ اللہ نے امام صاحب کو قابل ترک قرار دیا:

مصنف انوار نے امام رقبہ بن مصقلہ عبدی کوفی متوفی ۱۲۹ھ کی طرف منسوب بعض اقوال کو مدح ابی حنیفہ کی دلیل بنایا ہے۔[6] امام سفیان بن عیینہ اور ابو اسامہ حماد بن اسامہ کوفی (متوفی ۲۰۱ھ) نے نقل کیا ہے:

”كنا جلوسا عند رقبة بن مصقلة، فرأى جماعة منجفلين فقال: من أين؟ قالوا: من عند أبي حنيفة، فقال رقبة: يمكنهم من رأي ما مضغوا، وينقلبون إلى أهاليهم بغير ثقة.“[7]

”ہم رقبہ بن مصقلہ کے پاس بیٹھے تھے کہ انہوں نے کچھ لوگوں کو جاتے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ کہاں سے؟ لوگوں

---

[1] خطیب (۱۳/ ۴۰۵)

[2] تهذيب التهذيب (۹/ ۵۰۳، ۵۰۴) وخطيب (۵/ ۳۲۹، ۳۳۰)

[3] تذكرة الحفاظ والتنكيل۔

[4] خطیب (۱۳/ ۴۰۵)

[5] خطیب (۱۳/ ۴۱۰) وخطيب (ج/ ۱۴ ترجمه ابو يوسف)

[6] مقدمه انوار (۱/ ۶۳)

[7] خطیب (۱۳/ ۴۱۶) و الانتقاء (ص: ۱۴۸)

نے کہا کہ امام صاحب کے یہاں سے۔ رقبہ بن مصقلہ نے کہا اگر ان کے پاس آمد و رفت رکھو گے تو وہ تمہیں ایسی رائے سے مسلح کر دیں گے کہ بے فائدہ لڑتے جھگڑتے رہو گے اور نا قابل وثوق چیز تمہارے ہاتھ آئے گی۔"[1]

یہ روایت صحیح الاسناد ہے، اور اس کا مفاد ہے کہ رقبہ امام صاحب کو غیر ثقہ قرار دیتے اور ان کے پاس طلبائے علوم کی آمد و رفت کو ناپسند کرتے۔ یعنی موصوف امام صاحب کو قابل ترک سمجھتے اور ایسی رائے کے ساتھ انہیں مشغول و منہمک بتلاتے جس سے لڑائی جھگڑا کا ذوق وجذبہ پیدا ہوا کرتا ہے۔

اس روایت صحیحہ سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام رقبہ بن مصقلہ امام صاحب کو قابل ترک قرار دیے ہوئے ہیں وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تصریح کے مطابق امام صاحب کا اصل اشتغال "رائے وقیاس" پر مشتمل ایسی باتوں اور مسئلوں سے رہا کرتا تھا جو موجب نزاع ہوں۔

امام رقبہ بن مصقلہ سے اس روایت کے ایک راوی امام سفیان بن عیینہ نے بھی امام صاحب کو متروک قرار دیا ہے (**كما سيأتي**) انہوں نے اسی مفہوم کی بات امام صاحب کے استاذ مسعر بن کدام سے بھی نقل کی ہے۔ (**كما سيأتي**) اور ان دونوں حضرات کی باتوں کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب غیر ثقہ وقابل ترک ہیں اور ان کا مشغلہ رائے وقیاس ہے۔

امام صاحب پر امام علی بن عثام کی تجریح:

امام علی بن عثام سے پوچھا گیا کہ "امام صاحب قابل حجت ہیں"؟ موصوف نے کہا کہ نہیں، نہ دین کے لیے اور نہ دنیا کے لیے۔[2]

اس روایت کا حاصل بھی یہ ہے کہ علی بن عثام نے امام صاحب کو قابل ترک قرار دیا ہے۔

امام صاحب پر قاضی سوار اور امام مالک کی تجریح:

امام سفیان ثوری ناقل ہیں کہ امام سوار سے کہا گیا کہ آپ امام صاحب کے کلام ومسائل پر ایک نظر ڈال لیتے تو اچھا تھا۔ موصوف نے کہا کہ میں ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ امام صاحب کو دین میں رفق حاصل نہیں تھا۔[3]

اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ سوار نے بھی امام صاحب کو متروک قرار دیا ہے، اور یہ بات عنقریب معلوم ہو گی کہ ان سے اس روایت کے ناقل امام سفیان نے بھی امام صاحب کو متروک قرار دیا ہے۔ امام مالک سے مروی کئی اقوال کا حاصل بھی یہی ہے کہ موصوف نے امام صاحب کو متروک کہا۔ (كما سيأتي) امام عمار بن رزیق سے مروی کئی اقوال کا بھی یہی حاصل ہے۔[4] اور بھی کئی اہل علم سے ایسا ہی مروی ہے۔

امام صاحب کو امام محمد بن عبداللہ بن نمیر نے متروک بتلایا:

امام صاحب کے ایک شاگرد امام محمد بن عبداللہ بن نمیر نے کہا:

---

❶ نیز ملاحظہ ہو: تاریخ دمشق لأبي زرعه (١/ ٥٠٦) تاریخ فسوی (٢/ ٧٩٠)

❷ خطیب (١٣/ ٤٠٩) ❸ خطیب (١٣/ ٣٩٩) ❹ خطیب (١٣/ ٤٠٧ تا ٤٠)

"أدركت الناس وما يكتبون الحديث عن أبي حنيفة فكيف الرأي؟!"[1]

''یعنی میں نے دیکھا کہ اہل علم امام صاحب کی حدیث لکھنے کے روادار نہ تھے ان کی رائے تو بہت دور کی بات ہے۔''

اس روایت کا مطلب بہت واضح ہے کہ ابن نمیر کا اپنا مشاہدہ یہ ہے کہ جن اہل علم سے وہ واقف تھے ان سب نے امام صاحب کو متروک قرار دے رکھا تھا۔ اس روایت سے ان ساری روایات کی تائید ہوتی ہے جن میں صراحت ہے کہ امام صاحب کے فلاں فلاں معاصر اہل علم وتلامذہ نے انہیں ترک کر دیا تھا۔

کتاب الجرح والتعدیل ترجمہ امام صاحب میں بسند صحیح مروی ہے کہ امام ابن المبارک نے فرمایا کہ ''میرے اصحاب مجھے امام صاحب سے روایت کرنے پر ملامت کرتے ہیں۔''[2] اس سے بھی مذکورہ بالا روایت کی تائید ہوتی ہے۔ امام ابن المبارک کے اصحاب سے ظاہر ہے کہ اکابر اہل علم تھے، اور بالآخر امام ابن المبارک نے بھی عام اہل علم کی طرح امام صاحب کو متروک قرار دے دیا تھا۔

امام صاحب کو امام ابوعوانہ وضاح نے متروک قرار دیا:

امام صاحب کے ایک مشہور ومعروف شاگرد امام وضاح بن عبداللہ یشکری واسطی ابوعوانہ (متوفی ۱۷۵ھ) نے کہا:

''میں ایک زمانہ تک امام صاحب کے پاس آمد ورفت رکھتا تھا حتی کہ ان کے علم کا ماہر ہوگیا، پھر میں سفر حج میں گیا، جب واپس آیا تو دیکھا کہ وہ اپنے بیان کردہ پہلے مسائل سے رجوع کر چکے ہیں، اس وقت سے میں نے امام صاحب کو ایسا ترک کیا کہ پھر واپس نہیں آیا۔''[3]

اس روایت کی سند صحیح ہے۔ (كما سيأتي) اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ امام ابوعوانہ نے امام صاحب کو متروک قرار دیا۔

امام زہیر بن حرب ابوخیثمہ نے امام صاحب کو متروک قرار دیا:

حافظ ابن عبدالبر نے کہا کہ امام زہیر بن حرب ابوخیثمہ حرشی نسائی (متوفی ۲۳۴ھ) نے بھی اپنی کتاب سے امام صاحب کی روایات کو کاٹ دیا تھا۔ یہ بات ان کے صاحبزادے احمد سے بسند صحیح منقول ہے۔[4] اس طرح کی باتیں بہت سارے اہل علم سے منقول ہیں حتی کہ خود امام صاحب کا ارشاد ہے: "لا تروعني شيئا" مجھ سے کسی چیز کی روایت مت کرو۔ امام صاحب کا یہ ارشاد بسند صحیح منقول ہے۔ (كما سيأتي) اور اس کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب نے خود حکم دیا تھا کہ ان سے ترک روایت کر دی جائے، چنانچہ موصوف کے اس ارشاد کا نتیجہ بھی یہی ہوا کہ ان کے عام معاصرین خصوصاً تلامذہ نے انہیں متروک قرار دے دیا۔

مذکورہ بالا اقوالِ ائمہ کا حاصل:

اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ عام اہل علم بشمول امام ابن المبارک ایک زمانہ تک امام صاحب سے روایت کرتے رہے، پھر بعد میں انہوں نے موصوف سے ترکِ روایت کر دیا، اور یہ بہت واضح بات ہے کہ ترک کرنے سے پہلے یہ بات بعید

---

[1] خطیب (۱۳/ ۴۱۵)
[2] كما مر في اللمحات (۱/ ۴۴۶ إلى ۴۵۲)
[3] خطیب (۱۳/ ۴۰۱)
[4] الانتقاء (ص: ۱۴۸)

از قیاس نہیں کہ ان حضرات نے امام صاحب کے بارے میں ایسے بیانات دیے ہوں جن کو مصنف انوار اوران کے ہم مزاج حضرات نے فضائل امام صاحب میں شمار کر رکھا ہے، مگر یہ ثابت ہو جانے کے بعد کہ ان حضرات نے امام صاحب کو ترک کر دیا تھا ان بیانات کی وقعت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ فضائل امام صاحب میں امام ابن المبارک کی طرف منسوب اقوال کو زیادہ توجہ وخصوصیت سے مصنف انوار نے نقل کیا ہے۔ ہم حقیقت امر کی وضاحت کے لیے مصنف انوار کے نقل کردہ ان اقوال کا ایک مختصر تحقیقی جائزہ لینا چاہتے ہیں، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم مدح امام صاحب میں ائمہ فن کے ثابت شدہ اقوال کو صحیح نہیں مانتے، جب انبیاء ومرسلین علیہم السلام اور صحابہ و تابعین کے فضائل میں مروی روایات کے صحیح وغیر صحیح ہونے پر اسلاف ہمیشہ بحث کرتے رہے ہیں اوراس کے سبب انہیں انبیاء ومرسلین علیہم السلام اور صحابہ وتابعین کا معاند ومخالف اور حاسد نہیں قرار دیا جاسکتا تو امام صاحب کے فضائل میں مروی روایات کے صحیح وغیر صحیح ہونے کی بحث کے سبب ہمیں امام صاحب کا معاندومخالف وحاسد کہنا کیونکر روا ہوسکتا ہے؟ خصوصا جبکہ اہل علم کے اصول وضوابط کا خون کرتے ہوئے غیر معتبر ومکذوبہ روایات کو صحیح ومعتبر قرار دے کر مسخ حقائق کیا گیا ہوتو اظہار حقائق کے لیے ہمارے اس اقدام کو کیونکر معیوب کہا جاسکتا ہے؟

ہمارے نزدیک امام صاحب کی مدح یا قدح میں مروی صرف اسی روایت کے صحیح ہونے کا دعوی صحیح ہے جو اصول اہل علم کے مطابق صحیح ہو، یہی معاملہ کسی روایت کوساقط الاعتبار قرار دینے کا بھی ہے، مثلاً مدحِ امام صاحب میں امام ابن المبارک کا یہ قول بسند صحیح مروی ہے کہ "ما رأيت أعقل منه" میں نے امام صاحب سے زیادہ عاقل کسی کو نہیں دیکھا، ہم امام ابن المبارک کی طرف اس قول کی نسبت کو صحیح مانتے ہیں۔ (كما سيأتي) لیکن موضوع سند سے مدح امام صاحب میں یہ فرمان نبوی منقول ہے: "أبو حنيفة سراج أمتي" تو ہم اسے ہرگز صحیح نہیں مان سکتے۔ (کمامر) اور اصول وضوابط کا خون کرکے اسے صحیح قرار دینے والوں کی حقیقت حتی الامکان علمی وتحقیقی نقطۂ نظر سے ضرور ظاہر کریں گے، ہمارا یہ طرز عمل اسلاف کے طرز عمل کے بالکل مطابق ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ امام صاحب کو متروک قرار دینے میں امام ابن المبارک منفرد نہیں ہیں، نیز اس تفصیل سے امام ابوحنیفہ کو ترکِ ابن المبارک پر بھی اچھی خاصی روشنی پڑتی ہے۔ یہ بیان ہو چکا ہے کہ امام ابن المبارک کے قابل احترام امام سفیان ثوری سختی کے ساتھ مجلس ابی حنیفہ میں جانے سے لوگوں کو خصوصاً اپنے مخصوص تلامذہ کو منع کرتے تھے۔ نیز دوسرے ذرائع سے بھی ثابت ہے کہ امام سفیان ثوری اور انہیں کی طرح دوسرے متعدد اہل علم مجلسِ امام میں آمد و رفت سے لوگوں کو روکتے تھے، جیسا کہ تفصیل آرہی ہے، لیکن چونکہ لاکھ احترام کے باوجود ابن المبارک امام سفیان کے اندھے مقلد نہیں تھے، اس لیے ذاتی تحقیق کر کے امام صاحب کی مجلس کے حالات معلوم کرنا بھی ضروری سمجھتے تھے، لہٰذا وہ اپنے استاذ امام سفیان ثوری کی نظر بچا کر کبھی کبھار مجلس امام صاحب میں چلے جایا کرتے تھے لیکن مجلس امام صاحب میں کبھی کبھار کی آمد و رفت سے موصوف کو امام صاحب کے بارے میں جو خیالات قائم ہوئے وہ اوپر ذکر کردہ روایات سے ظاہر ہیں۔

اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت کے معاملہ میں ابن المبارک کا موقف:

امام صاحب کی مجلس میں ابن المبارک کی آمد ورفت کی قلت پر مندرجہ ذیل تفصیل بھی دلالت کرتی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

امام صاحب کا ایک نظریہ یہ بھی تھا کہ مسلمانوں پر ظلم وستم ڈھانے والی اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت کر کے اس کا تختہ الٹ کر خالص اسلامی حکومت قائم کرنا چاہیے، ایسی اسلامی حکومت کے خلاف جنگ آزمائی کو امام صاحب کفار ومشرکین کے مقابلہ میں جہادی مہم سے بھی افضل سمجھتے تھے، یہاں تک کہ زید بن علی کے ساتھ خروج کو امام صاحب پچاسوں حج سے افضل اور غزوہ بدر میں شرکت کے ہم معنی سمجھتے تھے۔ اس کے برعکس ان کے بہت سے اساتذہ اور معاصر اہل علم کا خیال تھا کہ اس طرح کی اسلامی حکومت کے خلاف جنگ آزمائی سے کامیابی کے بجائے مسلمانوں میں خانہ جنگی ہونے کے سبب اہل سلام ہی کا بہت نقصان ہونا سابقہ تجربات سے ثابت ہو چکا ہے، اس لیے اس طرح کی جنگ آزمائی خانہ جنگی کے مترادف ہے جو درست نہیں، پھر کفار ومشرکین کے بالمقابل مسلمانوں کی خانہ جنگی سے اسلامی حکومت کمزور ہوگی اور کفار کو تقویت حاصل ہوگی۔

دریں صورت ان کے نزدیک کفار ومشرکین کے خلاف جہاد کے بالمقابل اس طرح کی اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت میں مسلمانوں کی قوت صرف کرنا بہت معیوب تھا، بنابریں یہ حضرات امام صاحب پر ان کے اس نظریہ کے سبب بھی سخت تنقید کرتے تھے جبکہ امام صاحب اپنے نظریہ کو درست سمجھتے تھے، امام ابن المبارک بھی اس معاملہ میں امام صاحب کے خلاف نظریہ رکھتے تھے اور عملی طور پر موصوف بکثرت کفار ومشرکین کے خلاف جہادی مہموں میں اسلامی حکومت کی طرف سے شریک ہوتے تھے۔

ہم اوپر عرض کر آئے ہیں کہ مجلس امام صاحب میں جانے پر امام سفیان ثوری کی لگائی ہوئی پابندی کے خیال سے نیز اپنے دوسرے مشاغل کے سبب ابن المبارک امام صاحب کی خدمت میں کبھی کبھار ہی حاضر ہو پاتے تھے، دوسرے مشاغل سے ہماری مراد دوسرے اساتذہ کی درسگاہوں میں حاضری کے علاوہ یہ ہے کہ موصوف بکثرت سفر حج کرنے کے ساتھ کفار و مشرکین کے خلاف جہادی مہموں میں بہت زیادہ شریک ہوا کرتے تھے، جیسا کہ حلیۃ الاولیاء وتاریخ خطیب وغیرہ میں تفصیل موجود ہے۔ مصنف انوار نے اگرچہ اپنی عادت کے مطابق یہ بلند بانگ دعویٰ کر رکھا ہے کہ امام ابن المبارک امام صاحب کی قائم کردہ مجلس تدوین کے ان چالیس اراکین میں سے ہیں جو ۱۲۰ھ سے پہلے بلند پایہ محدث وفقیہ ومجتہد ہو چکے تھے اور انہیں امام صاحب نے ۱۲۰ھ میں مجلس تدوین کا رکن منتخب کیا تھا اور یہ سب کے سب لوگ امام صاحب کی سرپرستی میں ۱۲۰ھ سے لے کر ۱۵۰ھ تک یعنی تیس سال تدوین فقہ حنفی کرتے رہے، مگر یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ بقول خویش امام ابن المبارک ۱۱۹ھ میں خراسان کے شہر مرو میں پیدا ہوئے اور ۱۴۱ھ میں پہلی مرتبہ عراق آئے۔[1] اور امام صاحب ۱۵۰ھ میں فوت ہوئے۔

دریں صورت امام صاحب کی مجلس میں ابن المبارک کی آمد و رفت ۱۴۱ھ سے لے کر ۱۵۰ھ کی درمیانی مدت میں یعنی نو سال ہی کے اندر متصور ہوسکتی ہے اور اس نو سال میں ابن المبارک کا خصوصی ربط وتعلق امام سفیان ثوری اور بعض دوسرے حضرات سے تھا۔ جہادی مہموں میں شرکت اور سفر حج کا مشغلہ اور تجارتی کاروبار سے اشتغال وغیرہ الگ سے۔ دریں صورت ہر شخص سوچ سکتا ہے کہ ۱۱۹ھ میں پیدا ہونے والے جو ابن المبارک ۱۴۱ھ میں پہلی بار عراق آئے ان کے بارے میں مصنف انوار کا یہ دعویٰ کہاں تک صحیح ہوسکتا ہے کہ وہ ۱۲۰ھ ہی میں امام صاحب کی مجلس تدوین فقہ کے رکن بن کر اسی وقت سے لے کر ۱۵۰ھ تک پورے تیس سال امام صاحب کی سرپرستی میں تدوین فقہ کرتے رہے؟

[1] خطیب (۱۰/ ۱۶۸)

ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی حکومت کے خلاف خروج وبغاوت کے اہم معاملہ میں بھی امام ابن المبارک کو امام صاحب کے موقف ونظریہ کی خبر دوسروں کے ذریعہ ہوسکی تھی، اگر امام صاحب سے موصوف ابن المبارک کو اس طرح کا گہرا تعلق ہوتا جس کا مصنف انوار نے پروپیگنڈہ کر رکھا ہے تو اتنے اہم معاملہ میں وہ امام صاحب کے نقطۂ نظر سے ناواقف نہ ہوتے بلکہ اگر کوفہ میں موصوف کا قیام اس زمانہ میں رہا ہوتا جب یہ معاملہ کھڑا ہوا تھا تو بھی موصوف امام صاحب کے موقف سے بے خبر نہ رہے ہوتے۔ اسلامی حکومت کے خلاف امام ابراہیم بن عبداللہ طالبی کی سرکردگی میں خروج وبغاوت کا واقعہ ۱۴۵ھ ہی میں پیش آیا ہے۔[1] اور اس کے پہلے ہی سے اس بغاوت کے لیے فضا تیار ہو رہی تھی اور امام صاحب بھی اس کے حامیوں میں سے تھے، اگر اس زمانہ میں امام ابن المبارک کا امام صاحب سے گہرا ربط وضبط رہا ہوتا تو وہ امام صاحب کے موقف سے ضرور آگاہ رہے ہوتے، جیسا کہ روایت ذیل سے معلوم ہوتا ہے کہ امام زفر امام صاحب کے اس موقف سے بخوبی آگاہ تھے۔

مناقب صیمری وغیرہ میں امام صاحب کے خصوصی تلامذہ میں سے امام زفر کا یہ قول بسند صحیح منقول ہے:

"كان أبو حنيفة يجهر بالكلام أيام إبراهيم جهارًا شديدًا، فقلت له: والله ما أنت بمنته حتى توضع الحبال في أعناقنا.. الخ."[2]

"یعنی ابراہیم طالبی کے زمانۂ خروج میں امام ابوحنیفہ ابراہیم کی حمایت میں بہت ہی زیادہ کھل کر زور وشور سے کلام کیا کرتے تھے، میں نے ان سے عرض کیا کہ اس طرز عمل سے آپ اس وقت تک باز نہیں آئیں گے جب تک کہ ہماری گردن میں پھانسی کے پھندے نہ لگا دیے جائیں۔"[3]

اس سے معلوم ہوا کہ امام صاحب ابراہیم طالبی کی حمایت میں کھلم کھلا زور وشور سے باتیں کرتے تھے، لہٰذا اگر ابن المبارک امام صاحب کے ساتھ اس طرح کا ربط وتعلق رکھتے ہوتے جس طرح کا مصنف انوار نے ظاہر کیا ہے، یعنی ۱۲۰ھ سے لے کر ۱۵۰ھ تک موصوف امام صاحب کی سرپرستی میں تدوین فقہ کرتے رہے تو ابن المبارک پر امام صاحب کا یہ طرز عمل وموقف مخفی نہیں ہوتا۔

بروایتِ ابن المبارک حکومت کے خلاف امام صاحب کے نظریہ خروج پر امام اوزاعی کی ناراضگی:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا:

"قال ابن المبارك: ذكرت أبا حنيفة يوما عند الأوزاعي، فأعرض عني، فعاتبته، فقال: تجيء إلى رجل يرى السيف في أمة محمد فتذكره عندنا."[4]

"یعنی امام ابن المبارک نے کہا کہ میں نے امام اوزاعی کے پاس ایک دن امام ابوحنیفہ کا ذکر کر دیا تو انہوں نے مجھ سے اعراض کرتے ہوئے کہا کہ تم ایک ایسے آدمی کے پاس آمد ورفت رکھتے ہو جو امت میں خانہ جنگی کا حامی ہے، پھر ہمارے پاس آ کر ان کا تذکرہ بھی چھیڑتے ہو۔"

---

[1] تاریخ طبری (۹/ ۱۹۹ تا ۲۳۵) وعام کتب تواریخ۔
[2] خطيب (۱۳/ ۳۳۰) والانتقاء (ص: ۱۷۰)
[3] أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ۸۷)
[4] خطيب (۱۳/ ۳۸٤)

مذکورہ بالا روایت کو امام خطیب نے دوسندوں سے نقل کیا ہے، ان میں سے ایک بالکل صحیح ہے اور دوسری اس کی مؤید ومتابع ہے۔ یہی روایت امام ابن المبارک کے ایک دوسرے شاگرد امام عبدالعزیز بن ابی رزمہ غزوان نے بایں طور نقل کیا ہے:

”عن ابن المبارك قال: كنت عند الأوزاعي فذكرت أبا حنيفة، فلما كان عند الوداع، قلت: أوصني، قال قد أردت ذلك، ولو لم تسألني، سمعتك تطري رجلا يرى السيف في الأمة، قال: فقلت: ألا أخبرتني؟“[1]

”یعنی امام ابن المبارک نے کہا کہ میں امام اوزاعی کے یہاں مقیم تھا، اس زمانہ میں میں نے کسی دن امام ابو حنیفہ کا ذکر ان کے سامنے کر دیا تھا، جب میں ان سے رخصت ہونے لگا تو میں نے ان سے نصیحت ووصیت کرنے کی درخواست کی، انہوں نے فرمایا کہ اگر تم مجھ سے یہ درخواست نہ کرتے تو بھی میں تمہیں نصیحت کا ارادہ رکھتا تھا، میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ ایک ایسے شخص یعنی امام ابوحنیفہ کی تعریف کرتے ہو جو مسلمانوں میں خانہ جنگی کا حامی ہے، ابن المبارک نے امام اوزاعی سے عرض کیا کہ آپ نے پہلے سے اس بات کی خبر مجھے کیوں نہیں دی؟

مذکورہ بالا روایت کو عام اہل علم کی طرح امام ابو زرعہ عبدالرحمٰن بن عمرو بن عبداللہ بن صفوان نصری دمشقی (متوفی ۲۸۱ھ) نے تاریخ دمشق (۱/ ۵۰۶) میں بھی نہایت پختہ سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ چنانچہ امام ابو زرعہ کی ذکر کردہ سند کے مطابق امام ابن المبارک سے اس روایت کے ناقل عبدالعزیز بن ابی زرمہ غزوان مروزی یشکری (متوفی ۲۰۶ھ) ثقہ ہیں۔[2] اور احمد بن شبویہ سے اس کے ناقل امام ابو زرعہ کی ثقاہت متفق علیہ ہے۔ دریں صورت اس روایت کی سند ومتن پر گنجائشِ کلام نہیں۔ اس روایت سے صاف طور معلوم ہوتا ہے کہ امام اوزاعی کے بتلانے سے پہلے ابن المبارک کو امام صاحب کے مذکورہ موقف کی اطلاع نہیں تھی۔

مذکورہ بالا دونوں روایتوں کے مجموعہ سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ امام اوزاعی کے یہاں قیام کے زمانہ میں ان سے رخصت ہونے کے پہلے جب ابن المبارک نے کسی دن امام صاحب کا تذکرہ کیا تھا تو انہوں نے اسی دم موصوف کو ٹوکتے ہوئے آگاہ کر دیا تھا کہ امت میں خانہ جنگی کے حامی کا ذکر مجھے پسند نہیں، پھر بوقت روانگی انہوں نے ابن المبارک کی درخواست پر یہ نصیحت کی کہ چونکہ امام صاحب کا موقف مذکور بہت غلط ہے اس لیے ان سے ربط وتعلق نہیں ہونا چاہئے۔ امام اوزاعی کی اس نصیحت پر ابن المبارک کا یہ ارشاد کہ آپ نے مجھے اس کی خبر پہلے سے کیوں نہیں دی؟ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ موصوف کو پہلے سے اس کی اطلاع نہیں تھی، ورنہ وہ بھی امام صاحب کے ذکر سے اعراض کرتے، چنانچہ اس کے بعد امام ابن المبارک کا امام صاحب کے ساتھ جو حال ہوا وہ مندرجہ ذیل روایت میں ملاحظہ ہو۔

اسلامی حکومت کے خلاف امام صاحب کے نظریہ خروج سے ابن المبارک کی خفگی:

حافظ خطیب ناقل ہیں کہ امام ابو الوزیر محمد بن اعین مروزی (متوفی ۲۱۳ھ) نے کہا:

”إنه حضر ابن المبارك، فروىٰ عن رسول الله صلى الله عليه وسلم حديثا، فقال له رجل:

[1] خطيب (١٣/ ٣٨٤) [2] تقريب التهذيب۔

ما قول أبي حنيفة في ذلك؟ فقال: أحدثك عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وتجيء برجل كان يرى السيف في أمة محمد صلى الله عليه وسلم.[1]

''یعنی ابن المبارک نے ایک حدیث نبوی بیان کی، اس وقت ان سے ایک آدمی نے کہا کہ اس سلسلے میں امام صاحب کا کیا ارشاد ہے؟ ابن المبارک نے فرمایا کہ میں حدیث نبوی بیان کر رہا ہوں اور تم ایک ایسے شخص کا ذکر کر رہے ہو جو امت میں خانہ جنگی کا حامی تھا۔''

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ امام صاحب کے اس موقف سے مطلع ہونے کے بعد ابن المبارک امام صاحب کا ذکر کرنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔

اسلامی حکومت کے خلاف امام صاحب کے نظریہ خروج سے امام فزاری کی خفگی:

ہم عرض کر چکے ہیں کہ امام صاحب اس معاملہ میں یہ موقف رکھتے تھے کہ کفار ومشرکین سے جہاد کے بالمقابل بھی اس طرح کی اسلامی حکومت کے خلاف جنگ آزمائی بہتر ہے اور یہ چیز امام صاحب سے اہل علم کی خفگی کا باعث ہوئی۔ اس سلسلے میں امام ابراہیم بن محمد ابو اسحاق فزاری سے گفتگو کے دوران امام صاحب نے فرمایا تھا:

"لو أنك قتلت مع أخيك كان خيرا لك من المكان الذي جئت منه... الخ.[2]

''یعنی اگر تم اپنے بھائی کی طرح ابراہیم طالبی کی حمایت میں حکومت وقت کے خلاف لڑتے ہوئے قتل ہو جاتے تو اس جہادی مہم سے بہتر ہوتا جس میں تم مشرکین و کفار کے خلاف لڑنے کے لیے شریک ہوئے تھے۔ اس پر امام فزاری نے فرمایا کہ آخر اس کار خیر میں آپ شریک ہو کر خود کیوں شہید نہیں ہو گئے؟ تو امام صاحب نے فرمایا کہ میرے پاس لوگوں کی امانتیں تھیں جن کے ضائع ہونے کا خطرہ تھا۔''

اس معنی ومفہوم کی بہت ساری روایات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں بھی امام صاحب کے عام معاصرین امام صاحب کے موقف پر بہت برہم تھے، امام صاحب کے اس موقف پر امام سفیان ثوری سے بھی اظہار برہمی منقول ہے۔[3] امام صاحب کے نظریہ خروج سے ان کے عام تلامذہ اور معاصرین کو سخت اختلاف تھا اور یہ لوگ امام صاحب کے نظریہ مذکورہ کو بہت مبغوض سمجھتے تھے، اس سلسلے میں مناسب مقام پر مزید تفصیل آئے گی۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام صاحب سے امام ابن المبارک کے ترکِ تعلق کے اسباب میں ایک سبب موصوف کا نظریہ خروج بھی تھا، لیکن دوسرے اسباب بھی تھے جن میں ایک یہ ہے کہ امام ابن المبارک کے نقطۂ نظر اور محدثین کی اصطلاح کے مطابق امام صاحب مرجی المذہب تھے اور مرجی مذہب کو امام ابن المبارک عام محدثین کی طرح بدعت کہتے تھے۔

---

1. خطیب (۱۳/ ۳۸٤)
2. خطیب (۱۳/ ۳۸۵) وتاریخ فسوی (۲/ ۷۸۸)
3. خطیب (۱۳/ ۳۸۵تا ۳۸٦)

امام ابن المبارک اِرجاء کو بدعت کہتے تھے:

ہم عرض کر چکے ہیں کہ ایمان میں اعمال کے داخل ہونے اور اس میں کمی بیشی کے معاملے میں امام صاحب کے عام معاصرین کو امام صاحب سے اختلاف تھا اور وہ لوگ اپنی اصطلاح کے مطابق امام صاحب کو مرجی کہتے تھے۔ ابن المبارک نے بھی امام صاحب کو مرجی کہا ہے۔ امام عبدہ بن سلیمان مروزی نے کہا:

”سمعت ابن المبارك، وذكر أبا حنيفة، فقال رجل: هل كان فيه من الهوى شيء؟ قال: نعم الإرجاء.“ [1]

”یعنی میں نے سنا کہ ابن المبارک سے ایک آدمی نے سوال کیا کہ کیا امام صاحب میں کسی قسم کی بدعت بھی پائی جاتی تھی؟ تو ابن المبارک نے جواب دیا کہ ہاں وہ مرجی تھے۔“ [2]

اس سلسلے میں امام صاحب پر امام سفیان ثوری، وکیع بن الجراح، حارث بن عمیر، شریک، ابو اسحٰق فزاری، عباد بن کثیر، قاسم بن عثمان، قاسم بن حبیب، حسن بن صالح، ابن ابی یعلی، حماد بن زید، ابومسہر، عبداللہ بن یزید مقری، سعید بن عبدالعزیز وغیرہم سے بہت سخت تنقیدیں منقول ہیں۔ [3] ہم فی الوقت تفصیل سے اعراض کر رہے ہیں۔ مصنف انوار نے امام ایوب سختیانی کو امام صاحب کے مداحین میں شمار کیا ہے وہ بھی مرجیہ کے سخت خلاف تھے۔ [4]

امام صاحب سے معاصرین کے اعراض کے بعض دیگر اسباب:

متعدد روایات میں امام صاحب کے کئی معاصرین کے حوالے سے یہ بات کہی گئی ہے کہ امام صاحب اپنے اصولِ قیاس کے مطابق بذریعہ تاویل بہت سی احادیث نبویہ کے خلاف عمل پیرا تھے، یہ چیز بھی امام صاحب پر ان کے معاصرین کی تنقیدوں کا باعث بنی۔ [5] ظاہر ہے کہ ان احادیث کے خلاف عمل کرنے میں امام صاحب اپنے علم کے مطابق حق بجانب تھے، مطلب یہ ہے کہ نقطۂ نظر کے اختلاف کے باعث اس معاملہ میں امام صاحب کے معاصرین نے امام صاحب کو نشانۂ تنقید بنایا تھا، حتی کہ متعدد اہلِ علم کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب پر ایک سے زائد مرتبہ فتویٰ کفر عائد ہوا، جس سے توبہ کرانے کی بھی نوبت آئی۔ اس بات کے بیان کرنے والوں میں امام سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، یحییٰ بن سعید، یحییٰ بن حمزہ، سعید بن عبدالعزیز، شریک بن عبداللہ، معاذ بن معاذ عنبری، یزید بن زریع، عبداللہ بن ادریس، عبید طنافسی، قیس بن ربیع، احمد بن یونس، اسد بن موسیٰ وغیرہم ہیں۔ اس موضوع پر کسی قدر تفصیل گزر چکی ہے۔ [6]

ظاہر ہے کہ جس بات کے سبب یہ نوبت آئی اس بات کو کہنے کے وقت امام صاحب اپنی تحقیق اور معلومات ونظریات کے مطابق اپنے آپ کو حق بجانب ہی سمجھتے تھے، مگر ان سے اختلاف رکھنے والے امام صاحب کی اسی بات کو اپنے نقطۂ نظر کے مطابق بہت بری چیز سمجھتے تھے۔ اس قسم کے امور میں یقیناً کہا جا سکتا ہے کہ اختلاف نظریہ کے سبب امام صاحب اپنے مخالفین

---

❶ خطیب (۱۳/ ۳۷۵)
❷ نیز ملاحظہ ہو: تاریخ فسوی (۲/ ۷۸۳)
❸ خطیب (۱۳/ ۳۷۰ تا ۳۷٦ وغیرہ)
❹ التنکیل (۱/ ۲۸۱، ترجمہ طلق بن حبیب)
❺ خطیب (۱۳/ ۳۸۷ تا ۳۹۳)
❻ اللمحات (۲/ ۳۰، ۳۱)

کے نشانۂ تنقید بنے مگر ان امور میں صواب وخطا کا فیصلہ دلائل شرعیہ کی بنیاد پر ہوسکتا ہے۔

حاصل یہ کہ اس طرح کے امور میں یہ توجیہ کی جاسکتی ہے کہ نظریات وعقائد کے اختلاف کی بنیاد پر لوگوں نے امام صاحب پر تنقید وتجریح کی ہے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ امام صاحب کے کئی معاصر اہل علم اور بعد کے لوگوں نے امام صاحب کو مطلقا غیر ثقہ قرار دیا ہے اور امام صاحب کے اپنے بیانات سے بھی ان کی تائید ہوتی ہے۔

امام صاحب نے اپنی بیان کردہ علمی باتوں کو غلط قرار دیا:

امام ابوعبدالرحمان عبداللہ بن یزید مقری (متوفی ۲۱۲ھ یا ۲۱۳ھ) نے کہا:

"سمعت أبا حنيفة يقول: عامة ما أحدثكم به خطأ."[1]

''میں نے امام ابوحنیفہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری بیان کردہ عام علمی باتیں غلط ہیں۔''

امام صاحب سے اس بات کے ناقل امام ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن یزید مقری کو مصنف انوار نے امام صاحب کے خاص اصحاب وتلامذہ میں شمار کرتے ہوئے جلیل القدر حافظ حدیث وفقیہ کامل وکثیر الحدیث قرار دیا ہے۔[2] تعجب ہے کہ مصنف انوار نے انہیں مجلس تدوین کا رکن کیوں نہیں قرار دیا؟

مقری موصوف سے اس روایت کے ناقل ان کے صاحبزادے محمد بن عبداللہ بن یزید مقری (متوفی ۲۵۶ھ) بھی بلند پایہ ثقہ وصدوق ہیں۔[3] اور محمد بن عبداللہ مقری سے یہ روایت دوافراد محمود بن غیلان اور عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز بن المرزبان ابو القاسم بغوی (متوفی ۳۱۷ھ) نے نقل کی ہے۔ محمود کا ثقہ ہونا بیان کیا جا چکا ہے اور بغوی موصوف معروف ومشہور ثقہ امام ہیں۔[4] محمود سے یہ روایت احمد بن علی الابار نے نقل کی وہ ثقہ ہیں۔[5] اور بغوی سے یہ روایت امام عبید اللہ بن محمد بن اسحاق ابو القاسم المتوثی المعروف بابن حبابہ (متوفی ۳۸۹ھ) نے نقل کی، یہ بھی ثقہ ہیں۔[6] اور ابن حبابہ سے یہ روایت امام خطیب کے استاذ حسن بن ابی طالب نے نقل کی جو معروف ومشہور ثقہ ہیں اور ابار سے یہ روایت دعلج بن احمد اور دعلج سے ابن الفضل نے نقل کی اور یہ حضرات بھی ثقہ ہیں۔

حاصل یہ کہ روایت مذکورہ کم از کم دو صحیح سندوں سے منقول ہے، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب نے اپنی بیان کردہ تمام علمی باتوں کو، خواہ ان کا تعلق عقائد اور فقہ کے فروعی مسائل سے ہو یا نقل کردہ احادیث اور روایات سے ہو، سب کو غلط اور پُر از خطا قرار دیا ہے۔ اور مذکورہ بالا تفصیل میں امام صاحب کے معاصر اہل علم نیز دوسرے لوگوں کی باتوں کا حاصل بھی یہی ہے کہ امام صاحب کی عام علمی باتیں غلط وپُر از خطا ہیں، اس کا لازمی مطلب یہ ہوا کہ معنوی طور پر امام صاحب اپنے ناقدین کی اس بات سے متفق ہیں کہ ان کی بیان کردہ علمی باتیں غلط وپُر از خطا ہیں۔ یہ بھی ثابت ہے کہ اپنی بیان کردہ علمی باتوں کے غلط وپرخطا ہونے کا جس زمانے میں امام صاحب کو شک ہونے لگا تھا اسی زمانے میں امام صاحب نے اپنی معروف تقوی شعاری سے کام لیتے ہوئے اپنی بیان کردہ علمی باتوں کی نقل وروایت سے منع کر دیا تھا۔

---

[1] خطیب (١٣/ ٤٠٢)
[2] مقدمہ انوار (١/ ٢٢٨) وتهذيب التهذيب وتذكرة الحفاظ وغیرہ۔
[3] تهذيب التهذيب (٢/ ٢٨٤)
[4] خطیب (١٠/ ١١١ تا ١١٧) وعام کتب تراجم۔
[5] التنكيل ترجمه أحمد بن علي الأبار وخطيب۔
[6] خطیب (١٠/ ٣٧٧)

اپنے بیان کردہ علم کی اشاعت وروایت سے امام صاحب کی ممانعت:

چنانچہ بسند صحیح امام ابونعیم فضل بن دکین سے مروی ہے:

"سمعت أبا حنيفة يقول لأبي يوسف: لا ترو عنّي شيئاً، فإني والله ما أدري أ مخطئ أم مصيب؟"[1]

''یعنی میں نے امام صاحب کو ابو یوسف سے یہ فرماتے سنا کہ میری بیان کردہ کسی بھی علمی چیز کی نقل وروایت مت کرو، کیونکہ مجھے معلوم نہیں کہ میری بیان کردہ یہ علمی باتیں صحیح ہیں یا غلط؟''

یہ بات اہل نظم پر مخفی نہیں کہ روایت مذکورہ میں امام صاحب کا خطاب بظاہر اگرچہ صرف ابو یوسف سے ہے مگر چونکہ اس خطاب کی علت امام صاحب نے یہ بتلائی ہے کہ مجھے اپنی بیان کردہ علمی باتوں کے خطاوصواب ہونے میں شک ہے، اس لئے ان کی روایت ونقل مت کرو، لہٰذا امام صاحب کا یہ حکم فرمانِ عام کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ علت مذکورہ کا تعلق کسی شخصِ خاص ہی کے ساتھ بیان کی ہوئی بات سے نہیں ہوسکتا۔ اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ اپنی بیان کردہ علمی باتوں کے غلط وصحیح ہونے میں محض شک واقع ہونے کی بنیاد پر امام صاحب نے حکم مذکور صادر فرمایا تھا، اور اس سے پہلے والی روایت صحیحہ میں صراحت ہے کہ موصوف کو شک نہیں بلکہ اپنی بیان کردہ علمی باتوں کے غلط وپرخطا ہونے کا یقین ہو چکا تھا اور جب شک کی حالت میں موصوف نے ان باتوں کی روایت ونقل سے منع کر دیا تو ظاہر ہے کہ یقین کے بعد بدرجہ اولیٰ منع کیا ہوگا۔ ایک دوسری روایت صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی بیان کردہ علمی باتوں کے صحیح یا غلط ہونے میں شک امام صاحب کو اپنی زندگی کے بالکل آخری زمانے میں پیدا ہوا تھا۔ چنانچہ بسند صحیح امام زفر سے منقول ہے:

"كنا نختلف إلى أبي حنيفة، ومعنا أبو يوسف ومحمد بن الحسن، فكنا نكتب عنه، قال زفر: فقال يوما أبو حنيفه لأبي يوسف: ويحك يا يعقوب لا تكتب كل ما تسمعه مني، فإني قد أرى الرأي اليوم فأتركه غدًا، و أرى الرأي غدًا وأتركه بعد غد."[2]

''یعنی ہم امام صاحب کے پاس آمد ورفت رکھتے تھے، ہمارے ساتھ ابو یوسف اور محمد بن حسن بھی ہوا کرتے تھے اور ہم امام صاحب کی بیان کردہ علمی باتیں لکھتے رہتے تھے کہ ایک دن امام صاحب نے ابو یوسف سے کہا کہ مجھ سے سنی ہوئی ہر بات تم مت لکھا کرو، کیونکہ میں ایک دن ایک نظریہ رکھتا ہوں تو دوسرے دن اس کے خلاف دوسرا نظریہ قائم کرلیتا ہوں۔''

مذکورہ بالا روایت کی سند کو کوثری نے صحیح تسلیم کیا ہے (تانیب) اور اس کے سارے رجال ثقات ہیں۔

امام صاحب نے اپنی علمی باتوں کو لکھنے اور شائع کرنے سے کب منع کیا؟

مذکورہ بالا روایت صحیحہ سے اوّلاً: یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ایک زمانہ میں امام صاحب کی طرف سے اس بات کی پوری اجازت تھی کہ ان کی بیان کردہ علمی باتوں کو ان کے تلامذہ قلم بند کرلیا کریں، جیسا کہ امام زفر کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ "فكنا نكتب عنه"

---

[1] خطيب (١٣/ ٤٠٢)   [2] خطيب (١٣/ ٤٠٢)

ثانیاً: اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کا اصل اشتغال وانہماک رائے وقیاس سے تھا۔ (کمامر)

ثالثاً: اس روایت سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ جس زمانے میں امام صاحب کی طرف سے یہ اجازت تھی کہ ان کی بیان کردہ باتیں لکھی جائیں اس زمانے میں ان کی خدمت میں حاضر ہوکر علوم امام صاحب کو لکھنے والوں میں امام محمد بن حسن بھی شامل تھے، اور بتصریحِ مصنف انوار امام محمد ۱۳۲ھ میں پیدا ہوئے اور بقول بعض ۱۳۵ھ میں، اور بقول مصنف انوار امام محمد چودہ سال کی عمر میں درسگاہِ امام صاحب میں پڑھنے کے لئے آئے، یعنی ۱۴۶ھ میں یا ۱۴۹ھ میں۔ امام ابن خلکان نے لکھا ہے کہ درسگاہِ ابی حنیفہ میں امام محمد نے دوسال پڑھا، موصوف ۱۴۸ھ یا ۱۴۹ھ میں داخلِ درسگاہ ہوئے۔[1] اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام صاحب کے آخری زمانہ تک بھی ان کے تلامذہ ان کی اجازت سے ان کی بیان کردہ علمی باتیں لکھتے رہتے تھے۔

رابعاً: اس روایت صحیحہ میں اس امر کی صراحت ہے کہ امام صاحب کی آخری زندگی میں، جبکہ ان کی اجازت سے ان کے تلامذہ ان کی بیان کردہ علمی باتیں لکھا کرتے تھے، ایک روز امام صاحب نے لکھنے کی ممانعت کرتے ہوئے اس کا یہ سبب بیان کیا کہ اپنی علمی معلومات کی بنیاد پر میں جو نظریات قائم کرتا ہوں وہ آئے دن بدل جایا کرتے ہیں۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام صاحب نے اپنی علمی باتوں کے لکھنے سے ممانعت اپنی عمر کے آخری زمانے میں کی تھی اور اس کا سبب یہ تھا کہ موصوف کو ان نظریات کا صحیح ہونا مشکوک معلوم ہونے لگا تھا، اسی شک کی بنیاد پر انہوں نے یہ حکم دیا۔ یوں تو عام اہل علم کو بعض اوقات ایسے حالات پیش آتے ہیں کہ ایک زمانہ میں وہ اپنے علم ومعرفت کی بنیاد پر ایک نظریہ قائم کرکے اپنی معلومات کی حد تک اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ یہی نظریہ صحیح ہے، پھر بعد میں انہیں نئی تحقیق وعلمی بنیاد پر اپنی معلومات کے مطابق ان کا غلط ہونا یقینی معلوم ہونے لگتا ہے، لہٰذا وہ رجوع کر لیتے ہیں اور اس کے خلاف قائم کئے ہوئے اپنے دوسرے نظریہ کو اپنے علم کی حد تک صحیح سمجھنے لگتے ہیں، لیکن اگر یہ صورت حال پیدا ہوجائے کہ کوئی صاحب علم آئے دن اپنے نظریات میں ہونے والی تبدیلیوں کو دیکھ کر جب یہ سمجھنے لگے کہ میری عام باتیں غلط ہیں تو اسے کثیر الغلط قرار دے کر متروک ماننے بغیر کوئی چارہ کارنہیں۔

خامساً: روایت مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ روزانہ اپنے نظریات میں تبدیلی آتے دیکھ کر امام صاحب کو احساس ہوا کہ میری باتیں ناقابل نوشت ہیں، مگر امام صاحب کے ایک خاص شاگرد امام حفص بن غیاث کا یہ انکشاف ہے کہ ایک ہی دن میں امام صاحب کی آراء میں ایک ہی مسئلہ کے اندر پانچ پانچ مرتبہ تبدیلیاں ہوا کرتی تھیں۔ (کمامر)

ایک ہی مسئلہ میں ایک دن میں امام صاحب کے پانچ پانچ قیاسی فتاوی جات:

امام حفص کا بیان متعدد بار ذکر ہو چکا ہے مگر ناظرین کرام اسے پھر ایک بار بغور ملاحظہ فرمائیں۔ امام حفص نے کہا:

"كنت أجلس إلى أبي حنيفة فأسمعه يسأل عن مسئلة في اليوم الواحد فيفتي فيها بخمسة أقاويل، فلما رأيت ذلك تركته، وأقبلت على الحديث."[2]

"میں نے دیکھا کہ امام صاحب ایک ہی دن میں ایک ہی مسئلہ میں پانچ قسم کے مختلف ومتضاد فتاویٰ دیا کرتے تھے، ان کی یہ حالت دیکھ کر میں نے ان کی صحبت ترک کردی اور علم حدیث کی طرف توجہ کی۔"

---

[1] وفيات الأعيان (٤/ ١٨٤ يا ١٨٥)
[2] خطيب (١٣/ ٤٠٢)

اس روایت کی سند بھی صحیح ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاً: امام صاحب کی رائے ایک مسئلہ میں ایک ہی دن کے اندر پانچ پانچ مرتبہ بدل جایا کرتی تھی، اور اوپر والی روایت کا مفاد ہے کہ ایک دن کے بعد دوسرے دن میں اپنی رائے کے بدل جانے سے امام صاحب کو یہ احساس ہونے لگا تھا کہ شاید میرے قائم کردہ نظریات وخیالات صحیح نہیں ہوتے، بنا بریں انہوں نے اپنی معروف احتیاط پسندی سے کام لے کر ان کی نقل وروایت اور کتابت سے منع کر دیا۔

اور مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی دن میں پانچ پانچ مرتبہ موصوف کے نظریات بدل جایا کرتے تھے، اور جب دوسرے دن نظریات کی تبدیلی کے سبب امام صاحب کو مذکورہ بالاقسم کا شک پیدا ہو گیا تو ایک ہی دن میں پانچ پانچ مرتبہ تبدیلیٔ نظریات کا کیا نتیجہ ہوا ہوگا۔ ثانیاً: اس روایت سے معلوم ہوا کہ امام صاحب کی مجلس میں حدیث کے بجائے صرف فقہی مسائل کی تعلیم ہوا کرتی تھی ورنہ ان کی مجلس ترک کر کے حفص بن غیاث کے علم حدیث کی طرف متوجہ ہونے کا کوئی معنی ہی نہیں ہوسکتا۔

ثالثاً: معلوم ہوا کہ امام حفص بن غیاث نے امام صاحب کو متروک قرار دے دیا تھا۔

رابعاً: اس روایت سے مصنف انوار کے اس دعویٰ کی تکذیب ہوتی ہے کہ حفص بن غیاث بھی امام صاحب کی قائم کردہ مجلس تدوین فقہ کے ان چہل ارکان میں سے ہیں جو ۱۲۰ھ سے لے کر ۱۵۰ھ تک امام صاحب کے ساتھ رہ کر امام صاحب کی سرپرستی میں تدوین فقہ کرتے رہے۔ نیز حفص بن غیاث ۱۱۷ھ میں پیدا ہوئے تھے۔[1] پھر وہ ۱۲۰ھ میں مجلس تدوین کے رکن کیسے منتخب کیے جاسکتے ہیں؟

امام صاحب کو اپنے فتاویٰ کے باطل ہونے کا گمان تھا:

ایک اور روایت صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب کو اپنی بیان کردہ علمی باتوں کے غلط وباطل ہونے کا شبہ ہونے لگا تھا۔ چنانچہ مزاحم بن زفر نے کہا:

"قلت لأبي حنيفة: هذا الذي تفتي والذي وضعت في كتبك هوالحق الذي لا شك فيه؟
قال: فقال: والله ما أدري لعله الباطل الذي لا شك فيه!"[2]

''یعنی میں نے امام صاحب سے کہا کہ آپ جو فتوی دیتے ہیں وہ آپ کے اس تحریری فتویٰ کے خلاف ہے جسے اپنی کتابوں میں لکھوائے ہوئے ہیں، کیا حق وہ ہے جو کتابوں میں لکھا ہے یا نہیں؟ امام صاحب نے فرمایا بخدا مجھے پتہ نہیں کہ کیا حق ہے؟ ہوسکتا ہے کہ کتاب میں لکھی ہوئی بات بالکل باطل ہو اور اس کے باطل ہونے میں کوئی شک نہ ہو۔''

مذکورہ بالا روایت بھی دو صحیح سندوں سے منقول ہے اور اس امر پر صراحت سے دلالت کرتی ہے کہ امام صاحب کو اپنی کہی ہوئی یا لکھوائی ہوئی علمی باتوں کے غلط یا صحیح ہونے میں شک تھا۔

---

[1] خطیب (۸/ ۲۰۰) و تهذهب التهذيب۔

[2] خطیب (۱۳/ ۴۰۲)

امام صاحب کو اپنے فتاویٰ اور بیان کردہ علوم کے مجموعۂ شر ہونے کا یقین:

اوپر یہ روایت مذکور ہوئی کہ امام صاحب نے اپنی بیان کردہ عام علمی باتوں کو غلط و پُر از خطا کہا ہے، یہی بات موصوف امام صاحب نے مندرجہ ذیل الفاظ میں اس طرح کہی ہے:

"قال النضر بن محمد: كنا نختلف إلى أبي حنيفة، وشامي معنا، فلما أراد الخروج، جاء ليودعه، فقال: تحمل هذا الكلام إلى الشام، فقال: نعم، قال: تحمل شرا كثيرا."[1]

"یعنی نضر بن محمد نے کہا کہ ہم لوگ امام صاحب کے پاس آمد و رفت رکھتے تھے اور ہمارے ساتھ ایک شامی آدمی بھی امام صاحب کے پاس جایا کرتا تھا۔ جب شامی شخص اپنے وطن جانے لگا تو امام صاحب سے رخصت ہونے آیا، امام صاحب نے اس سے کہا کیا ہماری لکھی ہوئی علمی باتیں بھی تم اپنے ملک شام لے جاؤ گے؟ اس نے کہا: ہاں! امام صاحب نے فرمایا کہ تب تم بہت سی "شر" والی چیزیں لے جاؤ گے۔"

یہ روایت بھی صحیح ہے اور اس کے مطابق امام صاحب نے اپنی بیان کردہ علمی باتوں کو شر سے تعبیر کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اس زمانے کی بات ہے جب امام صاحب کو یقین ہوگیا تھا کہ میری بیان کردہ علمی باتیں غلط وپُر از خطا ہیں۔ امام صاحب نے اپنے خیال کے مطابق جب یہ سمجھا کہ میری بیان کردہ علمی باتیں غلط وپُر از خطا ہیں تو موصوف نے اپنی ان غلط وپر از خطا باتوں کو "شر" کے لفظ سے بھی تعبیر کردیا۔ ناظرین کرام کو عنقریب معلوم ہوگا کہ امام صاحب کی بیان کردہ علمی باتوں کو امام سفیان ثوری وغیرہ نے شر سے تعبیر کیا ہے، یعنی ان حضرات نے وہی بات کہی ہے جو امام صاحب نے کہی ہے، مگر اس کے باوجود بھی مصنف انوار ان اہل علم پر خفا ہیں۔ ایک روایت صحیحہ میں ہے کہ عبداللہ بن یزید مقری نے کہا:

"كان أبو حنيفة يحدثنا، فإذا فرغ، قال: هذا الذي سمعتم كله ريح وباطل."[2]

"یعنی امام صاحب نے اپنی بیان کردہ باتوں کو سراسر باطل قرار دیا۔"

امام صاحب نے اپنی کہی ہوئی یا لکھوائی ہوئی باتوں کو غلط یا باطل یا شر کے الفاظ سے ایک تو اس بنا پر تعبیر کیا ہے کہ انہیں ان کے غلط ہونے کا شک یا یقین تھا۔ دوسرا سبب یہ بھی ہے کہ انہیں محسوس ہوا کہ ان کے کچھ تلامذہ ان کی طرف بہت سی غلط باتیں منسوب کر کے لکھ دیا کرتے ہیں اور لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ امام صاحب کی باتیں ہیں۔ اس موضوع پر آگے گفتگو آئے گی۔ اس تفصیل کا حاصل یہ نکلا کہ خود امام صاحب ہی نے اپنی علمی باتوں کو غلط و باطل و شر سے تعبیر کر کے حکم دیا ہے کہ ان کو متروک قرار دے دیا جائے۔ نہ ان کی زبانی طور پر روایت کی جائے نہ تحریری طور پر ان کی نقل اور اشاعت کی جائے۔ دریں صورت ہر صاحب عقل سوچ سکتا ہے کہ جب امام صاحب اپنی کسی بات کو زبانی طور پر نقل کئے جانے کے روادار نہ تھے تو انہوں نے چہل رکنی مجلس تدوین قائم کر کے مسلسل تیس سال تک تدوین فقہ کا کام کیسے کرایا ہوگا؟ نیز جب امام صاحب خود ہی اپنی بیان کردہ علمی باتوں کو قابل ترک قرار دیے ہوئے تھے تو دوسرے لوگ کیوں نہ انہیں ترک کریں؟

[1] خطيب (١٣/ ٤٠١) [2] الجرح والتعديل (٤/ ٤٥٠ ق ١)

امام صاحب سے روایت کرنے کے سبب ابن المبارک پر اہل علم کی تنقید:

امام ابن ابی حاتم نے بسند صحیح نقل کیا:

"نا عبد الرحمن نا أحمد بن منصور المروزي قال: سمعت سلمة بن سليمان، قال: قال ابن المبارك: إن أصحابي ليلومونني في الرواية عن أبي حنيفة، وذلك أنه أخذ كتاب محمد بن جابر اليمامي عن حماد بن أبي سليمان فروىٰ عن حماد، ولم يسمعه منه."[1]

"یعنی سلمہ بن سلیمان نے کہا کہ امام ابن المبارک نے فرمایا کہ میرے اصحاب مجھے امام ابوحنیفہ سے روایت کرنے کے سبب اس لئے ملامت کرتے ہیں کہ امام صاحب نے محمد بن جابر یمامی کی کتاب، جس میں حماد کی نقل کردہ روایات منقول تھیں، حاصل کرلی اور حماد سے سنے بغیر ہی اس کتاب میں مندرج روایات کو حماد سے روایت کرنے لگے۔"

ناظرین کرام ملاحظہ فرمارہے ہیں کہ مذکورہ بالا روایت میں ابن المبارک نے واضح طور پر بتلایا ہے کہ ان کے اصحاب انہیں امام صاحب سے روایت کرنے پر ملامت کرتے تھے، یعنی ان کا اصرار تھا کہ جس طرح عام اہل علم نے امام صاحب کو متروک قرار دیا ہے اسی طرح ابن المبارک بھی انہیں متروک قرار دے دیں۔ ظاہر ہے کہ ابن المبارک کے اصحاب میں سفیان ثوری واوزاعی وابو اسحاق فزاری اور دیگر اکابر اہل علم تھے۔ اس روایت میں امام صاحب کو قابل ترک قرار دینے کا صرف ایک سبب بیان کیا گیا ہے، وہ یہ کہ امام صاحب محمد بن جابر یمامی کی کتاب میں حماد کی نقل کردہ احادیث کو حماد سے سنے بغیر ہی روایت کیا کرتے تھے۔ مصنف انوار کے استاذ کوثری نے بلا سنے ہوئے روایت کرنے کے سبب کتنے ہی رواۃ کو ساقط الاعتبار قرار دے رکھا ہے، جس کا مشاہدہ تانیب الخطیب میں کیا جاسکتا ہے، پھر اس اصول کے تحت امام صاحب کے بارے میں موصوف کا کیا فتوی ہے؟ ابن المبارک کے اصحاب نے امام صاحب کو قابلِ ترک اس لئے بتلایا کہ بلا سنے ہوئے وہ یمامی کی کتاب کے ذریعہ حماد سے روایت کرتے تھے اور یمامی کی کتابِ مذکور میں الحاق بھی ہوا تھا، جیسا کہ یمامی کے ترجمہ میں اہل علم نے صراحت کر رکھی ہے، ابن المبارک کا نظریہ یہ تھا کہ جب ایسے اسبابِ ترک جمع ہو جاتے تھے کہ ترک کئے بغیر چارہ نہیں تو وہ کسی راوی سے ترکِ روایت کرتے تھے، جیسا کہ تقدمہ الجرح والتعدیل میں بسند صحیح ان کا یہ نظریہ ان کے ترجمہ میں منقول ہے، آخر ایک دن آیا کہ موصوف نے امام صاحب کو متروک قرار دے دیا۔

ہم عرض کر آئے ہیں کہ متعین طور پر ان اسباب کی تفصیل معلوم نہیں ہوسکی جن کی بنیاد پر موصوف نے امام صاحب کو ترک کیا، البتہ بعض روایات سے بعض اسباب پر روشنی پڑتی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

امام صاحب کو ترکِ ابن المبارک کے بعض دیگر اسباب:

بعض روایات میں ہے کہ امام ابن المبارک کو علی بن جریر ابیوردی کے ذریعہ یہ خبر ملی کہ کوفہ کے کچھ لوگ کہتے ہیں:

[1] الجرح والتعديل (٤/ ٤٥٠ ق:١)

"إن أبا حنيفة أعلم من رسول الله صلى الله عليه وسلم، وفي رواية: كان أبوحنيفة أعلم بالقضاء من رسول الله صلى الله عليه وسلم ...الخ.[1]

"نعوذ باللہ امام صاحب رسول اللہ ﷺ سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔"

ان روایات میں صراحت ہے کہ یہ بات سن کر امام ابن المبارک نے فوراً فرمایا کہ یہ کفر ہے۔ اس پر موصوف کے شاگرد علی بن جریر نے کہا کہ آپ کی وجہ سے ان لوگوں نے یہ کفر والا نظریہ اختیار کر رکھا ہے، اس پر ابن المبارک نے کہا کہ یہ کیسے؟ ابیوردی نے کہا آپ امام صاحب سے روایت کیا کرتے ہیں؟ اس پر موصوف نے امام صاحب سے روایت کرنے پر اظہارِ افسوس کیا بلکہ رونے لگے اور امام صاحب سے روایت کرنے سے توبہ کی۔[2] ان روایات کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے۔

محبان ابی حنیفہ کے اس دعوی پر امام فضیل کی نظر کہ امام صاحب سے بڑا کوئی عالم نہیں ہے:

امام فضیل بن عیاض (متوفی ۱۸۷ھ) کو مصنف انوار نے چھل رکنی مجلس تدوین کا رکن قرار دیا ہے۔ انھوں نے فرمایا:

"إن هؤلاء أشربت قلوبهم حب أبي حنيفة، وأفرطوا فيه حتى لا يرون أن أحدا كان أعلم منه، كما أفرطت الشيعة في حب علي، وكان والله سفيان أعلم منه."[3]

"یعنی امام صاحب کے ان غالی معتقدین کے قلوب میں امام صاحب کی محبت پلا دی گئی ہے، یہ لوگ امام صاحب کی مدح میں بہت مبالغہ آرائی کرتے ہیں حتی کہ کسی کو بھی ان سے زیادہ صاحب علم نہیں سمجھتے جس طرح کہ شیعہ حبِ علی رضی اللہ عنہ میں افراط سے کام لیتے ہیں، حالانکہ بخدا امام سفیان ثوری امام صاحب سے زیادہ بڑے عالم تھے۔"

لیکن یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اگر کچھ بددیانت قسم کے لوگوں نے امام صاحب کے بارے میں یہ نظریہ قائم کر لیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ علم رکھتے ہیں، جیسا کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ لوگوں نے نظریہ قائم کر لیا کہ وہ "اللہ" ہی ہیں یا یہ کہ وہی خاتم النبیین بنائے جانے والے تھے، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے غلطی سے محمد ﷺ کے پاس وحی پہنچا دی یا یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ وصیِّ نبوی اور خلیفۂ بلافصل تھے تو اس میں امام صاحب کا کیا قصور ہے کہ انہیں امام ابن المبارک نے ترک کر دیا؟ مذکورہ بالا روایت کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ اس میں امام صاحب کا کوئی قصور نہیں لیکن چونکہ امام ابن المبارک کو یہ محسوس کرایا گیا کہ امام صاحب کے بارے میں اس نظریہ کے قائم ہوجانے کا سبب ان سے میرا روایت کرنا ہے تو قطع شر کے لیے انہوں نے امام صاحب کو ترک کر دیا، البتہ بعض روایات میں ہے کہ امام علی بن جریر نے صاف طور پر ابن المبارک سے کہا تھا:

"بك اتخذوا الكافر إماما."[4]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علی بن جریر نے امام صاحب پر محض اس وجہ سے فتویٔ کفر عائد کر دیا تھا کہ کچھ لوگ امام صاحب کے بارے میں مذکورہ نظریہ رکھتے ہیں، مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ امام صاحب کے بارے میں کچھ لوگوں کے ایسا

---

[1] خطيب (٣/ ٤١٣، ٤١٤) و الثقات لابن حبان والتنكيل (١/ ٣٥٠)
[2] خطيب (١٣/ ٤١٤)
[3] حلية الأولياء (٦/ ٣٥٨)
[4] خطيب (١٣/ ٤١٤)

نظریہ رکھنے سے امام صاحب اتنے قصور وار کیونکر ہو گئے کہ ان پر یہ فتویٰ لگا دیا گیا اور اسے امام ابن المبارک نے برداشت بھی کر لیا، یہ کیونکر ممکن ہے کہ جس قصور کے امام صاحب مرتکب نہیں اس کی بنیاد پر ابن المبارک کے سامنے امام صاحب کے اوپر فتویٰ مذکورہ صادر کیا جائے اور وہ خاموش رہیں بلکہ ایسا طرز عمل اختیار کریں گویا وہ اس فتوی کے خلاف نہیں ہیں؟ اس عقدہ کا حل بہت مشکل بلکہ ناممکن نظر آتا ہے، اور اس میں شک نہیں کہ یہ عقدہ لاینحل کسی بھی تحقیق پسند معتدل مزاج آدمی کے لئے باعث پریشانی ہے الا یہ کہ کہا جائے کہ بعض روایات میں یہ تصریح ہے:

"اتخذوك في الكفر إماما." [1] یعنی اس کفر کرنے میں لوگوں نے آپ کو یعنی ابن المبارک کو امام بنا رکھا ہے، کیونکہ آپ (ابن المبارک) امام صاحب سے روایت کرتے ہیں۔

دریں صورت امام صاحب پر فتوی مذکورہ نہیں عائد ہوتا، اسی بات کو بعض رواۃ نے غلطی سے سبقت لسانی میں "بك اتخذوا الكافر إماما" کے الفاظ سے تعبیر کر دیا ہے جو معتبر نہیں، کیونکہ ان الفاظ میں یہ روایت جس سند سے مروی ہے اس کے ایک راوی احمد بن محمد بن یوسف ابو العلاف اگر چہ صاحب التنکیل کی تحقیق کے مطابق قوی ہیں مگر کسی بات کی تعبیر میں اس طرح کی غلطی ثقہ وقوی راوی سے مستبعد و بعید از قیاس نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ابو العلاف کی اس غلطی سے اصل روایت کے صحیح ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ اصل روایت ایک سے زیادہ صحیح وقوی سند سے مروی ہے، جس میں ابو العلاف کی زبان سے نکلنے والے الفاظِ مذکورہ کے بجائے ایسے الفاظ ہیں جن سے امام صاحب پر فتویٰ مذکورہ عائد نہیں ہوتا۔

امام صاحب کی طرف منسوب کتاب الحیل پر ابن المبارک کا تبصرہ:

امام خطیب نے کہا:

"أخبرنا محمد بن عبد الله الحنائي أخبرنا محمد بن عبد الله الشافعي حدثنا محمد بن إسماعيل السلمي حدثنا أبو توبة الربيع بن نافع حدثنا عبد الله بن المبارك قال من نظر في كتاب الحيل لأبي حنيفة أحل ما حرم الله ما أحل الله." [2]

"یعنی ربیع بن نافع نے کہا کہ ابن المبارک نے فرمایا کہ جو شخص بنظرِ قبول امام صاحب کی کتاب الحیل کا مطالعہ کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال اور اس کی حلال کردہ چیزوں کو حرام قرار دے لے گا۔"

امام ابن المبارک سے قولِ مذکور کے ناقل امام ابوتوبہ ربیع بن نافع حلبی متوفی ۲۴۱ھ ثقہ امام ہیں، ان کی ثقاہت کے ثبوت کے لئے یہ بات کافی ہے کہ موصوف صحیحین کے راوی ہیں۔ [3] اور موصوف سے یہ روایت جس سند کے ساتھ مروی ہے اس کے سبھی رواۃ ثقہ ہیں، ان کے تراجم عام کتب رجال میں موجود ہیں اور ان سے جن بعض پر کوثری نے کلامِ بے جا کیا ہے، اس کی حقیقت التنکیل میں واضح کر دی گئی ہے۔

---

[1] خطیب (۱۳/ ۴۱۳) [2] خطیب (۱۳/ ۴۰۳)

[3] تہذیب التهذيب (۳/ ۲۵۱، ۲۵۲)

امام صاحب کی طرف منسوب کتاب الحیل پر ابن المبارک کا دوسرا تبصرہ:

امام ابن المبارک کے دوسرے شاگرد امام ابو اسحاق طالقانی ابراہیم بن اسحاق بن عیسیٰ متوفی ۲۱۵ھ نے کہا:

”سمعت ابن المبارك يقول من كان عنده كتاب حيل أبي حنيفة يستعمله أو يفتي به فقد بطل حجه و بانت منه امرأته فقال مولى ابن المبارك يا أبا عبدالرحمن ما أدري الذي وضع كتاب الحيل إلا شيطان فقال ابن المبارك الذي وضع كتاب الحيل أشر من الشيطان.“ [1]

”یعنی میں نے ابن المبارک کو یہ کہتے سنا کہ جو شخص امام صاحب کی کتاب الحیل کے مطابق کام کرے گا یا فتوی دے گا اس کا حج باطل ہوجائے گا اور بیوی بائنہ ہو جائے گی، یعنی وہ شخص مرتد ہوجائے گا، ابن المبارک کے مولیٰ نے کہا میرے خیال سے اس کتاب کا مصنف شیطان ہے، ابن المبارک نے کہا کہ شیطان سے بھی بدتر ہے۔“

امام ابن المبارک سے اس روایت کے راوی امام اسحاق طالقانی متوفی ۲۱۵ھ ثقہ وصدوق ہیں۔[2] اور ان سے یہ روایت ایک دوسری کی تائید کرنے والی دو سندوں سے مروی ہے یعنی اس معنی ومفہوم کی روایت ابن المبارک سے کم از کم تین سندوں کے ساتھ مروی ہے اور اس بات کے بیان کرنے میں امام ابن المبارک منفرد بھی نہیں ہیں بلکہ امام نضر بن شمیل سے بھی یہ بات بسند صحیح منقول ہے۔[3] ہمارے نزدیک کسی ناخدا ترس آدمی نے بدست خود کتاب الحیل لکھ کر مکذوب طور پر امام صاحب کی طرف منسوب کر دیا تھا، بسند صحیح مروی ہے کہ امام صاحب نے اپنے بعض تلامذہ کو مخاطب کر کے کہا کہ تم لوگ میری طرف جھوٹ باتیں منسوب کرکے کتابوں میں شائع کرتے رہتے ہو۔ (کما سیأتي) کوئی شک نہیں کہ کتاب الحیل امام صاحب کی طرف نضر وابن المبارک کے زمانہ میں منسوب ہو کر مشہور ہوگئی تھی، امام ابن المبارک سے مروی شدہ ان روایات میں امام صاحب پر جتنی سخت تنقید ہے اس تنقید میں امام ابن المبارک منفرد نہیں ہیں بلکہ امام صاحب کے بہت سے تلامذہ اور معاصر اہل علم نے اسی طرح کی باتیں کہی ہیں، جن میں سے بعض کا تذکرہ آگے آئے گا، اور ہر صاحب علم بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ اس طرح کی باتوں کا علم ہوجانے کے بعد امام صاحب سے امام ابن المبارک کا روایت کرتے رہنا بعید از قیاس ہے۔

صفحاتِ گذشتہ میں امام صاحب کے بارے میں مساور وراق کے اشعار کا ذکر آچکا ہے، موصوف کے ان اشعار میں ایک شعر بالکل اسی معنی کا ہے جو ابن المبارک اور نضر بن شمیل کے مذکورہ بالا بیانات سے مستفاد ہوتا ہے، اور یہ بیان گزر چکا ہے کہ خود امام صاحب نے اپنی لکھوائی ہوئی یا بیان کی ہوئی باتوں کو ”مجموعۂ شر“ سے تعبیر کیا ہے۔

امام صاحب نے امام سفیان ثوری کی مدح سرائی کی:

یہ تفصیل گزر چکی ہے کہ امام ابن المبارک نے امام سفیان ثوری کو اعلم، افقہ، افضل وغیرہ کہا ہے۔ خود امام صاحب کا ارشاد ہے:

”لوكان سفيان الثوري في التابعين لكان فيهم له شأن وفي رواية لو أن سفيان كان في

---

[1] خطيب (١٣/ ٤٠٣)
[2] خطيب (٦/ ٢٤ تا ٢٥) وتهذيب التهذيب (١/ ٢٣، ٢٤)
[3] خطيب (١٣/ ٤٠٣)

عهد إبراهيم لاحتاج الناس إليه في الحديث وفي رواية لو مات سفيان في زمن إبراهيم لدخل على الناس فقده." ❶

''یعنی اگر امام سفیان ثوری زمانۂ تابعین میں ہوتے توان میں ان کی ایک عظیم شان ہوتی، اگر موصوف زمانۂ ابراہیم نخعی میں ہوتے تو علم حدیث میں لوگوں کو ان کی ضرورت ہوا کرتی، اگر وہ زمانۂ نخعی میں ہوتے تو ان کی موت کا لوگوں کو شدت سے غم ورنج ہوتا۔''

دریں صورت تقلید ابی حنیفہ کا دم بھرنے والوں کی نظر میں امام ثوری کا وزن ضرور ہونا چاہئے۔

امام ثوری سے امام صاحب کا علمی استفادہ:

نظرِ امام صاحب میں امام ثوری کی اہمیت کا علم ہونے کے بعد درج ذیل روایت بھی ملاحظہ ہو:

"قال سفيان الثوري ما سألت أبا حنيفة عن شيء ولقد كان يلقاني و يسألني عن أشياء." ❷

''یعنی امام سفیان نے کہا کہ میں نے امام صاحب سے کبھی کوئی چیز نہیں پوچھی، وہ البتہ مجھ سے مل کر بہت سی باتیں پوچھ لیا کرتے تھے۔'' ❸

مذکورہ بالا روایت تاریخ خطیب میں زیادہ تفصیل سے منقول ہے، آگے اس کا ذکر آرہاہے، امام ابن المبارک کی نظر میں امام سفیان ثوری کی عظمت، وقعت اور اہمیت کا اندازہ مندرجہ ذیل روایت سے بھی ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

جہمیہ وقدریہ پر امام ثوری کی ناراضگی۔

عمار بن عبدالجبار سے مروی ہے:

"قال ابن المبارك سمعت الثوري يقول الجهمية كفار والقدرية كفار فقلت لا بن المبارك فما رأيك قال رائي رأي سفيان." ❹

''یعنی ابن المبارک نے کہا کہ میں نے سفیان ثوری کو یہ کہتے سنا کہ جہمیہ وقدریہ کفار ہیں، میں نے (یعنی عمار بن عبدالجبار نے) کہا کہ آپ کی کیا رائے ہے، ابن المبارک نے کہا جو رائے سفیان کی وہی میری۔''

یہ ایک معروف بات ہے کہ جہمیہ ہی کی ایک شاخ مرجیئہ ہیں اور مرجیئہ کے خلاف امام ثوری کی سخت تنقید کا ذکر آچکا ہے، ابن المبارک بھی امام ثوری کی طرح مرجیئہ کو اہل ہوا اور مبتدعہ کہا کرتے تھے اور یہ بیان ہو چکا ہے کہ ابن المبارک نے بالصراحت امام صاحب کو مرجیئہ میں شمار کیا ہے۔

اوپر اس بات کا ذکر آچکا ہے کہ مدح امام صاحب میں امام سفیان کی طرف منسوب شدہ بعض اقوال کو نقل کرنے کے بعد مصنف انوار نے کہا کہ ''سفیان ثوری بھی تقیہ کرتے تھے کہ زندگی بھر امام صاحب کی تعریف کرتے رہے اور مرنے کے بعد نعیم خزاعی جیسے کذاب کے کہنے کے مطابق اللہ کا شکر یہ ادا کرنے لگے کہ اچھا ہوا دین کو نقصان پہنچانے والا چلا گیا۔'' اس موقع پر

❶ خطيب (٩/ ١٦٩ ترجمه سفيان ثوری)
❷ تقدمة الجرح والتعديل: (ص: ٣)
❸ نیز ملاحظہ ہو: تاريخ دمشق لأبي زرعه (١/ ٥٠٥ و ٤٦٥)
❹ حلية الأولياء (٧/ ٢٨)

مصنفِ انوار نے محدثین کے خلاف زہر افشانی میں کمال فن کا مظاہرہ کیا ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ امام ثوری تقیہ نہیں کرتے تھے بلکہ وہ حق گو امام تھے۔

مصنفِ انوار کا یہ اعتراض کہ امام ثوری واوزاعی امام صاحب پر تنقید کرتے تھے۔

یہ تفصیل گذر چکی ہے کہ مصنف انوار نے یہ انکشاف کر رکھا ہے کہ امام صاحب پر تنقید کی پاداش میں امام سفیان ثوری اور اوزاعی وغیرہ کے مذاہب ۱۳۱ھ سے پہلے مٹ کر فنا ہوگئے، بلفظ دیگر مصنف انوار معترف ہیں کہ یہ دونوں حضرات امام صاحب پر تنقید کرتے تھے، البتہ موصوف نے ایک ہی سانس میں یہ دعویٰ بھی کر رکھا ہے کہ امام صاحب پر ان دونوں کی تنقید ابتدائی زمانہ کی بات ہے بعد میں یہ لوگ مدح کرنے لگے۔[1] اس میں شک نہیں کہ کوئی بھی صحیح روایت اس مضمون کی نہیں پیش کی جاسکتی جس سے ثابت ہو کہ ان دونوں حضرات نے امام صاحب کی بابت کسی زمانہ میں ایسا کوئی کلمۂ مدح استعمال کیا ہے جو ان تنقیدوں کے معارض ومنافی ہو، جن روایات کی بنیاد پر مصنف انوار یہ کہتے ہیں کہ ''کیا سفیان ثوری بھی تقیہ کرتے تھے کہ ہمیشہ تعریفیں کرتے رہے اور انتقال کی خبر ملی تو اظہارِ خوشی کیا۔'' وہ روایت اولاً: مکذوب ہیں۔ ثانیاً: جب مصنف انوار بے دلیل یہ دعوی کر سکتے ہیں کہ امام صاحب پر امام سفیان ثوری واوزاعی وغیرہ کی تنقیدیں ابتدائی زمانہ کی بات تھی بعد میں یہ لوگ مدح کرنے لگے، تو یہ دعوی کیوں نہیں کیا جاسکتا کہ یہ لوگ امام صاحب کی تعریفیں ابتدائی زمانہ میں کرتے تھے بعد میں تنقیدیں کرنے لگے خصوصا اس صورت میں کہ روایات صحیحہ میں صراحت ہے کہ امام صاحب کی وفات کے بعد ان حضرات نے موصوف پر سخت تنقیدیں کی ہیں، حتی کہ موصوف کو آخر میں متروک بھی قرار دے دیا گیا ہے؟ ثالثاً: امام صاحب کی وفات پر امام سفیان ثوری کے تبصرہ سے متعلق جس روایت کے بارے میں مصنف انوار کا یہ دعویٰ ہے کہ ''یہ بات نعیم خزاعی نے نقل کی ہے جن کے بارے میں سب اکابر رجال لکھتے ہیں کہ وہ جھوٹی حکایات گھڑتے تھے۔'' اس کو نقل کرنے میں امام نعیم منفرد نہیں ہیں بلکہ اسے دوسرے ثقہ محدثین نے بھی نقل کر رکھا ہے، نیز یہ تفصیل گذر چکی ہے کہ مصنف انوار نے اپنے مذکورہ بالا بیان کی تکذیب کر کے صراحت کر دی ہے کہ امام نعیم ثقہ وصدوق اور حجت ہیں نیز یہ بھی واضح کیا جا چکا ہے کہ اکابر رجال نے امام نعیم کی توثیق کی ہے، صحیح بخاری مطبوعۂ مصر ۱۹۵۳ھ باب دفع السواك إلى الأكبر (۱/ ٤٢) میں امام نعیم کی حدیث موجود ہے۔[2]

اب ناظرین کرام امام نعیم کی اس روایت کے اصل الفاظ سند ومتن کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں، جسے مصنف انوار نے اجمالاً وتفصیلاً مختلف انداز میں چھیڑ رکھا ہے، یہ روایت تاریخ صغیر للبخاری اور تاریخ خطیب وغیرہ میں مندرج ہے، الفاظ میں قدرے اختلاف ہے مگر معنی ومفہوم ایک ہے، جو الفاظ ہم نقل کر رہے ہیں وہ تاریخ خطیب کے ہیں، ایک بار ہم پھر عرض کر رہے ہیں کہ مصنف انوار نے اگر مسخ حقائق کرتے ہوئے ان روایات کو غلط انداز میں چھیڑ کر محدثین کے خلاف زہر افشانی نہ کی ہوتی تو کشف حقائق کے لئے یقیناً ہم ان روایات کو زیر بحث نہ لاتے۔

---

[1] اللمحات (۱/ ۱٤۰ تا ۱۵۲)

[2] نیز ملاحظہ ہو: فتح الباری باب مذکورہ (۱/ ۳۵٦ تا ۳٦۷) وهدي الساري (۲/ ۲۱۷)

امام صاحب کے بارے میں امام سفیان ثوری واوزاعی وغیرہ کے بعض ارشادات کا تذکرہ۔

امام نعیم بن حماد خزاعی نے کہا:

"حدثنا إبراهيم بن محمد الفزاري قال كنا عند سفيان الثوري إذ جاءه نعي أبي حنيفة فقال الحمد لله الذي أراح المسلمين منه لقد كان ينقض الإسلام عروة عروة ما ولد في الإسلام مولود الشأم على أهل الإسلام منه." [1]

''یعنی ہم سے امام ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد فزاری نے کہا کہ ہم امام سفیان ثوری کے پاس موجود تھے کہ اتنے میں انہیں امام ابوحنیفہ کے مرنے کی خبر ملی تو انہوں نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مسلمانوں کو ابوحنیفہ سے نجات دے دی، یقیناً ابوحنیفہ اسلام کی ایک ایک کڑی توڑتے چلے جارہے تھے، اسلام میں ان سے زیادہ ضرر رساں کوئی بھی نہیں پیدا ہوا۔'' [2]

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ اس روایت میں تین باتیں مذکور ہیں، ایک وہ جس کو مصنف انوار نے اپنے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ ''سفیان ثوری نے امام صاحب کی وفات پر اظہار خوشی کرتے ہوئے کہا کہ اسلام کو سب سے زیادہ نقصان پہنچانے والا اچھا ہوا کہ چلا گیا۔''

دوسری یہ کہ سفیان ثوری کی نظر میں امام صاحب اسلام کی ایک ایک کڑی توڑتے ہوئے چلے جارہے تھے۔

تیسری یہ کہ سفیان ثوری کے نزدیک تاریخ اسلام میں امام صاحب سے زیادہ مسلمانوں کے حق میں ضرر رساں کوئی پیدا نہیں ہوا۔

اس روایت میں اس کی تفصیل نہیں ہے کہ امام ثوری نے امام صاحب کے کن کاموں کو اتنے سخت تنقیدی الفاظ میں یاد کیا ہے، بہت ممکن ہے کہ امام صاحب نے اپنی تحقیق کے مطابق اپنے جن کاموں کو خالص اعمال صالحہ اور بہتر دینی خدمات سمجھ کر انجام دیا ہو انہیں کو امام ثوری نے اپنے نقطۂ نظر سے بہت بُرا سمجھا ہو، بنا بریں انہوں نے امام صاحب کے اچھے سمجھے ہوئے ان کاموں کو اتنے سخت الفاظ میں یاد کیا ہو، اس لئے جب تک تفصیل نہ معلوم ہو ہمارے نزدیک یہ تنقید بالکل مبہم ومجمل ہے، البتہ تنقید کے یہ الفاظ بہت ہی سخت ہیں مگر اس میں شک نہیں کہ سیاق وسباق کے اعتبار سے یہ تنقیدی الفاظ بتلاتے ہیں کہ امام صاحب کی زندگی میں بھی امام سفیان ثوری کو اس بات کا احساس تھا کہ موصوف میں اوصافِ مذکورہ موجود ہیں۔

توثیق امام فزاری کوفی رحمہ اللہ:

امام سفیان ثوری سے روایت مذکورہ کے ناقل امام ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد بن حارث بن اسماء کوفی فزاری متوفی ۱۸۵ھ یا ۱۸۶ھ ہیں، یہ بات بیان ہوچکی ہے کہ مصنف انوار نے امام اوزاعی کو امام صاحب کا استاذ کہا ہے اور امام اوزاعی نے امام ابو اسحاق فزاری سے روایتِ حدیث کرتے ہوئے کہا:

---

[1] تاریخ صغیر للبخاری (ص: ۱۷٤) وخطیب (۱۳/ ۳۹۸)

[2] نیز ملاحظہ ہو: تاریخ فسوي (۲/ ۷۸۵، ۷۸٦)

"حدثني الصادق المصدوق أبو إسحاق الفزاري."[1]

''یعنی مجھ سے صادق ومصدوق امام فزاری نے حدیث بیان کی۔''

امام ابوحنیفہ کے استاذ امام اوزاعی کے صادق ومصدوق قرار دیے ہوئے امام فزاری کو امام ابن معین وابو حاتم ونسائی وعجلی نے ثقہ وصدوق کہا ہے۔[2] امام بخاری ومسلم نے موصوف کی روایات کو متفقہ طور پر قبول کیا ہے اور عام اہل علم نے موصوف کے فضائل ومناقب بیان کیے ہیں، یہ بات گذر چکی ہے کہ مصنف انوار اور انکے شیخ انور صحیحین کے راوی کو ثقہ وصدوق مانتے ہیں۔[3] جولوگ بسند صحیح ثابت شدہ امام صاحب کے فرمان "عامة ما أحدثكم به خطأ" (میری بیان کردہ تمام باتیں غلط و پُر خطا ہیں) کے باوجود امام صاحب کو ثقہ ومعتبر مانتے ہیں، وہ اگر امام صاحب کے استاذ امام اوزاعی کے صادق ومصدوق قرار دیے ہوئے صحیحین کے ثقہ راوی کی روایات کو معتبر نہ مانیں تو ضرور تعجب ہوگا۔

مصنف انوار کے استاذ کوثری اور ان کے ہم مزاج بعض لوگوں نے یہ دعویٰ کر رکھا ہے کہ ثقہ ہونے کے باوجود امام فزاری کثیر الخطأ تھے، لہٰذا جن روایات کی نقل میں موصوف منفرد ہوں وہ ساقط الاعتبار ہیں۔[4] حتیٰ کہ تاریخ خطیب کے حاشیہ پر کوثری کے ہم خیال محشی نے امام فزاری کو ''منکر الحدیث'' لکھ دیا۔[5]

اس لغوطرازی کی حقیقت التنکیل (۱/ ۹۱ تا ۹۸) میں واضح کر دی گئی ہے، مگر راہِ اختصار اختیار کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ کوثری نے امام فزاری کو ثقہ مانتے ہوئے کثیر الخطاء قرار دے کر کہا ہے:

"إن الواجب فيمن كان كثير الخطأ في حديثه الإعراض عن انفراداته."[6]

''یعنی کثیر الخطاء راوی جس روایت کی نقل میں منفرد ہو اس سے اعراض واجب ہے۔''

کوثری کی اس تلبیس کاری کی حقیقت واضح کرنے کے بجائے ہم یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ مندرجہ بالا عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ کوثری فزاری کی صرف اس روایت کو قابل رد سمجھتے ہیں جس کی نقل میں وہ منفرد ہوں، اگر دوسری اسانید سے ان کا تفرد ختم ہو جائے تو ان کی روایت معتبر ہوگی، اسی طرح حاشیہ تاریخ خطیب میں موصوف کو جو منکر الحدیث بتلا کر کہا گیا ہے کہ ''یہ روایات ان کے منکرات سے ہیں۔'' تو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اگر ان کی نقل میں فزاری منفرد نہ ہوں بلکہ ان کے متابع موجود ہوں تو نکارت ختم ہو کر روایات معتبر ہو جائیں گی، یہ بات ممکن نہیں کہ تاریخ خطیب پر حاشیہ لکھنے والے اور خطیب کی تردید میں تانیب لکھنے والے کوثری تاریخ خطیب میں مندرج ان روایات سے واقف نہ ہوں جو فزاری موصوف کی ان روایات کی متابع ومؤید ہیں اور جن سے فزاری کا تفرد ختم ہو جاتا ہے، اس لئے یہ مانے بغیر چارہ نہیں کہ ان لوگوں نے جان بوجھ کر مسخِ حقائق کی کوشش کر رکھی ہے، یہ بیان ہو چکا ہے کہ تاریخ خطیب پر حاشیہ لکھنے والے کوثری ہی ہیں، امام ثوری کی یہ بات فزاری کے علاوہ یوسف بن اسباط نے بھی نقل کی ہے۔[7]

---

[1] تذكرة الحفاظ (۱/ ۲۴۸)
[2] تهذيب التهذيب (۱/ ۱۵۱، ۱۵۲) وتذكرة الحفاظ (۱/ ۲۴۸، ۲۵۰)
[3] اللمحات (/ ۲۳ تا ۲۸ و ۵۹، ۶۰)
[4] تأنيب الخطيب (ص: ۴۰ و ۷۰، ۷۱ و۷۷ وغیرہ)
[5] حاشیہ تاریخ خطیب (۱۳/ ۳۸۷)
[6] تانیب (ص: ۴۰)
[7] حلية الأولياء (۷/ ۱۶)

امام فزاری کی روایت کے متابع وشواہد:

امام فزاری ویوسف بن اسباط کے علاوہ امام ثوری سے روایت مذکورہ کو قدرے اختصار کے ساتھ امام ابو عاصم ضحاک بن مخلد النبیل نے مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے:

"سمعت سفيان الثوري بمكة وقيل له مات أبو حنيفة فقال الحمد لله الذي عافانا مما ابتلى به كثيرا من الناس وفي لفظ ذكر عند سفيان موت أبي حنيفة فما سمعته يقول رحمه الله ولا شيئا قال الحمد لله الذي عافانا مما ابتلاه به." ❶

"یعنی امام سفیان ثوری کو موتِ امام صاحب کی خبر ہوئی تو انہوں نے نہ "رحمہ اللہ" کہا نہ اس طرح کی کوئی اور بات کہی بلکہ اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا کہ الحمدللہ الذي.. الخ"

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ عاصم کی بیان کردہ یہ روایت امام فزاری کی روایت کے ہم معنی ہے فرق صرف اختصار وتفصیل کا ہے ابوعاصم ضحاک بن مخلد کو مصنف انوار نے امام صاحب کی چہل رکنی مجلس تدوین کا رکن بتلایا ہے۔❷ حالانکہ موصوف ابو عاصم ۱۲۲ھ میں پیدا ہوئے اور بدعویٰ مصنف انوار مجلس تدوین امام صاحب نے ۱۲۰ھ میں قائم کی اور جس وقت امام صاحب نے یہ مجلس قائم کی اسی وقت انہوں نے اس کے چالیس اراکین منتخب کر لئے تھے، جن میں ابوعاصم بھی تھے، یعنی مصنف انوار کے بیان کے مطابق موصوف ضحاک اپنی ولادت سے دو سال پہلے ہی فقیہ ومحدث بن کر مجلس تدوین کے رکن منتخب ہوگئے تھے، اس سے قطع نظر جب مصنف انوار نے ابو عاصم کو مجلس تدوین کا رکن قرار دیا ہے تو اس کا لازمی مطلب ہے کہ انہیں موصوف ثقہ وحجت مانتے ہیں، ویسے عام علمائے جرح وتعدیل نے موصوف ابو عاصم کی توثیق وتعدیل کی ہے اور بخاری ومسلم نے متفقہ طور پر صحیحین میں ان کی روایات قبول کی ہیں۔❸

صاف ظاہر ہے کہ ضحاک نے معنوی طور پر امام فزاری کی متابعت کر رکھی ہے، اس لئے فزاری کا تفرد ختم ہے، ضحاک سے اس روایت کے ناقل دو ثقہ امام مسدد بن مسرہد اور ابو قلابہ عبدالملک بن محمد بن عبداللہ رقاشی مولود ۱۹۰ھ ومتوفی ۲۷۶ھ ہیں اور یہ دونوں کے دونوں حضرات ثقہ وصدوق ہیں اور ضحاک سے اس روایت کی نقل میں ایک دوسرے کی متابعت بھی کر رہے ہیں، ان دونوں حضرات یعنی مسدد والرقاشی سے اس روایت کے ناقل امام ابو العباس محمد بن یعقوب الاصم ہیں، البتہ مسدد والی روایت کے نقل ہیں اصم اور مسدد کے مابین محمد بن علی الوراق ہیں اور الرقاشی والی روایت کو براہ راست اصم نے نقل کی ہے، اور محمد بن علی وراق بن عبداللہ بن مہران ابوجعفر المعروف بحمدان متوفی ۲۷۲ھ ثقہ وفاضل وعارف وحافظ ومتقن ہیں۔❹ اور ان دونوں یعنی محمد بن علی وراق ورقاشی سے اس روایت کے ناقل امام ابو العباس محمد بن یعقوب الاصم مولود ۲۴۷ھ ومتوفی ۳۴۴ھ ثقہ راوی ومورخ ومحدث اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔❺ اور ابو العباس الاصم سے اس روایت کے ناقل دو حضرات ابوسعید محمد

---

❶ خطیب (۱۳/ ۴۲۳) ❷ مقدمہ انوار (۱/ ۲۱۱)

❸ تہذیب التهذیب وغیرہ۔ ❹ خطیب (۳/ ۶۱، ۶۲)

❺ تذکرة الحفاظ (۳/ ۷۳ تا ۷۵) وانساب سمعاني (۱/ ۲۹۰، ۲۹۳) ولباب (۱/ ۵۶) والمنتظم (۶/ ۳۸۶) ومعجم المصنفين وغیرہ۔

بن موسیٰ الصیرفی اور قاضی ابو بکر احمد بن الحسن الحراشی الحیری ہیں، یہ دونوں کے دونوں بلند پایہ محدث وثقہ ہیں۔ ابو سعید محمد بن موسیٰ صیرفی کی توثیق العبر للذہبی (۳/۱۴۴) وغیرہ میں مذکور ہے اور قاضی ابو بکر احمد بن الحسن کی توثیق العبر (۳/ ۱۴۱، ۱۴۲) وغیرہ میں، اور ان دونوں حضرات سے یہ روایت خطیب نے نقل کی ہے، حاصل یہ کہ روایتِ مذکورہ صحیح ہے اور اس سے امام فزاری کا تفرد دور ہو جاتا ہے، صرف یہی ایک روایت امام فزاری کے تفرد کو دور کرنے کے لئے کافی ہے، یہ بیان ہو چکا ہے کہ ضحاک نے امام صاحب کو متروک قرار دیا ہے۔

زیر بحث روایت کی نقل میں امام فزاری کی تیسری تا پانچویں متابعت۔

مندرجہ بالا روایت کو خطیب نے حافظ عبدالصمد بن حسان سے اس طرح نقل کیا ہے:

"لما مات أبو حنيفة قال لي سفيان الثوري اذهب إلى إبراهيم بن طهمان فبشره أن فتّان هذه الأمة قد مات ... الخ."[1]

"یعنی امام ابو حنیفہ کا انتقال ہوا تو سفیان ثوری نے مجھ سے کہا کہ جا کر ابراہیم بن طہمان کو خوشخبری دے دو کہ اس امت کے "فتّان" کا انتقال ہو گیا۔"

اس روایت کے ناقل امام عبدالصمد بن حسان مروزی متوفی ۲۱۱ھ صدوق وثقہ ہیں۔[2] مگر اس کی سند میں احمد بن محمد بن یاسین الحداد ہروی مورخِ ہرات متوفی ۳۳۴ھ غیر ثقہ راوی ہیں۔[3] ان سے اس روایت کے ناقل الحسین بن احمد الہروی الصغار بھی مجروح ہیں۔[4] لیکن بہر حال اس سے مذکورہ بالا روایات کی تائید ہوتی ہے اور سفیان ثوری سے یہ روایت امام یوسف بن اسباط نے بھی نقل کر رکھی ہے۔[5] یوسف کا تعارف کرایا جا چکا ہے، اس سے بھی فزاری کی تائید وتقویت ہوتی ہے، نیز اس مفہوم ومعنی کی روایت سفیان ثوری سے امام ثعلبہ بن سہیل تمیمی طہوی نے بھی نقل کر رکھی ہے۔[6] مگر اس میں امام صاحب کی موت کا ذکر نہیں ہے، باقی مضمون امام فزاری کی روایت کے ہم معنی ہے۔

اسی طرح بلا ذکر موت معنوی طور پر یہ روایت نعیم بن حماد نے بھی نقل کی ہے۔[7] یعنی نعیم نے اسے امام فزاری کے واسطہ سے بھی نقل کیا ہے اور براہ راست خود سفیان سے بھی نقل کیا ہے اور ایسا عام طور سے ہوا کرتا ہے کہ ایک آدمی ایک راوی کی نقل کردہ روایت دوسروں سے سننے کے بعد خود بھی براہ راست سنتا ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام ثوری نے امام صاحب کے بارے میں اس خیال کا اظہار صرف امام صاحب کی موت کی خبر ہی پر نہیں کیا تھا بلکہ وقتاً فوقتاً وہ اس کا اظہار کیا کرتے تھے۔

الغرض امام ابو اسحاق فزاری کے متابع لوگوں میں امام نعیم بھی ہیں، اس کا حاصل یہ ہے کہ امام سفیان سے روایت مذکورہ کی نقل میں امام فزاری کے پانچ متابع ہیں، امام ابو عاصم ضحاک بن مخلد وامام عبدالصمد بن حسان مروزی متوفی ۲۱۱ھ وامام ثعلبہ

---

❶ خطیب (۱۳/ ۴۲۳) ❷ لسان الميزان (۴/ ۲۰)
❸ تذكرة الحفاظ (۳/ ۹۳، ۹۴) ولسان الميزان وغیرہ۔
❹ خطیب ولسان الميزان وغیرہ۔ ❺ حلية الأولياء (۷/ ۱۶)
❻ خطیب (۱۳/ ۳۹۸) ❼ خطیب (۱۳/ ۳۹۶، ۳۹۷)

بن سہیل تمیمی اور امام نعیم بن حماد خزاعی اور امام یوسف بن اسباط انطاکی۔ تلاش وجستجو سے زیادہ متابع بھی مل سکتے ہیں مگر ہم اسی پر اکتفاء کررہے ہیں، جب امام سفیان ثوری سے یہ روایت چھ اشخاص نے نقل کررکھی ہے تو اسے یہ کہہ کر کسی طرح بھی رد نہیں کیا جاسکتا کہ اسے نقل کرنے میں امام فزاری منفرد ہیں۔

روایت فزاری کی چھٹی اور ساتویں متابعات:

علاوہ ازیں امام فزاری سے یہ روایت معنوی طور پر امام ابوتوبہ ربیع بن نافع نے بایں الفاظ نقل کی ہے:

”حدثنا الفزاري قال سمعت الأوزاعي وسفيان الثوري يقولان ما ولد في الإسلام مولود أشأم عليهم.“[1]

امام فزاری سے روایت مذکورہ کے ناقل امام ابوتوبہ عظیم المرتبت ثقہ امام ہیں، ان کی روایات صحاح ستہ میں موجود ہیں۔[2] اور ابوتوبہ سے یہ روایت امام محمد بن اسماعیل ابو اسماعیل ترمذی بھی ثقہ ہیں۔[3] اور ابو اسماعیل ترمذی سے یہ روایت خطیب نے متعدد قوی سندوں سے نقل کی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ نعیم کی متابعت ابوتوبہ نے کررکھی ہے نیز ابوتوبہ کے علاوہ یہ روایت معنوی طور پر مسلم بن ابی مسلم جرجی متوفی ۲۴۰ھ سے بھی مروی ہے جو ثقہ ہیں۔[4] مگر اس کی سند میں علی بن محمد بن سعید موصلی غیر ثقہ ہے۔[5] لیکن بہر حال اس روایت ابوتوبہ ونعیم والی روایت کی تائید ہوتی ہے نیز اس کی معنوی متابعت دوسری متعدد روایات سے بھی ہوتی ہے۔ (کمالا یخفٰی)

واضح رہے کہ امام صاحب کی ذات پر مذکورہ بالا تبصرہ کرنے میں امام ثوری منفرد نہیں ہیں بلکہ اس طرح کی بات امام اوزاعی اور بعض دیگر اہل علم نے بھی کہہ رکھی ہے۔

روایت فزاری کی آٹھویں متابعت:

امام ابوزرعہ دمشقی نے کہا:

”قال محمد بن أبي عمر قال سفيان ما ولد في الإسلام مولود أضر على الإسلام من أبي حنيفة.“[6]

”یعنی محمد بن ابی عمر نے کہا کہ امام سفیان ثوری نے فرمایا کہ اسلام میں امام صاحب سے زیادہ ضرر رساں کوئی نہیں پیدا ہوا۔“

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ روایت مذکورہ کی سند میں امام سفیان اور ابوزرعہ کے درمیان صرف ایک راوی محمد بن ابی عمر عدنی متوفی ۲۴۳ھ کا واسطہ ہے اور یہ ثقہ راوی ہیں۔[7]

---

[1] خطیب (۱۳/ ۳۹۸)
[2] تہذیب التہذیب (۲/ ۲۵۱، ۲۵۲)
[3] تہذیب التہذیب (۹/ ۶۲) و التنکیل۔
[4] خطیب (۱۳/ ۱۰۰ وغیرہ)
[5] لسان المیزان۔
[6] تاریخ دمشق لأبي زرعة (۱/ ۵۰۷)
[7] تہذیب والتہذیب اور عام کتب رجال۔

امام صاحب سے سفیان ثوری کا ترکِ تعلق:

مندرجہ بالا تفصیل میں امام صاحب پر امام سفیان ثوری اور دوسرے اہل علم کے سخت اندازِ تنقید کو دیکھتے ہوئے یہ بات بہت مستبعد اور بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے ان الفاظ میں امام صاحب کی مدح سرائی کی ہوگی جو مصنف انوار کی مستدل روایات میں مذکور ہیں، بلکہ ان حضرات کے اندازِ تنقید کو دیکھتے ہوئے یہ بات بھی مستبعد معلوم ہوتی ہے کہ یہ لوگ امام صاحب سے علمی استفادہ کے لئے کسی قسم کا ربط وتعلق رکھتے ہوں گے، چنانچہ امام سفیان ثوری کے خصوصی تلامذہ میں سے امام محمد بن یوسف بن واقد فریابی مولود ۱۲۰ھ ومتوفی ۲۱۲ھ نے فرمایا ہے:

"سمعت الثوري ينهٰى عن مجالسة أبي حنيفة وأصحاب الرأي." [1]

"یعنی امام ثوری امام صاحب اور اصحاب الرای کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے منع کرتے تھے۔"

امام ثوری سے اس روایت کے ناقل امام محمد بن یوسف فریابی امام ثوری کے مخصوص تلامذہ میں سے ہیں، ان کی ثقاہت وعدالت متفق علیہ ہے، امام بخاری ومسلم نے متفقہ طور پر ان کی روایات قبول کی ہیں۔ [2] امام فریابی سے اس روایت کے ناقل امام احمد بن الحسن بن حنید ب ابوالحسن الترمذی بھی ثقہ وصدوق اور علوم رجال وعلل کے ماہر ہیں۔ [3] اور ترمذی موصوف سے اس روایت کے ناقل امام محمد بن عبداللہ بن سلیمان الحضرمی مطین متوفی ۲۹۷ھ بھی بلند پایہ ثقہ وصدوق امام ہیں۔ [4] اور امام مطین سے اس روایت کے ناقل امام جعفر بن محمد بن نصیر ابومحمد خلدی خواص مولود ۲۵۲ھ یا ۲۵۳ھ ومتوفی ۳۴۸ھ ثقہ وصدوق، عابد و زاہد اور صوفی ہیں۔ [5] اور خلدی سے اس روایت کے ناقل امام محمد بن احمد بن رزق ابوالحسن البزار المعروف بابن رزقویہ المولود ۳۲۵ھ ومتوفی ۴۱۲ھ ثقہ ہیں، یہ امام خطیب کے استاذ بھی ہیں۔ [6] اور ابن رزقویہ موصوف سے یہ روایت امام خطیب نے نقل کی ہے، یعنی اس روایت کے سبھی رواۃ ثقہ وصدوق اور حجت ہیں اور یہ روایت صحیح ومعتبر ہے، اس معنی کی دوسری متعدد روایات امام سفیان ثوری اور دوسرے اہل علم سے مروی ہیں مگر ہم زیادہ تفصیل میں نہیں پڑنا چاہتے۔

امام سفیان ثوری سے امام صاحب کا علمی استفادہ اور امام صاحب سے ثوری کا احتراز۔

البتہ امام فریابی ہی سے مذکورہ بالا معنی ومفہوم کی ایک روایت دوسری سند سے مندرجہ ذیل اضافہ کے ساتھ بھی منقول ہے:

"كان سفيان ينهٰى عن النظر في رأي أبي حنيفة وسئل هل روي سفيان الثورى عن أبي الثوري عن أبي حنيفة شيئا قال معاذ الله سمعت سفيان الثوري يقول ربما استقبلني أبو حنيفة يسألني عن مسألة فأجيبه وأنا كاره وما سألته عن شيء قط." [7]

"یعنی امام ثوری رائے ابی حنیفہ میں نظر کرنے سے روکتے تھے، امام فریابی سے پوچھا گیا کہ کیا امام ثوری نے امام

---

[1] خطيب (١٣/ ٤٠٤)
[2] تهذهب التهذيب (٩/ ٥٣٥تا ٥٣٧) وتذكرة الحفاظ۔
[3] تهذيب التهذيب وتذكرة الحفاظ۔
[4] تذكرة الحفاظ (٢/ ٢٣٤) ولسان الميزان والتنكيل۔
[5] خطيب (٧/ ٢٢٦تا ٢٣١)
[6] خطيب (١/ ٣٥١، ٣٥٢)
[7] خطيب (١٣/ ٤٠٤) و تقدمة الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (ص: ٣)

صاحب سے کوئی چیز روایت کی ہے تو فرمایا کہ پناہ بخدا میں نے امام ثوری کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے امام صاحب سے کبھی کوئی علمی بات نہیں پوچھی، البتہ وہ بسااوقات مجھ سے علمی باتیں پوچھتے اور میں ناپسندیدگی کے با وجود انہیں جواب دیتا تھا۔''

اس روایت سے ایک طرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام ثوری امام صاحب کی فقہ کے مطالعہ سے لوگوں کو باز رکھتے تھے اور دوسری طرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے امام صاحب سے کبھی کوئی روایت کرنی یا علمی بات پوچھنی پسند نہیں کی، البتہ امام صاحب ان سے علمی معلومات حاصل کرنے کے لیے سوالات کرتے رہتے تھے اور امام ثوری امام صاحب کے سوالات کے جوابات دے دیتے تھے۔ اس روایت کی بنیاد پر امام ابن ابی حاتم نے کہا ہے کہ ''امام صاحب نے علمی معلومات حاصل کرنے کیلئے امام ثوری کو اپنا امام بنا رکھا تھا۔''[1] اس روایت کا کم از کم اتنا مفاد ضرور ہے کہ علمی معلومات حاصل کرنے کیلئے امام صاحب امام سفیان ثوری کی طرف مراجعت کرتے تھے جبکہ امام سفیان ثوری ایسا نہیں کرتے تھے۔

امام صاحب کے متعلق ابن المبارک کے بعض اقوال کا تذکرہ:

امام ابو داود بن اشعث صاحب السنن نے امام ابن المبارک کا یہ قول نقل کیا ہے:

''وما كنا نأتيه الا خفيا من سفيان الثوري.''[2]

''یعنی ہم لوگ امام صاحب کے پاس امام سفیان ثوری سے خفیہ طور پر آتے جاتے تھے۔''

مذکورہ بالا روایت پر مفصل گفتگو ہو چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ امام سفیان ثوری امام صاحب کو متروک قرار دیے ہوئے تھے۔

امام سفیان ثوری کی تجریحِ امام صاحب:

مندرجہ بالا تفصیل کی روشنی میں یہ بات نہایت مستبعد معلوم ہوتی ہے کہ امام سفیان ثوری نے امام صاحب کی توثیق کی ہوگی۔

بروایت ابن مہدی واحمد بن زہیر امام ثوری نے امام صاحب کی تجریح کی:

مصنف انوار کے ممدوح امام ابن عبدالبر نے امام احمد بن زہیر سے نقل کیا:

''نا أحمد بن حنبل قال قال عبد الرحمن بن مهدي سألت سفيان عن حديث عاصم في المرتده فقال إما من ثقة فلا قال ابن أبي خيثمة (وهو أحمد بن زهير) وكان أبو حنيفة يروي حديث المرتده عن عاصم الأحول قال أحمد بن زهير كان أبي يقرء علينا في أصل كتابه حديث أهل الكوفة فإذا مرّ بالأحاديث عن أبي حنيفة لم يقرها علينا.''[3]

''یعنی امام احمد بن حنبل نے کہا کہ امام عبدالرحمٰن بن مہدی نے کہا کہ میں نے سفیان ثوری سے مرتدہ کے بارے

---

[1] تقدمة الجرح والتعديل (ص: ٣) [2] خطيب (١٣/ ٤٠٤)
[3] الانتقاء (ص: ١٤٨)

میں عاصم سے مروی شدہ روایت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ روایت عاصم سے ثقہ راوی نے نہیں نقل کی ہے، ابن خیثمہ کہتے ہیں کہ عاصم سے یہ روایت امام ابوحنیفہ نے نقل کی ہے، امام احمد بن ابی خیثمہ نے کہا کہ میرے باپ ابوخیثمہ زہیر بن حرب اپنی اصل کتاب ہم کو پڑھا رہے تھے، جب وہ احادیثِ ابی حنیفہ سے گزرتے تو اسے نہیں پڑھتے یعنی ترک کردیتے تھے۔''

اس روایت صحیحہ سے صاف ظاہر ہے کہ سفیان ثوری نے امام صاحب کو غیر ثقہ قرار دیا ہے۔

مجلس مناظرہ میں علمائے احناف اور محدثین کا متفقہ فیصلہ کہ امام صاحب غیر ثقہ ہیں:

تاریخ خطیب (۱۳/ ۴۱۷) میں دوسری سند سے بھی مذکورہ بالا روایت مروی ہے، نیز سنن بیہقی وسنن دارقطنی وتمہید لابن عبدالبر وغیرہ میں مختلف اسانید وطرق سے منقول ہے۔

امام شافعی کا ارشاد ہے:

"وكلمني بعض من يذهب هذا المذهب و بحضرتنا جماعة من أهل العلم بالحديث فسألناهم عن هذا الحديث فما علمت واحدا منهم سكت عن أن قال هذا خطأ والذي روى هذا ليس ممن يثبت أهل العلم حديثه." [1]

''یعنی امام صاحب کی نقل کردہ روایت مذکورہ کے مطابق جو لوگ عمل پیرا ہیں، ان میں سے بعض نے مجھ سے اس موضوع پر علم حدیث سے واقفیت رکھنے والے علماء کی ایک جماعت کی موجودگی میں مناظرہ کیا تو انہوں نے اسی روایت سے استدلال کیا، ہم نے تمام موجود علماء سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو سب نے متفق اللسان ہو کر کہا کہ یہ حدیث غلط ہے، جس نے اسے روایت کر رکھی ہے اس کو اہل علم ثقہ نہیں مانتے۔''

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہے کہ صرف امام سفیان ثوری ہی نہیں بلکہ علم اہل علم نے امام صاحب کو غیر ثقہ کہا ہے اور کیوں ایسا نہ ہو جبکہ امام صاحب نے خود ہی فرما دیا ہے کہ: "عامة ما أحدثكم به خطأ" اور "لا تروعني شيئا." امام شافعی رحمہ اللہ کے مندرجہ بالا بیان سے یہ بھی واضح ہے کہ محفلِ مناظرہ میں طرفین کے اہل علم نے امام صاحب کا غیر ثقہ ہونا تسلیم کر لیا تھا، اس سلسلے میں تفصیل مزید التنکیل (۱/ ۴۲۵، ۴۲۶، ترجمہ امام شافعی) میں ہے۔

یہ بات ثابت ہو جانے کے بعد کہ امام سفیان ثوری نے امام صاحب کو غیر ثقہ کہا ہے، ان ساری روایات کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں رہ جاتی جو اسی مفہوم ومعنی میں بہت کثرت کے ساتھ امام سفیان ثوری سے منقول ہیں، جن پر مصنف انوار کے ہم مزاج لوگوں نے مشقِ سخن کیا ہے مگر اشارۃً ان کو ذکر کر دیا جاتا ہے۔

بروایت مؤمل عدوی امام ثوری نے امام صاحب کی تجریح کی۔

امام سفیان ثوری کے شاگرد مؤمل بن اسماعیل عدوی ابوعبدالرحمٰن متوفی ۲۰۵/ ۲۰۶ھ سے مروی ہے:

"ذكروا أبا حنيفة عند سفيان الثوري فقال غير ثقة ولا مأمون مرتين أو ثلاثا." [2]

---

[1] كتاب الأم للشافعي (٦/ ١٦٠)
[2] خطیب (١٣/ ٤١٧)

''یعنی امام سفیان ثوری کے پاس ذکرِ ابی حنیفہ آیا تو امام ثوری نے انہیں مسلسل دوتین مرتبہ غیر ثقہ وغیر مامون کہا۔''[1]

اہل علم کے نزدیک اس کلمہ کو دوتین مرتبہ دہرانا بہت سخت جرحوں میں سے ہے۔[2]

مؤمل پر مصنف انوار کی تجریح اور اس کی تکذیب

امام سفیان ثوری سے اس بات کے ناقل مؤمل کو مصنف انوار نے اگر چہ خود ساختہ طور پر کذاب کہا ہے۔[3] مگر کسی بھی امام مؤمل سے اس طرح کی بات نہیں منقول ہے، بلکہ مصنف انوار نے ابن معین وابو حاتم کو ائمہ جرح وتعدیل میں شمار کیا ہے اور ابن معین نے موصوف مؤمل کو ثقہ کہا اور ابو حاتم نے صدوق کہا، امام ابو داود نے بھی موصوف کی عظمت و رفعت کا اعتراف کیا، یعقوب بن سفیان نے ''شيخ جليل سني'' کہا، سلیمان بن حرب نے بھی ان کی مدح کی، ابن سعد، دارقطنی، اسحٰق بن راہویہ نے بھی توثیق کی، زکریا ساجی نے صدوق اور ابن قانع حنفی نے صالح کہا اور امام احمد بن حنبل نے موصوف سے روایت کی جو عام طور سے ثقہ ہی سے روایت کرتے ہیں، البتہ ایک سے زائد اہل علم نے موصوف کو کثیر الخطا وسئی الخطا کہا ہے، اس لئے صرف متابع کی صورت میں ان کی روایت حجت ہوگی۔[4] اور اس روایت میں موصوف کی معنوی متابعت اس کے پہلے نقل شدہ روایت کے مطابق عبدالرحمٰن بن مہدی اور بہت سارے اہل علم نے کر رکھی ہے، اور بعض دوسرے متابع کا ذکر آگے آرہا ہے۔

مؤمل سے یہ روایت محمود بن غیلان اور امام احمد بن حنبل نے نقل کی ہے، ان دونوں حضرات کی ثقاہت محتاجِ وضاحت نہیں، محمود سے یہ روایت ہیثم بن خلف بن محمد ابو محمد دوری بغدادی متوفی ۳۰۷ھ نے نقل کی جن کو امام اسماعیلی نے ''أحد الأثبات'' اور ابو عمرو بن کامل نے ''كثير الحديث جدا ضابطاً'' کہا۔[5] اور ہیثم سے یہ

روایت عثمان بن احمد بن سمعان رزاز متوفی ۳٦۷ھ نے نقل کی جن کی بابت ارشاد ابن ابی الفوارس ہے کہ ''كان ثقة ستيرا كثير الكتب جميل المذهب والأثر''[6] اور عثمان سے یہ روایت خطیب کے استاذ محمد بن عمر بن بکر المقرئی ابو بکر النجار مولود ۲۴٦ھ ومتوفی ۳۳۲ھ نے نقل کی، موصوف بھی بقول خطیب ''شيخ مستور ثقة من أهل القرآن'' تھے۔[7] اور ابو بکر نجار سے یہ روایت خطیب نے نقل کی، یعنی صرف یہی سند مؤمل تک صحیح ہے اور مؤمل سے یہ روایت امام احمد والی دوسری سند سے بھی مروی ہے جو اس کی متابع ہے۔

روایت مؤمل کے دو متابع کا تذکرہ:

اور امام سفیان ثوری کی یہ بات مؤمل کے علاوہ امام اشجعی ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن عبیدالرحمٰن کوفی متوفی ۱۸۲ھ نے نقل کی جو سفیان کے خصوصی شاگرد وجانشین تھے، موصوف ثقہ وصدوق اور حجت ہیں۔[8] اور اشجعی سے ابراہیم بن ابی اللیث نے نقل کی

---

1. نیز ملاحظہ ہو: تاريخ دمشق لأبي زرعه (۱/ ۵۰۷) تاریخ فسوي (۱۲/ ۷۸۳)
2. عام کتب مصطلح حدیث۔
3. مقدمه انوار (۲/ ۲۳)
4. مستفاد من تهذيب التهذيب (۱۰/ ۳۸۱، ۳۸۲) و میزان الاعتدال والتنکیل۔
5. لسان الميزان (٦/ ۲۰٦)
6. خطیب (۱۱/ ۳۰٦، ۳۰۷)
7. خطیب (۳/ ۳۹)
8. تذكرة الحفاظ (۱/ ۲۸٤)

ہے جومختلف فیہ ہیں۔ [1] مگر متابع کی حیثیت سے قابل قبول ہیں اور ان تک پہنچنے والی سندقوی ہے، حاصل یہ کہ اس روایت کی متابعت موجود ہے، اس کی معنوی متابعت محمد بن کثیر عبدی نے بایں الفاظ کی ہے:

''أبو حنيفة غير ملي.'' [2]

یعنی امام صاحب غیر ثقہ ہیں اور محمد بن کثیر عبدی صحیحین کے راوی ہیں، یہی بات ان کے ثقہ ہونے کے لئے کافی ہے، حاصل یہ کہ مؤمل کے کم سے کم دو متابع ہیں، لہٰذا یہ روایت اپنے متابع کے ساتھ صحیح ہے، سفیان سے بحوالۂ خیرات الحسان امام صاحب کی جو توثیق مصنف انوار نے نقل کر رکھی ہے۔ [3] وہ بے سند ہونے کے ساتھ روایاتِ صحیحہ کے معارض ہے۔

مصنف انوار کی ایک گل افشانی:

لطف کی بات یہ ہے کہ ایک طرف مصنف انوار لکھتے ہیں:

''کیا سفیان ثوری بھی تقیہ کرتے تھے کہ ہمیشہ امام صاحب کی تعریفیں کرتے رہے اور انتقال کی خبر پہنچی تو بروایت نعیم امام صاحب کی وفات پر اظہار خوشی کی إلٰی أن قال، کچھ ٹھکانہ ہے اس جھوٹ کا اور اس کے پر لگانے والے امام بخاری ہیں الخ۔'' [4]

نیز موصوف دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''افسوس ہے کہ امام بخاری نے انہیں نعیم سے بھی ایک غلط روایت اپنی تاریخ صغیر میں نقل کر دی ہے، جو امام اعظم کے بارے میں حضرت سفیان کی طرف منسوب کی گئی ہے الخ۔'' [5]

مصنف انوار کے دونوں بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہی سمجھا ہے کہ امام بخاری کی تاریخ صغیر میں امام نعیم سے امام صاحب کے بارے میں جس سفیان کا زیر بحث قول منقول ہے وہ سفیان ثوری ہیں، اور اس بات کی صراحت بھی اس روایت کے اندر موجود ہے کہ یہ سفیان، سفیان ثوری ہی ہیں۔ مگر مصنف انوار نے آگے چل کر گل افشانی کرتے ہوئے کہا:

''تیسری روایت سفیان (شاید سفیان ثوری ہے) سے بطریق نعیم تاریخ صغیر میں نقل کی ہے....الخ'' [6]

اپنے اس بیان میں مصنف انوار نے اظہارِ شک کیا ہے کہ سفیان سے مراد شاید سفیان ثوری ہیں، یعنی ایک جگہ موصوف نے قطعیت کے ساتھ موصوف کو ثوری کہا مگر دوسری جگہ اظہار شک کیا حالانکہ روایتوں میں صراحت ہے کہ موصوف سفیان ثوری ہیں۔ پھر مصنف انوار اس سے زیادہ گل افشانی کرتے ہوئے اپنی مندرجہ بالا بات کو پورا کئے بغیر فرماتے ہیں:

''پھر سفیان بن عیینہ کی طرف اس روایت کی نسبت یوں بھی خلاف درایت ہے، روایت یہ ہے کہ نعیم مذکور نے فزاری سے سنا کہ میں سفیان کے پاس تھا کہ اتنے میں نعمان کی خبر وفات آئی إلٰی أن قال، امام صاحب کے

---

[1] التنكيل (١/ ٩٠، ٩١)

[2] خطيب (١٣/ ٤١٧، ٤١٨) و الجرح والتعديل لابن أبي حاتم ترجمه نعمان۔

[3] مقدمه انوار (١/ ٦٣)

[4] مقدمه انوار (١/ ٦١)

[5] مقدمه انوار (ص: ١٥٨)

[6] مقدمه انوار (٢/ ٢٣)

تذکرہ میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ سفیان بن عیینہ امام اعظم کے تلمیذ رشید ہیں ان سے حدیث کی روایت بھی کرتے ہیں، اگر چہ خطیب نے ایک روایت ایسی بھی اپنی معتبر ومشہور تاریخ میں نقل کردی ہے کہ سفیان بن عیینہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو امام ابوحنیفہ سے بھی کوئی روایت یاد ہے تو فرمایا کہ نہیں ایک بھی نہیں جس کی سند میں کدیمی ومؤمل جیسے کذاب ہیں...الخ۔"[1]

مصنف انوار کے اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ وہ زیر بحث روایت میں مذکورسفیان کو سفیان بن عیینہ سمجھے ہوئے ہیں۔ اس سے ناظرین کرام سمجھ سکتے ہیں کہ مصنف انوار کتنے سمجھ دار واقع ہوئے ہیں؟

امام صاحب پر امام سفیان بن عیینہ کا تبصرہ:

بات دراصل یہ ہے کہ امام صاحب کے بارے میں زیر بحث بات سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ دونوں نے کہی ہے بلکہ ان کے علاوہ دوسرے افراد نے بھی کہی ہے، سفیان بن سعید ثوری والی روایت پر مفصل بحث ہو چکی ہے، اور امام سفیان بن عیینہ سے یہ روایت مصنف انوار کے ممدوح امام ابن عبدالبر نے اس طرح نقل کی ہے۔

"فمن طعن عليه وجرحه أبو عبد الله محمد بن إسماعيل البخاري فقال في كتابه الضعفاء والمتروكين أبو حنيفة النعمان بن ثابت الكوفي قال نعيم بن حماد حدثنا يحيىٰ بن سعيد ومعاذ بن معاذ سمعا سفيان الثوري يقول قيل استيب أبو حنيفة من الكفر مرتين وقال نعيم عن الفزاري كنت عند سفيان بن عيينة فجاء نعي أبي حنيفة فقال لعنه الله كان يهدم الإسلام عروة عروة وما ولد في الإسلام مولود أشر منه، هذا ما ذكره البخاري."[2]

"یعنی امام صاحب پر طعن وجرح کرنے والوں میں امام بخاری بھی ہیں، جنہوں نے اپنی کتاب الضعفاء والمتروکین میں سفیان ثوری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امام صاحب کفر سے دومرتبہ توبہ کرائے گئے، اور نعیم نے فزاری سے نقل کیا کہ میں سفیان بن عیینہ کے پاس تھا کہ خبر وفات ابی حنیفہ آئی تو سفیان بن عیینہ نے کہا: لعنه الله.. الخ۔"

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ امام ابن عبدالبر نے امام بخاری کی کتاب الضعفاء والمتروکین سے امام صاحب کے بارے میں دوافراد سے دو باتیں نقل کی ہیں، ایک سفیان ثوری سے کہ امام صاحب سے دومرتبہ توبہ کرائی گئی، اس بات کی نقل میں امام ثوری منفرد نہیں بلکہ یہ بات متعدد افراد سے منقول ہے (کمامر) دوسرے سفیان بن عیینہ سے کہ انہوں نے امام صاحب کی خبرِ مرگ پر اپنا تبصرۂ مذکورہ کیا۔

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ امام صاحب کی خبرِ مرگ پر اسی معنی کا تبصرہ سفیان ثوری سے بھی منقول ہے مگر وہ امام بخاری کی تاریخ صغیر میں ہے، اور سفیان بن عیینہ کا تبصرہ بقول ابن عبدالبر امام بخاری کی کتاب الضعفاء والمتروکین میں ہے، نیز تاریخ دمشق لابی زرعہ (۱/ ۵۰۷) وتاریخ فسوی (۲/۷۸۳) میں بھی ابن عیینہ سے روایت مذکورہ مروی ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ فزاری دونوں اماموں کے پاس ان محفلوں میں موجود تھے جن میں ان دونوں حضرات نے امام

---

[1] مقدمہ انوار (۲/ ۲۳) [2] الانتقاء (ص: ۱۴۹، ۱۵۰)

صاحب کی خبرِ مرگ پر تبصرہ کیا، معلوم ہوتا ہے کہ ایک امام کو جس وقت امام صاحب کی خبر ملی اس کے کچھ وقفہ کے بعد دوسرے کو یہ خبر ملی اور دونوں کے تبصروں میں یہ توارد ہوگیا، مصنف انوار اختلاط کا شکار ہو کر ایک ہی روایت کو کبھی بالجزم سفیان ثوری کی طرف منسوب کرتے ہیں کبھی مشکوک طور پر اور کبھی اسے سفیان بن عیینہ کی طرف تخلیط کے ساتھ۔ مگر اصل حقیقت ہم نے ظاہر کردی کہ دونوں اماموں سے الگ الگ یہ بات منقول ہے۔

مصنف انوار نے تخلیط کا شکار ہو کر جو یہ کہا کہ ''سفیان بن عیینہ کی طرف اس روایت کی نسبت یوں بھی خلاف درایت ہے، اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ موصوف نے اس لفظ کا استعمال ناجائز طور پر کر رکھا ہے ورنہ اس کے خلاف درایت ہونے کا دعوی باطل ہے، کیونکہ اسے خلافِ درایت قرار دینے کیلئے موصوف نے یہ دعوی کر رکھا ہے کہ سفیان بن عیینہ امام صاحب نے تلمیذِ رشید ہیں اور ان سے حدیث کی روایت بھی کرتے ہیں، حالانکہ تلمیذ ہونا مذکورہ بالا تبصرہ کے منافی نہیں ہے، امام صاحب جابر جعفی کے شاگرد تھے اس کے باوجود انہوں نے جعفی مذکور کو ''اکذب الناس'' کہا ہے، اور اوپر تفصیل گذر چکی ہے کہ امام صاحب کے متعدد تلامذہ نے عرصہ تک ان سے اکتسابِ فیض کے بعد انہیں ترک کر دیا۔ صفحات گذشتہ میں یہ تفصیل آچکی ہے کہ امام صاحب نے اپنے استاذ عمرو بن عبید اور استاذ الاساتذہ حارث اعور کو بھی مجروح کہا ہے۔

سفیان بن عیینہ سے روایت مذکورہ کی نقل میں امام نعیم کے متابع:

جس طرح امام سفیان ثوری سے زیر بحث بات کی نقل میں امام فزاری منفرد نہیں ہیں اسی طرح سفیان بن عیینہ سے بھی اسے نقل کرنے میں منفرد نہیں ہیں۔ امام خطیب فرماتے ہیں:

إن المحفوظ عن ابن عيينة سوء القول في أبي حنيفة من ذلك ما أخبرنا محمد بن عبد الله الحنانى أخبرنا أبو محمد عبد الله بن أحمد بن الصديق المروزي حدثنا أحمد بن محمد المنكدري حدثنا محمد بن أبي عمر قال سمعت ابن عيينة يقول وأخبرنا ابن الفضل أخبرنا عبد الله بن جعفر بن درستويه حدثنا يعقوب بن سفيان قال حدثني محمد بن أبي عمر العدني قال قال سفيان ما ولد في الإسلام مولود أضر على أهل الإسلام من أبي حنيفة وهكذا روي الحميدي عن ابن عيينة ولسفيان بن عيينه في أبي حنيفة كلام غير هذا كثير شبهه في المعنى ثم ذكرناه في أخبار أبي حنيفة... الخ.'' [1]

امام خطیب کی اس عبارت کا حاصل معنی یہ ہے کہ امام صاحب کے بارے میں امام سفیان بن عیینہ کے اس بیان کو فزاری کے علاوہ دو حضرات محمد بن ابی عمر عدنی و امام حمیدی نے نقل کیا ہے، البتہ اس میں خبر مرگ کا ذکر نہیں ہے۔[2] تلاش کرنے سے ان تینوں کے علاوہ دوسرے حضرات بھی ابن عیینہ سے اس بات کو نقل کرنے والے مل جائیں گے، ہم عرض کر چکے ہیں کہ سفیان ثوری و سفیان بن عیینہ کے علاوہ دوسرے اہل علم سے بھی اس معنی کی بات منقول ہے۔ محمد بن ابی عمر کا پورا نام محمد بن یحیی

---

1. خطیب (٤/ ٢٠٨، ٢٠٩، ترجمه أحمد بن الصلت عطيه بن المغلس أبو العباس الحماني)
2. نیز ملاحظہ ہو: خطیب (١٣/ ٢٩٩)

بن ابی عمر ابوعبداللہ عدنی ہے، امام سفیان کے خاص شاگرد تھے ثقہ وصدوق ہیں ۲۴۳ھ میں فوت ہوئے۔ [1]

امام سفیان بن عیینہ کا یہ ارشاد کئی اسانید قویہ سے منقول ہے:

"لم يزل أمر الناس معتدلا حتى غير ذلك أبو حنيفة ." [2]

''یعنی لوگوں کا حال ٹھیک تھا مگر اسے امام صاحب نے بگاڑ دیا۔''

ہر صاحبِ عقل بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ امام صاحب کے بارے میں جس سفیان بن عیینہ نے مذکورہ بالاقسم کی باتیں کہی ہوں ان سے یہ مستبعد نہیں کہ انہوں نے امام صاحب سے ترک روایت کا معاملہ کیا ہو۔

مصنف انوار نے جو یہ کہہ رکھا ہے کہ ''خطیب نے ایک روایت یہ نقل کر دی ہے کہ ابن عیینہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو امام صاحب سے کوئی روایت یاد ہے تو کہا نہیں۔'' اس کی سند میں کریمی و مؤمل جیسے کذاب ہیں۔ [3] تو یہ روایت تاریخ خطیب (۱۳/ ۴۱۵) میں کدیمی (محمد بن یونس) اور مؤمل بن اسماعیل سے ضرور منقول ہے، مگر اوّلاً: مذکورہ بالا تفصیل سے اس روایت کی تائید وتصدیق ہوتی ہے، یعنی تفصیل مذکورہ میں امام صاحب کے بارے میں ابن عیینہ کے تبصرے کو دیکھتے ہوئے یہ بات بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے کہ موصوف نے امام صاحب کی روایت یادرکھنے کی طرف توجہ کی ہو۔ ثانیاً: محمد بن یونس کدیمی کو تو ضرور کئی اہل علم نے کذاب کہا ہے جبکہ کئی ایک نے موصوف کو ثقہ بھی کہا ہے مگر جرح مفسر توثیق پر مقدم ہے، لہٰذا موصوف ساقط ہیں، لیکن مؤمل بن اسماعیل کو کذاب کہنا مصنف انوار کی اپنی ایجادواختراع ہے۔ مصنف انوار نے ابن معین و ابو حاتم کو ائمہ جرح و تعدیل قرار دیا ہے اور ابن معین نے موصوف کو ثقہ اور ابو حاتم نے صدوق کہا اور امام احمد نے ان سے روایت کیا اور مصنف انوار کا دعویٰ ہے کہ امام احمد ثقہ سے ہی روایت کرتے ہیں۔ امام دارقطنی ،ابن حبان، الساجی، اسحاق بن راہویہ نے موصوف کی توثیق کی کسی نے انہیں کذاب نہیں کہا، البتہ بعض نے کثير الخطا والغلط کہا ہے، اس اعتبار سے بغیر متابع موصوف کی روایت معتبر نہیں۔ [4] حاصل یہ کہ کدیمی ومؤمل کی سند سے مروی شدہ روایت مذکورہ فی نفسہ غیر معتبر ہے مگر اس کی معنوی متابعت میں کئی روایات قویہ موجود ہیں۔ (كما لا يخفى)

امام سفیان بن عیینہ سے ایک روایت یہ بھی منقول ہے:

"ما رأيت أجرأ على الله من أبي حنيفة... الخ. وفي رواية: فهل رأيتم أحدا أجرأ على الله من هذا. وفي رواية: هل سمعتم بشر من هذا." [5]

''اللہ تعالیٰ پر امام صاحب سے زیادہ جری کوئی نہیں ان کی بات سے زیادہ کوئی بری بات نہیں سنی گئی۔''

---

[1] تهذيب التهذيب (۹/ ۵۱۸، ۵۱۹)

[2] خطيب (۱۳/ ۳٦٤، ۳٦٥) و جامع بيان العلم والأحكام بن حزم۔

[3] مقدمه انوار (۲/ ۲۳)

[4] ماحصل از تهذيب التهذيب (۱۰/ ۳۸۰، ۳۸۱) و التنكيل وميزان الاعتدال ترجمه مؤمل۔

[5] خطيب (۱۳/ ۳۸۹) و الانتقاء (ص: ۱٤۷ و ۱٤۸ و ۱٤۹)

مگر مصنف انوار کے نزدیک یہ ساری روایات صحیحہ مکذوبہ ہیں مگر سفیان بن عیینہ سے مروی شدہ روایات ذیل موصوف کے نزدیک صحیح ہے۔

''سفیان کا قول ہے کہ ہمارے وقت میں کوئی آدمی مکہ میں ابوحنیفہ سے زیادہ نماز پڑھنے والانہیں آیا۔''❶

حالانکہ اس کی سند میں أحمد بن الصلت ابن المغلس کذاب ہے۔❷ اوراس کذاب سے یہ روایت محمد بن حمدان بن صباح مجہول نے نقل کی ہے۔❸

❶

---

❶ مقدمہ انوار (۱/ ۵۵) ❷ خطیب (۱۳/ ۳۵۳) وعام کتب مناقب۔

❸ لسان المیزان (۵/ ۱۴۷)

فضائل ابی حنیفہ سے متعلق دوسری روایت پر نظر

عبادت وورع:

عبادت وورع کے عنوان سے مدح امام صاحب میں مصنف انوار کی نقل کردہ بعض روایات کا ذکر آچکا ہے۔اس عنوان کے تحت موصوف نے مندرجہ ذیل روایت بھی نقل کی ہے:

''ابومطیع بلخی کا قول ہے کہ میں قیامِ مکہ کے زمانہ میں رات جس ساعت میں طواف کو گیا امام ابوحنیفہ وسفیان ثوری کوطواف میں مصروف پایا۔''[1]

حالانکہ ابومطیع بلخی بذات خود کذاب ہے (کمامر)اوراس سے یہ روایت محمد بن فضیل بلخی نے نقل کی ہے[2] اور یہ بھی بہت ضعیف ہے۔[3]

مصنف انوار نے مزید کہا۔

''ابوعاصم کا قول ہے کہ کثرت نماز کی وجہ سے ابوحنیفہ کولوگ میخ کہنے لگے تھے۔''[4]

یہ روایت تاریخ خطیب (۱۳/۳۵۴) ودیگر کتب مناقب میں محمد بن بکر کی سند سے مروی ہے، جومتعین نہ ہونے کے سبب بمنزلہ مجہول ہیں اوراس کی سند میں دوسری علل بھی ہیں، اور یہ بیان ہو چکا ہے کہ بسند صحیح منقول ہے کہ موصوف ابوعاصم نے امام صاحب کو متروک قرار دیا ہے اورفرمایا ہے کہ امام صاحب نے ایسی باتیں کہہ رکھی ہیں جن سے توبہ کرنے کی ضرورت ہے، نیز موصوف سے دوسری قسم کی تنقید بھی امام صاحب پر منقول ہے۔[5] مگر کثرت عبادت متروک الحدیث ہونے کے منافی نہیں۔

شب بیداری وقرآن خوانی:

مذکورہ بالاعنوان کے تحت مصنف انوار نے کہا:

''یحییٰ بن ایوب زاہد کا قول ہے کہ امام ابوحنیفہ رات کونہیں سوتے تھے۔''[6]

حالانکہ احادیث صحیحہ میں ہے کہ خاتم المرسلین ﷺ نے ایسے پارسا لوگوں پر سخت تنقید کی جنھوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ سوئے بغیر ہم رات بھرعبادت وریاضت میں مصروف رہیں گے، عجیب بات ہے کہ جوشب بیداری نگاہِ نبوی میں مذموم تھی وہی امام صاحب کی طرف منسوب ہوکر مصنف انوار کے یہاں ممدوح بن گئی ہے۔

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۵۵)
[2] خطیب (۱۳/ ۳۵۳) و عام کتب مناقب۔
[3] لسان المیزان (۵/ ۳۴۲)
[4] مقدمہ انوار (۱/ ۵۵)
[5] خطیب (۱۳/ ۳۹۱، ۳۹۲)
[6] مقدمہ انوار (۱/ ۵۶)

انھیں یحییٰ بن ایوب زاہد نے فرمایا کہ مجھ سے میرے ایک ثقہ ساتھی نے کہا:

"كنت جالسا عند أبي بكر بن عياش فجاء إسماعيل بن حماد بن أبي حنيفة فسلم وجلس فقال أبوبكر من هذا فقال أنا إسماعيل فضرب أبوبكر يده وقال كم من فرج حرام قد أباحه جدك."[1]

"یعنی میں ابوبکر بن عیاش کے پاس بیٹھا تھا کہ اتنے میں امام صاحب کے پوتے اسماعیل آئے، ابوبکر نے کہا یہ کون! تو اسماعیل نے اپنا تعارف کرایا، اس پر ابوبکر نے اسماعیل کے گھٹنے پر اپنا ہاتھ مار کر کہا کہ کتنی حرام شرمگاہوں کو تمہارے دادا امام ابوحنیفہ نے حلال قرار دے دیا۔"

یحییٰ زاہد تک اس روایت کی سند صحیح ہے اور انھوں نے جو بات ابوبکر بن عیاش سے نقل کی ہے وہ بات متعدد حضرات خصوصًا امام ابن المبارک ونضر بن شمیل ومساور وراق وغیرہ نے بھی کہی ہے (کمامر) اور اس کی معنوی متابعت بہت سارے لوگوں نے کی ہے۔ (كما لا يخفى) اس روایت صحیحہ کے بالمقابل مصنف انوار نے اپنی معتبر قرار دی ہوئی جس روایت کو حجت بنایا ہے اس کا حال یہ ہے کہ یہ روایت تاریخ خطیب (۱۳/۳۵۳) وعام کتب مناقب میں منقول ہے، مگر جس یحییٰ زاہد کی طرف یہ قول منسوب ہے وہ بذات خود ذاتِ امام صاحب کے سات سال بعد پیدا ہوئے، اس لیے یہ روایت مقطوع ہے نیز یحییٰ زاہد سے یہ روایت مقاتل بن صالح ابوعلی المطرز نے نقل کی ہے، اور ان کا ذکر خطیب نے کیا ہے ان کے صلاح کا ذکر ہے مگر توثیق کا کوئی ذکر نہیں۔[2] اور ان سے اس روایت کے ناقل محمد بن احمد حکیمی ثقہ ہونے کے باوجود منکر روایات بیان کرتے ہیں۔[3]

حاصل یہ کہ یہ روایت مقطوع ہونے نیز اس کی سند کے راوی مقاتل کی توثیق نہ ہونے کے سبب ساقط الاعتبار ہے۔ موصوف یحییٰ قولِ جہم کے قائلین کی عیب گیری کرتے تھے۔[4]

بروایت اسد بن عمرو امام صاحب ایک رکعت تہجد پڑھتے تھے۔

مصنف انوار نے کہا:

"اسد بن عمرو کا قول ہے کہ ابوحنیفہ شب کی نماز میں ایک رکعت میں پورا قرآن مجید ختم کرتے تھے اور یہ بھی کہا کہ جس مقام پر وفات ہوئی وہاں امام صاحب نے سات ہزار ختم کئے تھے۔"[5]

یہ روایت اور اس معنی کی بعض دوسری روایات کا ذکر ابن حجر مکی پر تبصرہ کے ضمن میں آرہا ہے مذکورہ بالا روایت مصنف انوار کے نزدیک صحیح ہے، حالانکہ اس قول کا قائل اسد بن عمرو بذات خود کذاب ہے (كما سيأتي) اور اس کی سند میں ابومحمد عبداللہ بن محمد نجاری حارثی بھی ہے[6] اور یہ شخص وضاع وکذاب ہے۔ (کمامر) حارثی نے اسد تک اس روایت کے لیے جو سند فٹ کی ہے اس میں واقع شدہ دو راویوں احمد بن حسین بلخی وحماد بن قریش کو مصنف انوار کے ممدوح کوثری نے مجہول کہہ کر روایت مذکورہ

---

❶ خطیب (۱۳/ ٤٠٩)
❷ خطیب (۱۳/ ۱٦٩، ۱۷۰)
❸ خطیب (۱/ ۲٦۷ تا ۲٦۹)
❹ خطیب وتهذيب۔
❺ مقدمه انوار (۱/ ٥٦ و ۱۱۸)
❻ خطیب (۱۳/ ۳٥٤) و مناقب أبي حنيفه للذهبي (ص: ١٤)

کو غیر معتبر کہا ہے۔[1]

نیز یہ روایت گزر چکی ہے اوراس پر تفصیلی بحث آگے آ رہی ہے کہ بسند صحیح مروی ہے کہ امام زفر نے فرمایا کہ جس جگہ امام صاحب کی وفات ہوئی وہاں امام صاحب کل پندرہ روز مقیم تھے، جس سے لازم آتا ہے کہ امام صاحب روزانہ ساڑھے چار سو سے بھی زیادہ ختمِ قرآن کرتے تھے حالانکہ یہ بات انسانی طاقت سے قطعاً باہر اور ناممکن ہے، روایت کے اندر یہ تصریح ہے:

”صلى أبوحنيفة فيما حفظ عليه صلوٰة الفجر بوضوء صلوة العشاء أربعين سنة فكان عامة الليل يقرأ جميع القرآن ركعة واحدة.“

”یعنی امام صاحب چالیس سال تک عشاء کے وضوء سے نمازِ فجر پڑھتے رہے اور پوری رات ایک رکعت نماز پڑھتے جس میں قرآن ختم کر ڈالتے تھے۔“

یہاں سوال یہ ہے کہ رات بھر میں صرف ایک ہی رکعت امام صاحب کون سی نماز پڑھتے تھے جب کہ ان کے نزدیک ایک رکعت نماز مشروع نہیں ہے؟

مصنف انوار نے کہا:

”ابوالجویرہ کا قول ہے کہ میں حماد بن ابی سلیمان، محارب بن دثار، علقمہ بن مرثد، عون بن عبداللہ و امام صاحب کی صحبت میں رہا ہوں، میں نے ان میں سے کسی کو امام ابوحنیفہ سے بہتر شب گزار نہیں پایا، مہینوں ان کی صحبت میں رہا لیکن ایک رات بھی ان کو پہلو لگاتے نہیں دیکھا۔“[2]

روایت مذکورہ بالا مسلم بن سالم بلخی زاہد سے مروی ہے[3] اور یہ بلخی صاحب مرجی وغیر ثقہ ہیں۔[4] اس روایت کا مفاد بھی یہ ہے کہ امام صاحب رات کو سوتے نہیں تھے اور یہ بتلایا جا چکا ہے کہ یہ بات حدیث نبوی کے خلاف ہے نیز اس کی سند میں مسلم بن سالم کے غیر ثقہ ہونے کے ساتھ دوسری علل بھی موجود ہیں۔

بروایت مسعر امام صاحب ایک رکعت تہجد پڑھتے تھے:

مصنف انوار نے کہا:

”مسعر بن کدام نے کہا کہ میں ایک رات مسجد میں گیا تو کسی کے قرآن مجید پڑھنے کی دلکش آواز سنی جو دل میں اتر گئی، وہ پڑھتے رہے یہاں تک کہ پورا قرآن مجید ایک رکعت میں ختم کر دیا، میں نے دیکھا تو وہ ابوحنیفہ تھے۔“[5]

حالانکہ روایت مذکورہ بالا کی سند میں محمد بن علی بن عفان ہیں۔[6]

نیز اس کی سند میں دوسری علل بھی ہیں، بھلا وہ کونسی نماز تھی جسے امام صاحب پوری رات پڑھتے تھے مگر وہ صرف ایک ہی

---

[1] تعليق الكوثري على مناقب أبي حنيفه للذهبي (ص: ١٤)

[2] مقدمه انوار (١/ ٥٦)

[3] خطيب (١٣/ ٣٥٥) ومناقب أبي حنيفه للذهبي (ص: ١٣ وغيره)

[4] لسان الميزان (٣/ ٦٣)

[5] مقدمه انوار (١/ ٥٦)

[6] خطيب (١٣/ ٣٥٦) وعام كتب مناقب۔

رکعت ہوتی تھی، حالانکہ امام صاحب ایک رکعت والی نماز کی مشروعیت کے قائل نہیں، اور یہ بات گزر چکی ہے کہ مسعر موصوف نے امام صاحب کو غیر ثقہ قرار دیا ہے۔[1]

بروایتِ خارجہ امام صاحب کی قرآن خوانی کی مدح:

مصنف انوار نے کہا:

’’خارجہ بن مصعب کا قول ہے کہ خانۂ کعبہ میں چار اماموں نے پورا قرآن پڑھا ہے، حضرت عثمان، تمیم داری، سعید بن جبیر اور امام ابوحنیفہ۔‘‘[2]

حالانکہ خارجہ بن مصعب بذات خود کذاب اور وضاع ہے۔[3] اور اس کی سند میں ابراہیم بن رستم مروزی متوفی ۲۱۱ھ ہے[4] اور یہ شخص مجروح ہے۔[5] تہذیب التہذیب میں تصریح ہے کہ محض رائے سے بیان کئے ہوئے مسائل ابی حنیفہ کی موافقت ہیں اہل الرای کی وضع کردہ حدیثوں کو خارجہ موصوف روایت کیا کرتا تھا۔

بروایت قاسم وزائدہ امام صاحب کی تہجد گزاری کی مدح:

مندرجہ بالا مکذوبہ روایت کو نقل کرنے کے بعد مصنف انوار نے کہا:

’’قاسم بن معن کا بیان ہے کہ ایک رات امام ابوحنیفہ نے نماز میں یہ آیت پڑھی: ﴿بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهٰى وَأَمَرُّ﴾ تمام رات اس کو دہراتے اور شکستہ دلی سے روتے رہے۔‘‘[6]

حالانکہ روایت مذکورہ کی سند میں محمد بن حسن ہیں[7] اور یہ غیر ثقہ ہیں[8] نیز اس میں دوسری علل بھی ہیں۔ اس معنی کی ایک روایت زائدہ سے مروی ہے، جس کی سند میں احمد بن محمد الحمانی المعروف بابن المغلس کذاب ہے۔[9] اسی معنی کی ایک دوسری روایت مناقب ابی حنیفہ للذہبی (ص: ۱۲، ۱۳) میں مروی ہے مگر اس کی سند میں جبارہ بن مغلس ہے، یہ شخص ابن المغلس کا بھتیجا ہے یہ بھی ضعیف ہے۔[10] اور اس کی سند میں بعض دوسرے مجہول رواۃ ہیں۔

امام صاحب کی شب بیداری سے متعلق دوسری روایات:

ناظرین کرام دیکھ چکے ہیں کہ مصنف انوار کی بعض مستدل روایات میں یہ صراحت ہے کہ امام صاحب چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے رہے اور یہ کہ چالیس سال کی پوری مدت میں روزانہ رات بھر میں ایک رکعت نماز پڑھتے تھے، حتی کہ ابن المبارک سے مروی شدہ ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ امام صاحب نے پینتالیس سال تک ایک ہی وضو سے پانچوں نمازیں پڑھی ہیں۔[11] حسن بن عمارہ سے مروی ہے کہ ’’امام صاحب تیس سال تک مسلسل روزے رکھتے رہے اور چالیس

---

[1] الانتقاء لابن عبدالبر۔
[2] مقدمه انوار (۱/ ۵٦)
[3] تهذيب التهذيب وميزان الاعتدال۔
[4] خطيب (۱۳/ ۳۵٦)
[5] لسان الميزان (۱/ ۵٦، ۵۷)
[6] مقدمه انوار (۱/ ۵٦)
[7] خطيب (۱۳/ ۳۵۰)
[8] لسان الميزان۔
[9] خطيب (۱۳/ ۳۵۷)
[10] تهذيب التهذيب وميزان الاعتدال ترجمه جباره۔
[11] خطيب (۱۳/ ۳۵۵) وعام كتب مناقب۔

سال تک موصوف نے رات میں بستر سے پہلو بھی نہیں لگایا۔[1] امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ ''میں نے بذات خود بیس سال تک مشاہدہ کیا ہے کہ امام صاحب ابتدائے شب کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے تھے اور ہم سے پہلے جو لوگ امام صاحب کے ساتھ رہ چکے ہیں وہ کہتے ہیں کہ امام صاحب نے چالیس سال تک ابتدائے شب (عشاء) کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی۔[2] اس مفہوم کی بہت ساری روایات موجود ہیں، اس کا لازمی مطلب ہے کہ ساٹھ سال تک امام صاحب عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے رہے اور وہ بھی پوری رات نماز میں مصروف رہتے اورصرف ایک رکعت نماز پڑھتے۔ موفق نے کہا: ودّع نومه خمسين عامة''[3] یعنی امام صاحب پچاس سال تک نہیں سوئے، مگر معلوم نہیں کیا بات ہے کہ مصنف انوار نے ان روایات کو صحیح ومعتبر قرار دے کر کیوں انوار الباری میں نقل نہیں کیا؟ ان میں سے اسد بن عمرو والی ایک روایت نقل بھی کی تو اس میں سے اس مضمون کو حذف کر دیا کہ امام صاحب چالیس سال تک وضوءِ عشاء سے فجر کی نماز پڑھتے رہے، حالانکہ یہ روایات ان روایات کے بالمقابل زیادہ غیر معتبر ومکذوبہ نہیں ہیں جن کو مصنف انوار نے بذوق وشوق صحیح ومعتبر کہہ کر نقل کیا ہے۔ظاہر ہے کہ مصنف انوار کی ترک کردہ ان روایات سے امام صاحب کی مدح وفضیلت زیادہ ثابت ہوتی ہے، مگر نہ جانے کس مصلحت کے پیش نظر موصوف نے انھیں ترک کر دیا خصوصاً وہ روایت تو مصنف انوار کو نہیں چھوڑنی چاہیے تھی جس کا مفاد یہ ہے کہ امام صاحب پینتالیس سال تک ایک ہی وضو سے پانچوں نمازیں پڑھتے رہے۔ اگر کہا جائے کہ یہ روایت صحیح ومعتبر نہیں تو مصنف انوار سے پوچھا جائے کہ جن روایات کو آپ نے انوار الباری میں نقل کر رکھا ہے وہ کہاں صحیح ومعتبر ہیں؟ لطف یہ کہ ابو یوسف سے مروی شدہ مذکورہ بالا روایت کا حاصل یہ ہے کہ وہ (ابو یوسف) صرف بیس سال تک امام صاحب کے ساتھ رہے، مگر مصنفِ انوار کا ارشاد ہے کہ ابو یوسف مجلس تدوین فقہ کے ان چالیس اراکین میں سے ایک ہیں جو امام صاحب کی خدمت میں تیس سال رہ کر کارنامۂ تدوین فقہ انجام دینے میں مصروف رہے۔ یہ تو بہر حال ممکن نہیں کہ مصنف انوار نے ابو یوسف سے مروی شدہ روایت مذکورہ کو اس لیے ترک کیا ہو کہ وہ سنداً ضعیف اور متن کے اعتبار سے انوار الباری کی بعض تصریحات کے معارض ہے، کیونکہ متعارض ومکذوبہ روایات کو جمع کرنا ہی مصنف انوار کا بہت بڑا کارنامہ ہے، جس پر ان کی تقلیدی پارٹی انھیں خوب خوب خراج تحسین ادا کر رہی ہے اور وہ بھی خوب خوش اور مسرور ہیں کہ ہم عظیم کارنامہ انجام دے رہے ہیں۔

امام صاحب کی عبادت گزاری سے متعلق روایات میں باہم تعارض۔

لطف یہ کہ جس قسم کی مکذوبہ روایات کو مصنف انوار دلیل وحجت بنائے ہوئے ہیں اسی قسم کی روایات میں ایک طرف یہ تصریح ہونے کے باوجود کہ امام صاحب چالیس، پینتالیس وساٹھ سال تک پوری رات تہجد پڑھتے اور سوتے نہیں تھے بلکہ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے، حتی کہ بعض روایات کے مطابق ایک ہی وضو سے پانچوں نمازیں پڑھتے تھے، دوسری طرف بعض روایات میں اس کے معارض یہ بھی ہے:

---

[1] خطيب (١٣/ ٣٥٤) وعام كتب مناقب۔

[2] عقود الجمان (ص: ٢١٣)

[3] عقود الجمان (ص: ٢٢٢)

''امام ابویوسف نے کہا کہ میں امام صاحب کے ساتھ ایک دن جا رہا تھا کہ ایک آدمی کو ایک آدمی سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ امام صاحب رات بھر سوتے نہیں ہیں، اس پر امام صاحب نے فرمایا: "واللّٰہ لایتحدث عني بما لا أفعل" جو کام میں نہیں کرتا ہوں خدا کی قسم لوگ اسے بیان کرتے ہیں، آئندہ سے میں اب ایسا نہیں کروں گا، اس کے بعد سے امام صاحب پوری رات نماز، دعا اور تضرع میں گزارنے لگے۔''[1]

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ امام صاحب کے ساتھ ابویوسف کی موجودگی میں جس دن یہ واقعہ پیش آیا اسی دن سے امام صاحب رات بھر نمازیں پڑھنے لگے، اوراس کے پہلے مذکور شدہ روایت کا حاصل یہ ہے کہ ابویوسف نے بیس سال امام صاحب کی شب بیداری اور عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھنے کا مشاہدہ کیا ہے، ان دونوں روایتوں کو یکجا کرنے سے حاصل یہ نکلتا ہے کہ ابویوسف کے اس بیس سالہ مشاہدہ سے پہلے امام صاحب بتصریحِ خویش رات بھر نمازیں نہیں پڑھتے تھے، یعنی ان دونوں روایات سے یہ بات متعین ہو جاتی ہے کہ رات بھر نمازیں پڑھنے کی کل مدت صرف بیس سال ہے، امام صاحب کے ساتھ ابویوسف کی بیس سال تک مصاحبت کا دعویٰ بھی مکذوب ہے۔ (كما سيأتي)

اور اس سے پہلے اگرچہ لوگوں میں یہ شہرت تھی کہ امام صاحب شب بیداری کرتے ہیں مگر وہ شہرت امام صاحب ہی کی تصریح کے مطابق خلاف واقع تھی، لیکن عبداللہ بن المبارک کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ امام صاحب نے ایک ہی وضوء سے پینتالیس سال تک پانچوں نمازیں پڑھیں اور یہ کہ رات بھر موصوف تہجد گزاری میں مصروف رہتے تھے، اورحسن بن عمارہ کی طرف منسوب کیا گیا کہ چالیس سال تک امام صاحب نے عشاء کے وضوء سے نمازِ فجر پڑھی اوراسی طرح کی بات اور دوسرے لوگوں کی طرف بھی منسوب ہیں، جس سے لازم آتا ہے کہ ان سارے حضرات نے امر واقع کے خلاف غلط باتیں امام صاحب کی طرف منسوب کیں، اورہم عرض کر چکے ہیں کہ یہ روایات سند کے اعتبار سے انھیں روایتوں کی طرح ہیں جنھیں مصنف انوار صحیح معتبر قرار دے کر انوار الباری میں درج کئے ہوئے ہیں، جب روایت مذکورہ کے مطابق امام صاحب کے حسب تصریح وہ باتیں امر واقع کے خلاف ہیں جو اوپر کی روایاتِ منقولہ میں موصوف کی طرف منسوب کی گئی ہیں تو یہ بات کیونکر مستبعد وناممکن ہونے لگی کہ مصنف انوار نے مکذوبہ روایات کی بنیاد پر جو باتیں امام صاحب کی طرف منسوب کر رکھی ہیں وہ بھی امام صاحب کی طرف غلط طور پر منسوب ہوگئی ہوں؟

ایک طرف ابویوسف کی طرف منسوب شدہ روایت مذکورہ کا ماحصل یہ ہے کہ ابویوسف کی موجودگی میں امام صاحب کے ساتھ پیش آمدہ دو آدمیوں کے مکالمہ سے پہلے امام صاحب شب بیداری نہیں کرتے تھے، اس کے بعد بیس سال تک امام صاحب نے شب بیداری میں گزارے، اور یہ بات ان روایات کے معارض ہے جن کا مفاد ہے کہ امام صاحب چالیس پینتالیس سال رات بھر تہجد گزاری میں مصروف رہے، مگر دوسری طرف امام سفیان بن عیینہ سے یہ بھی مروی ہے کہ "كان أبوحنيفه له مروة وله صلوة وفي أول زمانه"[2] یعنی مروت وشب بیداری امام صاحب کے ابتدائی زمانہ کی بات ہے۔ معلوم نہیں کہ ان متعارض روایات میں سے مصنف انوار نے کس بنیاد پر صرف اپنی پسندیدہ روایات ہی کو کیوں حجت بنایا۔

---

[1] ملاحظہ ہو: خطیب (۱۳/ ۳۵۵) عقود الجمان (ص: ۲۱۳) وموفق وغیرہ۔

[2] خطیب (۱۳/ ۳۵۳)

جود وسخا اور امداد مستحقین:

جیسا کہ ہم نے عرض کیا عبادت وورع کی طرح جود وسخا میں بھی امام صاحب کو بڑی شہرت حاصل ہے، مگر اس سلسلے میں مصنف انوار نے جو روایات نقل کی ہیں ان سے موصوف کے اس دعوی کی تکذیب ہوتی ہے کہ ''انوار الباری میں صرف معتبر وصحیح باتیں مندرج ہیں۔''

امام صاحب کی فیاضی کی کہانی ربیع بن سلیمان بجلی کی زبانی:

چنانچہ موصوف فرماتے ہیں:

''امام صاحب ہر شخص کی التجا وآرزو پوری کرتے تھے، سب کے ساتھ احسان کرتے، مالِ تجارت بغداد بھیجتے، اس کی قیمت کا مال کوفہ منگواتے، سالانہ منافع جمع کر کے شیوخ محدثین کے لیے ضروری اشیاء خریدتے، خوراک، لباس وغیرہ جملہ ضروریات کا انتظام کرتے اور نقد بھی دیتے۔''❶

مذکورہ بالا روایت احمد بن عطیہ المعروف بابن المغلس سے مروی ہے۔❷ اور یہ معلوم ہے کہ ابن المغلس کذاب ہے، اس کذاب سے روایت مذکورہ کے ناقل مکرم ہیں اور یہ بیان ہے کہ مکرم کی مرتب کردہ کتاب مناقب ابی حنیفہ بقول امام دارقطنی مکذوب ہے، ابن المغلس نے یہ روایت ربیع بن سلیمان البجلی القسری متوفی ۲۲۱/۲۲۲ھ سے نقل کی ہے، اور یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ ابن المغلس کی ولادت لگ بھگ ۱۳۲ھ میں ہوئی ہے یعنی وفات ربیع کے کئی سال بعد، اس سے اہل علم کے اس بیان کی تائید ہوتی ہے کہ یہ شخص ایسے لوگوں سے بھی روایت وسماع کا مدعی تھا جو اس کی ولادت سے عرصہ پہلے فوت ہو چکے تھے۔

واضح رہے کہ شہر بغداد کی آبادکاری ۱۴۷ھ میں بلکہ بقول بعض ۱۴۹ھ میں مکمل ہوئی ہے، اور ۱۴۷ھ کی بابت مصنف انوار کا دعوی ہے کہ اسی سال امام صاحب ہمیشہ کے لیے مقید ومحبوس کر دیئے گئے بالآخر جیل میں فوت ہوئے۔ دریں صورت یہ کیسے ممکن ہوا کہ امام صاحب ہر سال کوفہ سے بغداد اپنا تجارتی سامان بھیجتے تھے اور اس کے منافع سے حاصل شدہ رقم محدثین پر خرچ کرتے تھے؟ مطلب یہ ہے کہ روایت مذکورہ کا درایۃً بھی مکذوب ہونا ظاہر ہے، کیونکہ اس میں مذکور ہے کہ ہر سال امام صاحب سامان تجارت بغداد بھیجتے اور اس کے منافع کی رقم محدثین پر خرچ کرتے۔

بروایت ابو یوسف امام صاحب ہر سائل کی ضرورت پوری کرتے تھے:

مندرجہ بالا مکذوبہ روایت کے بعد دوسری روایت نقل کرتے ہوئے مصنف انوار نے کہا:

''امام ابو یوسف کا قول ہے کہ امام صاحب ہر سائل کی حاجت پوری کرتے تھے۔''❸

مگر اس روایت کی سند میں محمد بن علی بن عفان اور اسماعیل بن یوسف سنبری ہیں❹ اور یہ مجہول ہیں۔ محمد بن علی بن عفان نے امام صاحب کے پوتے عمر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امام صاحب مملوک النسل کابلی الاصل تھے، معلوم نہیں مصنف انوار نے اسے کیوں نہیں حجت بنایا۔

---

❶ مقدمہ انوار (۱/ ۵۶)

❷ خطیب (۱۳/ ۳۰۲) ومناقب أبي حنيفه للذهبي (ص: ۲۹ وغیرہ)

❸ مقدمہ انوار (۱/ ۵۶)

❹ خطیب (۱۳/ ۳۶۱) وعام کتب مناقب۔

عطیہ قبول کرنے سے امام صاحب کا پرہیز:

امام ابو یوسف کی طرف منسوب مذکورہ روایت کو نقل کرنے کے بعد مصنف انوار نے مزید کہا:

''امام صاحب دربار کے عطیوں سے ہمیشہ بچتے رہے، خلیفہ نے انھیں ایک مرتبہ تیس ہزار روپے بھیجے، انھوں نے خلاف مصلحت سمجھ کر کہا کہ میں بغداد میں غریب الوطن ہوں، اجازت دیجیے کہ یہ رقم خزانۂ شاہی ہی میں میرے نام سے جمع ہوتی رہے، منصور (خلیفہ) نے منظور کر لیا..الخ۔''❶

مگر مذکورہ بالا روایت یوسف سمتی سے منقول ہے❷ اور سمتی مذکور کذاب ہے، اور سمتی سے اس روایت کا ناقل ہلال بن یحییٰ راوی غیر معتبر ہے۔❸ اس معنی کی ایک روایت الانتقاء (ص: ۱۶۹) میں محمد بن شجاع کی سند سے مروی ہے جو غیر معتبر ہے، اور اس نے یہ روایت ''عن بعض أصحابه'' یعنی مجہول سے نقل کر رکھی ہے۔

بروایت وکیع امام صاحب کی فیاضی و امانتداری کی افسانوی کہانی:

مندرجہ بالا مکذوبہ روایت کے بعد امام وکیع کی طرف منسوب شدہ ایک دوسری طویل روایت مصنف انوار نے اس طرح نقل کی:

''وکیع کا قول ہے کہ واللہ ابو حنیفہ بڑے امین تھے، اللہ کی جلالت و کبریائی ان کے دل میں بھری ہوئی تھی اور کہا کہ امام صاحب جب اپنے بال بچوں کے لیے کپڑے بناتے تو ان کی قیمت کے برابر صدقہ کر دیتے اور جب خود نیا کپڑا پہنتے تو اس کی قیمت کے برابر شیوخ علماء کے لیے لباس تیار کراتے، جب کھانا آتا تو اول اپنی خوراک کے مقدار سے دوگنا نکال کر کسی محتاج کو دے دیتے۔''❹

ہم کہتے ہیں کہ اس طویل روایت کی سند میں بھی احمد بن المغلس کذاب ہے۔❺ دریں صورت اسے معتبر و صحیح کہہ کر نقل کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟

ہر صاحب عقل بآسانی سوچ سکتا ہے کہ ایسی غیر معتبر روایات کو معتبر کہہ کر نقل کرنا جن کا غیر معتبر و مکذوبہ ہونا بنظر ظاہر واضح ہے، کس قسم کی خالص علمی و دینی اور معتدل خدمت ہو سکتی ہے؟

حماد نے امام صاحب اور ان کے اہل وعیال کی کفالت و پرورش بیس سال تک کی:

اس جگہ مصنف انوار نے نہ جانے کیوں ابو یوسف کی طرف منسوب اس قول کو نقل نہیں کیا کہ:

''میں نے امام صاحب سے کہا کہ آپ سے زیادہ سخی ہم نے کسی کو نہیں دیکھا، تو امام صاحب نے فرمایا: اگر تم حماد بن ابی سلیمان کو دیکھتے تو تمھارا کیا حال ہوتا، انھوں نے میری اور میرے اہل وعیال کی کفالت بیس سال تک کی ہے، ان سے زیادہ خصالِ محمودہ کا جامع میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔''❻

مناقب کردری میں بیس سال کا لفظ ہے مگر موفق و عقود الجمان میں دس سال کا، اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام

---

❶ مقدمہ انوار (۱/ ۵٦) ❷ خطیب (۱۳/ ۳۵۹) وعام کتب مناقب۔

❸ دیوان الضعفاء للذهبي (ص: ۳۲٦) و لسان المیزان۔ ❹ مقدمہ انوار (۱/ ۵٦)

❺ خطیب (۱۳/ ۳۵٦) ❻ کردری (۱/ ۲۵٤، ۲۵۵) و موفق (۱/۲۵۹) وعقود الجمان (ص: ۲۳۵)

صاحب بیس سال تک یابلفظ دیگر دس سال تک اپنے استاذ حماد کی کفالت میں رہے، ظاہر ہے کہ یہ روایت ان روایات کے معارض ہے جن کا حاصل ہے کہ امام صاحب موروثی طور پر بہت زیادہ مالدار تھے اور ہمیشہ انھوں نے غیر معمولی پیمانے پر غرباء ومساکین پر خرچ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ مصنف انوار نے اس روایت کے ساتھ بے اعتنائی برتی ورنہ یہ روایت موصوف کی نقل کردہ دوسری بہت ساری روایات سے باعتبار سند کم درجہ کی نہیں ہے۔

امام صاحب کی زیرکی اور وفور عقل:

مذکورہ بالا باتوں کے بعد مصنف انوار نے ''وفورِ عقل وزیرکی'' کا عنوان قائم کیا اور اس کے تحت کوئی روایت نقل کرنے کے بجائے موصوف نے کہا ہے:

''یہ عنوان خطیب نے مستقل قائم کیا اور ہم اس سلسلے میں مادحینِ امام اعظم کے اقوال کے ضمن میں پیش کریں گے۔''[1]

حالانکہ مصنف انوار نے وہاں بھی حسب عادت غیر معتبر ومکذوبہ روایات نقل کی ہیں۔

امام صاحب کے اساتذۂ محدثین:

''وفور عقل وزیرکی'' کے عنوان کے تحت مذکورہ بالا بات کہنے کے بعد مصنف انوار نے ''امام صاحب کے اساتذۂ محدثین'' کا عنوان قائم کیا اور اس عنوان کے تحت اپنی بار بار کہی ہوئی اس بات کا اعادہ کیا کہ ''امام صاحب نے چار ہزار اساتذہ سے حدیث حاصل کی''، الخ

اوّلاً: موصوف کی اس بات پر ہمارا تبصرہ گزر چکا ہے کہ یہ بات بعض کتب مناقب میں بے سند مذکور ہے اور بے سند بات کو معتبر وصحیح کہہ کر نقل کرنا کسی دیانت دار، صحیح المزاج وسلیم الطبع آدمی کا کام نہیں ہوسکتا۔ ثانیاً: جن کتب مناقب میں مندرج شدہ مکذوبہ روایات کو علمی امانت ودیانت کا خون کرتے ہوئے مصنف انوار نے صحیح ومعتبر قرار دے کر داخلِ انوار الباری کر رکھا ہے، انھیں میں یہ روایت بھی موجود ہے جس کا حاصل یہ ہے:

''امام صاحب نے فرمایا کہ جب مجھے طلب علم کا ارادہ ہوا تو میں نے تمام علوم کا حال معلوم کیا کہ انھیں پڑھنے سے کیا فائدہ ہوتا ہے، اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ علوم قرآن وعلوم حدیث وعلوم نحو وعلوم شعر وعلوم کلام نعوذ باللہ نفع بخش ومفید علوم نہیں ہیں، اس لیے میں نے ان علوم کو حاصل ہی نہیں کیا اور علم فقہ میں فائدہ ہی فائدہ محسوس ہوا اس لیے اسے حاصل کیا۔''[2]

مذکورہ بالا روایت اور اس کی ہم معنی دوسری روایات کا تذکرہ تفصیل سے صفحات گزشتہ میں آچکا ہے، اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ امام صاحب نے علم حدیث حاصل ہی نہیں کیا، پھر علم حدیث میں موصوف کے اتنے سارے اساتذہ کہاں سے آگئے؟ جب مصنف انوار مکذوبہ سے مکذوبہ تر روایات کو معتبر وصحیح کہہ کر دلیل وحجت بنانے کے عادی ہیں، تو کس ضابطہ وقاعدہ کے تحت موصوف نے یہ دعویٰ تو کیا کہ امام صاحب نے چار ہزار اساتذہ سے علم حدیث حاصل کیا مگر روایت مذکورہ کو دلیل بنا کر

---

[1] مقدمه انوار (۱/ ٥٦)

[2] خطیب (۱۳/ ۳۲۲، ۳۲۳) و عقود الجمان (ص: ۱٦۳، ۱٦٤) و موفق (۱/ ٥۷، ٥٨ وغیره)

یہ دعویٰ نہیں کیا کہ امام صاحب نے علم حدیث پڑھا ہی نہیں؟ اس جگہ مصنف انوار نے یہ بات بھی کہی ہے کہ:

''واضح ہو کہ امام صاحب کے اساتذہ میں سے اکثر تابعین اورصحابہ کے شاگرد ہیں، جن کی روایتیں کثرت سے صحاح ستہ میں موجود ہیں اور جن کی روایات بعض محدثین نے نہیں لیں وہ یا تو بُعد زمانہ کے سبب ان کے بعد معرفت کی وجہ سے ہوایا مخالفوں حاسدوں کی افترا پردازیوں کے باعث کسی غلط فہمی کی وجہ سے، اور چونکہ تحقیق حال کی سعی نہیں کی اس لیے ان کو اپنے اساتذہ کے سلسلہ میں نہیں لیا، مثلاً امام بخاری کے بعض اساتذہ ایسے بھی ہیں کہ امام مسلم وغیرہ نے ان میں کلام کر کے ان کی روایات کو داخلِ صحاح نہیں کیا، اور بخاری کے نزدیک وہ سچے تھے اس لیے ان کو استاذ بنالیا، امام صاحب نے بھی اپنے سب اساتذہ کو ذاتی تحقیقِ حال کے بعد استاذ بنایا تھا اس لیے ان میں کسی کلام کی گنجائش نہیں، الحاصل امام صاحب کو جتنی روایات ان کے شیوخ سے پہنچیں ان کی صحت میں کلام نہیں اور اگر کسی روایت میں متاخرین کو کلام ہو تو بمقابلۂ تقدم زمان وقلت وسائط وجلالت شانِ امام صاحب ودیگر قرائن قابل اعتبار نہیں۔''[1]

اس جگہ بنظر اختصار ہم صرف یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ مصنف انوار کے مذکورہ بالا دعاوی پر وہ کون سے دلائلِ معتبرہ قائم ہیں جن کے سبب ان دعاوی کو ان کذاب لوگوں کا پروپیگنڈہ نہیں کہا جا سکتا، جو بقول مصنف انوار سفید کو سیاہ اور سیاہ کو سفید ثابت کر دکھانے کے لیے جھوٹ کو کارخیر سمجھ کر مسلمانوں میں پھیلاتے تھے؟

امام صاحب کا تفوق حدیث دوسرے اکابر علماء کی نظر میں:

مذکورہ بالا باتوں کے بعد مصنف انوار نے ''امام صاحب کا تفوق حدیث دوسرے اکابر علماء کی نظر میں'' کا عنوان قائم کیااوراس کے تحت مکذوبہ وغیر معتبر روایات نقل کر کے بخیالِ خویش خود سمجھا اوردوسروں کو سمجھانے کی کوشش کی کہ اکابر علماء نے امام صاحب کا تفوقِ حدیث تسلیم کیا ہے، مگر اس کی حقیقت ہماری پیش کردہ اس تفصیل سے ظاہر ہے جس کا حاصل ہے کہ امام صاحب کے مشہور تلامذہ نے امام صاحب کو متروک قرار دے دیا اور خود امام صاحب کے متعدد فرامین کا حاصل بھی یہ ہے کہ وہ قابل ترک ہیں۔ پھر بھی اس عنوان کے تحت مصنف انوار کی صحیح ومعتبر قرار دے کر نقل کردہ روایات پر تحقیقی نظر ڈالنی مناسب ہے تا کہ ان کی دیانت داری اورزیادہ واضح ہو سکے، اس عنوان کے تحت موصوف نے سب سے پہلی روایت یزید بن ہارون سے نقل کی ہے۔ اسے ناظرین کرام ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

مدحِ امام صاحب میں یزید بن ہارون کی طرف منسوب شدہ روایت

مصنف انوار نے کہا کہ یزید بن ہارون نے کہا:

''میں نے علماء سے سنا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں ان کا نظیر تلاش کیا گیا مگر نہ ملا، اور کہا کرتے تھے کہ امام صاحب اعظم الناس ہیں۔''[2]

---

[1] مقدمه انوار (۱ / ۵۷)

[2] مقدمه انوار (۱ / ۵۷ بحوالهٔ موفق)

ہم کہتے ہیں کہ اوّلاً: مصنف انوار نے مذکورہ بالا بات امام یزید بن ہارون کی طرف منسوب کی ہے اور اس کے لیے حوالہ مناقبِ موفق کا دیا ہے، مگر مناقب موفق (۲/ ۱۵۵) میں یہ بات یزید بن ہارون کی طرف منسوب ہونے کے بجائے ہارون بن مغیرہ کی طرف منسوب کی ہے، نیز یہی بات مصنف انوار کی معتمد علیہ کتاب عقود الجمان (ص: ۲۰۹) میں بھی ہارون بن مغیرہ ہی کی طرف منسوب کر کے نقل کی گئی ہے، لیکن مناقب موفق وعقود الجمان میں مصنف انوار کی نقل کردہ صرف اتنی بات موجود ہے کہ ''امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں ان کا نظیر تلاش کیا گیا مگر نہ ملا'' اور اس کے بعد والی یہ بات کہ ''امام صاحب اعظم الناس ہیں'' ان کتابوں میں مذکور نہیں ہے، دریں صورت سوال یہ ہے کہ مصنف انوار نے یہ تحریف وتصرف اور اضافہ کیوں کر رکھا ہے، اگر موصوف کا اضافہ کردہ یہ لفظ کہ ''امام صاحب اعظم الناس ہیں'' کسی دوسری کتاب میں مذکور ہے تو موصوف نے اسے ظاہر کیوں نہیں کیا؟

ثانیاً: مناقب موفق میں مذکور شدہ یہ روایت حارثی کذاب سے منقول ہے، عقود الجمان (ص: ۳۴) میں مصنف عقود الجمان نے یہ شکوہ کر رکھا ہے کہ مناقب موفق کے جس نسخہ پر میں واقف ہوسکا اس میں مندرج شدہ روایات کی سندیں حذف کر دی گئی ہیں۔'' اس شکوہ کے باوجود خود عقود الجمان میں روایت مذکورہ اور دوسری بہت ساری روایات کو مصنف عقود الجمان نے بلا ذکر سند نقل کر رکھا ہے، اور یہ معلوم ہے کہ سند دیکھے بغیر کسی روایت کے معتبر وغیر معتبر ہونے کا فیصلہ ناممکن ہے، البتہ ہارون بن مغیرہ ابوحمزہ بجلی رازی بذات خود ثقہ ہیں۔ [1] اور ان سے اس روایت کا ناقل محمد بن یحییٰ ازدی المعروف بابن ابی حاتم کو ظاہر کیا گیا ہے موصوف بھی ثقہ ہیں۔ [2] مگر ان سے اس روایت کے ناقل جعفر بن محمد غیر متعین ہونے کے سبب بمنزلہ مجہول ہیں اور ان سے اس روایت کا راوی حارثی کذاب ہے اور یہی اس کا واضع ہے ۔ دریں صورت مصنف انوار یہ بتلائیں کہ انھیں اپنی نقل کردہ روایت مذکورہ بالا کے صحیح ومعتبر ہونے کا علم کیسے ہوا کہ اسے اس دعوی کے ساتھ داخلِ انوار الباری کر لیا گیا ہے کہ ''انوار الباری میں صرف صحیح ومعتبر باتیں مندرج ہیں؟''

ثالثاً: عقود الجمان (ص: ۲۸۷) پر یزید بن ہارون سے بلا ذکر سند یہ قول منقول ہے کہ "ما رأيت أحلم من أبي حنيفة'' میں نے امام صاحب سے زیادہ احلم (بردبار) کسی کو نہیں دیکھا۔ ممکن ہے کہ احلم کو اعظم بنا دیا گیا ہو مگر اس لفظ سے امام صاحب کے تفوقِ حدیث کا ثبوت نہیں ملتا، نہ اس بات کا ثبوت صراحت کے ساتھ اس قول میں ملتا ہے کہ ''امام صاحب کے زمانہ میں ان کا نظیر تلاش کیا گیا مگر نہ ملا۔'' پھر اسی روایت کو سب سے پہلے اس دعویٰ کے ثبوت میں پیش کرنے کا کیا معنی ہے کہ امام صاحب کو تفوقِ حدیث حاصل ہے؟

امام یزید بن ہارون پر مصنف انوار کا عائد ہونے والا ایک فتوی:

امام یزید کی طرف منسوب شدہ قول مذکور کی طرح اور بھی دوسرے اقوال کو مصنف انوار نے دلیل وحجت بنا رکھا ہے مگر اس سلسلے میں ایک بات قابل لحاظ ہے کہ مصنف انوار نے کہا:

''جس شخص کو یہ وہم وگمان بھی ہو جائے کہ کسی مسئلہ میں امام صاحب سے غلطی صادر ہوسکتی ہے، وہ چوپایہ جانور سے بھی زیادہ گمراہ اور نئے دین کا ایجاد کرنے والا ہے۔'' [3]

---

[1] تهذيب التهذيب (١١/ ١٢)　[2] خطيب (٣/ ٤١٤)　[3] مقدمه انوار (١/ ١٦٨)

اور یہ نقل کیا جا چکا ہے کہ امام یزید بن ہارون نے فرمایا:

''امام ابوحنیفہ کو ہم انسان ہی سمجھتے ہیں ان سے بھی اسی طرح غلطیاں اور خطائیں ہوئی ہیں جس طرح اوروں سے ہوئی ہیں۔''❶

ظاہر ہے کہ مصنف انوار کے عقیدہ کے مطابق ان کا مذکورہ بالا فتوی امام یزید بن ہارون پر عائد ہوتا ہے، دریں صورت ان کی طرف منسوب شدہ کسی قول سے امام صاحب کی فضیلت پر مصنف انوار کا استدلال کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ جن لوگوں کو مصنف انوار آدمی ہی نہیں سمجھتے بلکہ چوپایہ قرار دیتے ہیں اور دینِ جدید کا موجد بھی ان کی باتوں کو مدح امام صاحب میں پیش کرنے کا کیا فائدہ؟

بروایت یزید محرم کے لیے پائجامہ پہننے کے معاملہ میں امام صاحب کی مخالفت حدیث نبوی ﷺ:

امام یزید بن ہارون نے کہا:

"عن حماد قال شهدت أبا حنيفة وسئل عن محرم لم يجد إزارًا فلبس سراويل قال عليه الفدية قلت سبحان الله."❷

''یعنی حماد نے کہا کہ میری موجودگی میں ابوحنیفہ سے پوچھا گیا کہ محرم نے اگر تہبند نہ ہونے کے سبب پائجامہ پہن لیا تو کیا مسئلہ ہے؟ امام صاحب نے فرمایا کہ اسے فدیہ دینا ہوگا، میں نے اظہارِ حیرت کرتے ہوئے کہا سبحان اللہ!''

اس سے بھی زیادہ واضح بات ذیل میں مندرج ہے:

" قال داود بن المحبر قيل لأبي حنيفة المحرم لا يجد الإزار يلبس السراويل قال لا ولكن يلبس الإزار قيل له ليس له إزار قال يبيع السراويل ويشتري بها إزارا قيل له فإن رسول الله ﷺ خطب وقال المحرم يلبس السراويل إذا لم يجد الإزار فقال أبوحنيفة لم يصح عندي في هذا عن رسول الله ﷺ شيء زقافتي به وينتهيي كل امرئ إلى ما سمع وقد صح عندنا أن رسول الله ﷺ قال لا يلبس المحرم السراويل فننتهي إلى ما سمعنا قيل له أتخالف رسول الله ﷺ فقال لعن الله من يخالف رسول الله ﷺ به أكرمنا الله وبه استنقذنا."❸

''یعنی داود بن المحبر نے کہا کہ امام صاحب سے پوچھا گیا کہ ازار نہ ہو تو کیا محرم پائجامہ پہن سکتا ہے، امام صاحب نے فرمایا کہ نہیں، کہا گیا کہ اگر ازار ہو ہی نہیں! امام صاحب نے فرمایا کہ پائجامہ فروخت کر کے تہبند خرید ے، کہا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے تو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ محرم تہبند نہ پائے تو پائجامہ پہن لے، امام صاحب نے فرمایا میرے نزدیک یہ حدیث نبوی صحیح نہیں ہے، لہٰذا میں اپنے علم کے مطابق فتوی دوں گا، کیونکہ ہر شخص کو ایسا ہی کرنا چاہیے کہ اپنی مسموعات ومعلومات کے مطابق فتوی دے، ہمارے نزدیک صحیح طور پر ثابت ہے کہ حدیث نبوی میں محرم کو پائجامہ پہننے سے منع کیا گیا ہے لہٰذا ہم اپنی سنی ہوئی اسی حدیث پر عمل کریں گے، امام صاحب سے کہا گیا کہ آپ صرف اپنی ہی سنی ہوئی حدیث پر کیوں عمل کریں گے اور دوسروں نے جو حدیث نبوی بیان کی کیا اس کے

❶ خطیب (۱۳/ ۳٦۹) ❷ خطیب (۱۳/ ۳۹۲) ❸ الانتقاء (ص: ۱٤۰، ۱٤۱)

خلاف عمل کریں گے کیا آپ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کریں گے؟ امام صاحب نے فرمایا کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو جو رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرے، آپ ہی کی بدولت اللہ نے ہمیں عزت دی اور جہنم سے بچایا۔"

جس مسند خوازمی کو تصنیف ابی حنیفہ کہتے ہیں، اس میں امام صاحب سے یہ حدیث بایں لفظ مروی ہے:

عن عمرو بن دينار عن جابر بن زيد عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من لم يكن له إزار فليلبس السراويل ومن لم يكن له نعلان فليلبس الخفين.

"یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ جس کے پاس تہبند نہ ہو وہ پائجامہ پہنے اور جس کے پاس جوتے نہ ہوں وہ موزے پہنے۔"

عقیدۂ مصنف انوار کے مطابق حدیث مذکور خود امام صاحب نے اپنے ہاتھ سے لکھی ہے، پھر بھی یہ کہنا کیا معنی رکھتا ہے کہ میں نے یہ حدیث چونکہ سنی نہیں اس لیے میرے نزدیک یہ حدیث صحیح نہیں، لہٰذا میں اس پر عمل نہ کروں گا نہ اس کے مطابق فتوی دوں گا بلکہ اس کے خلاف ہی فتویٰ دوں گا؟ ہم دیکھتے ہیں کہ امام صاحب کے اس طرزِ عمل پر ان کے معاصر اہل علم بیحد خفا ہوئے جیسا کہ دوسرے معاملہ میں بھی امام صاحب کے اس طرزِ عمل پر خفا ہوئے، ان اہل علم میں امام یزید بن ہارون بھی ہیں۔ [1]

بروایت یزید امام صاحب سے زیادہ متقی کوئی نہیں تھا:

حدیث میں امام صاحب کے تفوق کے سلسلے میں یزید بن ہارون کی طرف منسوب شدہ جو روایت مکذوبہ مصنف انوار نے نقل کی ہے وہ بے محل ہے (کما تقدم) جب اسی طرح کا استدلال مصنف انوار کو کرنا ہے تو اسی عنوان کے تحت موصوف نے اپنی نقل کردہ مندرجہ ذیل روایت معلوم نہیں کیوں نقل نہیں کی کہ:

"یزید بن ہارون نے کہا کہ میں نے ہزار شیوخ سے علم حاصل کیا مگر خدا کی قسم امام ابوحنیفہ سے زیادہ ورع، حافظہ اور عقل میں نہیں پایا۔" [2]

مصنف انوار نے مذکورہ بالا روایت (۱/۴۷) پر موفق وانتصار کے حوالہ سے اور (۱/ ۱۰۵) میں حدائق الحنفیہ کے حوالہ سے نقل کی ہے، یہ معلوم ہے کہ حدائق میں منقول شدہ روایات کی اسانید محذوف ہیں مگر موفق (۱/۱۹۴، ۱۹۵) میں روایت مذکورہ اس تفصیل کے ساتھ منقول ہے کہ "ہزار شیوخ" سے ملنے والی بات عسکری کی روایت میں ہے اور اس لفظ کے بغیر یہ روایت تاریخ خطیب میں ہے، تاریخ خطیب (۱۳/۳۶۴) میں روایت مذکور موجود ہے۔ [3] اور اس کی سند میں محمد بن علی بن عفان ہے اور یہ معلوم ہے کہ ابوعیاش جیسے ثقہ راوی کو مجہول کہہ کر ان کی روایت کو امام صاحب نے مردود قرار دے دیا ہے، پھر روایت مذکورہ کو مصنف انوار نے کس اصول سے معتبر قرار دے لیا ہے؟

اور حسن بن عبداللہ بن سعد ابواحمد عسکری کذاب ہے۔ [4] ایسی مکذوبہ روایات کو معتبر قرار دینا کیا معنی رکھتا ہے؟

---

[1] ملاحظہ ہو: خطیب (۱۳/ ۳۹۳، ۳۹٤)

[2] مقدمه انوار (۱/ ۱۰۵ و ۷٤) [3] نیز ملاحظہ ہو: اخبار أبي حنيفه للصيمري (ص: ۳۰) وعام کتب مناقب۔

[4] لسان الميزان (۲/ ۲۱۷ و ٥/ ٤۲۷، ٤۲۸، ترجمه محمد بن يحيىٰ صولى)

بروایت یزید امام صاحب سے بڑا کوئی فقیہ نہیں تھا:

مصنف انوار نے کہا:

''کسی نے پوچھا کہ ایک عالم فتوی دینے کے قابل کب ہوتا ہے؟ یزید بن ہارون نے فرمایا کہ جب وہ امام ابوحنیفہ جیسا ہو جائے، ان سے کہا گیا کہ آپ ایسی بات کہتے ہیں فرمایا ہاں بلکہ اس سے بھی زیادہ مجھے کہنا چاہیے، میں نے ان سے زیادہ کسی کو فقیہ ومتورع نہیں پایا، ایک روز میں نے ان کو دیکھا کہ ایک شخص کے دروازے پر دھوپ میں بیٹھے ہیں، میں نے عرض کیا کہ آپ سایہ میں ہو جاتے فرمایا کہ میرے اس گھر والے پر قرض ہیں اس لیے اس کے سایہ میں بیٹھنا مجھے پسند نہیں، محدث یزید نے یہ واقعہ بیان کر کے فرمایا کہ بتلاؤ اس سے بڑا درجہ بھی ورع کا ہوسکتا ہے؟''[1]

ہم کہتے ہیں کہ روایت مذکورہ کی سند میں احمد بن سہل ابوزید بلخی مصنف کتاب فضائل بلخ وغیرہ مولود ۲۳۸ھ ومتوفی ۳۲۲ھ ہے[2] اور یہ شخص غیر ثقہ ہے۔[3] نیز اس سند میں کئی رواۃ مجہول ہیں۔

بروایت یزید تمام علماء عطار اور امام صاحب فقیہ ہیں:

مصنفِ انوار نے کہا:

''ایک روز یزید کی مجلس میں ابن معین، ابن المدینی اور امام احمد وغیرہ بیٹھے تھے، ایک شخص نے آ کر مسئلہ پوچھا آپ نے فرمایا کہ اہل علم کے پاس جا کر معلوم کرلو، ابن المدینی نے کہا کیا آپ اہل علم نہیں ہیں؟ فرمایا اہل علم اصحاب ابی حنیفہ ہیں تم تو عطار ہو۔''[4]

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار نے روایت مذکورہ موفق (۲/ ۴۷) سے نقل کی ہے اور موفق کے مقام مذکور پر اس روایت کی یہ سند منقول ہے:

"وبه قال أخبرنا إبراهيم بن علي الترمذي أنبأ محمد بن سعدان سمعت من حضر يزيد بن هارون... الخ.

اور به قال أخبرنا میں قال کا فاعل موفق نے (۲/ ۳۸) میں حارثی کذاب کو بتلایا ہے، پھر یہ روایت کیونکر معتبر ہے؟ اس کذاب نے اپنی وضع کردہ سند میں ظاہر کیا ہے کہ محمد بن سعدان نے کہا کہ "سمعت من حضر يزيد بن هارون" ظاہر ہے کہ "من حضر" مجہول شخص ہے اور مجہول کی روایت امام ابوحنیفہ ساقط الاعتبار قرار دیتے ہیں نیز روایت مذکور کا تذکرۃ اللمحات (۱/ ۴۰۰، ۴۰۱) میں گزر چکا ہے۔

بروایت یزید امام صاحب کے کلام کے وقت تمام لوگوں کی گردنیں جھک جاتی تھیں۔

مصنفِ انوار نے کہا:

''یزید بن ہارون نے کہا کہ جب امام ابوحنیفہ کلام کرتے تو کل حاضرین کی گردنیں جھک جاتیں۔''[5]

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۰۵)
[2] موفق (۱/ ۱۹۱)
[3] لسان الميزان (۱/ ۱۸۳، ۱۸٤)
[4] مقدمہ انوار (۱/ ۱۰۵ و ۱۱۰)
[5] مقدمہ انوار (۱/ ۷٤، بحوالۂ موفق وکردری)

ہم کہتے ہیں کہ روایت مذکورہ مصنف انوار نے موفق کے حوالہ سے نقل کی ہے اورموفق (۲/ ۴۸) میں یہ روایت بحوالہ حارثی کذاب منقول ہے، اوراس کی وضع کردہ پوری سند بھی مذکورنہیں صرف یہ کہا گیا ہے کہ "وقال برواية أحمد بن علي بن موسى" کیا اس قسم کی روایات کوصحیح ومعتبر کہنا درست ہے؟ چونکہ مقلدین ابی حنیفہ کواس کا احساس تھا کہ امام صاحب نے بذات خوداپنے علم کورائے کہا ہے اس لیے یزید بن ہارون سے یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ:

''لبید بن ابی لبید نے کہا کہ ہم لوگ یزید کے پاس تھے کہ وہ کہنے لگے کہ "قال المغيرة عن إبراهيم" اس پر ایک صاحب نے کہا کہ ہمیں احادیث سنایئے اور یہ قیل وقال چھوڑیے، موصوف یزید نے کہا کہ تم احمق ہو احادیث کا معنی ومطلب سمجھنا ہوتو امام صاحب کی کتابوں اوراقاویل پرنظر رکھو۔'' [1]

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں لوگوں میں مشہورتھا کہ امام صاحب کا ظاہرکردہ علم، علم احادیث نہیں، اس لیے یہ کہنے کی ضرورت پیش آئی کہ امام صاحب کے اقاویل تفسیرِ حدیث ہیں۔

امام صاحب پرامام یزید بن ہارون کی تنقید:

مذکورہ بالا اکاذیب کے بالمقابل امام یزید بن ہارون کے شاگرد خاص شاذ بن یحییٰ واسطی نے امام یزید سے نقل کیا:

"ما رأيت قوما أشبه بالنصارىٰ من أصحاب أبي حنيفة." [2]

''یعنی میں نے نصاریٰ سے مشابہت رکھنے والا فرقہ اصحاب ابی حنیفہ سے زیادہ کسی کونہیں دیکھا۔''

تنبیہ بلیغ:

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ تاریخ خطیب کی نشرواشاعت اورتصحیح کوثری اورمعاونین کوثری کی زیرنگرانی ہوئی ہے، تاریخ خطیب میں یزید سے روایت مذکورہ کا ناقل ظاہرکرتے ہوئے بذریعہ تصحیف کہا گیا ہے:

"وقال أيوب بن شاذ بن يحيىٰ الواسطي صاحب يزيد بن هارون."

حالانکہ صاحبِ یزید بن ہارون شاذ بن یحییٰ واسطی ہیں، یہ روایت متصل السند ہے اورقوی بھی، اس سے ان تمام مکذوبہ روایات کی تکذیب ہوتی ہے جن میں کہا گیا ہے کہ امام یزید نے مدح ابی حنیفہ کی ہے۔

امام ابوبکر بن عیاش کی مدح ابی حنیفہ:

مصنف انوار نے امام ابوبکر بن عیاش کی طرف منسوب مندرجہ ذیل قول نقل کیا:

''ابوحنیفہ اپنے زمانے کے لوگوں میں افضل تھے۔'' [3]

اوّلاً: یہ روایت بھی امام صاحب کے تفوقِ حدیث پر بالصراحت دلالت نہیں کرتی۔ ثانیاً: روایت مذکورہ کی سند میں احمد بن عطیہ المعروف بابن المغلس ہے [4] اور یہ معلوم ہے کہ یہ شخص کذاب اور وضاع ہے، یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ اس کی ولادت ۲۳۲ھ

---

[1] موفق (۲/ ٤٨)
[2] خطیب (۱۳/ ٤١٠)
[3] مقدمہ انوار (۱/ ٥٧)
[4] خطیب (۱۳/ ٢٣٧)

کے لگ بھگ ہوئی مگر اس سے روایت مذکورہ منجاب بن الحارث سے بصیغۂ تحدیث نقل کر رکھا ہے جو ۲۳۱ھ میں انتقال کر گئے تھے۔ [1] ۲۳۱ھ میں انتقال کر جانے والے منجاب سے ۲۳۲ھ میں پیدا ہونے والے شخص کا دعویٰ تحدیث جھوٹ کے علاوہ اور کیا ہے؟

ابن المغلس کے ایک ہم نام ثقہ راوی احمد بن محمد بن مغلس ابوعبداللہ البزار متوفی ۳۱۸ھ [2] سے بسند صحیح مروی ہے:

"حدثنا مجاهد بن موسى حدثنا أبوسلمه منصور بن سلمة الخزاعي قال سمعت أبا بكر بن عياش وذكر حديث عاصم فقال والله ما سمعه أبوحنيفة قط." [3]

''یعنی ابوبکر بن عیاش کے سامنے اس بات کا ذکر آیا کہ امام صاحب عاصم سے قتل مرتدہ کے سلسلے میں حدیث کی روایت کرتے ہیں تو ابوبکر موصوف نے کہا کہ خدا کی قسم امام ابوحنیفہ نے کبھی بھی یہ حدیث عاصم سے نہیں سنی ہے۔''

ابوبکر سے اس روایت کے ناقل ابوسلمہ منصور خزاعی متوفی ۲۱۰ھ ثقہ ہیں اور ثقہ ہی سے روایت کرتے تھے۔ [4] اور خزاعی سے اس روایت کے ناقل مجاہد بن موسیٰ متوفی ۲۴۴ھ بھی ثقہ ہیں۔ [5] اور مجاہد تک کی سند بھی صحیح ہے۔

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مذکورہ بالا روایت کے مطابق امام ابوبکر بن عیاش نے امام صاحب پر یہ الزام لگایا ہے کہ حضرت عاصم سے حدیث مذکور سنے بغیر ہی امام صاحب فرماتے تھے کہ میں نے یہ حدیث عاصم سے سنی ہے، اس روایت کا مفاد کم از کم یہ ضرور ہے کہ امام صاحب پر نسیان یا غلط فہمی کا اس قدر غلبہ تھا کہ عاصم سے حدیث مذکور سنے بغیر ہی وہ سمجھ بیٹھے تھے کہ میں نے یہ حدیث عاصم سے سن رکھی ہے، اس طرح کا نسیان اگر راوی پر کبھی کبھار طاری ہو جایا کرتا ہو اور اس کی تمیز بھی ہو جایا کرتی ہو تو ایسا قادح نہیں کہ راوی ساقط الاعتبار وغیر ثقہ قرار دیا جائے، لیکن یہ کیفیت اگر بکثرت طاری ہو اور اس کی تمیز نہ ہو سکے تو راوی ساقط وغیر ثقہ قرار پائے گا۔ امام ابوبکر بن عیاش سے مروی شدہ قول مذکور امام صاحب پر جرح وطعن ہے، اور گزری ہوئی تفصیل سے ناظرین کرام کو معلوم ہو چکا ہے کہ باسانید صحیحہ یہ بات ثابت ہے کہ امام صاحب نے بذات خود یہ تصریح اور وضاحت فرمادی ہے کہ "عامة ما أحدثكم به خطأ" یعنی میری روایت کردہ عام احادیث میں خطائیں واقع ہوئی ہیں، امام صاحب کے اس فرمان سے اس امر کی تعیین ہو جاتی ہیں کہ ابوبکر بن عیاش سے مروی شدہ مذکورہ بالا قول سے جو یہ مستفاد ہوتا ہے کہ امام صاحب نے غلبۂ نسیان یا غلط فہمی کے سبب خلاف واقع یہ سمجھ لیا تھا کہ میں نے حدیث مذکور عاصم سے سنی ہے، تو اس طرح کا نسیان موصوف امام صاحب پر ان کی اپنی تصریح کے مطابق بکثرت طاری ہوتا تھا۔

امام ابوبکر سے امام صاحب پر بعض دوسری تنقیدیں بھی منقول ہیں۔ [6] اور موصوف نے یہ بھی کہا ہے:

"يقولون إن أبا حنيفة ضرب على القضاء إنما ضرب على أن يكون عريفا على طرز حاكة الخزازيين. [7] وفي رواية زعموا أن أبا حنيفة ضربوه على القضاء كذبوا إنما أرادوه أن يكون عريفا على الحاكة." [8]

---

[1] عام کتب رجال۔
[2] موصوف کا ترجمہ خطیب (۵/ ۱۰۴، ۱۰۵) میں ہے۔
[3] خطیب (۱۳/ ۴۱۷)
[4] خطیب (۱۳/ ۷۰، ۷۱) و تهذيب التهذيب۔
[5] خطیب وتهذیب۔
[6] خطیب (۱۳/ ۴۰۹)
[7] خطیب (۱۳/ ۴۰۹)
[8] خطیب (۳/ ٦٧، ترجمه محمد بن علی بن خلف)

''یعنی لوگ جھوٹ کہتے ہیں کہ امام صاحب عہدۂ قضاء قبول نہ کرنے کے سبب کوڑوں سے مارے گئے، بلکہ انھیں جولاہوں کا عریف (نگراں) بنایا جارہا تھا جس سے انکار کرنے کے سبب موصوف مارے گئے۔''

امام ابوبکر سے یہ روایت کئی سندوں سے مروی ہے اور صحیح ہے، اس میں تصریح ہے کہ موصوف ابوبکر نے ان لوگوں کو جھوٹا قرار دیا ہے جو عہدۂ قضاء قبول نہ کرنے کے سبب امام صاحب کو مارے جانے کا دعوی کرتے ہیں، چونکہ مصنف انوار بھی یہی دعوی کرتے ہیں[1] اور مدح امام صاحب میں موصوف ابوبکر بن عیاش کی طرف منسوب شدہ قول کو حجت بنائے ہوئے ہیں، اس لیے انھیں موصوف سے مروی شدہ مذکورہ بالا قول صحیح کو بھی حجت بنا کر اپنے کذاب ہونے کا اعتراف کرنا چاہیے اگرچہ عہدۂ قضا کے معاملہ میں امام صاحب کے مارے جانے کی بات کافی شہرت رکھتی ہے مگر چونکہ اس بات کو امام ابوبکر نے جھوٹ کہا ہے اس لیے ہم اس موضوع پر آگے چل کر گفتگو کریں گے۔

کیا امام صاحب کو کلبی نے رحمتِ خدا کہا ہے:

ان امور کے باوجود مصنف انوار نے ابوبکر کی طرف منسوب یہ مکذوبہ روایت بھی نقل کر دی:

''میں نے محمد بن السائب الکلبی سے بار بار سنا ہے کہ ابوحنیفہ خدا کی رحمت تھے۔''[2]

حالانکہ محمد بن السائب الکلبی ابوالنصر متوفی ۱۴۶ھ مشہور ومعروف کذابین اور وضاعین میں سے ہے۔[3] مگر اس کی طرف یہ روایت مکذوب طور پر منسوب ہے کیونکہ موفق (۲/ ۳۸) میں یہ روایت حارثی کذاب سے منقول ہے اور اس کذاب نے یہ روایت محمد بن قاسم بلخی سے نقل کی ہے، یہ بھی اسی طرح کا کذاب ہے۔[4] اور محمد بن قاسم کذاب نے یہ روایت محمد بن مہاجر سے نقل کی یہ بھی کذاب اور وضاع ہے۔[5] یہ کتنی عجیب بات ہے کہ مصنف انوار نے اکاذیب کو صحیح ومعتبر قرار دے کر حجت بنا رکھا ہے۔

مصنف انوار کی مستدل روایت کے مطابق ابوبکر بن عیاش کے نزدیک امام صاحب ناپسندیدہ تھے:

اس طرح کے کذابین نے یہاں تک جرأت کر ڈالی ہے کہ کلبی مذکور کی طرف یہ منسوب کیا کہ امام صاحب کا ذکر بعض آسمانی کتابوں میں ہے۔[6] اس روایت کی حقیقت ظاہر کی جا چکی ہے، لیکن مصنف انوار کی دلیل بنائی ہوئی ایک روایت میں ابوبکر بن عیاش کی طرف ایک بات ایسی منسوب ہے جس سے موصوف کی دلیل بنائی ہوئی زیر بحث روایت کی تکذیب ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ مصنف انوار فرماتے ہیں:

''مشہور ہے کہ امام سفیان ثوری کے بھائی کا انتقال ہوا امام صاحب تعزیت کو گئے تو حضرت سفیان ان کو دیکھ کر کھڑے ہوگئے معانقہ کر کے اپنی جگہ بیٹھایا اور خود روبرو بیٹھ گئے، امام صاحب کے جانے کے بعد ابوبکر بن عیاش نے کہا کہ آپ کے طرز عمل سے ہم سب اہل مجلس کو تکلیف ہوئی، فرمایا کیا بات ہے کہ آپ ابوحنیفہ کے لیے اٹھے اور خود شاگردوں کی طرح بیٹھ گئے، فرمایا اعتراض کی کیا بات ہے میں ایسے شخص کے لیے اٹھا جو علم میں اعلیٰ درجہ پر

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۴۸)
[2] مقدمہ انوار (۱/ ۷۷ بحوالۂ موفق و کردری وغیرہ)
[3] تہذیب التہذیب (۹/ ۱۷۸ تا ۱۸۱) و میزان الاعتدال۔
[4] لسان المیزان۔
[5] لسان المیزان (ص: ۳۹۶، ۳۹۷)
[6] موفق (۱/ ۱۷)

ہے اور اگر فرض کرو کہ علم کی وجہ سے نہ بھی اٹھتا تو عمر کے لحاظ سے اٹھنا تھا اگر عمر کی وجہ سے نہ اٹھتا تو ان کے فقہ کی وجہ سے اٹھنے کی ضرورت تھی، ابوبکر کہتے ہیں کہ اس کا جواب مجھ سے نہ ہو سکا۔"[1]

مصنف انوار کی دلیل بنائی اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ ابوبکر کو امام صاحب کی تعظیم وتوقیر بالکل ناپسند تھی، بنا بریں انھوں نے امام سفیان پر اعتراض کیا، اس روایت میں اگرچہ مذکور ہے کہ اپنے اعتراض کا جواب سفیان سے پا کر ابوبکر خاموش ہو گئے مگر امام سفیان ثوری سے باسانید صحیحہ مروی شدہ جو اقوال ہم تنقید ابی حنیفہ میں نقل کر آئے ہیں وہ تکذیب مصنف انوار کے لیے کافی ہیں۔[2]

نیز اس روایت کے بذات خود مکذوب ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ اس کی سند میں اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ غیر ثقہ ہیں۔[3] نیز اس کی سند میں ابن سعید (احمد بن محمد بن سعید ابوالعباس المعروف بابن عقدہ) مشہور غیر ثقہ رافضی ہے اور اس کا ایک راوی ابراہیم بن بصیر غیر معروف ہے۔ حاصل یہ کہ روایت مذکورہ حقائق ثابتہ کے معارض ہونے کے ساتھ سنداً مکذوب ہے۔

امام صاحب کے نبطی ہونے کی بحث میں بھی امام سفیان ثوری سے امام صاحب پر تنقیدوں کا ذکر آ چکا ہے، حارثی کذاب نیز دوسرے کذابین کی وضع کردہ مذکورہ بالاقسم کی روایات کو مصنف انوار نے زیر نظر عنوان نیز دوسرے متعدد عناوین کے تحت بکثرت نقل کیا ہے، جو امام صاحب کی اپنی تصریحات نیز ان کے معاصر اور بعد کے اماموں کی تصریحات کے بالکل معارض وخلاف ہونے کے سبب نیز بذات خود مکذوبہ ہونے کے سبب مردود و باطل ہیں، مثلاً مصنف انوار کی نقل کردہ یہ روایت کہ:

"ابوحمزہ سکری نے کہا کہ میں نے امام صاحب سے جو کچھ سنا ہے وہ مجھ کو ایک لاکھ درہم ودینار سے زیادہ محبوب ہے۔"[4]

اس مفہوم کی بہت کی ساری روایات مصنف انوار نے جمع کر رکھی ہے، مگر مصنف انوار کی موافقت کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ امام صاحب نے اپنی بیان کردہ علمی وفقہی باتوں میں موجود شدہ خرابیوں اور متعارض ومتضاد چیزوں کا احساس وادراک کرتے ہوئے ان کے برے اثر سے لوگوں کو محفوظ رکھنے کے لیے جو یہ فرمایا کہ "میری بیان کردہ عام باتیں مجموعۂ اغلاط واباطیل ہیں۔" نیز "میری کسی بات کی ترویج واشاعت بذریعہ تحریر وروایت نہ کی جائے" وہ ایک لاکھ درہم ودینار کیا حقیقت میں کروڑوں اور اربوں دیناروں سے زیادہ قیمتی چیز ہے، امام صاحب کے ان فرامین کو بھی ان کے تلامذہ نے سنا ہے۔

ابوحمزہ سکری سے مروی شدہ مذکورہ بالا روایت بتصریحِ مصنف انوار خالد بن صبیح ابومعاذ خراسانی سے منقول ہے اور خالد سے یہ بھی مروی ہے:

" قال عبد الرحيم سمعت خالدا وقرأ حديث عمر بن الخطاب أصحاب الرأي أعداء السنن فقلت له من هم قال نحن."[5]

"یعنی خالد نے درسگاہ میں یہ قول فاروقی پڑھا کہ اصحاب الرای دشمنانِ سنت ہیں تو میں نے کہا کہ یہ اصحاب

---

[1] مقدمه انوار (١/ ٦١ و ١٠٩)

[2] ملاحظہ ہو: اللمحات إلى ما في أنوار الباري من الظلمات (٣/ ١٤١ تا ١٦٠)

[3] خطیب (١٣/ ٣٤١) و عام کتب مناقب۔

[4] مقدمه انوار (١/ ٦٠ و ٦٥ و ٧٥)

[5] لسان المیزان (٢/ ٣٧٨)

الرای کون ہیں؟ خالد نے کہا کہ ہم ہیں۔''

جب موصوف خالد بقول خویش دشمن سنت ہیں اور صرف وہی نہیں بلکہ ان کے خیال میں ان کے تمام ہم مذہب اہل الرای کا یہی حال ہے تو یہ اصحاب الرای جو کچھ بھی نہ کر گزریں کم ہے۔ البتہ یہ بھی مروی ہے کہ خالد موصوف کو کتب ابی یوسف پڑھتے دیکھ کر اسلم بن ابی سلمہ نے کہا کہ اس سے بہتر تو یہ تھا کہ تم لوگ گانا گاتے۔ ❶ خالد بن صبیح کو جواہر المضیہ (۱/ ۲۲۹) میں حنفی المسلک اور صدوق قرار دیا گیا ہے، جب ان کا خود اقرار ہے کہ حنفی لوگ ہی وہ اصحاب الرای ہیں جن کو فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اعداء السنن کہا ہے اور نہ صرف اعداء السنن بلکہ یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ لوگ احادیث وآثار کے حفظ وضبط وروایت سے عاجز وقاصر ہونے کے سبب استعمال قیاس ورائے کرتے ہیں، ان سے پرہیز لازم ہے، تو مصنف انوار کا یہ شکوہ کیا معنی رکھتا ہے کہ:

''امام صاحب اوران کے جلیل القدر اصحاب وتلامذہ کے بارے میں ایک بہت ہی سخت مخالفانہ پروپیگنڈہ یہ کیا گیا کہ وہ اصحاب الرای ہیں اور اس کا مطلب یہ بتلایا گیا کہ انھوں نے احادیث وآثار کے مقابلہ میں قیاس ورائے کا استعمال کیا۔'' ❷

خالد کی طرف منسوب شدہ مصنف انوار کی متدل روایت موفق (۲/ ۵۰) میں حارثی کی سند سے منقول ہے، جب مصنف انوار کی متدل روایات کا یہ حال ہے تو ہر ایک پر مستقل تنقید کی ضرورت نہیں بلکہ ان کی حقیقت سمجھنے کے لیے مذکورہ بالا تفصیل کافی ہے۔ البتہ بعض خاص خاص باتوں کی طرف توجہ کی ضرورت ہے مثلاً مندرجہ ذیل بات قابل غور ہے۔

امام اعظم شاہانِ شاہ حدیث:

''امام صاحب کا تفوق حدیث'' کے عنوان سے مطابقت نہ رکھنے والی متعدد روایات مکذوبہ کو نقل کرنے والے مصنف انوار نے نہ جانے کیوں مذکورہ بالا عنوان یعنی ''امام اعظم شاہانِ شاہ حدیث'' تھے کے تحت اپنی نقل کردہ مندرجہ ذیل بات لکھنی بھول گئے، حالانکہ موصوف ایک ہی مکذوب بات کو مکرر سہ کرر لکھنے کے عادی ہیں۔ ملاحظہ ہو مصنف انوار فرماتے ہیں:

''اسی جلالت قدر کے باعث شیخ الاسلام امام الحدیث عبداللہ بن یزید کوفی جب امام صاحب سے روایت حدیث کرتے تو فرمایا کرتے تھے کہ ہم سے حدیث بیان کی شاہانِ شاہ حدیث نے، جس کو خطیب وغیرہ نے بھی ذکر کیا ہے۔'' ❸

ہم کہتے ہیں کہ تاریخ خطیب میں روایت مذکورہ درج ذیل سند سے مروی ہے:

" أخبرني أبو بشر الوكيل وأبو الفتح الضبي حدثنا عمر بن أحمد الواعظ حدثنا محمد بن مخزوم حدثنا بشر بن موسى حدثنا أبو عبد الرحمن (عبد الله بن يزيد) المقري... الخ. ❹

اس سند کے سبھی رواۃ ثقات ہیں سوائے محمد بن مخزوم کے ان کا حال کتب رجال میں نہیں ملتا اور مناقب موفق (۲/ ۳۰) میں یہی روایت تاریخ خطیب سے نقل کی گئی ہے، مگر معلوم نہیں کس ضرورت کے تحت محمد بن مخزوم کی جگہ پر محمد بن بشر لکھ دیا گیا ہے حالانکہ غیر متعین ہونے کے سبب محمد بن بشر بھی بمنزلۂ مجہول ہے لیکن سند مذکور میں اس تحریف اور ردّوبدل کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ حاصل یہ کہ امام عبداللہ بن یزید کی طرف اس روایت کا انتساب صحیح نہیں ہے۔ البتہ حدیث نبوی میں ہے:

❶ لسان الميزان (۲/ ۳۷۸) ❷ مقدمه انوار (۱/ ۱۲) ❸ مقدمه انوار (۱/ ۲۵) ❹ تاريخ خطيب (۱۳/ ۳٤٥)

"أخنع اسم عند اللّٰه يوم القيامة رجل تسمى بملك الأملاك قال سفيان شاهان شاه." ❶

''یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین لقب وخطاب ''شاہانِ شاہ'' ہے۔

معلوم نہیں کہ مصنف انوار نے امام صاحب کے لیے ایسا لقب وخطاب کیوں بہت پسند کر لیا ہے جو اللہ ورسول کی نظر میں نہایت قبیح ومبغوض ہے، مصنف انوار امام صاحب کو فارسی الاصل کہتے ہیں بلکہ یہ بھی کہتے ہیں کہ امام صاحب شاہانِ فارس کے خاندان سے تھے، مصنف انوار اوران کے ہم مزاج لوگوں نے سوچا کہ امام صاحب کو اگرچہ دو چار گاؤں کی حکومت بھی نہیں حاصل تھی مگر چونکہ شاہانِ فارس کا لقب وخطاب شاہانِ شاہ رہا کرتا تھا، اس لیے فن حدیث ہی میں امام صاحب کو شاہانِ شاہ قرار دے کر اپنے دل کو تسکین دی جائے خواہ یہ لقب وخطاب اللہ ورسول کے نزدیک کتنا ہی مبغوض کیوں نہ ہو، آخر اللہ و رسول کے نزدیک جھوٹی باتیں خصوصاً جھوٹی احادیث بھی بہت قبیح ومبغوض ہیں مگر جھوٹی باتوں اور جھوٹی حدیثوں کو بھی مدح امام صاحب کے لیے مصنف انوار اوران کے ہم مزاج لوگوں نے بکثرت استعمال کیا ہے۔ اسی طرح اللہ ورسول کے نزدیک شاہان شاہ کا لقب لاکھ مبغوض وقبیح ہومگر مصنف انوار اوران کے ہم مزاج لوگوں نے یہی طے کر رکھا ہے کہ استعمالِ اکاذیب کے ذریعہ امام صاحب کے لیے اس قسم کی چیزیں بھی بہرحال ثابت کر کے رہیں گے۔

امام عبداللہ بن یزید کی طرف یہ بھی منسوب کیا گیا ہے کہ وہ امام صاحب سے حدیث بیان کرتے تو فرماتے "حدثنا أبوحنيفة شاهِ مرداں" ❷ یعنی امام صاحب شاہ مرداں ہیں۔ اس روایت کی سند میں حارثی کذاب ہے اسی کی وضع کردہ یہ روایت ہے، اس کذاب نے روایت مذکورہ جس جعلی سند سے وضع کی ہے اس میں مقری اوراس کذاب کے درمیان دو واسطے عبداللہ بن صالح ومحمود بن شریک ہیں، یہ دونوں غیر معروف ہیں۔

اسی کذاب نے یہ بھی کہا:

"محمد بن عبد الوهاب كنا عند المقري (عبد اللّٰه بن يزيد) فقال حدثنا أبوحنيفة فقال بعضهم لا تريد فقال دعوه حدثنا النعمان بن ثابت فجعلوا يكتبونه فقال المقرى أموات غير أحياء لايعرفون اسم أبي حنيفة ولا يعرفون فضله ولا تقدمه يقولون لا نريد۔ للّٰه على أن لا أحدثكم شهرا." ❸

''یعنی محمد بن عبدالوہاب نے کہا کہ ہم لوگ عبداللہ بن یزید مقری کے پاس تھے کہ انھوں نے حدیث بیان کرتے ہوئے کہا کہ "حدثنا أبو حنيفة" حاضرین میں سے ابوحنیفہ کا لفظ سن کر بعض نے کہا کہ ہم ابوحنیفہ کی حدیث نہیں لکھنا چاہتے، عبداللہ بن یزید نے کہا کہ اچھا ابوحنیفہ کو چھوڑو مگر "حدثنا النعمان بن ثابت" جب انھوں نے یہ کہا تو سب لوگ ان کی حدیث لکھنے لگے اتنے میں مقری نے کہا کہ یہ لوگ مردہ ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے نام

---

❶ عام كتب حديث وقال الترمذي حديث حسن صحيح، جامع ترمذي (٢/ ١٠٧)

❷ موفق (٢/ ٣٢) وعام كتب مناقب أبي حنيفه۔

❸ موفق (١/ ٣٢) وعام كتب مناقب أبي حنيفه۔

اور ان کے فضل وتقدم سے نا آشنا ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کی حدیث ہم نہیں چاہتے ہیں ۔بخدا میں ایک مہینہ تک اب حدیث ہی نہیں بیان کروں گا۔‘‘

روایت مذکورہ بہر حال مکذوبہ ہے مگر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقری کی درسگاہ میں حاضرین کی اچھی خاصی تعداد امام صاحب کی حدیث کو نا قابل نوشت سمجھتی تھی اور اس کے بعد کی داستاں تو خیر مکذوب ہے، مگر امام صاحب کو عام اہل علم حتی کہ عبداللہ بن یزید نے بھی متروک الحدیث ہی قرار دیا ہے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر کچھ لوگوں کو امام صاحب کا نام نہیں معلوم تھا تو ان کی کنیت سن کر ان کے بارے میں تحقیق کئے بغیر اور مقری سے یہ پوچھے بغیر کہ ابوحنیفہ کون اور کیسے ہیں لوگوں نے کیوں کہا کہ ہم ان کی حدیث نہیں لکھنی چاہتے، پھر نعمان بن ثابت کے نام سے جب حدیث بیان کی گئی تو وہ لکھنے لگے، اگر کچھ لوگ امام صاحب کے نام سے آشنا نہیں تھے تو مقری نے صرف اس جرم میں ایک ماہ کے لیے اپنا درس کیونکر بند کر دیا؟ پھر امام صاحب جب بقول مصنف انوار روایتِ حدیث کا کام فقہ سے اشتغال کے سبب اور شدت تقویٰ کے سبب کرتے ہی نہیں تھے[1] تو مقری امام صاحب کی حدیث لوگوں کے سامنے کیسے بیان کرتے؟

امام عبداللہ بن یزید مقری تو یہ فرماتے ہیں:

" دعاني أبوحنيفة إلى الإرجاء فأبيت."[2]

’’امام صاحب نے مجھے مرجی مذہب قبول کرنے کی دعوت دی تو میں نے انکار کر دیا۔‘‘

" وقال دعاني أبوحنيفة إلى الإرجاء غير مرة فلم أجبه."[3]

’’مجھے امام صاحب نے کئی مرتبہ دعوت ارجاء دی مگر میں نے قبول نہیں کیا۔‘‘

یہ بیان ہو چکا ہے کہ مصنف انوار کی مستدل روایت کے مطابق امام صاحب نے چالیس ہزار درہم دے کر حماد کو مرجی مذہب قبول کرنے کی دعوت دی تو انھوں نے اسے قبول کر لیا، مگر یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص امام صاحب کی اس دعوت کو قبول کرتا پھرے۔

انھیں امام عبداللہ بن یزید سے مروی ہے کہ امام صاحب نے فرمایا کہ میری بیان کردہ عام علمی وفقہی باتیں مجموعۂ اغلاط ہیں۔[4] پھر اگر ان کے حاضرین درس میں سے کچھ لوگوں نے کہہ دیا کہ ہم ابوحنیفہ کی احادیث نہیں لکھنی چاہتے تو موصوف مقری کو اتنی برہمی کیوں ہوئی؟

اس طرح کے اکاذیب کی حقیقت ناظرین کرام کے سامنے کھلتی جا رہی ہے۔

امام صاحب کے لیے ائمہ حدیث کی توثیق:

گزشتہ صفحات میں اپنی بابت امام صاحب کے بیان کردہ متعدد اقوال کا ذکر ہو چکا ہے، جن کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب نے اپنے آپ کو خود ہی متروک الحدیث والرای قرار دیا ہے اور ان کے ان فرامین کی موافقت ان کے معاصر اور بعد کے اہل علم نے بھی کی ہے، بطور خلاصہ امام بخاری نے فرما دیا ہے کہ "سکتوا عن رأيه وحديثه"[5] یعنی عام اہل علم نے امام

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۵۹) [2] خطیب (۱۳/ ۳۷۵) [3] الانتقاء (ص: ۵۱)

[4] خطیب (۱۳/ ۴۰۲) و الجرح والتعديل لابن أبي حاتم۔ [5] تاريخ كبير للبخاري۔

صاحب کو متروک الرای والحدیث قرار دیا، مگر مصنف انوار نے مختلف اہل علم سے امام صاحب کی بابت کلمات توثیق نقل کیے ہیں، جن میں سے اکثر پر گفتگو گزر چکی ہے اور مکمل بحث تذکرۂ امام بخاری میں آئے گی۔ البتہ اس جگہ بطور تنبیہ ایک بات عرض ہے کہ مصنف انوار نے کہا:

''محمد بن سعد عوفی بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام ابن معین سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ''امام حدیث'' ابوحنیفہ ثقہ تھے۔''[1]

مصنف انوار نے جس تہذیب التہذیب کے حوالہ سے مذکورہ بالا بات کہی ہے اس میں یہ نہیں ہے کہ امام صاحب کو ابن معین نے ''امام حدیث'' کہا ہے۔ یہ لفظ مصنف انوار کا اپنی طرف سے اضافہ ہے جس کو اہل علم الحاق وتحریف کہتے ہیں مگر مصنف انوار اسے خالص دینی وعلمی وتحقیقی خدمت کہتے ہیں۔

امام ابن معین سے امام صاحب کی بابت جو مختلف اقوال منقول ہیں، ان میں سے ایک قول یہ بھی ہے جس کو محمد بن حماد مقری نے نقل کیا:

''سألت ابن معين عن أبي حنيفة فقال وأيش كان عند أبي حنيفة من الحديث حتى تسأله عنه.''[2]

''یعنی ابن معین سے میں نے امام صاحب کی بابت پوچھا تو موصوف نے فرمایا کہ تم کو امام صاحب کی بابت یہ پوچھنے کی ضرورت ہی کیا ہے جبکہ ان کے پاس حدیث تھی ہی نہیں۔''

امام ابن معین کے اس فرمان کا مفاد کم از کم یہ ہے کہ امام صاحب امام حدیث نہیں تھے، بلکہ جیسا کہ موصوف ابن معین نے اپنے دوسرے اقوال میں صراحت فرمائی ہے کہ امام صاحب امام حدیث کے بجائے امامِ رائے تھے، حالانکہ مصنف انوار نے موصوف ابن معین کو حنفی کہا ہے۔[3]

ہمارے پاس ابھی ابھی تاریخ ابن معین مرکز بحث علمی مکہ مکرمہ سے آئی ہے، اس میں امام ابن معین نے کوئی ایسی بات نہیں لکھی ہے جس سے ظاہر ہو کہ وہ امام صاحب کو ''امام حدیث'' کہتے تھے، البتہ انھوں نے یہ لکھا ہے:

''أبو حنيفة صاحب الرأي قد سمع من عائشة بنت عجرد فيما قال.''[4]

''یعنی امام ابوحنیفہ صاحب الرای ہیں انھوں نے بقول خویش کہا ہے کہ میں نے عائشہ بنت عجرد سے سنا ہے۔''

اس میں امام ابن معین نے بالصراحت امام صاحب کو صاحب الرای کہا جس کے خلاف معلوم نہیں کیوں مصنف انوار نے یہ لکھ دیا کہ ابن معین نے کہا کہ ''ابوحنیفہ امامِ حدیث ہیں۔''

نیز امام ابن معین نے بتلایا کہ امام صاحب نے بقول خویش عائشہ بنت عجرد سے سنا ہے اس سلسلے میں ہم اللمحات (۱/۱۱۳ تا ۱۱۷) میں مفصل گفتگو کر چکے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ عائشہ ایک مجہولہ عورت ہے، اس کا صحابیہ ہونا ثابت نہیں، اس لیے بالفرض اگر اس سے امام صاحب کا سماع ہو بھی تو اس سے موصوف کا تابعی ہونا لازم نہیں آتا نیز یہ کہ ابن معین وفات ابی

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ٦٣ بحوالہ تهذيب التهذيب: ۱۰/ ٤٥٠)

[2] خطیب (۱۳/ ٤١٦)

[3] مقدمہ انوار (۱/ ۲۳۲، ۲۳۳)

[4] تاریخ ابن معین (۲/ ٦٠٧)

حنیفہ کے آٹھ سال بعد پیدا ہوئے اس لیے یہ روایت منقطع السند ہے لہٰذا ساقط الاعتبار ہے، جس وقت ہم نے اللمحات (۱/۱۱۳ تا ۱۱۷) کی بحث لکھی تھی ہمارے سامنے تاریخ ابن معین نہیں تھی۔ ہم نقل کر آئے ہیں کہ اہل علم نے ابن معین کے مذکورہ بالا اس قول کو (یعنی امام صاحب کا عائشہ بنت عجرد سے سماع ہے) شاذ اور وہم قرار دیا ہے اور عائشہ وامام صاحب کے مابین عثمان بن راشد نامی راوی بھی موجود ہے۔ اس سے قطع نظر امام ابن معین کی اس تصریح سے واضح ہے کہ انھوں نے امام صاحب کو ''صاحب الرای'' کہا ہے، اور ہم کہہ چکے ہیں کہ عام اہل علم نے بھی یہی تصریح کی ہے کہ امام صاحب صاحب الرای تھے۔

یہ نقل کیا جا چکا ہے کہ امام یحییٰ قطان نے کہا کہ امام صاحب صاحبِ حدیث نہیں ہیں، اس کے ساتھ یہ بھی ملاحظہ ہو کہ امام ابن معین نے یہ بھی لکھا ہے:

" قال يحيى بن سعيد القطان لا نكذب الله ربما رأينا الشيء من رأي أبي حنيفة فاستحسنا فقلنا به." [1]

''یعنی یحییٰ قطان نے کہا کہ امام صاحب کی رائے میں سے کبھی کبھی کوئی چیز ہم کو اچھی لگتی ہے تو ہم اسے قبول کر لیتے ہیں۔''

امام قطان سے دوسرے اقوال یہ منقول ہیں کہ امام صاحب کی کتنی قیاسی اور رائے سے متعلق باتیں ہماری نظر میں قبیح ومعیوب ہیں، اس لے امام قطان سے امام صاحب کی بابت مروی شدہ تمام روایات کے پیش نظر امام ابن معین کی نقل کردہ مذکورہ بالا روایت کا مفاد اور معنی ومطلب صرف یہ ہے کہ ''رائے'' سے متعلق امام صاحب کی بعض باتیں تحقیق کی روشنی میں اچھی معلوم ہونے پر امام یحییٰ قطان قبول کر لیتے تھے، اس بات کو ابن معین نے مندرجہ ذیل الفاظ میں بھی کہا ہے:

"قال يحيىٰ بن سعيد القطان أرأيتم إن عبنا على أبي حنيفة شيئا وأنكرنا بعض قوله أتريدون أن نترك ما نستحسن من قوله الذي يوافقنا عليه ما نتزين عند الله بغير ما يعلمه الله فإنا إذا استحسنا من قوله الشيء أخذنا به." [2]

''یعنی اگر چہ ہم ابوحنیفہ کی بعض باتوں کو معیوب ومنکر سمجھتے ہیں مگر وہ ہماری جس بات میں موافقت کرتے ہیں اور ہم اسے اچھا سمجھتے ہیں ہم اس بات کو ان کی مخالفت میں کیونکر ترک کر سکتے ہیں بلکہ ان کی جس بات کو ہم اچھا سمجھتے ہیں قبول کر لیتے ہیں۔''

اس سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ امام قطان امام ابوحنیفہ کی کچھ باتوں کو معیوب ومنکر اور کچھ کو مستحسن سمجھتے تھے ان کی جن باتوں کو موصوف مستحسن سمجھتے تھے، انھیں رد نہیں کرتے تھے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام قطان کے نزدیک امام صاحب کی رائے میں سے سبھی رائے پسندیدہ نہیں تھی۔

امام ابن معین نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام صاحب نے فرمایا کہ میں نے حج کے موقع پر حجام سے تین سنتیں سیکھیں۔ [3] یہی بات امام بخاری نے نقل کر دی تو مصنف انوار امام بخاری پر خفا ہیں۔ (کمامر) امام ابن معین نے یہ بھی لکھا:

---

[1] تاريخ ابن معين (٢/٦٠٧) [2] الانتقاء (ص: ١٣١) وخطيب. [3] تاريخ ابن معين (٢/٦٠٧)

''امام زفر نے کہا کہ ہم لوگ امام صاحب کے پاس آمد و رفت رکھتے تھے، ہمارے ساتھ ابو یوسف ومحمد بھی ہوا کرتے تھے، ہم امام صاحب کی باتیں لکھا کرتے تھے ایک دن امام صاحب نے ابو یوسف کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم میری بیان کردہ تمام باتوں کو مت لکھو کیونکہ میری رائے آئے دن بدلتی رہتی ہے۔'' [1]

یہ روایت صفحاتِ گزشتہ میں بیان ہو چکی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب جو باتیں اپنی درسگاہ میں بیان کرتے تھے وہ صرف رائے وقیاس ہوا کرتی تھیں اور چونکہ امام صاحب کی رائے اور قیاسی بات میں آئے دن تبدیلی ہوا کرتی تھی اس لیے امام صاحب نے اسے لکھنے سے منع کر دیا، ہم کہہ چکے ہیں کہ امام صاحب نے اپنے دوسرے قول میں کہا ہے کہ میری عام باتیں مجموعۂ اغلاط واباطیل ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ مختلف اسباب کے تحت امام صاحب نے اپنی بیان کردہ باتوں کی نشر واشاعت اور تدوین وتحریر سے منع کر دیا تھا اور یہ حکم امام صاحب نے اپنی زندگی کے اواخر میں دیا تھا۔ [2]

الغرض امام صاحب ''صاحب الرای'' تھے، معلوم نہیں مصنف انوار نے اپنی زیر بحث عبارت میں ابن معین کی طرف منسوب کر کے انھیں امامِ حدیث کیوں لکھ دیا؟

امام صاحب کے ترجمہ کے آخر میں امام ابن معین نے وہ روایت نقل کی ہے جسے ہم امام سفیان ثوری کے حوالہ سے نقل کر آئے ہیں کہ امام صاحب نے چند تابعین کا نام گنا کر کہا کہ ہم بھی انہیں کی طرح مجتہد ہیں، ان میں جن کی بات ہم چاہیں لیں گے اور جن کی چاہیں رد کر دیں، امام صاحب کے اس بیان سے محسوس ہوتا ہے کہ اجتہاد میں وہ اپنے کو تابعین کے برابر سمجھتے ہیں، اس لئے امام ثوری نے ان پر نکیر کی اور اسے معیوب قرار دیا۔

مصنف انوار نے مزید کہا:

''صالح بن محمد اسدی نے بیان کیا کہ امام ابن معین نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ حدیث میں ثقہ تھے۔'' [3]

ہم کہتے ہیں کہ اوّلاً: اس روایت کی سند معلوم ہونی چاہیے۔ ثانیاً امام صاحب کی توثیق کے سلسلے میں امام ابن معین کے یہ اقوال مندرجہ ذیل اقوال کے معارض ہیں:

"قال محمد بن عثمان بن أبي شيبة قال سمعت يحيیٰ بن معين وسئل عن أبي حنيفة فقال كان يضعف في الحديث وقال أحمد بن سعد بن أبي مريم سألته عن أبي حنيفة فقال لا تكتب حديثه." [4]

''یعنی امام ابن معین امام صاحب کو حدیث میں ضعیف کہتے تھے اور فرماتے تھے کہ ان کی حدیث مت لکھو۔''

کسی امام فن سے کسی راوی کے بارے میں جب اقوال جرح وتعدیل بظاہر مختلف ہوں تو اہل علم کا اصول ہے کہ صورت تطبیق نکل سکے تو تطبیق دو ورنہ صورت ترجیح ہو تو ترجیح دو، اور ہم ابن معین کا یہ قول نقل کر آئے ہیں:

---

[1] تاریخ ابن معین (٢/٦٠٧) [2] تاریخ ابن معین (٢/٦٠٨)

[3] مقدمہ انوار (١/ ٦٣، بحوالہ تهذیب التهذیب: ١/٤٥٠)

[4] خطیب (١٣/ ٤٣)

”ما رأيت في أصحاب الرأى أثبت في الحديث ولا أحفظ ولا أصح رواية من أبي يوسف وأبوحنيفة صدوق غير أن في حديثه ما في حديث المشائخ يعني من الغلط.“[1]

”یعنی اصحاب الرای میں امام ابو یوسف جتنا اثبت واحفظ واصح روایت والا کوئی نہیں تھا، اور امام صاحب صدوق تھے مگر ان کی بیان کردہ احادیث میں وہ عیوب رہا کرتے تھے جو شیوخ کی احادیث میں رہا کرتے ہیں یعنی امام صاحب کی روایات میں اغلاط رہا کرتے ہیں۔“

اس سے معلوم ہوا کہ ابن معین نے امام صاحب کو صدوق کہا مگر ان کی احادیث کو اغلاط والی احادیث قرار دیا اور امام صاحب نے بھی یہی بات کہی ہے کہ میری بیان کردہ ساری باتیں خواہ وہ حدیث ہوں یا فقہ مجموعۂ اغلاط ہیں، لہٰذا معلوم ہوا کہ ابن معین امام صاحب کو جو ثقہ کہا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ موصوف صدوق تھے عمداً اغلط بیانی نہیں کرتے تھے، ورنہ جیسا کہ خود امام صاحب نے فرمایا کہ میری باتیں مجموعۂ اغلاط ہیں اور نا قابل نوشت وتحریر اس کے مطابق امام صاحب ساقط الاعتبار ہیں۔

امام ابوداود کی توثیقِ امام صاحب:

مصنف انوار نے کہا:

”امام ابوداود سجستانی صاحب السنن فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ امام شریعت تھے۔“[2]

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار نے قولِ مذکور بحوالہ تذکرۃ الحفاظ نقل کیا ہے اور تذکرۃ الحفاظ میں قول مذکور بایں لفظ منقول ہے:

” قال أبو داود إن أبا حنيفة كان إماما.“

”یعنی ابوحنیفہ امام تھے۔“

اور اس میں شک نہیں کہ امام ابوحنیفہ مسلمانوں کے بہت سارے اماموں میں سے ایک امام ہیں، البتہ یہ بتلایا جا چکا ہے کہ امام ابن معین اور دوسرے اہل علم نے کہا کہ ”امام صاحب امام اہل الرای تھے۔“ یہی وجہ ہے کہ امام ابوداود نے اپنی کتابوں میں امام صاحب کی روایت کردہ کوئی بھی حدیث نہیں نقل کی ہے، یعنی عملی طور پر موصوف نے بھی امام صاحب کی روایت کردہ حدیث کو امام صاحب کے اس فرمان کے مطابق ترک کر دیا ہے کہ ”میری کسی بات کی روایت واشاعت نہ کی جائے۔“ کیونکہ امام صاحب کا یہ فرمان بذات خود قابل قبول ہے ہی دوسرے اہل علم نے بھی امام صاحب کے اس فرمان کی پوری موافقت کی ہے۔

امام صاحب کی توثیق ثوری وغیرہ:

مصنفِ انوار نے مذکورہ بالا باتوں کے بعد علامہ ابن حجر مکی کی خیرات الحسان کے حوالہ سے سفیان ثوری سے امام صاحب کی توثیق نقل کی ہے، نیز ابن مدینی وابن معین سے بھی مدح امام صاحب نقل کی ہے۔[3] مگر امام صاحب پر امام سفیان ثوری اور دوسرے اہل علم کی جرحوں کا ذکر ہو چکا ہے۔

---

[1] مناقب أبي حنيفه للذهبي (ص: ٤٠)

[2] (مقدمه انوار (١/ ٦٣، بحواله تذكرة الحفاظ: ١/١٥٢)

[3] مقدمه انوار (١/ ٦٣)

علامہ عینی اور توثیق امام صاحب

یہاں مصنف انوار نے دوسرے اقوال کے ساتھ علامہ عینی حنفی سے نقل کیا:

''ابن معین سے امام صاحب کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا کہ ثقہ ہیں، میں نے سنا ہی نہیں کہ امام صاحب کو کسی نے ضعیف کہا ہو۔''[1]

ہم بتلا چکے ہیں کہ امام ابن معین کی ولادت سے بہت پہلے امام صاحب نے بذات خود اپنی بابت متعدد ایسی باتیں کہی ہیں جن کا لازمی مطلب ہے کہ امام صاحب نے اپنے متروک ہونے کی صراحت کی ہے، جس کی موافقت بشمول ابن معین عام اہل علم نے کی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام یحییٰ بن معین کی طرف مذکورہ بالا قول غلط طور پر منسوب ہو گیا ہے۔

یہاں مصنف انوار نے کہا ہے کہ امام ترمذی نے جابر کی تنقید میں امام صاحب کا قول نقل کیا ہے اور دوسرے اہل علم نے بھی، مگر مصنف انوار کو یہ معلوم نہیں کہ چونکہ جابر جعفی امام صاحب کے قیاسی مسائل کی تائید میں جھوٹی روایات گھڑ کر بیان کرتا تھا، اس لیے فقہ اہل الرای کی تائید میں جابر جعفی کی بیان کردہ روایات کی تکذیب کی بہتر صورت یہی ہوسکتی تھی کہ امام اہل الرای سے جابر کی تکذیب نقل کی جائے، رواۃ کی توثیق وتجریح میں جس شخص کے اقوال نقل کئے جائیں اس کا بذات خود ثقہ ہونا ضروری نہیں، محمد بن عمر واقدی اور ابوالفتح ازدی کے اقوالِ جرح وتعدیل سے کتابیں بھری ہوئی ہیں مگر ان لوگوں کا غیر ثقہ ومجروح ہونا مسلم ہے۔

امام صاحب تمام اصحاب کتبِ حدیث کے استاذ ہیں:

مذکورہ بالا عنوان کے تحت مصنف انوار نے کہا:

''روایاتِ حدیث میں تقریباً تمام اصحاب کتب حدیث امام صاحب کے بواسط شاگرد ہیں، حافظ ابن حجر نے تقریب میں امام صاحب کے ترجمہ میں نسائی وترمذی کی علامت لگائی ہے کہ امام ترمذی ونسائی نے امام صاحب کی ''روایات'' تخریج کی ہیں اور تہذیب التہذیب میں ان روایتوں کا ذکر بھی کیا ہے، صاحب مجمع البحار نے بھی ترمذی ونسائی کا حوالہ دیا ہے، صاحبِ خلاصہ نے امام کے ترجمہ میں شمائل ترمذی، نسائی اور جزء البخاری کی علامت لگائی ہے، مسند ابی داود طیالسی میں امام صاحب کی ایک روایت موجود ہے، معجم صغیر طبرانی میں دو روایتیں موجود ہیں، مستدرک حاکم میں امام صاحب کی ایک حدیث شہادت میں پیش کی ہے اور جلد سوم میں بھی ایک روایت موجود ہے، امام دارقطنی نے اپنی سنن میں (۳۳) جگہ امام صاحب کے طرق سے احادیث روایت کیں حالانکہ وہ امام صاحب سے تعصب بھی رکھتے تھے۔''[2]

ہم کہتے ہیں کہ جن کتب حدیث میں امام صاحب کی روایت کردہ احادیث موجود ہیں، ان میں امام صاحب کی روایات کی موجودگی کی حقیقت گزشتہ صفحات میں واضح کر دی گئی ہے، نیز ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار کے اس بیان کا حاصل یہ ہے کہ تقریباً تمام اصحاب کتب حدیث امام صاحب کے بواسطہ شاگرد ہیں اور امام صاحب کی روایت کردہ احادیث متعدد کتب حدیث میں

---

[1] مقدمہ انوار (١ / ٦٤)
[2] مقدمہ انوار (١ / ٦٥)

موجود ہیں، جس سے علم حدیث میں امام صاحب کی عظمت وفضیلت ثابت ہوتی ہے، اس میں شک نہیں کہ یہ بات امام صاحب کے لیے باعث عظمت وفضیلت ہے مگر یہ بالکل واضح بات ہے کہ اس عظمت وفضیلت میں امام صاحب منفرد نہیں ہیں بلکہ اس معاملہ میں امام صاحب کے ساتھ بہت سارے لوگ شریک ہیں، مثلاً امام صاحب نے اپنے جس استاذ جابر جعفی کو اکذب الناس کہا ہے اور جس کی روایت کردہ احادیث امام صاحب نے بھی نقل کی ہیں وہ بھی تمام اصحاب کتب حدیث کے بالواسطہ یا بلاواسطہ استاذ ہیں، اور حافظ ابن حجر نے تقریب میں ان کے زیر ترجمہ ابوداود وترمذی وابن ماجہ کی علامت لگائی ہے، اسی طرح دوسرے اہل علم نے بھی مثلاً حافظ ذہبی نے جابر جعفی کے لیے ابوداود وترمذی وابن ماجہ کی علامت دیوان الضعفاء والمتروکین (ص: ۴۱) ومیزان الاعتدال (۱/۱۵۳) وکاشف تہذیب الکمال میں لگائی ہے اور علامہ عبدالوہاب نے کشف الاحوال فی نقد الرجال (ص: ۲۷) اور صاحب خلاصہ وغیرہ نے اپنی اپنی کتابوں اور عام اہل علم کی کتابوں میں جابر جعفی کا تذکرہ اور ان کی روایات کا ذکر کیا ہے، یہی حال حارث اعور وعمرو بن عبید وطلق وغیرہ کا ہے جنھیں امام صاحب نے مجروح کہا ہے۔

اس تفصیل سے امید ہے کہ مصنف انوار علم حدیث اور عظمت وفضیلت میں امام صاحب کے استاذ جابر جعفی وعمرو بن عبید اور استاذ الاستاذ حارث اعور کا مرتبہ اور درجہ امام صاحب سے کہیں زیادہ قرار دیں گے، کیونکہ مصنف انوار ہی کا کہنا ہے کہ استاذ کا درجہ شاگرد سے بڑا ہے خصوصًا اس وجہ سے بھی کہ جابر کو تقریب التہذیب میں تابعی کہا گیا ہے اور امام صاحب کو تبع تابعی کہا گیا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ بہت سارے کذابین کا یہی حال ہے کہ وہ اصحاب کتب حدیث کے استاذ ہیں اور ان کی روایات بکثرت کتب حدیث میں موجود ہیں، ہم امام مالک کے کذاب اساتذہ کی ایک فہرست پیش کر آئے ہیں، وہ سارے لوگ امام صاحب کے اساتذہ ہونے کے ساتھ بالواسطہ یا بلاواسطہ عام اصحاب کتب حدیث کے اساتذہ ہیں، جن کی روایات کتبِ حدیث میں موجود ہیں۔

مصنف انوار کا یہ بیان خاصا دلچسپ ہے کہ ''امام ترمذی ونسائی نے امام صاحب کی روایات کی تخریج کی اور تہذیب میں ان روایتوں کا ذکر بھی ہے، کیونکہ تہذیب میں صرف یہ ذکر ہے کہ کتاب ترمذی میں بروایت عبدالحمید حمانی امام صاحب کا یہ قول منقول ہے کہ ''ما رأيت أكذب من جابر ولا أفضل من عطاء'' اور کتاب نسائی میں بروایت ابن الاحمر امام صاحب کی ایک حدیث منقول ہے جو کتاب نسائی کے دوسرے نسخوں میں نہیں ہے۔[1] یعنی ترمذی میں امام صاحب کا ایک قول اور نسائی میں ان کی روایت کردہ ایک حدیث کا ذکر ہے، اتنی سی بات کو مصنف انوار نے یوں کہا کہ امام ترمذی ونسائی نے امام صاحب کی روایات کی تخریج کی اور تہذیب میں ان روایتوں کا ذکر کیا گیا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ امام ترمذی ونسائی کی کتابوں کے موجودہ نسخوں میں یہ اتنی سی بات بھی موجود نہیں ہے جس کا اصل سبب یہ ہے کہ بعد میں امام ترمذی ونسائی کو خود اس بات کا احساس ہوا کہ امام صاحب کی کوئی روایت ہماری کتاب میں نہیں ہونی چاہیے، اس کے مختلف اسباب ہیں۔ اوّلاً: امام صاحب کے متعدد فرامین کا حاصل یہ ہے کہ میری بیان کردہ باتیں مجموعۂ اغلاط ہیں اس لیے ان کی نقل وروایت نہ کی جائے، امام صاحب کے اس فرمان کی موافقت ان کے عام معاصر وغیر معاصر اہل علم نے کی، جن میں امام صاحب کے متعدد اساتذہ مثلاً امام مالک واوزاعی وسفیان ثوری وابن جریج وغیرہم ہیں اور خود امام نسائی نے بھی امام صاحب کو اپنی کتاب الضعفاء والمتروکین میں کہا:

---

[1] تهذيب (١٠/ ٤٥١)

”أبوحنيفة ليس بالقوي في الحديث وهو كثير الغلط والخطأ وعلى قلة روايته.“[1]

”یعنی امام صاحب حدیث میں قوی نہیں، قلیل الحدیث ہونے کے باوصف موصوف کثیر الغلط والخطأ ہیں۔“

مصنف انوار نے امام نسائی کی اس بات کو حسب عادت الحاقی کہا ہے جس کی حقیقت آگے بیان ہوگی، نیز امام ترمذی نے امام وکیع کا قول نقل کیا کہ امام صاحب جیسے اہل الرای کی طرف نظرِ التفات بھی نہ ڈالو کیونکہ ان کا مذہب بدعت ہے۔

ثانیاً: امام ترمذی ونسائی کے استاذ الاساتذہ امام احمد نے فرمایا کہ ”لا ینبغي أن یروی عن أهل الرأي“[2] یعنی اہل الرای سے روایت نہیں کرنی چاہیے، امام ترمذی ونسائی کے استاذ امام بخاری ومسلم نے بھی امام صاحب کو متروک قرار دیا، اس لیے بعد میں ان دونوں حضرات نے بھی اپنی کتابوں سے امام صاحب سے مروی شدہ روایت نکال دی اگرچہ وہ صرف ایک ہی ایک روایت تھی، اور باقی جن کتابوں میں امام صاحب کی بعض مرویات ہیں ان کی حقیقت مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہے۔ان امور کوملحوظ رکھتے ہوئے ناظرین کرام دوبارہ پھر مصنف انوار الباری کے مندرجہ ذیل بیان کو بنظر انصاف غور سے ملاحظہ فرمائیں:

”مسند ابی داود طیالسی میں امام صاحب کی ایک روایت موجود ہے معجم صغیر طبرانی دو روایتیں موجود ہیں مستدرک حاکم جلد دوم وسوم میں بھی ایک ایک روایت ہے امام دارقطنی نے اپنی سنن میں تینتیس جگہ امام صاحب کے طرق سے احادیث نقل کیں حالانکہ وہ ان سے تعصب بھی رکھتے تھے۔“[3]

ہم عرض کر چکے ہیں کہ مصنف انوار کی تصنیفِ ابی حنیفہ قرار دی ہوئی کتاب مسند خوارزمی کے مطابق امام صاحب نے جابر جعفی وحارث اعور وغیرہ کی روایات نقل کر رکھی ہیں، ایک جگہ منقول ہے:

”أبوحنيفة عن جابر الجعفي عن نافع عن ابن عمر مرفوعًا كان يجعل وتره اٰخر صلوٰته ليلا لقنت فيه إلى أن قال عن القاسم بن إسماعيل والقاسم بن معن قالا سمعنا أبا حنيفة يقول سألت جابر الجعفي عن مسئلة قط إلا أورد فيها حديثا ولقد سألته عن وتر رسول الله ﷺ فقال حدثني نافع عن ابن عمر الحديث، قال الحافظ حدثنا ابن عقدة حدثنا ابن حازم حدثنا أبو غسان قال زهير إذا قال جابر بن يزيد حدثنى أو سمعت فاقطع به فان جابرا أصدق الناس عندى.“[4]

”یعنی امام صاحب نے جابر جعفی سے وتر کے متعلق حدیث روایت کی، قاسم بن معن وقاسم بن اسماعیل نے کہا کہ ہم نے امام صاحب کو یہ فرماتے سنا کہ میں نے جب بھی جابر جعفی سے کوئی مسئلہ پوچھا تو انھوں نے اس سلسلے میں کوئی نہ کوئی حدیث بیان کی، زہیر نے کہا کہ جابر جعفی جب بصیغۂ تحدیث وسماع روایت کریں تو اسے قطعاً صحیح مانو کیونکہ جابر میرے نزدیک اصدق الناس ہیں۔“

---

[1] الضعفاء والمتروكين للنسائي (ص: ٣٥ و٢٩) والضعفاء والمتروكين للذهبي (ص: ٣١٨) وميزان الاعتدال مصرى وسيأتي التفصيل.

[2] عام كتب رجال.

[3] مقدمه انوار (١/ ٦٥)

[4] جامع مسانيد أبي حنيفه (١/ ٣٠٤)

مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب نے جابر جعفی کی اس اعتبار سے مدح کی ہے کہ انھیں احادیث کی معلومات بہت تھیں نیز اسی روایت میں زہیر کا یہ قول بھی منقول ہے کہ جابر جعفی اصدق الناس ہیں، جبکہ امام صاحب نے موصوف کو اکذب الناس کہا ہے۔

حاصل یہ کہ بعض کتب احادیث میں امام صاحب سے بعض احادیث کے منقول ہونے سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ تمام محدثین امام صاحب کو امام حدیث واستاذ حدیث قرار دے کر ان کی توثیق کرتے تھے خصوصاً جب امام صاحب نے خود اپنی بابت فرمادیا کہ میری باتیں مجموعۂ اغلاط ہیں، تو پھر یہ بات محل نزاع نہیں رہ جاتی کہ امام صاحب علم حدیث میں غیر معتبر ہیں۔ مستدرک حاکم میں امام صاحب کی مذکورشدہ دونوں روایتوں کی حقیقت واضح ہوچکی ہے [1] اور معجم طبرانی والی روایت نیز طیالسی والی روایت کی حقیقت واضح ہوگی۔ سنن دارقطنی میں امام صاحب کی روایت کردہ احادیث اگرچہ ہیں مگر مصنف انوار معترف ہیں کہ امام دارقطنی نے امام صاحب پر جرح وقدح کی ہے۔ [2] اس صورتِ حال کا کیا مطلب ہے؟

امام صاحب کی مدح ابوحمزہ سکری کی زبانی:

زیر نظر عنوان (یعنی امام صاحب تمام اصحاب کتب حدیث کے استاذ ہیں) کے تحت مصنف انوار نے نہ جانے کس مناسبت سے درج ذیل بات کہی۔

۱۔ ''مشہور محدث کبیر ابوحمزہ سکری نے بیان کیا کہ میں نے امام صاحب سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ہمیں جب کوئی حدیث صحیح مل جاتی ہے تو اسی کو لے لیتے ہیں، اور جب صحابہ کے آثار واقوال ملتے ہیں تو ان میں سے کسی ایک کو منتخب کر لیتے ہیں اور ان کے دائرہ سے نہیں نکلتے، البتہ جب کوئی قول تابعین کا آتا ہے اور وہ ہمارے فیصلہ کے خلاف ہوتا ہے تو اس سے مزاحمت کرتے ہیں۔

۲۔ خالد بن صبیح نے بیان کیا کہ میں نے ابوحمزہ سکری سے بارہا سنا کہ جو کچھ میں نے امام صاحب سے سنا ہے وہ مجھ کو ایک لاکھ درہم ودینار سے زیادہ محبوب ہے۔

۳۔ ابوالعلاء صاعد بن محمد نے ابوحمزہ سکری سے نقل کیا کہ میں نے اصحاب رسول اللہ ﷺ کے بارے میں سب سے بہتر وانسب طریقہ پر کلام کرنے والا امام صاحب سے زیادہ نہیں دیکھا، وہ ہر صاحب فضل وکمال کے حق کو پورا پورا ادا کرتے تھے، پھر اس سے بڑی بات یہ ہے کہ وفات کے وقت تک کبھی کسی صاحب فضل کا خواہ صحابہ میں سے ہوں یا غیر صحابہ میں تنقیص وبرائی کے ساتھ ذکر نہیں کیا۔'' [3]

ہم کہتے ہیں کہ ہمارا حسن ظن بھی یہی ہے کہ امام صاحب کو جب کوئی ایسی حدیث مل جاتی تھی جس کو وہ اپنے معیار کے مطابق صحیح الاسناد سمجھتے تھے تو اس پر موصوف ضرور عمل کرتے تھے، یہی نہیں بلکہ حافظ ابن حزم نے کہا:

”جميع أصحاب أبي حنيفة مجمعون على أن مذهب أبي حنيفة إن ضعيف الحديث

---

[1] اللمحات (۲/ ۳۲۴ تا ۳۲۹)

[2] اللمحات (ص: ۳۱۲ تا ۳۱۵) ومقدمہ انوار الباری (۱/ ۱۲۱، ۱۲۲)

[3] مقدمہ انوار (۱/ ۶۵،۶۶، بحوالہ جواهر المضیہ: ۲/ ۲۵۰)

أولى عنده من القياس و الراي."[1]

''یعنی تمام احناف اس بات پر متفق ہیں کہ امام صاحب کا یہ مذہب ہے کہ قیاس و رائے کے بالمقابل ضعیف حدیث بھی بہتر ہے۔''نیز امام صاحب احادیث مرسلہ کو بھی معمول بہ بنایا کرتے تھے۔

مگر دوسری طرف اپنا اور امام صاحب کا مذہب بتلاتے ہوئے امام ابو یوسف نے کہا کہ اخبار آحاد کی تائید جب تک نصوص قرآن یا اجماع سے نہ ہو تب تک وہ شاذ ہونے کے سبب مردود ہیں۔[2] نیز یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ بعض لوگوں نے امام صاحب کی طرف منسوب کیا ہے کہ متعدد صحابہ کی روایت کردہ احادیث کو امام صاحب اپنے قیاس کے مقابلہ میں رد کر دیتے تھے۔[3] نیز خود مصنف انوار کا دعوی ہے کہ متعدد صحابہ جن میں حضرت ابو ہریرہ بھی ہیں اصول شریعت کے خلاف احادیث بیان کرتے تھے، اس لیے ان کی بیان کردہ یہ احادیث مذہبِ امام صاحب میں مردود ہیں۔[4]

نیز بطور مثال بیان کیا جا چکا ہے کہ ابوعیاش زرقی کی روایت کردہ اس حدیث کو امام صاحب نے غیر صحیح کہہ کر رد کر دیا کہ رطب کے ساتھ تمر کی بیع جائز نہیں، حالانکہ یہ حدیث معنوی طور پر متعدد صحابہ سے مختلف سندوں کے ساتھ مروی ہے، نیز بقول ہلال الرای امام صاحب نے وقف سے متعلق احادیث متواترہ کو بھی غیر صحیح کہہ کر رد کر دیا، ان سب باتوں کا حاصل صرف یہ ہے کہ امام صاحب کے اصول ہی میں تضاد ہے، جس کا احساس خود امام صاحب کو بعد میں ہو گیا تو انھوں نے فرمایا کہ میری عام باتیں مجموعۂ اغلاط ہیں، ورنہ ایک طرف یہ اصول کہ احادیث ضعیفہ بھی قیاس ورائے پر مقدم ہیں اور دوسری طرف بڑے پیمانہ پر احادیث صحیحہ نیز احادیث ضعیفہ ومراسیل کا رد کوئی معنی نہیں رکھتا، کیونکہ ان اصولوں کے اندر باہم خود تعارض وتضاد ہے اور غلطی سے بکثرت اس قسم کے تضاد وتعارض کے شکار ہونے والے مخلص صاحب علم کو یقیناً یہ احساس ہو سکتا ہے کہ میری یہ ساری باتیں مجموعۂ اغلاط ہیں۔

یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ مصنف انوار کی مذکورہ بالا عبارت میں منقول شدہ پہلی روایت امام صاحب سے مختلف طرق سے مروی ہے، جن کا ایک مفاد یہ بھی ہے کہ امام صاحب بقول خویش طبقۂ تابعین کے بعد والے طبقۂ تبع تابعین کے فرد ہیں، نیز بعض روایات کے مطابق امام صاحب نے کہا ہے کہ تابعین کی بات ماننی ہمارے لیے ضروری نہیں کیونکہ وہ بھی آدمی ہیں اور ہم بھی آدمی ہیں، ایک طرف تو امام صاحب نے یہ فرمایا ہے

دوسری طرف مصنف انوار نے محدثین کو مطعون کرتے ہوئے کہا ہے:

''تیسری صدی کے محدثین نے اسلاف کے خلاف بہت سے اقدامات کیے، جن میں سے ایک یہ ہے کہ انھوں نے صحابہ وتابعین کے بارے میں کہہ دیا کہ ان کے فتاوی پر ہماری روایت کردہ احادیث کو ترجیح حاصل ہے کیونکہ وہ بھی آدمی ہیں اور ہم بھی آدمی ہیں۔''

---

[1] مناقب أبي حنيفه للذهبي (ص: ٢١) والإحكام لابن حزم.
[2] اللمحات (٢/ ٣٦٠ تا ٣٦٥)
[3] اللمحات (١/ ١٢٤)
[4] اللمحات (١/ ٢٠٧ تا ٢٥٠)

محدثین نے تواحادیث کوصحابہ وتابعین کے فتاوی پر ترجیح دی اورکہا کہ وہ بھی آدمی اورہم بھی آدمی مگر امام صاحب نے تابعین اورخود کو آدمی کہتے ہوئے جو یہ کہا کہ ہم ان کے فتاوی کے خلاف مزاحمت کریں گے اس کا کیا معنی ومطلب ہے؟ محدثین تواحادیث کے مقابلہ میں فتاوی صحابہ وتابعین کومرجوح قرار دیتے ہیں مگر امام صاحب کے مندرجہ بالا اس اصول کا کیا معنی ہے؟

یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ امام صاحب نے جس طرح یہ فرمایا کہ صحابہ کے دائرہ سے ہم باہر نہیں نکلتے، اسی طرح انھوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ تابعین کے دائرہ سے ہم باہر نہیں نکلتے، ایک طرف یہ معاملہ دوسری طرف تابعین اورصحابہ کے اس موقف سے امام صاحب نے خروج کیا کہ غیر وقوع پذیر اورغیر مسئولہ مسائل کوفرض کر کے حل کیا جائے، بقول مصنف انوار امام صاحب نے اس طرح کے لاکھوں مسائل حل کیے ہیں، کیا امام صاحب کے ان اصول میں تعارض نظر نہیں آتا؟

مصنف انوار کی مذکورہ بالا عبارت میں جو دوسری روایت خالد بن صبیح سے مروی ہے تو خالد بن صبیح سے بذات خود یہ مروی ہے:

" قال عبد الرحيم سمعت خالدا وقرأ حديث عمر بن الخطاب أصحاب الرأي أعداء السنن فقلت له من هم قال نحن." [1]

"یعنی موصوف نے حضرت عمر فاروق کی یہ روایت پڑھی کہ اصحاب الرای دشمنانِ سنت ہیں تو لوگوں نے ان سے کہا کہ یہ اصحاب الرای جو دشمنان سنت ہیں کون ہیں؟ خالد نے کہا کہ ہم"

مصنف انوار نے آگے چل کر (۱/ ۷۱) میں خالد بن صبیح سے یہ بھی نقل کیا:

"امام صاحب ایک رات عشاء کی نماز پڑھ کر جا رہے تھے کہ امام زفر نے کوئی مسئلہ پوچھا، امام صاحب نے جواب دیا اس میں دوسری اور تیسری بحث نکل آئی صبح تک یہ سلسلہ جاری رہا اورصبح کے بعد بھی یہ گفتگو رہی حتی کہ زفر کو شرح صدر ہوگیا۔" [2]

مصنف انوار نے مذکورہ بالا روایت کا حوالہ نہیں دیا اوراس پر یہ تبصرہ فرمایا:

"معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کے رات کے اوقات عبادت ونماز وغیرہ میں جب ہی گزرتے ہوں گے کہ آپ کے پاس طالبین علوم کا ہجوم نہ ہو، ورنہ درس وافادہ ہی مقدم رکھتے ہوں گے جیسا کہ واقعہ مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے۔"

مگر سوال یہ ہے کہ اس بے سند روایت کومصنف انوار نے معتبر کیوں قرار دے لیا ہے؟ مصنف انوار کی مندرجہ بالا عبارت میں ابوحمزہ سکری کی طرف جو یہ منسوب کیا گیا ہے:

"میں نے صحابہ کے بارے میں بہتر طریقہ پر کلام کرنے والا امام ابوحنیفہ سے زیادہ کسی کونہیں دیکھا، انھوں نے کسی صاحب فضل کا تنقیص وبرائی کے ساتھ ذکر نہیں کیا۔"

توہمارا حسن ظن یہی ہے کہ امام صاحب نے صحابہ کے بارے میں ایسا ہی موقف اختیار کیا ہوگا مگر مصنف انوار کا جو یہ دعوی ہے:

"فقہائے صحابہ نے کثرت سے روایت کرنے والے صحابہ پر تنقیدیں کیں خصوصاً ان احادیث پر جو قواعد واصول شرع کے خلاف کسی مضمون کی حامل تھیں۔" [3]

---

[1] لسان الميزان (۲/ ۳۷۸)
[2] مقدمه انوار (۱/ ۷۱)
[3] مقدمه انوار (۱/ ۲۱، ۲۲ وقد مرّ)

تو مصنف انوار یہ بتلائیں کہ ان کی لکھی ہوئی مندرجہ بالا بات امام صاحب کی اپنی بات ہے یا نہیں، اگر یہ بات امام صاحب کی ہے تو اس سے مکثرین صحابہ کی تنقیص و برائی ہوتی ہے یا نہیں؟ نیز امام صاحب نے اپنے استاذ الاستاذ حارث اعور اور استاذ جابر جعفی وعمر بن عبید وطلق پر کلام کیا ہے، اس سے ان کی تنقیص ہوتی ہے یا نہیں، جبکہ یہ حضرات مسلمانوں کے ایک طبقہ کے سردار اور اصحاب الفضل والکمال سمجھے جاتے ہیں؟ امام صاحب سے جو یہ مروی ہے کہ میں صحابہ کی ایک جماعت کی روایت کردہ حدیث اپنی رائے کے مقابلہ میں قبول نہیں کر سکتا، اس سے ان صحابہ کی تنقیص ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر کہا جائے کہ یہ باتیں امام صاحب کی طرف غلط منسوب ہیں تو کیا مصنف انوار نے جتنی باتیں امام صاحب اور دوسروں کی طرف منسوب کر رکھی ہیں وہ صحیح ہیں؟ عام کتب مناقب ابی حنیفہ میں منقول ہے کہ امام صاحب نے فرمایا کہ اہل حدیث ہم سے اس لیے بغض رکھتے ہیں کہ ہم اہل بیت نبوی سے محبت رکھتے ہیں اور حضرت علی کی خلافت کو صحیح سمجھتے ہیں مگر اہل حدیث خلافت علی کے قائل نہیں ہیں۔[1] تمام اہل حدیثوں پر یہ اتہام کیا معنی رکھتا ہے، جن کتب مناقب ابی حنیفہ کی روایات کو مصنف انوار آیات قرآنیہ کی طرح بطور دلیل نقل کرتے چلے جاتے ہیں ان میں یہ بھی مذکور ہے کہ امام صاحب حضرت ابوبکر وعمر کے بعد سب سے افضل حضرت علی مرتضی کو قرار دیتے تھے بعدہ حضرت عثمان کو۔[2] کیا اہل سنت کا اختیار کردہ یہی سب سے بہترین موقف ہے کہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے بعد سب سے افضل حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجهه کو قرار دیا جائے؟

مصنف انوار نے روایت مذکورہ بحوالہ جواہر المضیہ (۲/ ۲۵۰) نقل کی جس کی سند محذوف ہے، پھر موصوف مصنف انوار کو اس کا صحیح و معتبر ہونا کیسے معلوم ہوا؟ ابوحمزہ سے روایت مذکورہ ابوالعلاء صاعد بن محمد نے نقل کی جو سکری کی وفات کے عرصہ بعد پیدا ہوئے، پھر یہ روایت کیونکر معتبر ہے؟

امام صاحب اور قلتِ روایت:

مذکورہ بالا تفصیل میں بیان ہو چکا ہے کہ جن کتب مناقب ابی حنیفہ میں مندرج شدہ روایات کو مصنف انوار بلا تکلف نصوص کتاب وسنت کی طرح بطور حجت معتبر کہہ کر نقل کرتے چلے جاتے ہیں، ان میں امام صاحب کا یہ قول بھی منقول ہے کہ اہل الحدیث ہم سے اس لیے بغض رکھتے ہیں کہ ہم اہل بیت سے محبت رکھتے اور خلافت علی کے قائل ہیں اور اہل حدیث کا موقف اس کے خلاف ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام صاحب نے اپنے کو اہل الحدیث سے مختلف دوسرے گروہ کا فرد کہا ہے، نیز یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ امام صاحب نے فرمایا کہ جس علمی مشغلہ میں ہم مشغول ہیں وہ خالص قیاس ورائے ہے، نیز خالد بن صبیح حنفی کا یہ قول مرقوم ہو چکا ہے کہ وہ اصحاب الرای ہم احناف ہی ہیں جن کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اعداء السنن کہا ہے، اور یہ بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول میں اس کی بھی صراحت ہے کہ اہل الرای احادیث کے حفظ وضبط اور روایت سے عاجز ہونے کے سبب صرف رائے وقیاس کو اپنا مشغلۂ زندگی بناتے ہیں، نیز امام ابن معین وغیرہ سے بھی امام صاحب کا اہل الرای ہونا منقول ہو چکا ہے جن کو مصنف انوار حنفی کہتے ہیں، اور جب ان باتوں کا حاصل ہے کہ امام صاحب اور ان کے اصحاب اہل الرای ہیں جن کی بابت فرمان فاروقی ہے کہ یہ لوگ احادیث کے حفظ وضبط سے عاجز ہوتے اور محض رائے وقیاس سے اشتغال رکھتے

[1] موفق (۲/ ۸، ۹) وعام کتب مناقب أبي حنيفه.
[2] موفق (۱/ ۸۳، ۸۴) وعام کتب مناقب.

ہیں، نیز جس علم سے امام صاحب اشتغال رکھتے تھے اس کی بابت خود ہی بعد میں موصوف نے اعلان کر دیا کہ یہ علم مجموعۂ اغلاط و اباطیل ہے، تو اس سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب کا ظاہر کردہ علم جس سے وہ اشتغال رکھتے تھے خالص رائے وقیاس ہے یا وہ بعض روایات ہیں جن کے بیان کرنے میں امام صاحب سے غلبۂ رائے وقیاس کے سبب غلطیاں صادر ہوگئی ہیں، ورنہ موصوف امام صاحب اگر احادیث صحیحہ وآثار صحابہ وتابعین اور قرآن مجید کی ماثور ومنقول تفسیر سے اشتغال رکھتے ہوتے اور انھیں کو انھوں نے بیان یا ظاہر کیا ہوتا تو ان کی بابت ہرگز نہ فرماتے کہ میری بیان کردہ عام علمی باتیں مجموعۂ اغلاط واباطیل ہیں، اس سے امام صاحب کا قلیل الحدیث ہونا واضح طور پر ثابت ہے، اور اس بات کی صراحت عام اہل علم نے کی ہے ان اہل علم میں وہ مقلدین شامل نہیں ہیں جو ''حبك الشيء يعمي ويصم'' کے مصداق بن کر خلاف حقیقت باتیں کرنے کے عادی ہیں۔

مصنف انوار اوران کے ہم مزاج بھی اس بات کے معترف نظر آتے ہیں کہ امام صاحب قلیل الحدیث تھے حتی کہ مصنف انوار فرماتے ہیں کہ ''امام صاحب نے روایت حدیث کا کام تورعًا اور بوجہ اشتغالِ فقہ نہیں کیا۔''[1] امام صاحب کے اس وصف کو یہ لوگ فضائل امام صاحب میں شمار کرتے ہیں کہ اکابر صحابہ بھی روایت حدیث سے احتراز کرتے اور قلیل الحدیث والروایہ تھے، حالانکہ یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ جو اکابر صحابہ قلیل الروایہ تھے یا روایتِ حدیث سے بچتے تھے ان کے قلیل الروایۃ ہونے اور روایت حدیث سے بچنے اوران اصحاب الرای کے قلیل الروایہ ہونے اور روایت حدیث سے بچنے کے اسباب مختلف ہیں، جن کی بابت فرمان فاروقی ہے کہ احادیث کے حفظ وضبط وروایت سے عاجز ہونے کے سبب یہ لوگ محض رائے وقیاس کو اپنا مشغلہ بناتے ہیں۔ پھر اکابر صحابہ سے ان اہل الرای کو مشابہ قرار دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

قلیل الروایہ صحابہ سے مروی شدہ روایات پر جبکہ ان کی اسانید ان صحابہ تک صحیح ومعتبر ہوں کسی امام جرح وتعدیل کو کوئی کلام نہیں اور قلیل الروایہ صحابہ کی مرویات خصوصاً مرویات ابی بکر وعثمان وغیرہ بہت اچھی نظر سے دیکھی جاتی ہیں، اور عمومًا یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ تھوڑی تعداد میں احادیث روایت کریں ان کی روایت کردہ احادیث میں غلطیاں کم واقع ہوتی ہیں مگر اپنی بیان کردہ عام باتوں بشمول مرویات حدیث کی بابت خود امام صاحب کی صراحت ہے کہ یہ مجموعۂ اغلاط ہیں اور امام صاحب کے اس فرمان کی موافقت عام اہل علم نے کی ہے، ان تمام امور کے برخلاف دوسری طرف مصنف انوار اوران کے ہم مزاجوں نے یہ پروپیگنڈہ بھی بڑے پیمانے پر کر رکھا ہے کہ امام صاحب کثیر الروایہ والحدیث تھے اور علوم حدیث کے بڑے واقف کار بھی تھے، جب امام صاحب نے کتب مناقب ابی حنیفہ کی روایت کے مطابق علم حدیث وغیرہ کو باستثناء فقہ کچھ پڑھا ہی نہیں تو بلا پڑھے وہ کیونکر علوم حدیث کے بہت ماہر وعالم ہو گئے؟ اس کے باوجود مصنف انوار نے مندرجہ بالا عنوان کے تحت یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ امام صاحب کو قلیل الحدیث والروایہ کہنے والے محدثین حق بجانب نہیں اور یہ کہ انھوں نے اس معاملہ میں تعصب وتنگ نظری سے کام لیا ہے۔[2] ہم اس سلسلے میں مزید کچھ نہیں کہنا چاہتے کیونکہ مصنف انوار کی ان باتوں کی حقیقت ناظرین کرام پر واضح ہو چکی ہے۔

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۵۹) نیز تعليق الكوثری على مناقب أبي حنيفه للذهبي (ص: ۲۸، ۲۹ وغیرہ)

[2] مقدمہ انوار (۱/ ٦٦ تا ۷۰)

کبرائے محدثین سے امام صاحب کا استفادہ:

مذکورہ بالا تفصیل میں بہت ساری باتوں کے ساتھ یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ باعتراف خالد بن صبیح ائمہ احناف وہ اہل الرای ہیں جن کی بابت فرمان فاروقی ہے کہ احادیث کے حفظ وضبط سے عاجز رہنے کے سبب یہ لوگ خالص رائے وقیاس سے اشتغال رکھتے ہیں۔ظاہر ہے کہ جب یہ معاملہ ہےتو امام صاحب اوران کے ہم مذہب اصحاب سے جن محدثین یا غیر محدثین نے علمی استفادہ کیا ہوگا وہ امام صاحب کا ظاہر وبیان کردہ خالص علم الرای والقیاس ہوگا، جس کے بارے میں خود امام صاحب کا فرمان ہے کہ جس علم وفن سے ہمارا اشتغال ہے وہ صرف رائے وقیاس ہے، اور یہ بتلایا گیا ہے کہ متعدد اہل علم نے امام صاحب کے علم الرای والقیاس کی تحسین وتعریف کی ہے جبکہ اکثر نے اس کی بھی سخت مذمت کی ہے۔

مصنف انوار نے مذکورہ بالا عنوان کے تحت دعوی کیا ہے کہ بڑے بڑے محدثین مسائل مشکلہ میں امام صاحب کی طرف رجوع کرتے تھے۔[1] ہم مصنف انوار کے اس دعوی کی تائید کرتے ہیں کہ مستبعد نہیں کہ امام صاحب جس علم الرای والقیاس سے اشتغال رکھتے تھے اسے سیکھنے کے لیے بعض اکابر محدثین ضرور ان کے پاس جاتے تھے کیونکہ وہ بعض محدثین کسی بھی مقصد کے تحت اس کی ضرورت محسوس کرتے تھے، مثلاً امام شافعی کو جب فقہ اہل الرای کی تردید لکھنے کی طرف عراق کے اہل حدیثوں نے توجہ دلائی تو انھوں نے کتب اہل الرای کو جمع کر کے ان کا مطالعہ شروع کیا اوراس زمانہ کے امام اہل الرای امام محمد بن حسن شیبانی سے علمی مذاکرہ ومناظرہ کا سلسلہ جاری کیا۔ (كما سيأتي) البتہ اس عنوان کے تحت مصنف انوار نے امام زفر کی طرف منسوب جو یہ روایت نقل کی ہے کہ فلاں فلاں اکابر محدثین مسائل مشکلہ میں امام صاحب کی طرف رجوع کر کے تشفی حاصل کرتے تھے، اس کو مصنف انوار نے کردری (۲/ ۱۰۱) کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور کردری نے یہ روایت بلا سند ذکر کی ہے جیسا کہ کردری کی نقل کردہ عام روایات کا حال ہے، پھر اسے مصنف انوار نے کیسے معتبر قرار دے کر نقل کر دیا ہے، البتہ روایت مذکورہ موفق نے درج ذیل سند سے نقل کی ہے:

”وبه قال أخبرنا إسماعيل بن بشر أنبأ شداد بن حكيم عن زفر..الخ.“[2]

اور به قال أخبرنا میں قال کی ضمیر کا مرجع حارثی کذاب ہے اور کذاب نے اس روایت کی سند میں

جس اسماعیل کو اپنا استاذ ظاہر کیا ہے وہ متعین نہ ہونے کے سبب بمنزلۂ مجہول ہے اور شداد متشدد قسم کے مرجی واہل الرای تھے، حاصل یہ کہ یہ روایت حارثی کی وضع کردہ ہے۔

امام صاحب محدثین وفقہاء کے ماویٰ وملجا تھے:

مصنف انوار نے مذکورہ بالا عنوان کے تحت آٹھ دس روایات نقل کی ہیں جو باعتبار سند مکذوبہ ہیں، اوران کا حاصل صرف یہ ہے کچھ محدثین امام صاحب سے استفادہ کرتے اوران کے علم وفضل کی تعریف کرتے تھے۔[3] اور ہم عرض کر چکے ہیں کہ یہ مستبعد نہیں کہ کچھ محدثین امام صاحب سے اس فن کے سلسلے میں برائے استفادہ درسگاہِ امام صاحب میں آتے ہوں، جس میں

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۷۰) [2] موفق (۲/ ۱۴۸، ۱۴۹)
[3] مقدمہ انوار (۱/ ۷۰، ۷۱)

امام صاحب مشغول رہا کرتے تھے یعنی رائے وقیاس جس کی بابت خود امام صاحب نے فرمایا کہ ہم جس علم کے ساتھ مشغول رہا کرتے ہیں وہ خالص رائے وقیاس ہے، بالآخر امام صاحب نے اسے مجموعۂ اغلاط بھی قرار دیے دیا، لہٰذا جس کسی نے امام صاحب کی رائے وقیاس کی تعریف کی ہے اس کے سامنے امام صاحب کا یہ فرمان بھی پیش کرنے کی ضرورت ہے، چونکہ اس عنوان کے تحت مصنف انوار کی ذکر کردہ روایات میں سے کئی ایک مکرر سہ کرر منقول ہوئی ہیں اوران پر گفتگو بھی ہوئی ہے، اور باقی دوسری بھی مکذوبہ ہی ہیں اس لیے ہر ایک پر تفصیلی گفتگو کی ضرورت نہیں ہے۔

امام صاحب کی امامت فقہ اکابر علم کی نظر میں:

مندرجہ بالا عنوان کے تحت مصنف انوار نے پہلے حضرت عمر فاروق، امام مالک وشافعي واعمش واحمد وابن مديني وترمذی سے فقہ کی فضیلت نقل کی مگر امام صاحب کی فقہ کی مدح میں متعدد روایات مختلف حضرات سے نقل کیں۔ ❶ یہ بالکل واضح بات ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اورائمہ مذکورین نے جس فقہ کی فضیلت بیان کی ہے وہ اس فقہ سے مختلف ومغایر دوسری فقہ ہے، جس کے ساتھ اشتغال رکھنے والوں کی بابت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اصحاب الرای احادیث کے حفظ وضبط وروایت سے عاجز ہونے کے سبب رائے وقیاس سے اشتغال رکھتے اورخود گمراہ ہوتے اور دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں، نیز یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ جابر جعفی وکلبی وواقدی علوم حدیث وسیر وتاریخ کے ماہر وعالم مشہور ہیں مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے ظاہر کردہ علوم معتبر بھی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ امام صاحب کی رائے وقیاس کی لوگوں نے تعریف کی ہے مگر خود امام صاحب نے اسے مجموعۂ اغلاط قرار دیا ہے، دریں صورت مصنف انوار امام صاحب کی بات مانیں گے یا دوسروں کی؟ مذکورہ بالا عنوان کے تحت جو روایات مدح فقہ ابی حنیفہ میں مصنف انوار نے نقل کی ہیں ان میں سے اکثر کی حقیقت واضح ہو چکی ہے اور جن بعض کی حقیقت واضح ہونی باقی رہ گئی ہے وہ عنقریب واضح ہوگی۔

امام صاحب ورع اورتقویٰ میں یکتا تھے:

مصنف انوار نے مذکورہ بالا عنوان کے تحت بھی حسب عادت متعدد روایات نقل کیں، جن میں سے کئی ایک کو وہ پہلے بھی نقل کر آئے ہیں۔ ❷ اوران پر ہمارا تبصرہ گزر چکا ہے اور جن پر تبصرہ باقی رہ گیا ہے ان پر مکمل ہو جائے گا۔

امام صاحب کی تقریر اور قوتِ استدلال:

مذکورہ بالا عنوان کے تحت بھی مصنف انوار نے متعدد روایات نقل کیں۔ ❸ ان میں سے اکثر کا ذکر موصوف پہلے بھی کر چکے ہیں اوران پر ہمارا تبصرہ بھی گزر چکا ہے اور جن پر تبصرہ ابھی تک نہیں ہو سکا ہے ان پر آئندہ ہو جائے گا، البتہ مصنف انوار کی نقل کردہ عام روایات مکذوبہ وبے محل ہیں، یہی حال دوسرے عناوین کے تحت موصوف کی نقل کردہ روایات کا ہے۔

علامہ ابن حجر مکی کی کتاب الخيرات الحسان پر نظر:

اکاذیب پر مشتمل جن کتب مناقب کے مندرجات کو مصنف انوار نصوص کتاب وسنت کی طرح صحیح ومعتبر قرار دے کر حجت بناتے چلے جاتے ہیں، ان میں سے ابن حجر مکی کی ایک کتاب "الخيرات الحسان في سيرة النعمان" بھی ہے جو عقود

❶ مقدمه انوار (۱/ ۷۱، ۷۳) ❷ مقدمه انوار (۱/ ۷۳، ۷۴) ❸ مقدمه انوار (۱/ ۷۴، ۷۵)

الجمان کی تلخیص کے نام پر شائع کی گئی ہے، اس کتاب کا بھی ترویجِ اکاذیب میں بڑا ہاتھ رہا ہے، اس لیے ہم سرسری طور پر اس کا جائزہ لینا مناسب سمجھتے ہیں۔ ناظرین کرام بنظر انصاف مطالعہ فرمائیں۔

ناظرین کرام پر واضح رہنا چاہیے کہ الخیرات الحسان کے مصنف ابن حجر مکی حافظ ابن حجر عسقلانی مصنف فتح الباری سے متاخر شخص ہیں۔

الخیرات الحسان کے اسبابِ تالیف بزبان مصنفِ کتاب:

ابن حجر مکی نے کہا:

''قسطنطنیہ سے ایک جامع المعقول والمنقول صوفی فاضل وصالح آدمی مکہ مکرمہ میں ہمارے پاس آ کر رہنے لگے، انھوں نے مجھ سے کہا کہ مناقب ابی حنیفہ میں لکھی گئی طویل وعریض باتوں کو ملخص کر کے مختصر سی جامع کتاب میں مرتب کر دو، میں نے ان کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے محنت کر کے ان کے حسب منشا کتاب لکھ دی، اس کی نقل کر کے وہ صوفی صاحب اسے اپنے ملک لے کر چلے گئے دوسروں نے بھی اسے نقل کیا، میرے پاس اس کا ایک نسخہ بچ رہا تھا جسے ایک ناخدا ترس حنفی آدمی نقل کرنے کے لیے مانگ کر لے گیا مگر اس نے کتاب واپس نہیں کی بلکہ اس نے اسے گم کر دیا، جس کا مجھ پر یہ اثر ہوا کہ میں نے دوسری کتاب لکھنے کا ارادہ کیا، دریں اثناء مجھے میرے رفیق حافظ محمد صالحی دمشقی کی لکھی ہوئی مناقب ابی حنیفہ پر ایک جامع کتاب (عقود الجمان) مل گئی، بس میں نے اسی کی تلخیص وتنقیح کر کے اپنی یہ کتاب الخیرات الحسان تیار کر دی، اس میں تین مقدمات اور چالیس فصول ہیں۔

(مقدمہ اولی) بعض بے توفیق متعصب لوگ میرے پاس امام غزالی کی طرف منسوب کردہ ایک کتاب لائے جس میں امام ابوحنیفہ پر بہت طعن وتشنیع کی گئی تھی، اس کتاب نے شمس الائمہ کردری کو اس کی تردید لکھنے پر آمادہ کیا تو انھوں نے فاسد چیز کا جواب فاسد چیز سے دیا، اس میں امام شافعی پر تشنیع کی جو امام غزالی کی طرف منسوب کتاب کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ناپسندیدہ تھی، موصوف کردری نے یہ کام یہ سمجھ کر کیا کہ کتاب مذکور امام غزالی نے لکھی ہے حالانکہ حقیقت میں یہ امام غزالی کی نہیں بلکہ غزالی معتزلی کی کتاب ہے، بعض محققین احناف نے کہا کہ بالفرض یہ امام غزالی ہی کی کتاب ہو تو یہ اس زمانے کی لکھی ہوئی ہے جب امام غزالی جوان تھے، وہ اس وقت معرفتِ حقائق سے بے بہرہ تھے بعد میں انھوں نے احیاء العلوم لکھی جس میں فضائل امام صاحب بیان کیے احیاء العلوم میں امام صاحب سے متعلق کلام غزالی کو یہاں نقل کر دینے میں کوئی حرج نہیں مگر بطور تمہید یہاں یہ عرض ہے کہ احیاء العلوم کی ایک تلخیص عین العلم کے نام سے ایک ہندوستانی عالم نے لکھی ہے جس کی میں نے شرح بھی لکھی ہے، عین العلم اور اس پر میری شرح والی عبارتیں ایک ساتھ موجود ہیں۔ سب سے بہتر طریق کار یہ ہے کہ آدمی ائمہ اربعہ میں سے جس کو افضل واعلم سمجھے اس کا مقلد بن جائے، مثلاً بقول مصنف عین العلم ہم احناف کے یہاں امام ابوحنیفہ ہیں، کئی اسانید سے یہ حدیث نبوی مروی ہے کہ ''أبو حنيفه سراج الأمة'' ہیں۔ امام صاحب

اپنے شہرت یافتہ فضائل کے سبب ایسی چیز سے مستغنی ہیں کہ ان کی فضیلت میں اس حدیث سے استدلال کیا جائے جس کے موضوع ہونے پر تمام محدثین متفق ہیں، خواب میں اللہ تعالیٰ کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ میں علم ابی حنیفہ کے پاس ہوں، بنا بریں امام شافعی نے فرمایا کہ لوگ فقہ میں امام صاحب کے عیال ہیں، جسے فقہ حاصل کرنا ہو وہ امام صاحب اوران کے اصحاب کو لازم پکڑے، میں نے امام مالک سے امام صاحب کی بابت پوچھا تو فرمایا کہ امام صاحب لکڑی کو سونا ثابت کر سکتے ہیں، امام شافعی بغداد آئے تو امام صاحب کی قبر کی زیارت کے لیے گئے وہاں انھوں نے دو رکعت نماز پڑھی اورامام صاحب کی تعظیم کے خیال سے انھوں نے بوقت رکوع رفع الیدین نہیں کیا نہ نماز فجر میں قنوت پڑھی، فضیل بن عیاض نے کہا کہ امام صاحب کی فضیلت کے لیے یہ بات بہت کافی ہے کہ ابن المبارک نے فرمایا کہ امام صاحب کو ایک لونڈی خریدنے کا ارادہ ہوا تو وہ بیس سال تک اس کے لیے استخارہ اورمشورہ کرتے رہے۔ إلی أن قال خانہ کعبہ میں امام صاحب کو ہاتف نے آواز دی کہ میں نے آپ کو اور قیامت تک ہونے والے آپ کے جملہ مقلدین کو بخش دیا، امام صاحب نے اپنے مذہب کی تقلید کی طرف دعوت خواب میں اشارہ نبویہ پانے کے بعد دینی شروع کی ورنہ وہ گوشہ خفا میں رہنا چاہتے تھے کہ کہیں اس سے نفس کو لذت نہ ملنے لگے یا اسے میرا نفس اچھا کام نہ سمجھنے لگے حکم نبوی کے مطابق امام صاحب نے جب اپنے مذہب کی تقلید کی طرف لوگوں کو دعوت دی تو اسے فروغ ہوااور اس مذہب کے مقلدین خوب بڑھے اورحاسدین ذلیل ہوئے۔ اولیٰ ان قال اس بات سے معلوم ہوا کہ کتاب مذکور میں امام غزالی کی طرف جو بات منسوب کی گئی ہے اس سے وہ بری ہیں۔

(مقدمہ ثانیہ) اس مقدمہ میں ایسی باتوں کا ذکر کیا گیا ہے جو مفید ہیں، ان سے ناواقفیت قبیح اور ہلاکت خیز ہے، اگر آخرت میں نجات کی خواہش ہے تو کسی ولی اللہ اور عالم کے ساتھ گستاخی مت کرو بلکہ ان کے ساتھ خوش اعتقادی رکھو، بیہقی کی روایت کردہ ایک حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ ستاروں کی طرح ہیں، ان میں سے جس کی پیروی بھی کرو گے راہ یاب رہو گے، صحابہ کا اختلاف رحمت ہے، اس فرمان میں نبی ﷺ نے پیش گوئی کر دی ہے کہ امت میں اختلاف ہوگا اور ہر اختلافی بات بذات خود رحمت ہوگی، امام شافعی نے فرمایا کہ دو مجتہدین کی متضاد باتیں دو رسولوں کی متضاد باتوں کی طرح ہیں دونوں کی باتیں اپنی جگہ پر صحیح ہیں، مازری نے بھی ایسا ہی کہا ہے اور ائمہ اربعہ سے ایسا ہی مروی ہے اکثر اہل تحقیق یہی کہتے ہیں، مگر جاہلوں نے یہ بات سمجھی نہیں حتی کہ بعض نے کہا کہ جب شریعت محمدی ایک ہے تو یہ چار مذاہب کہاں سے آئے؟ مگر بات وہی صحیح ہے جو اکثر اہل تحقیق نے کہی، لہٰذا جب جس کا جی چاہے کسی بھی عالم کے مذہب کی تقلید کرے، کسی تقلیدی مذہب کو کسی دوسرے تقلیدی مذہب پر کوئی فضیلت نہیں حاصل ہے کیونکہ اس کے خلاف دوسرا طریق کار دنیا وآخرت میں رسوائی وناراضگی خداوندی کا باعث ہے، بسا اوقات یہ چیز خصام قبیح کا سبب بنتی ہے۔

(مقدمہ ثالثہ) امام صاحب کے بارے میں بشارت نبوی ہے کہ "لو كان العلم معلقا عند الثريا لتناوله رجال من أبناء فارس" سیوطی نے کہا کہ امام صاحب کے لیے یہ بشارت نبویہ قابل اعتماد ہے بالکل اسی طرح جس طرح امام مالک کے لیے یہ حدیث ہے کہ "يوشك أن يضرب الناس أكباد الإبل ..الحديث. اورامام شافعی کے لیے یہ حدیث ہے کہ "لا تسبوا قريشا. .الحديث"۔ بعض تلامذۂ سیوطی نے کہا کہ امام صاحب کے بارے میں بشارت نبویہ سے متعلق سیوطی کی بات کے صحیح ہونے میں شک نہیں ہے، زمانۂ امام صاحب میں ان سے بڑھ کر کوئی فارسی الاصل آدمی صاحب علم نہیں تھا اور امام صاحب فارسی الاصل تھے جیسا کہ تفصیل آرہی ہے، سیوطی نے کہا کہ جن اصحاب مناقب نے "أبو حنيفه سراج أمتي" والی حدیث کو فضائل ابی حنیفہ میں ذکر کیا ہے انھیں فن حدیث سے ذرہ برابر بھی لگاؤ نہیں ہے، کیونکہ یہ اور اس مفہوم کی دوسری روایات کذابین کی وضع کردہ ہیں، انھیں میں امام صاحب کا وہ خواب بھی شامل ہے جس کی تعبیر میں ابن سیرین نے کہا کہ امام صاحب دین اسلام کو زندہ کریں گے، جن لوگوں میں ذرہ برابر بھی نقد حدیث کی صلاحیت ہے ان کے یہاں یہ اکاذیب چل نہیں سکتے ہیں، امام صاحب کی ذات اس سے کہیں بلند ہے کہ اکاذیب کے ذریعہ ان کی مدح کی جائے، امام صاحب کی شان میں وہ بشارت نبویہ قابل ذکر ہے جس کو شمس الائمہ کردری نے بیان کیا ہے کہ "ترفع زينة الدنيا سنة ١٥٠هـ".

(فصل أول) اس میں کتاب مذکور کے اسباب تصنیف بیان کئے گئے ہیں:

۱۔ فرمان نبوی ہے کہ ہر شخص کو اس کے مقام پر رہنے دو، نہ اسے گھٹاؤ نہ بڑھاؤ، جس نے ایسا کیا اس نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی یعنی اس فرمان نبوی پر عمل کرتے ہوئے یہ کتاب ابن حجر نے لکھی۔

۲۔ تاریخ خطیب و منتظم ابن الجوزی میں بہت ساری باتیں شانِ امام صاحب کے خلاف لکھی ہوئی ہیں، باوجودیکہ خطیب نے امام صاحب پر تنقیدوں کے بعد اسانید مشہورہ سے امام صاحب کے فضائل اتنے بیان کیے کہ عقل دنگ ہو جاتی ہے، بلکہ خطیب کے بعد آنے والے تمام مناقب نویسوں نے خطیب ہی کی کتاب سے استفادہ کیا ہے، اسی طرح امام غزالی کی طرف منسوب شدہ کتاب المنخول میں بھی اور ایک مجہول شخص کی ایک مستقل کتاب میں امام صاحب کے خلاف باتیں لکھی گئی ہیں، لہٰذا جو لوگ بھی ان کتابوں کی تردید وابطال کر سکیں ان پر ان کی تردید وابطال واجب ہے، اسی فریضہ کو ادا کرنے کے لیے میں نے الخیرات الحسان لکھی، خصوصًا اس لیے کہ حدیث نبوی میں کہا گیا ہے کہ ہر شخص کو اس کے صحیح مقام پر رکھو نیز جس میں جو بات نہ ہو اس کی طرف اس کو منسوب مت کرو۔

۳۔ ان متعصبین کی غلطی واضح کرنے کے لیے میں نے یہ کتاب لکھی جو کہتے ہیں کہ رجال کے حالات واوصاف کی وضاحت کے لیے ہم نے امام صاحب وغیرہ پر کلام کیا ہے، ان کی یہ بات بظاہر حق ہے مگر مقصود باطل ہے جس طرح کہ خوارج کا نعرہ بذات خود صحیح تھا مگر مقصد باطل تھا۔

۴۔ اس بات کی وضاحت کے لیے میں نے یہ کتاب لکھی ہے کہ امام صاحب بھی عام ائمہ اسلام اور اولیاء اللہ میں سے ہیں۔

فضائل صحابہ وتابعین کے بعد جو شخص امام ابوحنیفہ و مالک وغیرہ کے فضائل وسیر کا مطالعہ کرے گا وہ نفع میں رہے گا۔

۵۔ بہت سے ائمہ حفاظ نے امام صاحب کا ترجمہ لکھا ہے، میں نے بھی ان علماء کی صف میں شامل ہونا پسند کیا تا کہ اس کی برکت سے بہرہ ور ہوسکوں، کیونکہ امام سفیان بن عیینہ سے مروی ہے کہ صالحین کے ذکر کے وقت نزول رحمت ہوتا ہے، چنانچہ میں نے مناقب امام صاحب کے سلسلے میں لوگوں کی بیان کردہ باتوں کو زیادہ سے زیادہ ملخص ومختصر کر کے پیش کیا ہے، اسانید کو حذف کر دیا ہے کیونکہ میں نے ان کی ذکر کردہ تفصیل پر اعتماد کیا جس نے شک وتردد زائل کر دیا ہے اس لیے کہ لوگ مطولات سے اعراض اور مختصرات کی طرف التفات کرنے لگے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں میں حوصلہ مندی کم ہوگئی ہے علوم کے منافی اغراض فاسدہ بڑھ گئے ہیں، اب حال یہ ہے کہ چاند کی شعاع کو لوگ سونے کی سلاخ سمجھنے لگے ہیں اور شہوات میں ڈوبے ہوئے لوگ ادنیٰ ترین کمال وادب کی طرف رخ کرنے سے بے توجہ ہو گئے ہیں۔"[1]

خیرات الحسان وعقود الجمان کا زمانۂ تصنیف اوران کا طرز تصنیف:

مذکورہ بالا طویل عبارت خیرات الحسان کے صفحہ اول سے لے کر صفحہ انیس کے مضمون کا خلاصہ ہے جس سے کتاب مذکور کی حقیقت کا پتہ چلتا ہے۔ اوّلاً: یہ کہ کتاب مذکور ۹۳۸ھ کے زمانہ بعد لکھی گئی ہے کیونکہ اسے جس کتاب عقود الجمان کا خلاصہ کہا گیا ہے اس کے مصنف نے صراحت کر دی ہے کہ میں نے عقود الجمان کو لکھنے کے لیے ۹۳۸ھ کے اواخر میں استخارہ کیا۔[2] ظاہر ہے کہ عقود الجمان اس کے بعد ہی لکھی گئی لہٰذا اس کی تلخیص یقیناً ۹۳۸ھ کے زمانہ بعد ہی کی گئی ہوگی، تلخیص کار نے صراحت کر دی ہے کہ امام صاحب کے مناقب میں آج تک جتنی باتیں لکھی اور کہی گئی تھیں ان کا خلاصہ بلا ذکر سند کر دیا گیا ہے، اوراس خلاصہ میں مذکور شدہ باتوں کا سارا اعتماد ان کتابوں پر ہے جن کا یہ خلاصہ ہیں، مطولات پر اعتماد کر کے ان میں مندرج شدہ روایات کی اسانید کو حذف کر کے ان کے خلاصہ کو ترتیب دے کر اس کتاب کو تیار کرنے کا سبب تلخیص کار نے یہ بتلایا ہے کہ علم وفن کی طرف توجہ دینے کی فرصت نہ پانے والے شہوت پرستوں اور علوم منافی اغراض فاسدہ کے شکار شدہ لوگوں، نیز پست حوصلہ رکھنے والے مطولات سے اعراض کرنے والوں اوراس قسم کی تلخیصات کو پسند کرنے والوں کی رعایت سے یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ ناظرین کرام خود سوچ سکتے ہیں کہ جس کتاب کے مرتب نے شہوت پرستوں اور علوم کے منافی اغراض فاسدہ و پست ہمت اور تلخیص مذکور جیسی تلخیصات کو پسند کرنے والوں کی رعایت کرتے ہوئے مناقب ابی حنیفہ میں وارد شدہ روایات کو ملخص کر کے کھرے کھوٹے اور صحیح وسقیم نیز غث وسمین کو واضح وظاہر کیے بغیر سندوں کو حذف کر کے کتابِ مذکور تیار کی ہو اس کا پایۂ اعتبار کیا ہوسکتا ہے؟ یہ معلوم ہے کہ مناقب ابی حنیفہ میں بہت ساری مکذوبہ ومتعارض روایات جعلی سندوں کے ساتھ مطولات میں منقول ہیں اکاذیب ومتناقض باتوں پر مشتمل کتابوں کا خلاصہ بلا نقد ونظر اور کھرا کھوٹا ظاہر کیے بغیر جمع کر کے کتاب تیار کر دینا کون سا قابلِ تعریف کارنامہ کہا جا سکتا ہے اوراس پر کیونکر اعتماد کیا جا سکتا ہے، خصوصًا جبکہ اس کا مصنف متضاد اور واضح الکذب اکاذیب کو بلا تنقید اس انداز میں لکھتے اور جمع کرتے ہوئے چلے جانے کا عادی ہو گویا وہ ان متناقض اکاذیب کو معتبر وصحیح سمجھتا ہے؟ ان متضاد اکاذیب کا ذکر آگے آ رہا ہے ہم پہلے مصنف کتاب کے منقول شدہ مذکور بالا بیان پر تبصرہ مکمل کر لینا چاہتے ہیں۔

---

[1] ملخص از خیرات الحسان (ص: ۱ تا ۱۸)
[2] عقود الجمان (ص: ۲)

ناظرین کرام پر یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ علامہ نعمان آلوسی نے اپنی کتاب جلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین میں نہایت وضاحت کے ساتھ مدلل طور پر بتلایا ہے کہ ابن حجر مکی کو تحقیق اور کھرے کھوٹے کی جانچ پرکھ سے دلچسپی کے بجائے صوفیا اور اہل بدعت کی مدح وموافقت سے زیادہ دلچسپی تھی اور غلط سلط باتیں بلا تحقیق قبول کر لینے کی بھی موصوف ابن حجر کو عادت تھی نیز موصوف میں اہل علم کی طرف غلط باتیں منسوب کر دینے نیز ان کے کلام کی غلط ترجمانی کر دینے کی بھی عادت تھی، علامہ آلوسی کی یہ کتاب قابل مطالعہ ہے، ہم اس کے اقتباسات مناسب مواقع پر نقل کرتے رہیں گے۔

ثانیاً: خیرات الحسان سے پہلے ابن حجر مکی نے اسی طرز کی جو کتاب لکھی تھی، ظاہر ہے کہ وہ صوفی بھی حنفی المسلک تھے اوران کی بزرگی سے ابن حجر مکی کافی متاثر تھے، کتاب مذکور کی تصنیف میں انھوں نے صوفی مذکور کے مزاج کا لحاظ رکھا ہوگا اور یہی بات الخیرات الحسان میں بھی ملحوظ رکھی گئی ہے۔

ثالثاً: امام غزالی کی طرف منسوب شدہ کتاب منخول کا شکوہ مصنف خیرات الحسان نے بھی کیا ہے اور خیرات الحسان جس عقود الجمان کی تلخیص بتلائی گئی ہے اس کے مصنف نے بھی منخول کا شکوہ کیا ہے، اور دونوں نے یہ ظاہر کیا ہے کہ امام غزالی کی طرف منسوب شدہ اس کتاب (منخول) میں امام صاحب پر نا مناسب طعن وتشنیع کی گئی نیز اس کا انتساب امام غزالی کی طرف صحیح نہیں ہے، اور یہی کتاب منخول اس بات کی محرک بنی کہ دونوں حضرات نے اپنی اپنی کتابیں لکھیں نیز بعض دوسرے محرکات بھی ان کتابوں کی تصنیف کے اسباب بنے جو ان کتابوں میں مذکور ہیں۔

مصنف عقود الجمان نے کتاب منخول کی اشاعت کا زمانہ ۹۳۸ھ بتلایا ہے جبکہ مصنف خیرات الحسان نے زمانہ کی تعیین نہیں کی ہے مگر دونوں بہرحال معاصر تھے اور یہ ایک ہی زمانے کی بات ہے، کچھ مستبعد نہیں کہ قسطنطنیہ کے حنفی المسلک صوفی نے جس طرح ابن حجر مکی سے اوصاف مذکورہ کی حامل مناقب ابی حنیفہ پر مشتمل کتاب لکھنے کی فرمائش کی تھی اسی طرح انھوں نے مصنف عقود الجمان سے بھی ملاقات کر کے ان سے بھی یہی بات کہی ہو، یا اس قسم کے مختلف لوگوں نے المنخول کی اشاعت سے پریشان ہو کر چاہا ہو کہ غیر حنفی اصحابِ قلم سے ایسی کتاب مناقب ابی حنیفہ میں لکھوائی جائے جو المنخول کے جواب کا کام دے سکے، مگر یہ معلوم ہے کہ کسی کتاب کی تردید وجواب میں لکھی جانے والی صرف وہی کتاب علمی وتحقیقی نقطۂ نظر سے کامیاب قرار پاسکتی ہے جس کو اصول اہل علم کے مطابق پوری ذمہ داری کے ساتھ صحیح ومعتبر باتوں سے مدلل کر کے لکھا گیا ہو، کذابین ومجہولین اور ساقط الاعتبار لوگوں کی ایجاد واختراع کردہ یا بیان کردہ روایات کو ملخص کر کے بلاسند نقل کر دینے سے کیا حاصل جو بذاتِ خود ایک دوسرے کے معارض ہونے کے سبب ایک دوسرے کی تکذیب وتردید کرتی ہوں اور ثابت شدہ حقائق کے خلاف بھی ہوں؟

کتاب المنخول للغزالی کا ذکر خیر:

ناظرین کرام پر یہ واضح رہے کہ الخیرات الحسان جس عقود الجمان کی تلخیص ہے، اس میں اس بات کی صراحت ہے کہ شیخ علاء الدین بخاری حنفی اور شیخ شاہین بن عبداللہ معترف ہیں کہ المنخول امام غزالی کی تصنیف کردہ کتاب ہے جسے انھوں نے زمانہ شباب میں احیاء العلوم سے پہلے لکھا تھا، علاء الدین بخاری موسوم بمحمد بن محمد خواجہ عطار بخاری مولود لگ بھگ ۷۷۰ھ

متوفی ۸۴۱ھ کو خود مصنف عقود الجمان نے ”عين أعيان المحققين“ قرار دیا ہے۔[1] اور سید شریف نے کہا ہے کہ علاء الدین کی خدمت میں حاضری دیے بغیر معرفت حق بخوبی نہیں ہوسکتی۔[2] مصنف انوار نے بھی موصوف علاء الدین کو امام عصر اور علامہ وقت اور جامع المنقول والمعقول ومقبول خواص وعوام بتلایا ہے۔[3] حافظ ابن حجر عسقلانی وصاحب شذرات الذہب نے بھی موصوف کی بڑی مدح کی ہے۔[4]

نیز علامہ شاہین بن عبداللہ زرکشی متوفی ۹۵۴ھ کو بھی بہت بڑا عابد وزاہد وعالم وعارف باللہ ولی کہا گیا ہے۔[5] اتنے بڑے بزرگوں کی جو بات مصنفِ عقود الجمان نے نقل کی وہ بھلا کیوں صحیح نہیں اوران کے خلاف مصنف عقود الجمان اور مصنف خیرات الحسان کی یہ بات کیوں صحیح ہے کہ المنخول امام غزالی کی طرف غلط طور پر منسوب ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ عقود الجمان میں صراحت ہے کہ شیخ علاء الدین نے اعتراف کیا کہ المنخول امام غزالی کی کتاب ہے، مگر خیرات الحسان کو عقود الجمان کی تلخیص قرار دینے کے باوجود ابن حجر نے عقود الجمان کے مضمونِ مذکور کے بالکل خلاف یہ لکھا ہے کہ بعض محقق حنفی عالم (مراد علاء الدین بخاری) نے کہا کہ اگر فرض کرلیا جائے کہ المنخول امام غزالی کی کتاب ہے تو اس کا فلاں جواب ہے۔[6]

ناظرین کرام خود سوچیں کہ ابن حجر مکی کی یہ کارستانی کیا معنی رکھتی ہے کہ جس کتاب کی تلخیص کا دعوی کر کے انھوں نے الخیرات الحسان لکھی اس کی عبارت کی تلخیص کرنے میں موصوف نے اس کے معنی ومطلب کو بالکل بدل دیا؟ ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ مصنف عقود الجمان وخیرات الحسان کے بالمقابل شیخ علاء الدین وشاہین علم وفضل میں کہیں مقدم ہیں اس لیے ان کے خلاف ان دونوں حضرات کی یہ بات مردود ہے کہ ”المنخول امام غزالی کی کتاب نہیں“ اوران حضرات سے کہیں مقدم حافظ ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ امام غزالی نے المنخول کو اپنے استاذ امام جوینی امام الحرمین ابو المعالی عبدالملک بن عبداللہ ضیاء الدین نیشاپوری مولود ۴۱۹ھ ومتوفی ۴۷۸ھ کی زندگی میں تصنیف کیا تھا۔[7]

علامہ ابن خلکان وسبکی نے بھی المنخول کو امام غزالی کی تصنیف قرار دیا ہے جو مصنف عقود الجمان وخیرات الحساین سے کہیں زیادہ مقدم ہیں ان کے بالمقابل مصنف عقود الجمان وخیرات الحسان کی بات ظاہر ہے کہ مردود ہے خود مصنف انوار نے بھی المنخول کو امام غزالی کی کتاب بتلایا ہے۔[8] جس کا مطلب یہ ہوا کہ مصنف

انوار کی نظر بھی میں عقود الجمان وخیرات الحسان کی یہ بات مردود ہے، مصنف انوار نے یہ بھی کہا ہے کہ المنخول کا جواب علامہ امیر کاتب اتقانی حنفی وغیرہ نے لکھا ہے۔[9] المنخول کا جواب لکھنے والے موصوف اتقانی کا یہ حال تھا کہ بوقت رکوع رفع الیدین کرنے کو مفسد نماز قرار دیتے تھے اوراس کو امام ابوحنیفہ کا مذہب بتلاتے تھے، حتی کہ امام شافعی ومالکی امام کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز کو

---

❶ عقود الجمان (ص: ٣٢)
❷ التعليقات السنية مع الفوائد البهية (ص: ١٣٠)
❸ مقدمه انوار (٢/ ١٤٤، ١٤٥)
❹ أنباء الغمر بأبناء العمر للحافظ ابن حجر (٩/ ٢٩، ٣٠، واقعات ٨٤١هـ)
❺ شذرات الذهب (٨/ ٣٠٢)
❻ خيرات الحسان (ص: ٤)
❼ المنتظم (٩/ ١٦٨، ١٦٩)
❽ مقدمه انوار (٢/ ٢٦، ١٠٧)
❾ مقدمه انوار (٢/ ١٠٧ و ٢/ ٣٣، ٣٤) نیز ملاحظہ ہو: الفوائد البهية (ص: ٥١، ٥٢)

باطل قرار دیتے تھے۔[1] المنخول کا ایک جواب شمس الائمہ محمد بن عبدالستار کردری مولود ۵۵۹ھ ومتوفی ۶۴۲ھ نے بھی لکھا ہے۔[2]

الغرض مصنف الخیرات الحسان وعقود الجمان سے کہیں مقدم اہل علم نے کہا کہ المنخول امام غزالی کی تصنیف ہے، لہٰذا اس حقیقت کا جو انکار عقود الجمان والخیرات الحسان میں کیا گیا ہے وہ بھی مردود ہے، اور جب یہ بات ہے تو فضائل ابی حنیفہ کے سلسلے میں دونوں کتابوں کے ان مندرجات کے مردود ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے جو خانہ ساز اکاذیب ہیں؟

احیاء العلوم للغزالی میں امام صاحب کا ذکر:

شیخ علاء الدین وشیخ شاہین سے اگرچہ یہ نقل کیا گیا ہے کہ امام غزالی نے المنخول کے بعد احیاء العلوم لکھی جس میں انھوں نے امام صاحب کے خلاف لکھی ہوئی باتوں سے رجوع کر لیا ہے، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ امام غزالی نے احیاء العلوم میں بھی یہ کہا ہے:

”وحكي أن أبا يوسف القاضي كان يهب ماله لزوجته اٰخر الحول ويستوهب مالها إسقاطا للزكوة فحكي ذلك لأبي حنيفة فقال ذلك من فقهه قلت صدق فإن ذلك من فقه الدنيا ولكن مضرته في الآخرة أعظم من كل جناية ومثل هذا هو العلم الضار.“[3]

”یعنی امام صاحب کو یہ خبر پہنچائی گئی کہ ابو یوسف اپنا مال سال کے آخر میں اپنی بیوی کو ہبہ کر دیتے ہیں اور بیوی کا مال اپنے نام ہبہ کرا لیتے ہیں تاکہ زکوٰۃ نہ دینی پڑے، اس کو سن کر امام صاحب نے فرمایا کہ یہی اصل تفقہ ہے، امام غزالی فرماتے ہیں کہ ہاں یہ دنیا پرستی والا تفقہ ہے جس کی مضرت آخرت میں تمام جرائم ومعاصی سے کہیں زیادہ ظاہر ہوگی، اس طرح کا علم وتفقہ ”علم ضار“ (ضرور خسارہ پہنچانے والا علم) ہے۔“

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ امام غزالی نے احیاء العلوم میں بھی امام صاحب کے تفقہ پر سخت تنقید وتشنیع کی ہے یعنی فقہ حنفی کو موصوف نے مضرت رساں علم قرار دیا ہے، حالانکہ فقہ میں امام صاحب کی معرفت اتنی شہرت رکھتی ہے کہ امام شافعی سے منقول ہے کہ فقہ میں تمام لوگ امام صاحب اور اصحاب امام صاحب کے محتاج ہیں، بعض لوگ کہہ سکتے ہیں کہ امام غزالی نے شافعی المسلک ہوکر احیاء العلوم والی مذکورہ بالا بات اپنے امام کے خلاف کہی ہے، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ امام شافعی نے فقہ میں امام صاحب کی معرفت کے اعتراف کے ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ ”امام صاحب ایک غلط اصول بنا کر پوری کتاب ہی اسی کے مطابق لکھ ڈالتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پوری کتاب کے سارے مسائل نصوص کتاب وسنت کے بالکل خلاف ہوتے ہیں۔“[4] اصل معاملہ یہ ہے کہ کسی چیز میں معرفت کا تسلیم کرنا دوسری بات ہے اور جس کی معرفت جس فن میں تسلیم کی جائے اس میں اسے معتبر اور اس کی باتوں کو صحیح ماننا دوسری بات ہے، مغازی وعلوم تاریخ میں واقدی وکلبی اور حدیث میں جابر جعفی وحارث اعور اور تفسیر میں مقاتل بن سلیمان و جویبر بن سعید وفقہ وغیرہ میں نوح بن ابی مریم، تصوف میں حلاج منصور کی معرفت ووسعت علم ایک امرِ مسلم ہے، مگر فنونِ مذکورہ میں ان کی باتوں کو اہل علم معتبر نہیں مانتے بلکہ انھیں کذاب ومتروک مانتے ہیں۔

---

[1] التعليقات السنية (ص: ٥٠ تا ٥٢) [2] الفوائد البهية (ص: ١٧٧)

[3] أحياء العلوم مع تخريج العراقي (١/ ٢٥)

[4] خطيب (ج: ١٣، ترجمه امام صاحب)

ہمارے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ امام شافعی وغزالی نے اگر فقہ میں یا عبادت وزہد میں امام صاحب کی عظمت بیان کی ہوتو اس سے لازم نہیں آتا کہ انھوں نے امام صاحب کے فقہی موقف ومذہب اور روایت حدیث پر تنقید وتجریح نہیں کی ہے، اگرالمنخول میں امام غزالی نے امام صاحب کے فقہی مذہب وموقف پر تنقید اور ردوقدح کیا ہے اوراحیاء العلوم میں امام صاحب کے زہد وتقویٰ کی مدح کی ہے تواس سے دونوں کتابوں کے مضامین میں تضاد وتعارض نہیں ثابت ہوتا کہ یہ کہنے کی ضرورت پڑے کہ المنخول میں اپنی کہی ہوئی باتوں سے انھوں نے احیاء العلوم میں رجوع کرلیا ہے، ہم نہ امام غزالی کے مقلد ہیں نہ امام شافعی کے ہمارے نزدیک یہ ضروری نہیں کہ ان حضرات کی ہر کہی ہوئی بات صحیح ہو، بلکہ ہم یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ دعوی صحیح نہیں کہ امام غزالی نے المنخول میں امام صاحب کی بابت اپنی کہی ہوئی تمام باتوں سے بعد میں احیاء العلوم لکھتے وقت رجوع کرلیا ہے، حیل شرعیہ کے طریقے بتلانے میں یقیناً ایک فقیہ مخلص ہوسکتا ہے اوراس فن کوسکھلانے میں اس کی نیت حصولِ رضائے الٰہی ہو سکتی ہے اوراس کے نقطۂ نظر سے حیل شرعیہ پر عمل کرنے میں کوئی شرعی قباحت بھی نہیں ہوسکتی بلکہ شرعاً یہ چیز اس کے نزدیک محمود وممدوح بھی ہوسکتی ہے، مگر دوسرا شخص اس کے اس طریق کار میں اسے مخلص ونیک نیت سمجھنے کے باوجود بھی اس کے اس فن کو اپنے نقطۂ نظر سے دنیا وآخرت دونوں کے لیے مضر ونقصان دہ سمجھ سکتا ہے، پورے خلوص ہی سے امام صاحب نے نکاح حلالہ کو جائز بتلایا ہے، امام صاحب کے اس علم وفتوی سے کتنے لوگوں کو ذاتی فوائد ومنافع حاصل ہوسکتے ہیں اوراس پر عمل کو وہ کار ثواب بھی سمجھ سکتے ہیں کہ ایک گھر کو اجڑنے سے بچانا اورمیاں بیوی میں تفریق کے بجائے ملاپ کرانا نیکی ہے، مگر دوسرا شخص اس فتویٰ کے دینے والے کو مخلص اور بہت بڑا فقیہ سمجھنے کے باوجود اس فتوی کو حدیث نبوی کے خلاف اوراس پر عمل کرنے کو فعل ملعون اوردینی ودنیاوی دونوں اعتبار سے رسوا کن اورمضر سمجھ سکتا ہے۔

امام غزالی نے احیاء العلوم میں یہ بھی فرمایا ہے:

"رأي بعض العلماء بعض أصحاب الرأي من علماء الكوفة في المنام فقال ما رأيت فيما كنت عليه من الفتيا والرأي فكره وجهه وأعرض عنه وقال ما وجدناه شيئا وما حمدنا عاقبته، وقال ابن حصين إن أحدهم ليفتي في سنة لو وردت على عمر لجمع لها أهل بدر فلم يزل السكوت دأب أهل العلم...الخ." [1]

"یعنی بعض علماء نے کوفہ کے ایک اہل الرای فقیہ کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ جس مذہب رائے اورفتوی نویسی کے موقف پر تم تھے اس کا کیا نتیجہ تم نے عالم برزخ میں دیکھا، تواس فقیہ کو یہ سوال بہت گراں گزرا اوراس نے منہ پھیر کر کہا کہ مذہب رائے اورفتوی نویسی کے اپنے موقف کو ہم نے بیکار چیز دیکھا اس کا انجام ناپسندیدہ ہے، ابن حصین نے کہا کہ اہل الرای دھڑلے سے سنت کے متعلق اپنے فتوی دیا کرتے ہیں لیکن اس طرح کی بات اگرحضرت عمر فاروق کو پیش آتی تو وہ تمام اہل بدر کو اسے حل کرنے کے لیے جمع کرڈالتے۔ حاصل یہ ہے کہ علماء کا طریق ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ سکوت کو لازم پکڑیں۔"

[1] أحياء علوم الدين (١ / ٧٦)

ناظرین کرام غور سے احیاء العلوم کی مذکورہ بالا بات نیز اس کے پہلے احیاء العلوم سے ہماری نقل کردہ بات کو پڑھیں اور سوچیں کہ کیا امام غزالی نے المنخول میں فقہائے اہل الرائے پر اپنی لکھی ہوئی تنقیدوں سے کوئی مختلف چیز احیاء العلوم میں لکھی ہے، خصوصًا احیاء العلوم کی مذکورہ بالا دونوں باتوں کو ایک جگہ رکھ کر مصنف انوار اوران کے ہم مزاج لوگوں کے ان دعاوی کو بھی ملحوظ رکھیں جن میں کہا گیا ہے کہ امام صاحب غیر وقوع پذیر امور سے متعلق غیر مسئولہ فرضی مسائل کو حل کرنے کے لیے دن ورات ایک کیے رہتے تھے، اور اس نیک کام کے لیے امام صاحب بدعویٰ مصنف انوار وجملہ اراکین تحریک کوثری چہل رکنی مجلس تدوین قائم کر کے تیس سال تک فقہ حنفی کی ترتیب دیتے رہے اور لاکھوں فرضی مسائل موصوف نے مرتب کرائے، ان امور کو ملحوظ رکھتے ہوئے احیاء العلوم (۱/۳۴، ۳۵) میں مذکور شدہ فضائل ابی حنیفہ کا موازنہ ان تنقیدوں سے کریں جو امام غزالی نے المنخول اور احیاء العلوم میں امام صاحب اور فقہائے اہل الرائے پر کر رکھی ہیں، تو امام صاحب پر امام غزالی کی لکھی ہوئی تنقیدوں اور تقریظوں میں کوئی تضاد نہ پائیں گے، امام محمد وابو یوسف بہر حال امام صاحب کے بہت مداح اور فقہ میں ان کی علمی برتری کے قائل تھے، اس کے باوجود متعدد کتب حنفیہ کی تصریح کے مطابق دونوں نے امام صاحب سے دو تہائی مسائل میں یعنی چھیاسٹھ سرسٹھ فی صدی مسائل میں امام صاحب سے اختلاف کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان حضرات نے امام صاحب کے ان مسائل کو غلط سمجھ کر ان سے اختلاف کیا، پھر تو امام غزالی کا امام صاحب کے نوے فیصدی مسائل سے اختلاف کرنا مستبعد نہیں کیونکہ امام محمد وابو یوسف اصول وفروع دونوں میں امام صاحب کے ہم مسلک تھے یعنی یہ تینوں اہل الرای تھے، اس کے برعکس امام غزالی کا مسلک ان سے جداگانہ تھا اس لیے امام صاحب سے امام غزالی کے اختلافِ مسائل کا تناسب بھی بڑھ جائے گا، دریں صورت امام غزالی نے اگر اپنے نقطۂ نظر سے امام صاحب کے نوے فیصدی مسائل کو غلط قرار دیا تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اس معاملہ کی تعبیر کے لیے وہ الفاظ نہیں استعمال کئے جو امام محمد وابو یوسف وغیرہ نے کئے ہیں ورنہ معنوی طور پر دونوں فریق کی بات ایک ہے، یعنی امام محمد وابو یوسف کے نقطۂ نظر سے امام صاحب کے چھیاسٹھ فیصدی مسائل غلط ہیں اور امام غزالی کے نقطۂ نظر سے نوے فیصدی۔ امام غزالی کی یہ بات امام صاحب کے اس ارشاد سے مختلف نہیں ہے:

"إن عامة أحدثكم به خطأ."

''میری بیان کردہ عام علمی وفقہی باتیں مجموعۂ اغلاط ہیں۔''

مصنف عقود الجمان وخیرات الحسان نے اگرچہ نقل کیا کہ امام غزالی نے المنخول میں اپنی لکھی ہوئی باتوں سے احیاء العلوم لکھتے وقت رجوع کر لیا مگر علامہ شبلی نعمانی نے لکھا کہ ''احیاء العلوم میں بھی یہ چنگاریاں (یعنی منخول کی سی باتیں امام صاحب کے خلاف) دبی پڑی ہیں''[1] علامہ شبلی کے اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ احیاء العلوم لکھتے وقت امام غزالی نے منخول میں امام صاحب سے متعلق اپنی لکھی باتوں سے رجوع نہیں کیا تھا اور یہی بات صحیح بھی ہے جیسا کہ تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔ جو لوگ امام غزالی کی کتاب المنخول اور احیاء العلوم کا گہرا مطالعہ کریں گے اور امام غزالی کی دوسری کتابوں کو بھی اچھی طرح دیکھیں گے وہ منخول میں امام صاحب کے اوپر امام غزالی کی تحریر کردہ تقریظ وتنقید میں تضاد نہ پائیں گے۔

---

[1] الغزالي (ص: ٤٠)

احیاء العلوم میں مندرج شدہ فضائل ائمہ کا حاصل یہ ہے کہ پانچوں ائمہ متبوعین یعنی امام مالک ،سفیان ثوری، ابوحنیفہ، شافعی واحمد میں سے ہر ایک عابد ومتقی ،فقیہ،علوم دنیا وآخرت کے واقف کار اور اپنی فقہ مرتب کرنے میں مخلص و طالبِ رضائے الٰہی تھے، اس لیے ان میں سے ہر ایک کے طریق کار کی پیروی باعث نجات ہے، اور یہ معلوم ہے کہ مذکورہ بالا پانچوں اماموں نے عام اسلاف کی طرح نصوص کتاب وسنت کی پیروی کرتے ہوئے تقلید پرستی سے منع کر دیا ہے نیز امام صاحب نے اپنی بیان کردہ فقہی وعلمی باتوں کو مجموعۂ اغلاط قرار دینے کے ساتھ فرمایا ہے کہ میری یہ علمی وفقہی باتیں مجموعۂ قیاس ورائے ہیں، اگر اس رائے وقیاس کے بالمقابل کوئی دوسری چیز ہوتو میں خود اس کی پیروی کو تیار ہوں۔

ظاہر ہے کہ تمام اماموں کے مذکورہ بالا قول خصوصًا امام صاحب کے اس فرمان کے مطابق عمل کرنا ہی باعث نجات ہے یعنی کسی کی تقلید نہ کی جائے اور امام صاحب کی فقہ کو مجموعۂ اغلاط سمجھ کر اس سے اچھی چیز مراد مسلک سنت وحدیث پر عمل کیا جائے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ مصنف انوار اور ارا کین تحریک کوثری تقلید ابی حنیفہ کا دعوی کرنے کے باوجود بھی امام صاحب کے ان فرامین کے خلاف امام صاحب کی فقہ کو مجموعۂ اغلاط سمجھنے کے بجائے معمول بہ بنائے ہوئے ہیں۔

احیاء العلوم میں مذکورہ شدہ بعض ساقط الاعتبار روایات کا تذکرہ:

عام علوم وفنون میں امام غزالی کی مہارت کے اعتراف کے ساتھ اہل علم نے صراحت کر رکھی ہے کہ فن روایت ودرایت اور روایات میں کھرے کھوٹے کی معرفت امام غزالی کو نہیں تھی نہ المنخول کی تصنیف سے پہلے نہ اس کے بعد۔[1] لہٰذا کسی کے مناقب ومثالب میں ان کی نقل کردہ صرف وہی روایات معتبر مانی جاسکتی ہیں جو فن روایت ودرایت کے مطابق معتبر ہوں، مثلاً امام غزالی نے حسب عادت بلاسند اور بلا ذکر ماخذ یہ حدیث نقل کر دی ہے۔

"من تفقه في دين الله كفاه الله ما أهمه ورزقه من حيث لا يحتسب."[2]

مگر احادیثِ احیاء العلوم کی تخریج کرنے والے امام عراقی نے فرمایا:

"رواه الخطيب في التاريخ بسند ضعيف."[3]

''یعنی یہ حدیث خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں ضعیف سند سے روایت کی ہے۔''

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ حافظ عراقی نے حسب عادت نہایت نرم لفظ میں امام غزالی کی ذکر کردہ حدیثِ مذکور کو ضعیف کہا ہے اور بتلایا ہے کہ اس کو خطیب نے تاریخ بغداد میں روایت کیا ہے، اور جس خطیب کے حوالہ سے عراقی نے حدیث مذکور کی تخریج کرتے ہوئے اسے ضعیف قرار دیا ہے انھوں نے حدیث مذکور کو اپنی تاریخ کے (۳۲/۳) پر نقل کیا ہے۔[4]

حدیث مذکور حضرت عبداللہ بن حارث بن جزر زبیدی صحابی سے مروی ہے، صحابی مذکور سے اس کا ناقل امام ابوحنیفہ کو ظاہر

---

[1] المنتظم (٩/ ١٦٩) وطبقات الشافعية للسبكي وغيره.

[2] أحياء العلوم (١/ ١٣)

[3] تخريج أحاديث أحياء العلوم برحاشيه أحياء العلوم: (١/ ١٣)

[4] نیز ملاحظہ ہو: العلل المتناهية (١/ ١٢٨) و ذيل اللالئي للسيوطي (ص: ٣٣، ٣٤) ولسان الميزان (١/ ٢٧٠، ٢٧١) وميزان الاعتدال ترجمه ابن المغلس وغيره.

کیا گیا ہے اور امام صاحب سے اس کا ناقل ابو یوسف کو اور ان سے اس کا ناقل محمد بن سماعہ قاضی کو اور ابن سماعہ سے اس کا ناقل احمد بن محمد بن المغلس کو ظاہر کیا گیا، مگر حدیث مذکور کو حافظ ذہبی و ابن حجر ودارقطنی وسیوطی وطاہر فتنی ومصنف عقود الجمان وعلامہ قاسم بن قطلو بغا حنفی وملاعلی قاری حنفی اور دوسرے بہت سارے اہل علم وفن نے متفق اللسان ہو کر موضوع کہا ہے اور بتلایا ہے کہ اس حدیث کو امام صاحب نے ابن جزء صحابی سے نہ سنا ہے نہ روایت کیا ہے بلکہ ان کی طرف یہ روایت غلط طور پر منسوب کر دی گئی ہے، حتی کہ خطیب نے امام دارقطنی سے نقل کیا کہ امام صاحب نے کسی بھی صحابی کو نہیں دیکھا۔ [1]

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم کے اندر ایسی روایات بھی درج ہیں جن کے موضوع ہونے پر سیوطی جیسے حاطب اللیل بھی متفق ہیں، مثال کے لیے ایک روایت پر یہ بحث کافی ہے، پھر امام غزالی نے احیاء العلوم میں فضائل ابی حنیفہ سے متعلق جو روایات جمع کی ہیں ان کا صحیح ومعتبر ہونا جب تک ثابت نہ ہو تب تک انھیں معتبر نہیں قرار دیا جا سکتا ہے، تخریج احادیث احیاء العلوم للعراقی وملاعلی قاری دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں مندرج شدہ اکثر روایات ساقط ہیں، ابن حجر مکی نے بھی خیرات الحسان میں عقود الجمان کی عبارت کی تلخیص کرتے ہوئے حدیث مذکور کی طرف اشارہ کر کے لکھا ہے کہ اسے اہل علم کی پوری جماعت نے موضوع ومردود کہا ہے اور اس کے ایک راوی کو متفقہ طور پر سب نے کذاب ووضاع کہا ہے۔ [2]

ناظرین کرام بہت آسانی سے یہ سمجھ سکتے ہیں کہ بعض اعتبار سے ابن حجر مکی کی نظر میں احیاء العلوم کا ممدوح ہونا دوسری چیز ہے اور اس میں مندرج شدہ باتوں کو معتبر وغیر معتبر ماننا دوسری چیز ہے۔

ابن حجر مکی نے کہا ہے کہ احیاء العلوم کا جو اختصار بنام ''عین العلوم'' بعض ہندی علماء نے لکھا ہے میں نے اس کی شرح لکھی ہے، اس شرح تک ہماری رسائی بہر حال نہیں ہوسکی مگر ہم کو یقین ہے کہ موصوف ابن حجر نے یقیناً اس میں مذکور شدہ بہت ساری روایات کو ساقط الاعتبار اور اس کے بہت سارے مندرجات کو اپنے نقطۂ نظر سے غلط قرار دیا ہوگا۔

امام غزالی کی طرف ابن حجر مکی کی غلط ترجمانی کی بعض مثالیں:

ہم اس بات کی طرف اشارہ کر آئے ہیں کہ بقول علامہ نعمان آلوسی ابن حجر مکی اہل علم کی طرف غلط باتیں منسوب کر دینے اور ان کے کلام کی غلط ترجمانی کے عادی تھے، اس سلسلے میں ہم بعض مثالیں پیش کرنی چاہتے ہیں۔

احیاء العلوم یا اپنی کسی بھی کتاب میں امام غزالی نے تقلید شخصی اور تقلید پرستی کو واجب وضروری نہیں قرار دیا ہے، نہ اس کی طرف ترغیب دلائی ہے نہ دعوت دی ہے بلکہ بقول علامہ شبلی موصوف امام غزالی عقائد کی طرح فقہ میں بھی کسی کے مقلد نہ تھے۔ [3]

حتی کہ بقول شبلی امام غزالی نے فرمایا کہ ''تقلید محض کی طرف دعوت دینے والا جاہل ہے۔'' [4] نیز فرمایا کہ ''مجھ سے بندشِ تقلید ٹوٹ گئی ہے۔'' [5] امام غزالی کی تمنا کے مطابق اندلس میں قائم ہونے والی حکومت موحدین مسائل فقہیہ میں کسی کی مقلد نہیں تھی۔ [6]

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: اللمحات (۲/ ۲۸۸ تا ۴۵۰)

[2] خيرات الحسان (ص: ۲۲)

[3] الغزالي (ص: ۲۳۰)

[4] الغزالي (ص: ۱۷۶)

[5] الغزالي (ص: ۱۶۹)

[6] الغزالي (ص: ۲۱۱ تا ۲۱٤)

عام اہل علم نے تصریح کر رکھی ہے کہ امام غزالی احیاء العلوم کو لکھنے سے پہلے مذہب تصوف کے پابند ہو گئے تھے اور مذہبِ تصوف کے پابند ہونے کے بعد انہوں نے احیاء العلوم لکھی ہے اور عقود الجمان میں صراحت ہے:

"كانت طريقه الصوفيه ان لا تلتزم بمذهب معين."[1]

"یعنی صوفیاء کا مذہب یہ ہے کہ تقلیدی مذہب میں سے کسی معین مذہب کی پابندی نہ کی جائے۔(اس بات کی عام اہل علم نے صراحت کر رکھی ہے کہ صوفیاء کا مذہب عدم تقلید ہے۔" (كما سيأتي)

اس سے بھی صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ امام غزالی تقلید پرستی کے خلاف تھے، انہوں نے المستصفی کے آخر میں مسئلہ تقلید پر بحث کر کے بتلایا ہے کہ تقلید سراسر جہالت ہے جو شانِ اہل علم کے بالکل خلاف ہے۔ احیاء العلوم کے تلخیص کار محمد بن عثمان بلخی ہندی متوفی ۸۳۰ھ بھی صوفی یعنی تقلید پرستی کے خلاف تھے، اس کے باوجود ابن حجر مکی نے امام غزالی اور ان کی کتاب احیاء العلوم کی تلخیص عین العلم کے مصنف محمد بن عثمان بلخی کو تقلید پرستی کا حامی وداعی ظاہر کرتے ہوئے کہا:

"احیاء العلوم کی ایک تلخیص عین العلوم میں مقاصد احیاء العلوم کی جامع الفاظ میں سمو دیا گیا ہے اور میں نے اس عین العلوم کی شرح بھی لکھی ہے، میری اس شرح میں مقاصد احیاء العلوم کو جامع الفاظ میں ظاہر کرنے والی کتاب عین العلم کی عبارت موجود ہے، امام صاحب کے فضائل سے متعلق پوری عبارت دوسرے ورق پر آرہی ہے، سب سے بہتر طریقِ کار یہ ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے آدمی جسے افضل واعلم سمجھے اس کی تقلید اختیار کرے، مثلاً احناف کو امام ابوحنیفہ کی تقلید اختیار کرنی چاہیے جن کی بابت کئی اسانید سے حدیث نبوی مروی ہے کہ "أبوحنيفه سراج أمتي" امام ابوحنیفہ کو عبادت وورع وغیرہ میں جو شہرت حاصل ہے اس کے سبب امام صاحب اس سے مستغنی ہیں کہ ان کی فضیلت پر ایسی حدیث کو دلیل بنایا جائے جس کے موضوع ہونے پر محدثین کرام متفق ہیں۔"[2]

اپنی مذکورہ بالا عبارت میں ابن حجر مکی نے کہا ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی کی تقلید ہونی چاہیے، پھر ایک طرف ابن حجر مکی نے کہا کہ ائمہ اربعہ میں سے آدمی جس کو افضل واعلم سمجھے اس کا تقلیدی مذہب اختیار کرے دوسری طرف موصوف فرماتے ہیں:

"و من هذا كانت طريقة الصوفيا أعدل الطرق وأفضلها وهي الأخذ بالأشد والأحوط في كل مسئلة."[3]

"یعنی اس تفصیل کے مطابق صوفیائے کرام کا مسلک ہی سب سے افضل ومتعدل ہے کہ ہر مسئلہ میں احوط طریق پر عمل کیا الخ۔"

ہم بتلا چکے ہیں کہ صوفیاء کے مذکورہ بالا طریقِ عمل کا حاصل یہ ہے کہ تقلید شخصی نہ کی جائے اور کسی بھی تقلیدی مذہب کی تعیین کے ساتھ پیروی نہ کی جائے، جب ابن حجر مکی کے نزدیک صوفیا ہی کا مذہب سب سے افضل واعدل ہے تو تقلید پرستی کے معاملہ میں مذہبِ صوفیا کے خلاف موصوف نے یہ کیوں فرمایا کہ ائمہ اربعہ میں سے جس کو افضل واعلم سمجھے اسی کے مذہب کی تقلید اختیار کرے، جب ابن حجر کے نزدیک سارے اہل علم کے مذاہب اسلامی شرائع ہیں تو ان میں سے صرف چار اماموں ہی کے

---

[1] عقود الجمان (ص: ١٥)
[2] الخيرات الحسان (ص: ٤، ٥)
[3] الخيرات الحسان (ص: ٩)

بارے میں یہ نظریہ رکھنا کیا معنی رکھتا ہے کہ ان چاروں میں سے جس کو افضل واعلم سمجھے اسی کی پیروی کرے، جب بقول ابن حجر مکی ہر مجتہد کی ہر بات صحیح وصواب ہے تو امام صاحب کا یہ فرمان صحیح وصواب ہے یا نہیں کہ ''میری بیان کردہ عام علمی وفقہی باتیں اور حدیثیں مجموعۂ اغلاط واباطیل ہیں، ان کی نقل وروایت اور نوشت وکتابت نیز پیروی ومتابعت نہیں ہونی چاہیے، نیز میری بیان کردہ ساری علمی وفقہی باتیں محض رائے وقیاس ہیں ان سے بہتر جو بات بھی وہی قابل اتباع ہے۔''

اگر امام صاحب کا یہ فرمان صحیح وصواب ہے اور ابن حجر مکی کے بیان کے مطابق ضرور صحیح وصواب ہے تو یہ بتلایا جائے کہ اپنی مرتب کردہ جس فقہ کو امام صاحب نے سراسر رائے وقیاس قرار دے کر فرمایا کہ اس سے بہتر جو چیز بھی ہو اس کی پیروی کی جائے، تو یہ بتلایا جائے کہ قیاس ورائے کے مقابلہ میں نصوص کتاب وسنت واجماع امت واقوال صحابہ وتابعین بہتر ہیں یا نہیں؟ نصوص واجماع میں تو احتمالِ خطا بھی نہیں جبکہ امام صاحب کی بیان کردہ فقہی وعلمی باتیں بتصریحِ امام صاحب مجموعۂ خطا ہیں، دریں صورت حکم امام صاحب کی پیروی میں امام صاحب کے مرتب کردہ فقہی مذہب کو متروک قرار دینا واجب ہوا، پھر ابن حجر مکی کا یہ کہنا کیا معنی رکھتا ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کو افضل واعلم سمجھ کر ان کے تقلیدی مذہب کی پیروی کرنی چاہیے، امام صاحب تو اپنی تقلید سے منع کریں اور امام صاحب کی تقلید کی ترغیب دینے والے ابن حجر مکی امام صاحب نیز دوسرے ائمہ کی تقلید منع تقلید کے معاملہ میں نہ کریں، آخر یہ کون سا طریق عمل ہے؟ یہ متحقق بات ہے کہ چاروں اماموں نے اپنی اپنی تقلید سے نیز کسی کی بھی تقلید سے منع کیا ہے۔ (كما سيأتي التفصيل)

ابن حجر مکی تو زندہ نہیں مگر یہ معلوم ہے کہ امام شافعی بھی مجتہد ہیں جنھوں نے واضح طور پر کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ ایک غلط اصول بنا کر اس سے متخرج کردہ مسائل کی پوری کتاب لکھ ڈالتے ہیں، میں نے امام صاحب کی لکھی ہوئی ایک کتاب دیکھی جو ایک سوتیس اوراق پر مشتمل تھی مگر اس کے اسی (۸۰) اوراق کتاب وسنت کے خلاف تھے، میں نے دلیل سے خالی باتوں پر مشتمل کتاب لکھنے والے امام صاحب کے مقابلہ میں کسی کو نہیں دیکھا وغیرہ۔ (كما سيأتي) امام صاحب کے بارے میں امام شافعی جیسے مجتہد کے یہ فرامین ابن حجر مکی اور ان کے موقف کے حامی صحیح ضرور سمجھتے ہوں گے نیز ابن حجر مکی اور ان کی موافقت کرنے والے امام بخاری کو بھی مجتہد مانتے ہیں، اور یہ معلوم ہے کہ امام بخاری نے امام صاحب کی بابت فرمایا ہے کہ ''سكتوا عن رأيه وحديثه'' یعنی عام اہل علم نے امام صاحب کو متروک قرار دیا ہے، ظاہر ہے کہ امام بخاری کا یہ ارشاد امام ابوحنیفہ کے ان فرامین کا خلاصہ ہے جن کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب نے فرمایا کہ میری بیان کردہ فقہی وعلمی باتیں چونکہ مجموعۂ اغلاط ہیں اس لیے ان کی نقل وروایت نہ کی جائے۔

باعتراف مصنف انوار وابن حجر مکی امام عبداللہ بن المبارک مجتہد ہیں اور جب ہر مجتہد کی ہر بات صحیح ہے تو ابن المبارک نے جو یہ فرمایا کہ امام صاحب نے حماد سے علوم حماد نہیں سنے بلکہ یمامی کے یہاں سے حاصل شدہ کتب حماد کی بدولت علوم حماد سے امام صاحب بہرور ہوئے، اس لیے میرے اصحاب کا کہنا ہے کہ امام صاحب کو متروک قرار دیا جائے، چنانچہ ابن المبارک نے آخر کار امام صاحب کو متروک قرار دے دیا۔ ناظرین کرام فرمائیں کہ ابن حجر مکی اور ان کے ہم خیالوں کے موقف کے مطابق امام صاحب کے معاملہ میں ابن المبارک کا یہ طرز عمل صحیح ہے یا غلط؟ اگر صحیح ہے تو امام بخاری اور دوسرے اہل علم نے بھی امام

صاحب کی بات یہی بات کہہ دی ہے پھر وہ تقلید پرستوں کی نظر میں معتوب کیوں ہیں؟ اوراسی طرح کی بابت امام غزالی نے کتاب المنخول میں بھی کہی ہیں پھران پر یہ عتاب احناف کی طرف سے کیوں ہوا، پھر یہ دعوی بھی کیا گیا کہ امام غزالی نے منخول میں اپنی کہی ہوئی باتوں سے بوقت تصنیف احیاء العلوم رجوع کرلیا، رجوع کا معنی ومطلب بھی دعویٰ رجوع کرنے والے سمجھتے ہیں یا یوں ہی قیاس سے سخن سازی کرتے ہیں۔

تقلید پرستی کے خلاف عین العلوم کی بعض عبارتیں:

علامہ ابن حجر مکی کا کہنا ہے کہ عین العلوم مقاصد احیاء العلوم کا ملخص ومختصر ہے اور عین العلوم میں یہ تصریح ہے:

"والاستبصار فورد استفت قلبك وإن أفتاك المفتون ولأن المقلد وعاء العلم."[1]

"یعنی مسائل شرعیہ میں بصیرت حاصل کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ حدیث نبوی ہے کہ اپنے دل سے فتوی حاصل کروخواہ تم کومفتی لوگ فتوی دے چکے ہوں، اوراس لیے بھی مسائل میں بصیرت حاصل کرنا ضروری ہے کہ مقلد علم کا برتن ہے۔"

احیاء العلوم کے اس مختصر ملخص میں واضح طور پر تقلید پرستی سے باز رہنے کا حکم دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اگرچہ فقہی مسائل فقہاء ومفتیوں کے ذریعہ مدون ہوکر بتلائے جا چکے ہوں مگر پھر بھی تم کو پیش آمدہ مسائل میں بصیرت حاصل کرنا ضروری ہے، ظاہر ہے کہ بصیرت حاصل کرنا تقلید پرستی کے منافی ہے اور جب عین العلم میں تقلید پرستی کے بجائے پیش آمدہ مسائل میں حصولِ بصیرت کا حکم دیا گیا ہے تو ابن حجر مکی کا یہ ظاہر کرنا کیا معنی رکھتا ہے کہ عین العلم میں مقاصد احیاء العلوم کوملخص طریقہ پر پیش کرتے ہوئے ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے؟

نیز عین العلم میں یہ بھی کہا گیا ہے:

"اصولی مسائل میں کتاب وسنت واجماعِ امت پر عمل ہونا چاہیے اور اتباعِ ہوا اور وسوسہ سے اجتناب ہونا چاہیے کیونکہ سلف کا یہی طریقہ تھا، اورفروعی مسائل میں ان چیزوں کو معمول بہ بنانا چاہیے جن پر سب کا اتفاق ہو پھر ان چیزوں پر عمل ہونا چاہیے جن میں احتیاط زیادہ ہو پھر ان پر عمل ہونا چاہیے جو زیادہ باوثوق ہوں، ان ساری باتوں کے بعد آخری درجہ یہ ہے کہ "ثم قول من ظن أنه أفضل كأبي حنيفة عندنا فورد أبو حنيفة سراج أمتي..الخ.[2] جس عالم کو افضل سمجھے اس کے قول پر عمل کرے، مثلاً ہم احناف کے نزدیک امام صاحب افضل ہیں جن کے بارے میں حدیث "سراج أمتي أبوحنيفه" وارد ہے۔"

عین العلم کی اس عبارت میں حکم دیا گیا ہے کہ اصولی مسائل میں کتاب وسنت واجماعِ امت کو معمول بہ بنانا چاہیے اور فروعی مسائل میں اوّلاً ان باتوں کو معمول بہ بنانا چاہیے جو اہل علم کے یہاں متفق علیہ ہوں مگر جن باتوں پر اہل علم کا اتفاق نہ ہو ان کے سلسلے میں احتیاط سے قریب تر اور زیادہ سے زیادہ باوثوق بات پر عمل ہونا چاہیے، پھر آخری درجہ یہ ہے کہ فقہاء میں سے جسے افضل سمجھے مثلاً حنفیہ کے یہاں امام صاحب ان کے قول پر عمل کرے۔ناظرین کرام خود فیصلہ کریں کہ عین العلم کے بیان

[1] عین العلم وزین العلم (ص: ١٢)

[2] عین العلم (ص: ١٥ تا ١٧، ملخصا مع شرح ملا علی قاری)

مذکور میں تقلید پرستی کی جڑ کاٹی گئی ہے یا کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی کی تقلید کا حکم دیا گیا ہے، اس میں تو نصوص کتاب وسنت واجماع امت واحوط واوثق چیزوں پر عمل کرنے کو فریضۂ اولین قرار دیا ہے، پھر اگر کوئی پیش آمدہ مسئلہ ایسا ہے جس کے سلسلے میں نصوص واجماع اوراحوط واوثق کے مطابق عمل نہیں ہوسکتا تو حاصل شدہ بصیرت کے مطابق ائمہ دین میں سے جس کو بھی افضل سمجھتا ہے اس کی بات پر آدمی عمل کرے، اس میں تو کسی بھی امام کے قول کو شرائطِ مذکورہ کے ساتھ معمول بہ بنانے کا مشورہ دیا گیا ہے صرف ائمہ اربعہ ہی میں سے کسی کی تقلید کا حکم نہیں دیا گیا ہے مثلاً ابراہیم نخعی اور شعبی وغیرہ۔

امام غزالی اور محمد بن عثمان بلخی کے تقلید پرست نہ ہونے پر دلیل:

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ عین العلم میں کہا گیا ہے:

”غیبت کے بعد وضو کرے اور قہقہہ کے بعد بھی وضو کرے خواہ نماز کے اندر قہقہہ لگائے یا باہر اور ہر نماز کے لیے نماز سے پہلے تازہ وضو کرے۔“[1]

ظاہر ہے کہ چاروں تقلیدی مذاہب میں سے کسی میں بھی غیبت اور خارج از نماز قہقہہ اور خروج وقت نماز کو ناقضِ وضو نہیں کہا گیا ہے مگر عین العلم کے مصنف نے ان تمام صورتوں میں وضو کرنے کا حکم دیا ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ موصوف مصنف عین العلم چاروں تقلیدی مذاہب میں سے کسی مذہب معین کی تقلید کا التزام نہیں کرتے تھے، اس کا لازمی مفاد یہ ہے کہ حنفی مذہب کی طرف موصوف کا انتساب محض رسمی طور پر تھا، یہی حال امام غزالی کا بھی تھا۔

ابن حجر مکی نے احیاء العلوم کی جس عبارت کا مطلب بحوالۂ عین العلم یہ ظاہر کیا ہے کہ امام غزالی و محمد بن عثمان بلخی ہندی چاروں تقلیدی مذاہب میں سے کسی ایک کی تقلید کے حامی وداعی تھے، اس میں مقلدین پر سخت تنقید کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

یہ مقلدین جن مذاہب اوراماموں کی تقلید کا دم بھرتے اور دعوی کرتے ہیں، وہ ان پر ظلم کرتے ہیں، بروز قیامت ائمہ کرام جن کی تقلید کا یہ مقلدین دعوی کرتے ہیں ان کے شدید مخالف ہوں گے، ہم نے اوپر جو باتیں کہی ہیں ان کا مقصد فقہائے اسلام پر طعن نہیں ہے بلکہ ان کی تقلید کا دم بھرنے والوں پر طعن ہے، جو ان کی تقلید کا بظاہر دعویٰ کرتے ہیں مگر حقیقت میں ان کے اعمال واخلاق کی مخالفت کرتے ہیں۔“[2]

ناظرین کرام غور فرمائیں کہ امام غزالی نے اہل تقلید پر اس قدر تنقید کرنے کے باوجود تقلید پرستی کی حمایت کیونکر کی ہوگی، امام غزالی کی اس بات کی صداقت کا مشاہدہ ہم کو خود بھی ہے کہ اہل تقلید جن کی تقلید کا دم بھرتے ہیں ان کی مخالفت کرتے اوران پر ظلم ڈھاتے ہیں، یہی دیکھ لیجیے کہ امام ابوحنیفہ نے اپنی بیان کردہ فقہی وعلمی عام باتوں کو مجموعۂ اغلاط قرار دیا اوران کی ترویج واشاعت اورتحدیث وروایت سے پوری سختی اور شدت کے ساتھ روکا اوراپنی تقلید سے باز رہنے کا حکم دیا ہے، پھر بھی ان کی تقلید کا دم بھرنے والے عام لوگ خصوصاً مصنف انوار اور اراکین تحریک کوثری امام صاحب کے ان فرامین کے بالکل خلاف دوسرے طریق پر گامزن ہیں، اس میں شک نہیں کہ امام غزالی کا فرمان مذکور عام مقلدین خصوصًا مصنف انوار جیسے لوگوں پر بالکل صادق آتا ہے۔

ابن حجر مکی نے احیاء العلوم کی جس عبارت کا مطلب بحوالۂ عین العلم یہ ظاہر کیا ہے کہ امام غزالی و محمد بن عثمان ہندی

[1] عين العلم (ص: ٢٠) [2] أحياء العلوم (١/ ٣٠، ٣١)

چاروں تقلیدی مذاہب میں سے کسی ایک کی تقلید پرستی کے حامی تھے اس کا مطلب مذکورہ بتانے میں ابن حجر مکی کی غلطی واضح ہے۔
ادھر امام غزالی نے صرف یہ کہا ہے:

''یہ مقلدین جن فقہاء کی تقلید کے دعویدار ہیں اور اس دعوی کے باوجود اپنے اماموں کی مخالفت پر کاربند ہیں، وہ فقہ کے قائد اور خلق خدا کے راہبر ہیں، ان فقہاء سے میری مراد وہ حضرات ہیں جن کی پیروی کرنے والوں کی کثرت ہے، وہ حضرات پانچ عدد ہیں، امام شافعی، مالک، احمد بن حنبل، ابوحنیفہ اور سفیان ثوری، ان میں سے ہر امام عابد، زاہد، علوم آخرت کے ماہر، دنیاوی مصالح کے واقف کار ومخلص تھے، ان پانچ صفات کے حامل ان پانچوں اماموں کے صرف ایک وصف کی فضائے عصر نے پیروی کر رکھی ہے یعنی صرف فقہی مسائل کی تفریعات میں، باقی چاروں اوصاف کو اس لیے نظر انداز کر دیا ہے کہ ان سے کوئی دنیاوی فائدہ نہیں ملنے والا ہے، پھر بھی ان فقہائے بے توفیق کا دعویٰ ہے کہ ہم ان اماموں کی مشابہت اختیار کیے ہوئے ہیں۔ حالانکہ حدادین (لوہاروں) کو فرشتوں کے مشابہ قرار دینا افسوسناک ہے، اب ہم ان پانچوں اماموں کے وہ احوال بیان کرتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ائمہ خصالِ اربعہ کے حامل تھے۔''[1]

ناظرین کرام دیکھیں کہ امام غزالی کی اس عبارت میں ائمہ اربعہ میں سے کسی کی تقلید پرستی کی دعوت وترغیب دی گئی ہے یا کہ اس بات کا شکوہ کیا گیا ہے کہ جن پانچ اماموں کی اتباع کے دعویداروں کی کثرت ہے ان کے اتباع کے یہ دعویداران کے طریقِ کار کے پیرو نہیں ہیں، صرف دنیا پرستی کی بناء پر ان کی ایک بات میں پیروی اور باقی چار باتوں میں ان کی مخالفت کے مرتکب ہیں، امام غزالی کی اس عبارت کا وہ مطلب بتلانا جو ابن حجر مکی نے بتلایا ہے یقیناً صحیح نہیں ہے۔

احیاء العلوم میں مذکور شدہ فضائل ابی حنیفہ:

فقہ امام صاحب پر احیاء العلوم میں امام غزالی نے تنقید بھی کی ہے اور مجموعی اعتبار سے ان کی مدح بھی کی ہے، اپنی مذکورہ بالا بات کے بعد امام غزالی نے امام شافعی کے فضائل تقریباً دوصفحہ میں بیان کیے پھر امام مالک کے فضائل تقریباً ایک صفحہ میں لکھے اس کے بعد امام صاحب کے فضائل بیس اکیس سطروں میں لکھے، جن کو ہم ذیل میں درج کر رہے ہیں:

''امام صاحب بھی امام مالک وشافعی کی طرح عابد، زاہد، عارف باللہ، خائف ومخلص آدمی تھے، ان کے عابد ہونے کا ثبوت ابن المبارک سے مروی شدہ اس روایت سے ملتا ہے کہ امام صاحب صاحبِ مرؤت وصاحب کثرت نماز تھے۔ حماد بن ابی سلیمان (استاذ ابی حنیفہ) نے کہا کہ امام صاحب پوری رات زندہ رکھتے ہیں، ایک روایت میں ہے کہ ابتداء میں امام صاحب صرف آدھی رات زندہ رکھتے تھے مگر ایک دن ایک آدمی نے کہا کہ یہ پوری رات زندہ رکھتے ہیں تو اس زمانے سے موصوف پوری رات زندہ رکھنے لگے، امام صاحب کا زاہد ہونا اس روایت سے ظاہر ہے کہ انھوں نے ابن ہبیرہ کے پیش کردہ سرکاری عہدہ کو قبول نہیں کیا مگر کوڑے کھانے گوارا کر لیا۔ حکم بن ہشام نے کہا کہ امام صاحب بڑے امانت دار تھے انھوں نے حکومت کی مار برداشت کر لی مگر اس کا عہدہ نہیں قبول

[1] أحياء العلوم (١ / ٣١)

کیا، اس مفہوم کی بات ابن المبارک نے بھی کہی۔ بعض لوگوں سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ مصلحتاً امام صاحب نے حکومت کے دس ہزار عطیہ کو رکھ لیا مگر اپنے بیٹے کو وصیت کر دی کہ میری وفات کے بعد یہ رقم واپس کر دی جائے، مروی ہے کہ انہیں قاضی بنانے کے لیے بلایا گیا مگر انھوں نے یہ کہہ کر قاضی بننے سے انکار کر دیا کہ میں اس کی صلاحیت نہیں رکھتا، اور امام صاحب کے علم پر اخروی اور دینی نقطۂ نظر سے یہ دلیل ہے کہ وہ اللہ سے بہت خائف اور دنیا سے بے رغبت تھے۔ ابن جریج نے کہا کہ مجھے امام صاحب کے بارے میں یہ خبر ملی ہے کہ وہ اللہ سے بہت خوف رکھتے تھے۔ شریک نخعی نے کہا کہ امام صاحب دیر تک خاموش اور ہمیشہ متفکر رہا کرتے تھے اور لوگوں سے بات بہت کم کرتے تھے، یہ چیزیں واضح ترین دلائل میں سے ہیں اس بات پر کہ یہ ائمہ کرام علم باطن اور مہمات دین سے اشتغال رکھتے تھے، جسے خاموشی و زہد کی دولت حاصل ہوا سے پورا علم حاصل ہو گیا۔ الخ۔[1]

مندرجہ بالا عبارت میں امام غزالی نے جو فضائلِ امام صاحب نقل کیے ہیں وہ دس روایات پر مشتمل ہیں، ان میں سے تین کو چھوڑ کر یعنی ۵ و ۹ و ۱۰ کو چھوڑ کر باقی سات روایات کا ذکر بصیغۂ تمریض کر کے امام غزالی نے خود ان کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کر دیا ہے اور باقی میں سے پانچ کا حال یہ ہے کہ حکم بن ہشام نے کہا کہ "حدثت بالشام... الخ" مجھے شام میں بات بتلائی گئی ہے، ظاہر ہے کہ بتلانے والا مجہول ہے جس کی روایت ساقط الاعتبار ہوتی ہے، اور نویں روایت میں ہے کہ ابن جریج نے کہا کہ "بلغني" یعنی مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ امام صاحب ایسے تھے، ظاہر ہے کہ ابن جریج کو خبر کا پہنچانے والا مجہول ہے لہٰذا از روئے اصول یہ روایت بھی ساقط الاعتبار ہے اور دسویں روایت البتہ بالجزم منقول ہے مگر اس کی سند کا حال بھی خراب ہے۔

یہ معلوم ہے کہ امام غزالی فن روایت و درایت سے ماہر نہیں تھے اور ہر طرح کی غث وسمین روایت نقل کر دیا کرتے تھے نیز باب فضائل میں روایات ضعیفہ کو نقل کرنے اور انھیں قبول کر لینے میں کچھ اہل علم حرج نہیں محسوس کرتے انھیں میں امام غزالی بھی ہیں، اس سے قطع نظر اپنے سلسلۂ بیان میں امام غزالی نے کوئی ایسی بات نہیں کہی ہے جو المنخول میں ان کی ذکر کردہ باتوں کے خلاف قرار دی جا سکے۔ مذکورہ بالا روایات کے علاوہ بھی کہیں کہیں امام صاحب کے فضائل سے متعلق بعض باتیں امام غزالی نے نقل کی ہیں اور بعض تنقیدی باتیں بھی درج کی ہیں جس کے معترف علامہ شبلی بھی ہیں مگر جس طریق پر ابن حجر مکی نے امام غزالی کی ترجمانی کی ہے وہ یقیناً غلط ہے، امام غزالی نے صرف اتنی بات کہی تھی کہ جن اماموں کے متبعین بکثرت پائے جاتے ہیں ان کی تعداد پانچ ہے، ابن حجر مکی نے امام غزالی کی اس صراحت کے خلاف یہ ظاہر کیا کہ وہ فرماتے ہیں کہ چار اماموں (امام مالک و شافعی و ابوحنیفہ واحمد) میں سے جس کو افضل سمجھو اس کی پیروی کرو حالانکہ امام غزالی نے اپنی بعض کتابوں میں صراحت کی ہے کہ عامی آدمی اپنے شہر کے کسی بھی مجتہد کے قول پر عمل کر سکتا ہے۔ (كما سيأتي) افریقہ واندلس میں موحدین کی حکومت کا مذہب ومسلک تقلید پرستی کے خلاف خالص کتاب وسنت پر قائم تھا، یہ حکومت امام غزالی ومحمد تورث کی کوششوں اور تحریک کے نتیجہ میں قائم ہوئی تھی جس کی کسی قدر تفصیل آگے آئے گی۔

امام غزالی نے امام صاحب کے جو فضائل اپنے مذکورہ بالا بیان میں لکھے ہیں ان کے علاوہ بھی بہت عجیب غریب قسم کے

---

[1] أحياء العلوم (١/ ٣٤، ٣٥)

فضائل ابي حنیفہ ابن حجر مکی نے اور مصنف عین العلم نے لکھ ڈالے ہیں اور ابن حجر مکی نے یہ ظاہر کیا ہے کہ یہ سارے زائد فضائلِ ابی حنیفہ بھی امام غزالی کے بیان کردہ ہیں۔ تفصیل ملاحظہ ہو۔

عین العلم اور شرح عین العلم لابن حجر مکی میں امام صاحب کے مذکور شدہ فضائل:

احناف کے نقطۂ نظر سے ائمہ اسلام میں سے امام صاحب کے افضل ہونے پر عین العلم میں سب سے پہلی بات یہ کہی گئی ہے کہ حدیث نبوی میں وارد ہے:

"أبوحنيفة سراج أمتي."[1]

باوجودیکہ امام غزالی نے فضائل کے سلسلے میں احیاء العلوم اور اپنی دوسری کتابوں میں بہت ساری ساقط الاعتبار احادیث نقل کر دی ہیں مگر انھوں نے حدیث مذکور نہیں نقل کی ہے، عین العلم پر مصنف انوار کے ممدوح ملاعلی قاری حنفی کا حاشیہ وترجمہ بنام زین الحلم ہے، اس میں موصوف ملاعلی قاری مذکورہ بالا حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

"حديث موضوع كما قاله الصغاني وغيره بل قال السيوطي وما يورد في ذكر أبي حنيفة من الأحاديث فباطل كذب لا أصل له..الخ."

''یعنی حدیث مذکور موضوع ہے جیسا کہ صغانی حنفی وغیرہ نے کہا ہے، بلکہ سیوطی نے کہا کہ ابوحنیفہ کے سلسلے میں وارد شدہ ساری احادیث باطل ومکذوب وبے اصل ہیں البتہ جس حدیث میں وارد ہے کہ "لوكان العلم عند الثريا لتناوله من أبناء فارس." وہ امام صاحب پر منطبق ہوسکتی ہے۔''

علامہ ابن حجر مکی عین العلم میں مذکور شدہ اس حدیث کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

" فقد ورد من طرق اى يأتى الكلام عليها مبسوطا قريبا وما اشتهر عنه من العبادة..الخ."[2]

''یعنی یہ حدیث کئی سندوں سے مروی ہے جس پر مفصل کلام آگے آرہا ہے مگر یہ حدیث موضوع ہے جس کو متفقہ طور پر محدثین نے موضوع کہا ہے، ایسی موضوع حدیث سے امام صاحب مستغنی ہیں کہ اس سے ان کی فضیلت پر استدلال کیا جائے۔''

ابن حجر مکی نے حدیث مذکور کو اپنے مندرجہ بالا بیان میں صرف اجمالی طور پر موضوع ومکذوب قرار دینے پر اکتفا کرتے ہوئے کہا کہ اس کی تفصیل آگے آئے گی، پھر موصوف نے الخیرات (ص: ۱۴، ۱۵) پر تفصیل سے اس کے اور اس معنی کی دوسری احادیث کے موضوع ومکذوب ہونے پر بحث کی اور بتلایا کہ بقول مصنف عقود الجمان جس شخص کو علم حدیث سے ادنیٰ ترین لگاؤ ہوگا اس کے سامنے حدیث مذکور اور اس جیسی مکذوبہ چیزیں نہ مقبول ہوسکتی ہیں، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ مصنف انوار اور اراکین تحریک کوثری نے اہل علم حتی کہ ابن حجر مکی وسیوطی وملاعلی قاری وقاسم بن قطلوبغا وصغانی ومصنف عقود الجمان کی موضوع قرار دی ہوئی اس مکذوب حدیث کو قبول کرلیا ہے اور اسے دلیل وحجت بنالیا ہے، اس سے قطع نظر ہم کو یہ کہنا ہے کہ ایک طرف ابن حجر مکی

[1] عين العلم وزين الحلم (ص: ١٧) خيرات الحسان (ص: ٥)

[2] الخيرات الحسان (ص: ٥، بحواله شرح عين العلم)

بتلاتے ہیں کہ حدیث مذکور کو محدثین نے متفقہ طور پر مکذوب وموضوع کہا اور جسے علم حدیث سے ادنیٰ ترین بھی لگاؤ ہوگا اس کے نزدیک اس حدیث کی کوئی پذیرائی نہیں ہوسکتی، مگر دوسری طرف انھیں ابن حجر مکی نے اس حدیث کو قابلِ قبول بنانے اس حدیث کے سلسلے میں بعض لغوطراز و نا آشنائے فن احناف نے بے حیائی کا راستہ احتیاط کرتے ہوئے ہرزہ سرائی کرتے ہوئے اور علم حدیث وفن روایت کے ساتھ بیہودہ گوئی کی ہے اسے بھی موصوف نے نقل کر دیا مگر موصوف ابن حجر مکی نے اس نا آشنائے فن ولغو طراز حنفی کی جہالت اور یاوہ گوئی کی لغویت ظاہر نہیں کی۔ [1]

ظاہر ہے کہ ابن حجر کا یہ طرز عمل غیر محمود ہے، جس بات کی لغویت ظاہر وباہر ہے اس کو بلا نقد نقل کر دینا جس سے باطل پرست لوگ خوش ہوسکیں کون سا علمی کارنامہ ہے، اپنے زمانے کے ان احناف کو خوش کرنے کے لیے اس طرح کی روش اختیار کرنی کیونکر درست ہے، جو اس زمانے میں کتاب المنخول اور اس طرح کی بعض دوسری کتابوں کی اشاعت سے پریشان تھے کیا اس کے بجائے کوئی ایسی تحقیقی کتاب ابن حجر مکی نہیں لکھ سکتے تھے جس میں اکاذیب سے احتراز کیا گیا ہو اور اکاذیب کو بلا نقد نقل کرنے سے پرہیز کیا گیا ہو؟

مکذوب وموضوع حدیث مذکور کے بعد عین العلم میں امام صاحب کی فضیلت سے متعلق یہ بات نقل کی گئی:

"وسمع في المنام أنا عند علم أبي حنيفة." [2]

''خواب میں یہ بات سنی گئی کہ میں علم ابی حنیفہ کے پاس ہوں۔''

روایت مذکورہ بالا بھی احیاء العلوم میں نہیں ہے، عین العلم میں اس کا ماخذ نہیں بتلایا گیا نہ ملا علی قاری ہی نے اس کا ماخذ بتلایا نہ ابن حجر مکی نے، اس روایت میں نہ یہ مذکور ہے کہ یہ خواب کس نے دیکھا اور یہ بات کس سے خواب میں سنی گئی، ملا علی قاری نے حنفی ہونے کے باوجود اس عبارت کے ترجمہ یا حاشیہ میں یہ نہیں بتلایا کہ خواب میں کس کو یہ بات سنائی گئی تھی مگر ابن حجر مکی نے معلوم نہیں کہاں سے یہ دریافت کر لیا کہ خواب میں یہ آواز اللہ تعالیٰ کی طرف سے سنی گئی تھی، ابن حجر مکی کا یہ اکتشاف یقیناً حیرت انگیز ہے اس کے باوجود ابن حجر مکی نے اس روایت کا کوئی ماخذ نہیں بتلایا، اس روایت کے بعد عین العلم میں کہا گیا کہ "أسلم المخالفون سبقه في الفقه" یعنی مخالفین نے فقہ میں امام صاحب کی برتری کو تسلیم کیا ہے۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کون سے مخالفین امام صاحب ہیں جنھوں نے یہ نیک کام کیا ہے البتہ ابن حجر مکی نے اس عبارت کے تحت امام شافعی سے یہ نقل کیا کہ "الناس في الفقه عيال على أبي حنيفة" لیکن سوال یہ ہے کہ کیا امام شافعی امام صاحب کے مخالفین میں تھے؟ کہ مخالفِ ابی حنیفہ ہونے کے باوجود انھوں نے فقہ ابی حنیفہ کی برتری تسلیم کی ہے، ہم شافعی سے منقول قولِ مذکور کی حقیقت کسی قدر ظاہر کر چکے ہیں اور تفصیل آگے آرہی ہے۔

عین العلم میں ایک بات یہ کہی گئی:

''امام صاحب نے خانہ کعبہ میں ہاتف غیبی کو کہتے سنا کہ اے ابوحنیفہ! تم نے پرخلوص خدمت کی اور میری اچھی معرفت حاصل کی لہٰذا میں نے تمھیں اور قیامت تک تمھارے ہونے والے متبعین کو بخش دیا۔''

---

[1] الخيرات الحسان (ص: ٢١، ٢٣)
[2] عين العلم (ص: ١٧)

اس روایت سے مقلدین ابی حنیفہ شاید بہت خوش ہو رہے ہوں گے کہ محض اپنے کو مقلدین ابی حنیفہ کہہ کر سامان مغفرت کر لیا گیا مگر ان مقلدین کا یہ دعویٰ بے معنی ہے، کیونکہ امام صاحب نے جو یہ فرمایا کہ ''میری بیان کردہ فقہی باتیں مجموعۂ اغلاط ہیں لہٰذا ان کی اشاعت وروایت مت کرو'' اس پر یہ مقلدین عمل نہیں کرتے۔

اس روایت کا کہیں کوئی پتہ نہیں مگر ملا علی قاری نے لکھا کہ ''خزانة المتقين''کے آخر میں لکھا ہے کہ امام صاحب نے آخری حج کیا تو خانہ کعبہ میں داخل ہو کر انھوں نے داہنے پاؤں پر کھڑے ہو کر نصف قرآن پڑھا اور رکوع وسجود کر کے رکعت پوری کی، پھر دوسری رکعت میں قرآن کا نصف آخر بائیں پاؤں پر کھڑے ہو کر پڑھا اور نماز کے بعد دعا کی تب یہ غیبی آواز آئی، سنت نبویہ کے خلاف اس طرح کی نماز پڑھنے سے اگر یہ فائدہ حاصل ہو تو لوگ کیوں سنت کی پیروی کو ضروری سمجھیں گے؟ اس طرح کے اکاذیب کے موجدین سے بروز قیامت اللہ سمجھے گا، جب مغفرت امام صاحب کی تقلید سے حاصل ہو جانے والی ہے تو ابن حجر مکی اپنے تقلیدی مذہب کو چھوڑ کر کیوں نہیں حنفی مذہب کے مقلد ہو گئے؟

مذکورہ بالا بات کے بعد کہا گیا کہ امام صاحب نے اپنے مذہب کی تقلید کی دعوت خواب میں اشارۂ نبویہ پانے کے بعد دینی شروع کی۔[1] اس روایت کا بایں الفاظ تو کہیں کسی کتاب میں سند کے ساتھ وجود نہیں البتہ اس خواب کا ذکر کتابوں میں ہے کہ امام صاحب قبر نبوی کھودتے تھے، اس پر مفصل گفتگو ہو چکی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ امام صاحب نے اپنے مذہب کی تقلید کی طرف دعوت دینے کے بجائے یہ فرمایا ہے کہ ''میری عام باتیں مجموعۂ اغلاط واباطیل ہیں اس لیے ان کی روایت بھی مت کرو نیز میری باتیں صرف رائے وقیاس ہیں۔'' ان سے بہتر جو بات تم کو ملے اس پر عمل کرو نیز امام صاحب کے بہت سے فرامین کا حاصل ہے کہ میری تقلید مت کرو، پھر یہ کہنا کیا معنی رکھتا ہے کہ امام صاحب نے خواب میں اشارۂ نبویہ پا کر اپنے دین کی طرف دعوت دینی شروع کی، البتہ دین سے مراد اگر یہ ہے کہ امام صاحب نے فرمایا کہ ''میری فقہی باتوں کو نقل مت کرو میری ساری باتیں مجموعۂ اغلاط ہونے کے سبب مردود ہیں۔'' تو یقیناً امام صاحب نے اگر یہ بات اشارۂ نبویہ کے بعد بتلائی ہیں تو ان کا قبول کرنا ضروری ہے اور اگر اشارۂ نبویہ کے بغیر خود ہی اپنی طرف سے کہی ہیں تو بھی ان کی یہ بات ماننی ہی ان کے دین کی پیروی ہے، کیونکہ ان کا یہی دین ومذہب تھا کہ ان کی فقہ اور ان کی بیان کردہ باتوں کو انھیں کے قول کے مطابق مجموعۂ اغلاط سمجھا جائے۔ اسی طرح امام صاحب کے بہت سارے اقوال کا حاصل ہے کہ انھوں نے کسی صحابی کو دیکھا نہیں لہٰذا ان کی یہ بات مانی جائے اور اکاذیب پر اعتماد کر کے یہ ہرگز نہ کہا جائے کہ وہ تابعی ہیں، اس جگہ اس طرح کی بعض باتیں اور ہیں جن کا ذکر آگے آرہا ہے مگر افسوس کہ اس سلسلے میں ابن حجر مکی نے نہایت غیر ذمہ دارانہ رویہ اختیار کیا اور اچھی خاصی لغو طرازی کی۔

عین العلم میں منقول شدہ امام صاحب کے خواب پر بحث:

عین العلم میں مذکور شدہ الفاظ کے ساتھ امام صاحب کے خواب کی سند کا کوئی پتہ نہیں البتہ اس کی شرح میں ملا علی قاری نے لکھا:

''حكاية رؤيا الإمام مشهورة بأنه ينبش قبره عليه السلام. الخ[2]

---

[1] عين العلم (ص: ٢٨)

[2] حاشيه عين العلم للملا علي قاري (ص: ١٨)

''یعنی امام صاحب کے اس خواب کی کہانی مشہور ہے کہ وہ خواب میں قبر نبوی کھود رہے تھے۔''

حاشیہ مذکورہ میں امام صاحب کے جس خواب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ مختلف الفاظ واسانید کے ساتھ کتب مناقب ابی حنیفہ میں منقول ہے، اور اس سلسلے میں منقول شدہ جس کہانی سے عام کتب مناقب کی طرح عین العلم میں مذکور شدہ جو یہ بات مستنبط کی گئی ہے کہ ابن سیرین نے یہ تعبیر بتلائی کہ امام صاحب علوم نبوت وسنت نبویہ کو زندہ کریں گے، اس کی حقیقت اللمحات (۲/۲۶۳) میں واضح کی جا چکی ہے۔

وفاتِ ابن سیرین کے زمانہ بعد ابن سیرین سے امام صاحب کی ملاقات:

یہ تفصیل گزر چکی ہے کہ مصنف انوار کی تصنیفِ ابی حنیفہ قرار دی ہوئی کتب مسانید ابی حنیفہ و مناقب ابی حنیفہ کی بعض روایات حتی کہ مصنف انوار کی دلیل بنائی ہوئی بعض روایات کا بھی یہ مفاد ہے کہ مذکورہ بالا روایت میں امام صاحب کے جس خواب کا ذکر ہے اس کو امام صاحب نے وفات ابن سیرین اور وفات حماد کے بعد اپنی مدرسی کے زمانہ میں دیکھا تھا۔[1] وفات ابن سیرین ۱۱۰ھ میں اور وفات حماد ۱۱۹/ ۱۲۰ھ میں ہوئی تھی، اس کا لازمی مطلب یہ ہوا کہ خواب مذکور امام صاحب نے ۱۲۰ھ کے بعد دیکھا یعنی خواب مذکور کی تعبیر کے لیے امام صاحب نے ۱۲۰ھ کے بعد ابن سیرین کی طرف رجوع کیا، بلفظ دیگر وفات ابن سیرین کے زمانہ بعد ابن سیرین سے امام صاحب نے ملاقات کی۔ کچھ لوگوں کو تعجب ہوگا کہ اپنی وفات کے زمانہ بعد قبر سے اٹھ کر یعنی عالم برزخ سے عالم فانی میں آ کر ابن سیرین نے امام صاحب اوران کے بھیجے ہوئے آدمی سے کیسے ملاقات کی مگر مصنف انوار کی تحریروں اوران کی تصنیف ابی حنیفہ قرار دی ہوئی کتب مسانید ابی حنیفہ ومناقب ابی حنیفہ کے بیانات دیکھنے سے اس پر ہم کو تعجب نہیں ہوتا، ان بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ ۶۰ھ سے پہلے فوت ہو جانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی امام صاحب کی ملاقات ہوا کرتی تھی جبکہ بقول اہل علم ولادت امام صاحب ۸۰ھ میں اور بقول مصنف انوار ۷۰ھ میں اور بقول ابن عقدہ کذاب ۶۱ھ میں ہوئی، دریں صورت امام ابن سیرین سے وفات ابن سیرین کے بعد اگر امام صاحب کی ملاقات ہوئی تو کیا تعجب؟ تعجب اس پر ہے کہ مذکورہ بالا روایت میں امام صاحب کی بابت جس بشارت نبویہ کا ذکر ہے اسے امام صاحب کو زندہ آدمی کے بجائے ایک مردہ آدمی امام ابن سیرین نے اپنی وفات کے عرصہ بعد عالم برزخ سے عالم فانی میں واپس آ کر سنایا، امام ابن سیرین اور امام صاحب میں تیس سال کی معاصرت رہی بلکہ بقول مصنف انوار چالیس سال اور بقول بعض احناف انچاس سال معاصرت رہی مگر اس طویل مدتِ معاصرت میں یعنی اپنی زندگی میں امام ابن سیرین نے کبھی امام صاحب سے ملاقات کر کے انھیں مذکورہ بالا بشارت نبویہ نہیں سنائی، حالانکہ روایت مذکورہ میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ امام ابن سیرین کو امام صاحب کے خواب مذکور دیکھنے سے پہلے معلوم تھا کہ یہ بشارت نبویہ ''ابوحنیفہ'' نامی آدمی ہی کے لیے خاص ہے اور یہ تفصیل گزر چکی ہے کہ امام صاحب کے پہلے اوران کے معاصرین خصوصاً امام ابن سیرین کے زمانہ میں ابوحنیفہ نام کا کوئی دوسرا آدمی نہیں ہوا۔[2] اس کا تقاضا تھا کہ امام صاحب کے اس نئے اور انوکھے نام کو سنتے ہی امام ابن سیرین امام صاحب کی طرف متوجہ ہو جاتے کہ بس یہی وہ ابوحنیفہ ہیں جن کی بابت یہ بشارت نبویہ وارد ہوئی ہے، مگر یہ عجیب بات ہے کہ ابن سیرین جب تک زندہ رہے تب تک

[1] اللمحات (۲/ ۴۸۳، ۴۸۴)
[2] اللمحات (۲/ ۴۸۵)

انھوں نے امام صاحب کی طرف کوئی توجہ نہیں کی کہ انھیں ان کی بابت یہ بشارت نبویہ سنائیں لیکن مرنے کے عرصہ بعد موصوف نے اس بات کی طرف توجہ دی اور وہ بھی اس وقت جبکہ امام صاحب نے انھیں اپنے خواب کی تعبیر کے لیے طلب کیا، یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ جس طرح خاتم المرسلین ﷺ کے پہلے کسی کا نام محمد اوراحمد نہیں تھا اسی طرح امام صاحب کے پہلے حتی کہ ان کے معاصرین میں بھی کسی قابل ذکر آدمی کا نام ابوحنیفہ نہیں تھا۔

ولادت امام جعفر صادق سے پہلے ان کے ساتھ والدۂ امام صاحب کی شادی کا واقعہ:

یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ کتب مناقب ابی حنیفہ ومسانید ابی حنیفہ میں امام صاحب سے متعلق ناممکن الوقوع قسم کی منقول شدہ باتوں پر کچھ تعجب نہیں کرنا چاہیے اور نہ اس پر تعجب کرنا چاہیے کہ مصنف انوار اور ان کے ہم مزاج لوگ خصوصًا اراکین تحریک کوثری کتب مناقب ابی حنیفہ اورمسانید ابی حنیفہ میں منقول شدہ اس طرح کی روایات کو صحیح ومعتبر کہہ کر بکثرت دلیل وحجت بنائے ہوئے ہیں، انھیں باتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کتبِ مذکورہ میں منقول شدہ بہت ساری روایات کے مجموعہ سے لازم آتا ہے کہ والدۂ امام صاحب کی شادی امام جعفر صادق کی ولادت سے پہلے امام جعفر صادق کے ساتھ ہوگئی تھی، وہ اس طرح کہ جس مسند خوارزمی کو مصنف انوار تصنیف ابی حنیفہ کہتے ہیں اور مسند خوارزمی کو تصنیف ابی حنیفہ نہ ماننے والوں پر ردوقدح کرتے ہیں اسی مسند خوارزمی میں منقول ہے کہ امام صاحب ۶۱ ھ میں پیدا ہوئے۔[1] یعنی مصنف انوار کی تصنیف ابی حنیفہ قرار دی ہوئی کتاب میں امام صاحب کا سالِ ولادت ۶۱ ھ لکھا ہوا ہے جس کا مطلب مصنف انوار کے اصول سے یہ ہوا کہ امام صاحب نے خود اپنا سالِ ولادت ۶۱ ھ لکھا ہے، یہ بات دوسری ہے کہ مصنف انوار کے اعتقاد ودعوی کے مطابق اگرچہ ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب نے اپنا سال ولادت بقلم خود ۶۱ ھ لکھا ہے مگر امام صاحب کے ہاتھ سے لکھے ہوئے اپنے سال ولادت کے بجائے مصنف انوار نے امام صاحب کا سالِ ولادت ۷۰ ھ بتلایا ہے، گویا کہ مصنف انوار نے خود امام صاحب کی تکذیب کرڈالی ہے کہ ان کے عقیدہ کے مطابق امام صاحب نے اپنی تصنیف کردہ کتاب مسندخوارزمی یا جامع مسانید ابی حنیفہ میں اپنے قلم سے اپنا جو سالِ ولادت لکھا اس کی تکذیب کر کے مصنف انوار نے یہ لکھا کہ امام صاحب ۶۱ نہیں بلکہ ۷۰ ھ میں پیدا ہوئے، اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ مصنف انوار کی تصنیفِ ابی حنیفہ قراردی ہوئی اسی کتاب میں جہاں امام صاحب کا سالِ ولادت ۶۱ ھ لکھا ہوا ہے وہیں اس کی تردید کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

"وهذا القول تفرد به الخلال فأما القول المشهور أنه ولد سنة ثمانين."[2]

''یعنی یہ بات کہنے میں خلال منفرد ہیں اورقولِ مشہور یہ ہے کہ امام صاحب ۸۰ ھ میں پیدا ہوئے۔''

چونکہ مصنف انوار کو اصرار ہے کہ مسند خوارزمی تصنیف ابی حنیفہ ہے، اس لیے انھیں یہ مانے بغیر چارہ نہیں کہ مذکورہ بالا بات بھی امام صاحب کی لکھی ہوئی ہے، جس کا لازمی مطلب یہ ہوگا کہ امام صاحب نے ایک دوسرے کی تکذیب کرنے والی دو متضاد باتیں اپنے سال ولادت سے متعلق لکھی ہیں اور عجیب بات ہے کہ مصنف انوار کی سمجھ میں اتنی بات بھی نہیں آتی کہ مسند خوارزمی اگر واقعی امام صاحب کی اپنی تصنیف ہے تو اس میں امام صاحب ہی اپنے متعلق اس قسم کی متضاد باتیں کیونکر لکھیں گے؟

---

[1] مسند خوارزمي (١/ ٢١) وموفق (١/ ٥) وعام كتب مناقب أبي حنيفه.

[2] مسند خوارزمي (١/ ٢١)

نیز یہ کتاب اگر فی الواقع تصنیف ابی حنیفہ ہے تو اس میں یہ کیسے لکھا ہے کہ امام صاحب کا سالِ ولادت ۶۱ھ بتلانے والے خلال اپنی اس بات میں منفرد ہیں کیونکہ خلال امام صاحب کے عرصہ بعد پیدا ہوئے اور قول مذکور خلال کا نہیں بلکہ ابن عقدہ کذاب کا ایجاد کردہ ہے جیسا کہ تفصیل گزری۔ اگر کتاب مذکور فی الواقع تصنیفِ ابی حنیفہ ہے تو اس میں مندرج شدہ ہر روایت کے لیے خوارزمی بالالتزام اپنی ذات سے لے کر امام صاحب تک کی سند کیوں بیان فرمانے کی زحمت شاقہ اٹھاتے؟ اتنی موٹی اور واضح بات بھی مصنف انوار اور ان کے ہم مزاج لوگ سمجھ لیتے تو بہت بڑا مسئلہ حل ہو جاتا، ہم اس موضوع پر مستقل بحث کر کے دکھلائیں گے کہ کتاب مذکور کو مصنف انوار نے کس کس طرح تصنیف ابی حنیفہ قرار دیا ہے، اس سے قطع نظر اس وقت ہم یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ مصنف انوار نے امام صاحب کا جو سال ولادت بتایا ہے یعنی ۷۰ھ اس کے بالمقابل مصنف انوار کی تصنیف ابی حنیفہ قرار دی ہوئی کتاب میں امام صاحب کا سال ولادت ۶۱ھ بھی لکھا ہے اور ۸۰ھ بھی، اور کوئی وجہ نہیں کہ مصنف انوار اس خود ساختہ بات کو صحیح مانیں کہ امام صاحب ۷۰ھ میں پیدا ہوئے اور تصنیف ابی حنیفہ قرار دی ہوئی کتاب مسند خوارزمی میں مذکور شدہ اس بات کو صحیح نہ مانیں کہ امام صاحب ۶۱ھ میں پیدا ہوئے، اور مصنف انوار خواہ مانیں یا نہ مانیں مگر جن کتابوں کے مندرجات کو وہ صحیح و معتبر کہہ کر حجت و دلیل بناتے چلے جاتے ہیں ان میں امام صاحب کا سالِ ولادت ۶۱ھ بتلایا گیا ہے اور ۸۰ھ و ۷۰ھ کے پہلے فوت ہو جانے والے صحابہ سے امام صاحب کے سماع ولقا و روایت پر دلالت کرنے والی روایات کو صحیح قرار دینے کے لیے یہی کہا گیا ہے کہ امام صاحب ۶۱ھ میں پیدا ہوئے، دریں صورت معلوم ہوا کہ مصنف انوار کے اصول سے ثابت ہونے والی اس بات کو موصوف کے بہت سے ہم مزاج لوگ صحیح مانتے ہیں کہ امام صاحب ۶۱ھ میں پیدا ہوئے اور کتب مناقب ابی حنیفہ میں کہا گیا ہے کہ ولادت امام صاحب کے بعد جبکہ امام صاحب صغیر السن تھے والد امام صاحب کا انتقال ہو گیا اور امام صاحب کی بیوہ والدہ سے امام جعفر صادق نے شادی کر لی اور امام جعفر ہی نے امام صاحب کی پرورش کی اور انھیں کے ذریعہ امام صاحب کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ [1] اور یہ معلوم ہے کہ امام جعفر صادق کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی، اس کا لازمی مطلب یہ نکلتا ہے کہ ۶۱ھ میں ولادت امام صاحب کے اعتبار سے والدۂ امام صاحب کی شادی امام جعفر صادق کے ساتھ اس وقت ہوئی جبکہ امام جعفر پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، دریں صورت ناظرین کرام کو حیرت نہیں کرنی چاہیے کہ امام ابن سیرین اپنی وفات کے بعد امام صاحب اور ان کے بھیجے ہوئے آدمی کو تعبیرِ خواب بتلانے کیسے آ گئے؟

درسگاہِ حماد میں داخل ہونے سے پہلے امام صاحب بصرہ میں چوبیس سال مقیم ہوئے

گزشتہ صفحات میں ہماری پیش کردہ تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ اپنی ولادت ۸۰ھ سے لے کر ۱۰۲/۱۰۳ھ تک امام صاحب ملک عراق سے باہر خراسان میں زندگی گزارتے رہے اور ۱۰۲/۱۰۳ھ میں عراقی شہر کوفہ میں آ کر مقیم ہوئے بصرہ بھی عراق کا ایک شہر ہے، جس کا مفاد یہ ہے کہ ۱۰۲/۱۰۳ھ سے پہلے امام صاحب کا بصرہ جانا ثابت نہیں مگر کتب مناقب ابی حنیفہ کے مطابق حماد سے درسگاہ حماد میں فقہ حماد کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے امام صاحب ۱۰۲/۱۰۳ھ میں داخل ہوئے اور اس سے پہلے موصوف مذہبِ متکلمین کے پیرو و حامی تھے، جس کی حمایت میں مناظرہ کے لیے بیس سے زیادہ مرتبہ امام ابن سیرین کے شہر بصرہ گئے اس

[1] مقدمہ ھدایة للشیخ عبدالحی بحوالۂ مفتاح السعادة (۱ / ۵)

سلسلے میں موصوف مجموعی طور پر بصرہ میں لگ بھگ بائیس چوبیس سال مقیم رہے۔ ناظرین کرام کو تعجب نہیں کرنا چاہیے کہ ۸۰ھ میں پیدا ہونے والے امام صاحب کس زمانہ میں تحصیل علم سے فارغ ہو کر مناظرہ کرنے کے لائق ہوئے تھے کہ مناظرہ بازی میں صرف ایک شہر بصرہ میں لگ بھگ چوبیس سال گزارنے کے بعد ۱۰۲/۱۰۳ھ میں فقہ حماد پڑھنے کے لیے درسگاہِ حماد میں داخل ہوئے، کیونکہ کتب مناقب ابی حنیفہ و مسانید ابی حنیفہ کی متضاد اور ناممکن الوقوع باتیں عقیدت و محبت سے صرف سنی جاتی ہیں جن پر آمنا و صدقنا کہنا بھی ضروری ہوتا ہے یعنی اہل تقلید کے یہاں انھیں آسمانی وحی کی طرح صحیح ماننا بھی لازم ہوتا ہے، اگر ان باتوں کو سمجھنے کی کوشش کی گئی تو اہل تقلید خصوصاً مصنف انوار فرمائیں گے کہ ائمہ احناف اور مذہب حنفی کے ساتھ حسد و تعصب سے کام لیا جا رہا ہے، ہم یہ کہہ رہے تھے کہ کتب مناقب ابی حنیفہ کے مطابق امام صاحب امام ابن سیرین کی زندگی میں ان کے شہر بصرہ میں لگ بھگ چوبیس سال مقیم رہے اور وہ بھی اس شان سے کہ امام صاحب کے کامیاب مناظروں کی دھوم مچی ہوئی تھی، اور عقیدۂ اہل تقلید کے مطابق امام صاحب کی ولادت سے بہت پہلے آسمانی صحیفوں، احادیث نبویہ، اقوال صحابہ و تابعین میں مذکور شدہ امام صاحب سے متعلق بشارتوں اور خوش خبریوں کے ذکر اذکار سے پورا عالمِ اسلام گونج رہا تھا، ان کا علم امام ابن سیرین کو بھی عقیدۂ مصنف انوار کے مطابق تھا، مگر ابن سیرین جب تک زندہ رہے تب تک کسی دن بھی انھوں نے امام صاحب سے ملاقات نہیں کی نہ ان سے متعلق وارد شدہ بشارتوں میں سے کوئی بشارت ہی انھیں سنائی مگر اپنی وفات کے کئی سال بعد امام صاحب کی طلب بلکہ خادم و فرستادۂ امام صاحب کی طلب پر وہ عالم برزخ سے امام صاحب کی بابت بشارت نبویہ سنانے کے لیے چلے آئے۔

مسانید ابی حنیفہ میں امام صاحب سے متعلق مذکور شدہ پیش گوئیاں:

امام صاحب کے خواب سے متعلق بیس سے زیادہ روایات مروی ہیں اور اکثر روایات اس بیان پر متفق ہیں کہ خواب مذکور دیکھ کر امام صاحب بہت زیادہ خوف زدہ ہو گئے تھے حتی کہ اپنے جملہ مشاغلِ زندگی چھوڑ کر خانہ نشین ہو گئے اور بیمار نظر آنے لگے اور کئی روایات کے مطابق اس خواب سے بہت پریشان ہو کر موصوف نے تعبیر کے لیے امام ابن سیرین کی طرف رجوع کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب اس خواب سے بہت گھبرا گئے تھے اور انھیں اس وقت تعبیر خواب معلوم کرنے کی بہت ضرورت تھی، ورنہ کتب مناقب ابی حنیفہ کے پروپیگنڈہ کے مطابق امام صاحب اتنے شیر دل اور قوی القلب تھے کہ ابوقطن عمرو بن ہیثم متوفی ۲۰۰ھ نے کہا:

> ''میں نے دیکھا کہ رات بھر تہجد گزاری کے بعد امام صاحب طلوع فجر کے وقت مسجد گئے تحیۃ المسجد پڑھنے کے بعد امام صاحب نے خود اذان دی سنت فجر کے بعد جب لوگ اکٹھا ہو گئے تو خود ہی اقامت کہہ کر امامت کرانے لگے، نماز سے فارغ ہوئے تو مسجد کی چھت سے ان کے اوپر ایک اژدہا گرا امام صاحب نے اژدہا کے سر پر اپنا ایک پاؤں رکھ دیا اور اسے مارنے کا حکم دیا۔''[1]

عبداللہ بن المبارک نے کہا:

> ''ہم لوگ مسجد میں امام صاحب کے ساتھ بیٹھے تھے کہ چھت سے ایک سانپ امام صاحب کے سر پر لٹکنے لگا سب

[1] أخبار أبي حنيفه للصيمري (ص: ٥١، ٥٢) وموفق (١/ ٢٧٠، ٢٧١) وعام كتب مناقب أبي حنيفه.

لوگ بھاگ کھڑے ہوئے اور سانپ امام صاحب کی گود میں آ کر گرا مگر امام صاحب پر کوئی اضطراب طاری نہیں ہوا انھوں نے اطمینان سے سانپ کو اپنے دامن سے جھاڑ دیا گویا کوئی بات نہ ہوئی۔''[1]

نیز یہ کہ امام صاحب ظالم امراء وخلفاء کے مواخذہ کی پرواہ کیے بغیر ان پر سخت تنقیدیں کرتے تھے (کما سيأتي) ایسے شیر دل امام صاحب کا خوابِ مذکور کو دیکھ کر اس قدر خوف زدہ ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ امام صاحب کی نظر میں خوابِ مذکور کی تعبیر کے بہت خطرناک ہونے کا ڈر تھا، دریں صورت امام صاحب کے مداحین کا فرض تھا کہ صرف اس معنی کی روایات وضع کرنے پر اکتفا کرتے کہ خواب مذکور دیکھ کر امام صاحب مضطرب ہو کر فوری واضطراری طور پر ابن سیرین کے پاس بصرہ گئے کہ تعبیر معلوم کریں مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ طرح طرح کے مضامین پر مشتمل روایات وضع کیں۔ بہرحال ان لوگوں کی وضع کردہ روایات کا مفاد یہ ہے کہ امام صاحب کو خواب دیکھنے کے بعد تعبیر خواب معلوم کرنے کی شدید ضرورت تھی نیز ان لوگوں کی وضع کردہ متعدد روایات کا مفاد یہ بھی ہے کہ امام صاحب نے خواب مذکور تحصیل علوم سے فارغ ہو کر مسند نشین درس ہونے کے بعد دیکھا تھا، جبکہ تمام علوم میں موصوف کے اعلم الناس ہونے کا شہرہ ہو چکا تھا خصوصاً علوم حدیث کے تو امام صاحب بہت ماہر ہو چکے تھے، جس کا مقتضی ہے کہ خواب دیکھنے سے پہلے امام صاحب اپنے متعلق آسمانی صحیفوں اور احادیث نبویہ واقوال صحابہ وتابعین میں وارد شدہ بشارتوں سے پوری طرح واقف ہو چکے تھے، امام صاحب سے متعلق اس طرح کی بشارتوں کا کی تذکرۃ اللمحات کے متفرق مقامات پر آ چکا ہے مگر مختصر طریقہ پر ناظرین کرام یہاں بھی ملاحظہ فرمالیں۔

امام جعفر صادق جن سے والدۂ امام صاحب کی شادی کتب مناقب ابی حنیفہ کے مطابق ولادت امام جعفر کے پہلے ہوگئی اور انھیں امام جعفر کی سرپرستی میں امام صاحب کی تعلیم وتربیت ہوئی، ان سے مروی ہے کہ انھوں نے امام صاحب سے خطاب کر کے کہا:

''آپ سنت نبویہ کے مٹ چکنے کے بعد اسے زندہ کریں گے اور ہر پریشان حال وغم زدہ کے مداوی وماوی بنیں گے، آپ کی بدولت حیراں وسرگرداں لوگوں کو صحیح راستہ ملے گا، اللہ کی جانب سے آپ کو معاونت وتوفیق حاصل ہو گی حتی کہ آپ کی بدولت ربانی لوگ راہِ راست پر چل سکیں گے۔''[2]

امام صاحب کے استاذِ خاص حماد سے مروی ہے کہ انھوں نے امام صاحب کو مخاطب کر کے کہا:

''اے ابوحنیفہ آپ وہی نعمان ہیں جن کا ذکر ہم سے ابراہیم نخعی کیا کرتے تھے کہ اس زمانہ پر اللہ کی رحمت کا نزول ہو گا جس میں ''ابوحنیفہ نعمان'' نامی آدمی پیدا ہوں گے، وہ اللہ ورسول کے احکام زندہ کریں گے اور ان کے زندہ کردہ احکام بقائے اسلام کے زمانہ تک جاری رہیں گے، جو شخص امام صاحب کے زندہ کردہ احکام الٰہی واحکام نبوی کو قبول کرے گا اور معمول بہ بنائے گا وہ ہلاک نہ ہو گا، اگر تمھاری ملاقات یعنی حماد کی ملاقات ان ابوحنیفہ نعمان سے ہو تو انھیں میری طرف سے یعنی ابراہیم نخعی کی طرف سے میرا سلام کہنا۔''[3]

---

[1] موفق (١/ ٢٦٨) وعام كتب مناقب.

[2] مسند خوارزمي (١/ ١٩) وعام كتب مناقب.

[3] مسند خوارزمي (١/ ١٧) و عام كتب مناقب.

مصنف انوار کی تصنیف ابی حنیفہ قرار دی ہوئی کتاب میں لکھی ہوئی اس روایت کا مفاد یہ بھی ہے کہ امام نخعی امام ابوحنیفہ کو دیکھ نہیں سکے تھے اور دونوں کے درمیان لقاء بہت دور کی بات ہے، مگر مصنف انوار کی تصنیفِ امام صاحب قرار دی ہوئی کتاب میں لکھی ہوئی اس روایت کے بالکل خلاف مصنف انوار اوران کے ہم مزاج تقلید پرست خصوصًا اراکین تحریک کوثری یہ پروپیگنڈہ کررہے ہیں کہ امام صاحب نے امام نخعی سے تحصیلِ علم کیا ہے۔ (کما مر)

مصنف انوار کی تصنیفِ ابی حنیفہ قرار دی ہوئی کتاب مسند خوارزمی میں یہ بھی لکھا ہے:

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث نبوی بیان کی کہ ابوحنیفہ سراج الامت ہوں گے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث نبوی بیان کی کہ ابوحنیفہ نعمان اللہ کے دین اورسنت نبوی کو زندہ کریں گے، حماد نے حضرت ابن عمر سے یہ حدیث نبوی نقل کی کہ ابوحنیفہ سنت نبوی زندہ کریں گے، حضرت علی مرتضیٰ نے یہ فرمایا کہ ابوحنیفہ علم وحکم سے آراستہ ہوں گے بنابریہ ان کی شان میں گستاخی کرکے اسی طرح ہلاک ہوں گے جس طرح روافض شانِ ابی بکر وعمر میں گستاخی کے سبب ہلاک ہوئے، حضرت ابن عباس نے کہا کہ خراسان میں ابوحنیفہ بدر چودھویں کے چاند کی طرح نمودار ہوں گے، حضرت کعب احبار نے کہا کہ صحف سابقہ میں امام ابوحنیفہ کی بابت یہ پیش گوئی موجود ہے کہ علم وحکمت وفقہ وعبادت وزہادت میں امام صاحب کی ایک شانِ عظیم ہوگی وہ اپنے زمانہ کے سبھی علماء کے سردار ہوں گے، علماء میں وہ بدر (چودھویں کے چاند) ہوں گے، حیات وموت ہر حال میں وہ قابل رشک ہوں گے، ابن لہیعہ نے یہ حدیث نبوی بیان کی کہ امام صاحب میری امت کے سابق ہوں گے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ابوحنیفہ نعمان کی بدولت احکام شریعت قیامت تک زندہ رہیں گے، وہ جہبذ العلم والفقہ ہوں گے، وہ حنفی الدین والرای الحسن والے ہوں گے، مقاتل بن حیان ومقاتل بن سلیمان وغیرہ نے بھی کہا کہ صحف آسمانی میں امام صاحب کے متعلق نہایت شاندار پیش گوئیاں موجود ہیں۔''[1]

جب بدعویٰ مصنف انوار امام صاحب نے بقلم خود مذکورہ بالا اتنی ساری احادیث کو لکھ لکھا ہے، جو ان کے متعلق نبوی وآسمانی بشارتوں پیشگوئیوں اورخوش خبریوں پر مشتمل ہیں تو ظاہر ہے کہ امام صاحب خواب مذکور کو دیکھنے سے پہلے مصنف انوار کے عقیدہ کے مطابق اپنے متعلق یہ ساری باتیں اس لیے جانتے ہوں گے کہ مصنف انوار اوران کے ہم مزاج لوگوں کا دعویٰ ہے کہ امام صاحب کو قرآن وحدیث اورجمیع علوم کا جتنا علم تھا اتنا علم نہ ابراہیم نخعی کو تھا نہ حماد کو نہ ابن سیرین کو نہ کسی دوسرے شخص کو، ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا ساری باتیں ابراہیم نخعی وحماد اورمقاتل نیز بعض صحابہ سے مروی ہے، اور جب مصنفِ انوار کا یہ عقیدہ ہے کہ امام صاحب ان سارے لوگوں سے زیادہ علم رکھتے تھے تو مصنف انوار کے اس عقیدہ کے مطابق امام صاحب کو ان سارے حضرات سے مروی شدہ روایات مذکورہ کا علم بھی ان لوگوں سے زیادہ ہوگا۔ اس کے باوجود خواب مذکور دیکھ کر امام صاحب اس قدر خوف زدہ ہوگئے تھے کہ ان کے حواس بجا نہیں رہ گئے تھے مگر ابن سیرین کی طرف منسوب تعبیر مذکور سے اخذ کردہ اس مضمون میں امام صاحب کے لیے کوئی نئی بات نہیں تھی کہ موصوف سنت نبویہ کو زندہ کریں گے، کیونکہ یہ بات امام صاحب کو کتب مناقب

[1] مسند خوارزمي (١/ ١٤ تا ١٩) وعام كتب مناقب أبي حنيفه.

ابی حنیفہ میں مندرج شدہ مضامین کے مطابق خواب دیکھنے سے پہلے معلوم ہو چکی تھی۔البتہ بعض روایات کے مطابق تعبیر ابن سیرین میں جو یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ امام صاحب ایسے علوم زندہ وآشکارا کریں گے اور احادیث نبویہ کی ایسی تاویلات کریں گے جن سے ان کے پہلے والے لوگ ناواقف تھے وہ البتہ امام صاحب کے لیے نئی بات ہو سکتی تھی۔امام صاحب کا ایسے علوم ومعانی ومطالب کا ظاہر کرنا جن کو ان کے پہلے کسی نے نہیں ظاہر کیا قطعی طور پر اس بات کے منافی ہے کہ موصوف سنت نبویہ کو زندہ کریں گے کیونکہ سنت نبویہ کو نبی ﷺ اور صحابہ وتابعین امام صاحب کی ولادت سے بہت پہلے ظاہر وآشکارا کر چکے تھے۔ظاہر ہے کہ احیائے سنت کے کام کو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ امام صاحب نے ایسا کارنامہ انجام دیا جس کو ان کے پہلے کسی نے بھی نہیں ظاہر کیا یعنی نہ کسی نبی ورسول نے نہ جن وبشر اور فرشتہ نے، دریں صورت یہ فیصلہ کرنا باقی ہے کہ امام صاحب نے تعبیر مذکور کے مطابق احیاءِ سنت کیا یا ایسے علوم وفنون اور شرعی نصوص کے ایسے معانی ومطالب ظاہر کیے جو ان سے پہلے کسی نے ظاہر نہیں کیے؟

بدعویٰ مصنف انوار مسند خوارزمی تصنیفِ ابی حنیفہ ہے:

ان امور سے قطع نظر امام صاحب کے خواب سے متعلق مذکورہ بالا روایت مسند ابی حنیفہ للخوارزمی سے نقل کی گئی ہے جسے مصنف انوار امام صاحب کی تصنیف کہتے ہیں جبکہ عام اہل علم اسے ساتویں صدی کے ایک مشہور ومعروف کذاب ابو مؤید خوارزمی کی تصنیف بتلاتے ہیں اور امام صاحب کی طرف اس کی نسبت کو نسبتِ مجازی کہتے ہیں، بالکل اسی طرح کہ جس طرح مسند احمد بن حنبل میں مرویات ابی بکر وعمر کو مسند ابی بکر وعمر کہہ دیا جاتا ہے۔[1] البتہ مسند احمد اور مسند خوارزمی میں فرق یہ ہے کہ مسند احمد بلند ترین کتبِ حدیث میں شمار کی جاتی ہے اور مسند خوارزمی بتصریح شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ودیگر اہل علم مجموعۂ اکاذیب ہے۔[2] اور انوار الباری کو جس علامہ شاہ انور کا مجموعۂ افادات کہہ کر مصنف انوار شائع کر رہے ہیں ان کا دعوی تھا کہ ہم علمائے دیوبند طریق شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پیرو وپابند ہیں۔ (كما سيأتي) مصنف انوار بھی اپنے کو علمائے دیوبند میں سے ہونے کا پروپیگنڈہ کرتے اور اپنے کو علامہ شاہ انور کا شاگرد اور داماد بتلاتے ہیں۔[3] مگر موصوف مصنف انوار شاہ ولی اللہ کے مجموعۂ اکاذیب قرار دیے ہوئے مسند خوارزمی کو تصنیف ابی حنیفہ ماننے اور منوانے پر مصر ہیں اور فرماتے ہیں کہ اہل علم وفن کی جن کتابوں میں مسند خوارمی کو مجموعۂ اکاذیب کہا گیا ہے اور امام صاحب کی طرف اس کی نسبت کو مجازی بتلایا گیا ہے ان کتابوں میں الحاق کر دیا گیا ہے۔[4] حالانکہ مسند خوارزمی کے مرتب نے بذات خود یہ تصریح کر دی ہے کہ میرے اس زمانۂ ساتویں صدی میں کچھ لوگوں نے چونکہ شانِ امام صاحب میں گستاخی کرتے ہوئے کہا کہ امام صاحب قلیل الحدیث تھے، اس لیے ان کی تردید میں میں اپنی اس کتاب کے اندر ان مسانید ابی حنیفہ کی مرویات کو جمع کر دے رہا ہوں جو ہمارے اس زمانہ میں مروج ہیں، پھر موصوف خوارزمی نے اپنے زمانہ میں مسانید ابی حنیفہ کے نام سے پائے جانے والے پندرہ مسانید کے نام ان کے مصنفین کے نام کے ساتھ گنائے، جس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ان پندرھوں مسانید میں سے ہر ایک کو امام صاحب کے علاوہ دوسرے لوگوں نے مرتب کیا ہے جن میں سے اکثر مسانید کے مصنفین امام صاحب کی وفات کے زمانہ بعد پیدا ہوئے، مثلاً امام

[1] بستان المحدثين (ص: ٣٠)
[2] حجة الله البالغة (١/ ٣٥)
[3] مقدمه انوار (٢/ ١٨٠، ١٨١)
[4] مقدمه انوار (١/ ١٢٨)

ابوبکر محمد بن عبدالباقی بن محمد مارستانی انصاری[1] جن کے تعارف میں خود خوارزمی نے کہا کہ موصوف ابوبکر محمد بن عبدالباقی انصاری ۴۴۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۳۵ھ میں فوت ہوئے تھے[2] یعنی موصوف ابوبکر انصاری چھٹی صدی کے آدمی تھے، بایں ہمہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تصریح کی ہے کہ انصاری موصوف نے مسندابی حنیفہ کے نام سے کوئی کتاب نہیں لکھی بلکہ انہوں نے کسی بھی نام سے کوئی کتاب نہیں لکھی مگر مشہور و معروف کذاب حسین بن محمد بن خسرو بلخی معتزلی رافضی متوفی ۵۷۶ھ نے مسند ابی حنیفہ کے نام سے اپنی مرتب کردہ ایک کتاب حافظ محمد بن عبدالباقی کی طرف منسوب کر دی۔[3] اس سے مسند خوارزمی کے مصنف ابوالمؤید کا کذاب ہونا بھی بخوبی ثابت ہوا کہ اس شخص نے حمیت جاہلیہ اوراندھی عصبیت کا شکار ہو کر حسین بن محمد بن خسرو کذاب کی لکھی ہوئی مکذوبہ کتاب کو حافظ ابوبکر محمد بن عبدالباقی کی تصنیف کردہ کتاب قرار دے کر مسند خوارزمی میں ضم کر دیا، اس کے علاوہ بھی اس خوارزمی کے کذاب ہونے کے واضح اور روشن دلائل موجود ہیں جن کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ حسین بن محمد خسرو کذاب نے مسند ابی حنیفہ کے نام سے مرتب کردہ اپنا ایک نسخہ حافظ محمد بن عبدالباقی کی طرف منسوب کیا اوراسی نام سے اپنا مرتب کردہ دوسرا نسخہ اپنے ہی نام سے شائع کیا اوران دونوں ہی مکذوبہ کتابوں میں درج شدہ مکذوبہ روایات کو خوارزمی نے احادیث نبویہ وآثار صحابہ وتابعین کہہ کر مسند خوارزمی میں جمع کر دیا جو اس بات پر روشن دلیل ہے کہ مجموعۂ اکاذیب کو خوارزمی نے دلیری کے ساتھ احادیث نبویہ وآثار صحابہ وتابعین کہہ دیا، اسی لیے مسند خوارزمی میں خوارزمی کے جمع کردہ انبارِ اکاذیب کو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اوردوسرے اہل علم نے مجموعۂ اکاذیب قرار دیا مگر ان سب کے باوجود بھی خوارزمی موصوف نے اپنے جمع کردہ اس انبار اکاذیب کو تصنیف ابی حنیفہ نہیں کہا تھا بلکہ موصوف نے مسانید ابی حنیفہ کے نام سے مرتب شدہ ہر مسند سے جو روایت نقل کی بزعم خویش موصوف نے اس مسند کے مرتب ومصنف تک اپنی سند بیان کی اگرچہ موصوف نے اس بیان میں بھی حسب عادت استعمال اکاذیب کیا ہے مگر پھر بھی موصوف نے یہ نہیں کہا کہ ان روایات کو امام صاحب نے اپنے ہاتھ سے اپنی کتاب میں لکھا ہے اورمیری مرتب کردہ یہ کتاب امام صاحب ہی کی تصنیف کردہ ہے، اپنی ذات سے لے کر ہر مسند کے مصنف تک ہر روایت کی سند بیان کرنے کے ساتھ خوارزمی نے اس مسند کے مصنف سے لے کر امام صاحب کی ذات گرامی تک کی سند بھی بزعم خویش بیان کی ہے، جس میں معلوم نہیں کہ اپنی عادت کے مطابق کتنے اکاذیب موصوف خوارزمی نے شامل کر دیے ہوں۔

خوارزمی موصوف نے جن پندرہ مسانید ابی حنیفہ کی روایات کو بزعم خویش اپنے مرتب کردہ مسند ابی حنیفہ میں جمع کر دیا ہے، ان مسانید میں سے موصوف کے دعوی کے مطابق ایک مسند ابویوسف شاگرد ابی حنیفہ کا مرتب کردہ ہے جن کی بابت خود امام ابوحنیفہ کی صراحت ہے کہ "يقول علي ما لم أقل" اور "كم تكذبون علي في هذا الكتاب" یعنی ابویوسف کذاب آدمی ہیں میری طرف جھوٹی باتیں منسوب کر کے لکھ دیا کرتے ہیں ابویوسف کی بابت امام صاحب کے ارشاداتِ مذکورہ کے علاوہ دوسرے اقوال بھی آگے چل کر بیان کیے جائیں گے، مسند خوارزمی کا مکمل تعارف آگے آئے گا مگر ہم کو سخت حیرت ہے کہ

---

[1] مسند خوارزمي (١/ ٤،٥) [2] مسند خوارزمي (٢/ ٣٦٤) نیز ملاحظہ ہو: لسان الميزان (٥/ ٢٤١ تا ٢٤٣)

[3] لسان الميزان (٢/ ٣١٢، ٣١٣، ترجمه حسين بن محمد بن خسرو)

دعویٰ عقل وفہم اور علم وفضل کے باوجود مصنف انوار کی سمجھ میں اتنی واضح بات نہیں آئی کہ اگر کتاب مذکور تصنیف ابی حنیفہ ہوتی تو ساتویں صدی کے خوارزمی اپنی ذات سے لے کر امام صاحب تک ہر اس روایت کی سند بیان کرنے کا التزام کیوں کرتے جس کو انھوں نے اپنی مرتب کردہ اس کتاب مسند خوارزمی المعروف بجامع مسانید ابی حنیفہ میں نقل کیا ہے؟

اتنی موٹی سی واضح بات بھی اگر مصنف انوار کی سمجھ میں آجاتی کہ خوارزمی نے کیوں مسند خوارزمی میں درج شدہ ہر روایت کی سند اپنی ذات سے لے کر امام صاحب کی ذاتِ گرامی تک بیان کرنے کا التزام کیا ہے تو موصوف وہ ساری لغوطرازی نہ کرتے جو انھوں نے اس سلسلے میں کی ہے حتی کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتابوں کو الحاقی بھی موصوف نے قرار دے ڈالا، افسوس ہے ان پر جو ترویجِ اکاذیب کو اپنا شیوہ وشعار بنالیں۔

مسند خوارزمی کے تصنیف ابی حنیفہ نہ ہونے پر داخلی شہادت:

مسند خوارزمی کے تصنیف ابی حنیفہ نہ ہونے کی محکم دلیل خود اس کے اندر موجود شدہ یہ بات ہے کہ اس کے مرتب خوارزمی نے کہا کہ میں نے اس کتاب میں ان مسانید ابی حنیفہ کی روایات کو جمع کر دیا ہے جن کو مختلف لوگوں نے اپنے اپنے طور پر مرتب کیا ہے، پھر خوارزمی نے ہر روایت کی سند مسند ابی حنیفہ کے ہر مصنف تک بیان کی اور سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ مصنف انوار بذات خود اتنی بات سمجھ گئے ہیں:

''محدث خوارزمی نے اپنے جمع کردہ پندرہ مسانید کے اصحاب مسانید کے حالات ومناقب بیان کئے ہیں اور اپنی سند ان تمام اصحابِ مسانید تک بیان کی ہے۔''[1]

جب مصنف انوار کو مسند خوارزمی کی بابت اتنی بات سمجھ لینے کا اعتراف ہے کہ اس میں خوارزمی نے پندرہ مسانید ابی حنیفہ کو جمع کر دیا ہے اور ان پندرھوں مسانید ابی حنیفہ کے مصنفین کے حالات ومناقب خود خوارزمی نے بیان کیے ہیں اور خوارزمی نے اپنی سند ان تمام اصحابِ مسانید تک بیان کی ہے، تو مصنف انوار کی سمجھ میں یہ بات کیوں نہیں آتی کہ ایسی صورت میں مسند خوارزمی کا تصنیفِ ابی حنیفہ ہونا ناممکن ومحال ہے، اس کے باوجود بھی جن لوگوں نے (ان میں علامہ شبلی حنفی بانی دارالمصنفین اعظم گڑھ بھی ہیں) مسند خوارزمی کی نسبت کو امام صاحب کی طرف نسبتِ مجازی کہا ہے اور اس کے تصنیفِ ابی حنیفہ ہونے سے انکار کیا ہے ان پر مصنف انوار کا اندازِ اعتراض ونقد قابل ملاحظہ ہے، موصوف فرماتے ہیں:

''اس تفصیل کے بعد (یعنی مسند خوارزمی میں ان پندرہ مسانید کی روایات درج ہیں جن کو امام صاحب کے علاوہ دوسرے لوگوں نے لکھا ہے) ناظرین حیرت کریں گے کہ علامہ شبلی مرحوم نے سیرۃ النعمان میں محدث خوارزمی کی جامع المسانید کو امام صاحب کی طرف مجازاً منسوب کیا ہے، حالانکہ عقود الجمان بھی ان کے مطالعہ میں رہی ہے جس کا ذکر اوپر ہوا غالبًا ان کو مغالطہ حضرت شاہ ولی اللہ کی کتاب حجۃ اللہ سے ہوا جس میں طبقہ رابعہ کی کتابوں کا ذکر کرنے کے بعد لکھا کہ مسند خوارزمی بھی تقریباً اسی میں داخل ہے، ہمارا خیال ہے کہ یہ جملہ الحاقی ہے حضرت شاہ ولی اللہ کا نہیں ہے یا جامع المسانید خوارزمی کے مطالعہ کے بعد لکھا ہوگا الخ۔''[2]

---

[1] مقدمہ انوار (۱ / ۱۲۸)
[2] مقدمہ انوار (۱ / ۱۲۸)

مصنف انوار کے اس متناقض ومتعارض طرز گفتگو کو دیکھتے ہوئے علم وفہم کی بنیاد پر ان سے عقل و دانش کی بات کرنی بیکار ہے بقول شاعر:

پیش لایعقل ز دانش دم زدن دیوانگی است
گفتگوئے عقل را با مردم عاقل کنید

معلوم نہیں کن لوگوں نے کون سی چیز ادھار کھا کر مصنف انوار کس عالم کیف میں رہتے ہیں کہ ایک طرف یہ فرماتے ہیں کہ مسند خوارزمی میں خوارزمی نے اپنی بیان کردہ سند سے متعدد اصحاب مسانید کی لکھی ہوئی کتابوں میں مندرج شدہ روایات کو نقل کر دیا ہے جس کا نہایت واضح مطلب ہے کہ مسند خوارزمی تصنیفِ ابی حنیفہ نہیں بلکہ ساتویں صدی کے خوارزمی کی تصنیف ہے، مگر اسی سانس میں اپنی لکھی ہوئی اس بات کا معنی ومطلب نہ سمجھنے کی وجہ سے موصوف اپنی لکھی ہوئی اس بات کے بالکل معارض ومناقض ان اہل علم کی تردید وتکذیب وتغلیط کرتے اور ان پر اظہارِ حیرت واعتراض بھی کرتے ہیں جو مسند خوارزمی کو تصنیف ابی حنیفہ نہیں مانتے بلکہ ساتویں صدی کے خوارزمی کی تصنیف مانتے اور امام صاحب کی طرف اس کی نسبت کو نسبتِ مجازی قرار دیتے ہیں، اس طرح کی دانش مندانہ تضاد بیانی کرتے وقت مصنف انوار یہ بھی نہیں سمجھ پاتے کہ ان کی اس تضاد بیانی اور ایک دوسرے کی تکذیب کرنے والی متناقض ومتعارض باتوں سے ان علامہ انور شاہ کی بھی تکذیب وتردید ہوتی ہے جن کا مجموعۂ افادات کہہ کر انوار الباری شائع کی جارہی ہے کیونکہ علامہ انور غالی ترین تقلید پرست حنفی ہونے کے باوجود کم از کم اتنا سمجھتے تھے کہ مسند خوارزمی تصنیف ابی حنیفہ نہیں ہے، چنانچہ انھوں نے بالصراحت فرما دیا کہ یہ کتاب امام صاحب کی تصنیف نہیں بلکہ ساتویں صدی کے خوارزمی کی تصنیف ہے۔ (کما تقدم)

علامہ شبلی حنفی پر مصنف انوار کا بے معنی اعتراض:

مصنف انوار مسند خوارزمی کے تصنیف ابی حنیفہ ہونے پر اصرار کرتے ہوئے علامہ شبلی کی تردید میں اپنے مذکورہ بالا سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے ایک ہی سانس میں یہ بھی فرماتے ہیں:

''علامہ شبلی نے اس پر یہ بھی اضافہ کر دیا (یعنی شاہ ولی اللہ وعبدالعزیز نے جو یہ کہا کہ کتاب مذکور تصنیفِ ابی حنیفہ نہیں ہے) کہ ''یعنی مسانید کی نا اعتباری پر یہ بھی شہادت ہے کہ ان میں امام صاحب کی روایت براہ راست صحابہ سے درج ہوئی ہیں۔'' حالانکہ امام صاحب کی رؤیت صحابہ پر اتفاق اور روایت میں اختلاف ہے اور علامہ ابن عبدالبر نے بھی امام صاحب کی روایت عن الصحابی اپنی کتاب جامع بیان العلم (۱/ ۴۵) میں نقل کی ہے جو اہل علم میں بہترین معتمد ومستند کتاب سمجھی جاتی ہے۔''[1]

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ باعتراف مصنف انوار علامہ شبلی نے مسند خوارزمی کے غیر معتبر ہونے پر یہ دلیل دی ہے کہ اس میں صحابہ سے امام صاحب کی روایات موجود ہیں اور یہ کہ مسند خوارزمی میں صحابہ سے امام صاحب کی روایت کا درج ہونا از روئے درایت وروایت اس کتاب کے غیر معتبر اور تصنیف ابی حنیفہ نہ ہونے کا واضح ثبوت ہے، کیونکہ گزشتہ تفصیل کے مطابق

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۲۸)

واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اس بات پر اہل نقل کا اجماع ہے کہ امام صاحب کسی صحابی کو دیکھ بھی نہیں سکے ہیں تو موصوف نے متعدد صحابہ سے روایت کیونکر کی۔

مسند خوارزمی کے تصنیف ابی حنیفہ نہ ہونے پر روشن دلیل:

مسند خوارزمی کے تصنیفِ ابی حنیفہ نہ ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس کو مرتب کرنے والے ساتویں صدی کے خوارزمی نے خود یہ صراحت کر دی ہے کہ یہ کتاب میں نے (یعنی خوارزمی نے) تصنیف کی ہے جس میں میں نے مختلف زمانوں میں مسند ابی حنیفہ کے نام سے لکھی جانے والی کتابوں میں مندرج شدہ روایات کو نقل کر دیا ہے، افسوس کہ اتنی واضح بات کو بھی سمجھنے کی صلاحیت سے مصنف انوار محروم ہیں کہ جو بات علامہ شبلی نے کہی ہے وہی بات ان کے ان شیخ انور نے بھی کہی ہے جن کا مجموعۂ افادات کہہ کر مصنف انوار انوار الباری کو شائع کر رہے ہیں، علامہ انور کا یہ قول ہم نقل کر آئے ہیں کہ مسند خوارزمی تصنیفِ ابی حنیفہ نہیں ہے جس کا واضح مفاد یہ ہے کہ مصنف انوار اپنے شیخ انوار کی اور شیخ انور مصنف انوار کی تکذیب کر رہے ہیں، دریں صورت ایک طالب حق وتحقیق کیا کرے؟ جب مصنف انوار مسند خوارزمی کو تصنیف امام صاحب مانتے ہیں تو اس میں لکھی ہوئی تمام باتوں کو امام صاحب کی تحریر بھی موصوف مانتے ہوں گے، اگر مسند خوارزمی میں مندرج تمام باتوں کو مصنف انوار امام صاحب کی تحریر کردہ ماننے سے انکار کریں اور یقیناً وہ مسند خوارزمی میں تحریر شدہ بہت ساری باتوں کے تحریر ابی حنیفہ ہونے سے انکار کریں گے بلکہ انھوں نے بالصراحت انکار کیا ہے جیسا کہ تفصیل آ رہی ہے، تو ناظرین کرام کو یہ سمجھنے میں کون سی دشواری ہو سکتی ہے کہ مصنف انوار اپنی لکھی ہوئی باتوں کا یا تو مطلب ومعنی نہیں سمجھتے یا معلوم نہیں کس کے اشارہ وحکم سے اس طرح کی محیرا لعقول متضاد باتیں لکھنے کو اپنا شیوہ وشعار بنائے ہوئے ہیں؟

کیا مصنف عقود الجمان مسانید ابی حنیفہ کو تصنیف ابی حنیفہ مانتے ہیں؟

مصنف انوار نے امام صاحب کی طرف مسند خوارزمی کی نسبت کو نسبت حقیقی مانتے ہوئے اس نسبت کو مجازی قرار دینے والوں کی تردید اپنی جس دانش مندانہ تضاد بیانی کے ذریعہ کر رکھی ہے اسے ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں، اسی سلسلے میں مصنف انوار نے ایک بات یہ کہی ہے:

> ''مشہور حافظ حدیث محمد بن یوسف صالحی شافعی نے عقود الجمان میں سترہ مسانید امام کی اسانید اپنے زمانہ سے جامعین مسانید تک بیان کی ہیں۔''[1]

مصنف انوار نے مذکورہ بالا بات علامہ شبلی کے اس بیان کی تردید میں لکھی ہے کہ ''امام صاحب کی طرف مسند خوارزمی کی نسبت مجازی ہے حقیقی نہیں ہے۔'' یعنی مصنف انوار نے یہ ظاہر کیا ہے کہ مصنف عقود الجمان کی اس بات کا مطلب یہ ہے کہ مسند خوارزمی فی الواقع تصنیف ابی حنیفہ ہے، پتہ نہیں کہ مصنف انوار اپنی لکھی ہوئی باتوں کا کتنا اور کیا معنی ومطلب سمجھتے ہیں، مصنف عقود الجمان کے فرمان کا نہایت واضح مطلب یہ ہے کہ وفات امام صاحب کے بعد مختلف زمانوں میں سترہ اشخاص نے مسند ابی حنیفہ کے نام سے اپنے اپنے طور پر کتابیں لکھی ہیں جن میں انھوں نے اپنی معلومات کے مطابق مرویاتِ امام صاحب کو جمع کر

[1] مقدمہ انوار (۱ / ۱۲۸)

دیا ہے، موصوف مصنف عقود الجمان نے ان سترہ اشخاص کے نام بھی گنائے ہیں اور ان تک اپنی اسانید کا ذکر بھی کیا ہے۔[1]

مگر افسوس کہ اتنی واضح اور ظاہر بات بھی مصنف انوار کی سمجھ وفہم سے باہر ہے، بابریں وہ دوسروں پر اعتراض کرتے پھررہے ہیں، مصنف انوار اتنا بھی نہیں سمجھ پاتے کہ مصنف عقود الجمان نے جن سترہ مسانید کے الگ الگ سترہ مصنفین وجامعین کے نام تفصیل سے گنائے ہیں ان سب کی تصنیف کردہ کتابوں کے مجموعہ کو امام صاحب کی تصنیف سمجھنا، سمجھنا نہیں بلکہ سمجھ کے ساتھ تمسخر ومذاق ہے یا پھر دیوانگی اور جنون ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مسانید ابی حنیفہ کو تصنیف ابی حنیفہ قرار دینا یا بلفظ دیگر امام صاحب کی طرف ان کتابوں کی نسبت کو نسبت حقیقی قرار دینا اور امام صاحب کی طرف اس کی نسبت کے نسبت مجازی ہونے کی تردید کرتے پھرنا ایک خالص سفید جھوٹ ہے اور نہایت واضح غلط بات ہے اس کا ارتکاب معمولی عقل وفہم والے سے بھی متوقع نہیں، اتنے خالص سفید جھوٹ اور واضح غلط بات کی وضاحت کی طرف توجہ دینے کی ہم کو کوئی ضرورت مطلقاً نہیں تھی مگر چونکہ مصنف انوار کے علاوہ بھی کتنے لوگ ان کی کتاب کو پڑھ کر یا بزعم خویش اپنی تحقیق سے جہل مرکب کے شکار ہو گئے ہیں اور کتاب مذکور کو ایک نہایت تحقیقی وعلمی ودینی خدمت اسی طرح تصور کرتے ہیں جس طرح کہ اس کتاب کی بابت مصنف انوار نے پروپیگنڈہ کر رکھا ہے، اس لیے ہم نے اس معاملہ سے متعلق اتنی وضاحت ضروری سمجھی، ناظرین کرام کو اندازہ ہو چکا ہوگا کہ مصنف انوار کی مندرجہ ذیل بات انوار الباری کی تحریروں اور اس طرح کی دوسری تحریروں پر اچھی طرح منطبق ہوتی ہے۔

”یہ فن پروپیگنڈہ کا بہت بڑا ذخیرہ ہے جس سے کسی سفید چیز کو سیاہ اور سیاہ کو سفید تک ثابت کر دینے کے جوہر دکھائے جاتے ہیں، یورپ کے عقلاء نے اس فن کو بڑی ترقی دی ہے مگر اسلامی دور کی تاریخ میں بھی اس نوع کے کارنامے بڑی کثرت سے ملتے ہیں، کیونکہ مسلمانوں میں ایک فرقہ ابتداء ہی سے ایسا پیدا ہو گیا تھا جو جھوٹ کو کار خیر وثواب سمجھ کر پھیلاتا رہا اور اس کے اثرات دوسرے سادہ لوح مسلمانوں پر پڑتے رہے حالانکہ ایسے ہی جھوٹ کی روک تھام کے لیے صادق ومصدوق سرور انبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ”كفى بالمرء كذبا أن يحدث بكل ما سمع“ یعنی ایک شخص کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ بھی کافی ہے کہ ہر سنی ہوئی بات کو بے تحقیق آگے چلتا کر دے۔ اس قسم کی بے سند باتوں سے پہلے زمانے میں امام صاحب کے دشمنوں اور حاسدوں (درحقیقت مصنف انوار جیسے امام صاحب کے جھوٹے مدعیان عقیدت مندوں اور مقلدوں نے فائدہ اٹھایا جو امام صاحب کے مکذوبہ فضائل کی ایجاد وترویج واشاعت کو کار خیر وثواب اور خالص علمی ودینی وتحقیقی خدمت کہتے پھرتے ہیں) نے فائدہ اٹھایا تا کہ امام صاحب کی جلالت مذکور کو کم کر کے دکھایا جائے الخ۔“[2]

ناظرین کرام مصنف انوار کے مندرجہ بالا طویل بیان کو پڑھیں اور دیکھیں کہ ان کا یہ بیان کس پر منطبق ہوتا ہے؟

مصنف انوار کے ایک تجدیدی کارنامے کا ذکر:

مصنف عقود الجمان اور دوسرے اہل علم کو کیا خبر تھی کہ چودھویں پندرھویں صدی میں ایسا محقق بھی پیدا ہونے والا ہے جو

---

[1] عقود الجمان (ص: ۳۲۲ تا ۳۳۵)
[2] مقدمہ انوار (۱/ ۱۲۳، ۱۲۴)

ہماری ذکر کردہ ان سترہ مسانید کو حقیقی معنوں میں امام صاحب کا تصنیف کردہ قرار دے دے گا جن کے جامعین ومرتبین کو ہم نے نام بنام گنا کر بتلا دیا ہے کہ ان سترہ مسانید کے مصنف فلاں فلاں صاحبان ہیں، معلوم نہیں اس زمانے میں اب اس طرح کے کذابین پیدا ہونے کیوں بند ہو گئے جو اس طرح کی احادیث گھڑتے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ چودھویں صدی میں علامہ احمد رضا شاہ بجنوری نام کا ایک ایسا ثقہ محدث ومجدد پیدا ہوگا جو دنیا جہاں کے اکاذیب کو صحیح ومعتبر باتیں ثابت کر دکھانے کو اپنا شیوہ وشعار، پیشہ وفریضہ قرار دے لے گا اور دینی وعلمی وتحقیقی خدمت کے نام پر اس کام کو بڑی مستعدی سے انجام دے گا۔ ایام قدیم میں بقول امام مالک امام صاحب لکڑی کو سونا ثابت کر دکھانے کی صرف صلاحیت رکھتے تھے ایسا کرنے کو اپنا شیوہ وشعار نہیں سمجھتے تھے مگر علامہ احمد رضا شاہ بجنوری نے اکاذیب کو صحیح ومعتبر باتیں ثابت کر دکھانے کو اپنا شیوہ وشعار بنا رکھا ہے اور ان کے معتقدین ومریدین نے ان کی اس کارستانی کو خالص علمی ودینی وتحقیقی خدمت قرار دے دیا ہے، اب احادیث نبویہ وضع کرنے کا کاروبار بند ہو گیا اس لیے ”أبو حنيفه سراج أمتي“ جیسی احادیث اگرچہ نہیں گھڑی جاتی ہیں مگر مصنف انوار کی ایجاد کردہ مذکورہ بالا قسم کی یہ باتیں کیا ”أبو حنيفه سراج أمتي“ جیسی احادیث گھڑنے سے کم درجہ رکھتی ہیں، جن کی بدولت یہ ثابت ہوتا ہے کہ مجموعۂ اکاذیب احادیث نبویہ آثار صحابہ واقوال تابعین وفرامین اتباع تابعین کا مجموعہ وذخیرہ ہے نیز اس کی بدولت ثابت ہوتا ہے کہ مسند خوارزمی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے امام صاحب کی جو روایات موجود ہیں وہ امام صاحب نے بذات خود اور بعلم خود لکھی ہیں، اسی طرح مسند خوارزمی کے تمام مندرجات بھی امام صاحب کے دست خاص سے لکھے ہوئے ہیں، مصنف انوار کا یہ اکتشاف اس دور کا وہ اکتشاف ہے جس کی نظیر دنیا نہ آج تک پیش کر سکی ہے اور نہ اس طرح کی نظیر پیش کر سکے گی، خواہ مخواہ کے لیے امام صاحب کی طرف خواب مذکور کی کہانی منسوب کر کے بعض روایات میں کہا گیا کہ امام ابن سیرین نے اس کی یہ تعبیر بتلائی کہ امام صاحب ایسا علم ایجاد کرنے والے ہیں جس کو ان کے پہلے کسی نے بھی ایجاد نہیں کیا، اس طرح کی بات تو مصنف انوار کے حق میں ایجاد کی جانی چاہیے تھے کیونکہ اس دور میں انھوں نے اپنے ایجادات واکتشافات واختراعات کے ذریعہ ساتویں صدی میں تصنیف ہونے والی کتاب کو امام صاحب کی تصنیف ثابت کر دکھایا ہے اور اسی طرح کے بہت سارے ایجادات بھی کیے ہیں، اس کے باوجود ان پر ان کی لکھی ہوئی یہ بات صادق نہیں آسکتی۔

”سفید کو سیاہ ثابت کر دکھانے کے لیے کچھ لوگ جھوٹ کو کار خیر وثواب سمجھ کر پھیلانے کا کاروبار کرتے ہیں۔“

یہ ایک حقیقت ہے کہ مصنف انوار جیسے چودھویں صدی میں نمودار ہونے والے بعض لوگوں کے علاوہ مصنف عقود الجمان حتی کہ خوارزمی جیسے لوگوں کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں آئی ہوگی کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں میری لکھی ہوئی کتاب کو امام صاحب کی تصنیف قرار دے دیا جائے گا۔

مسند خوارزمی اور مسانید مذکورہ کے تصنیفِ ابی حنیفہ ہونے کا شبہ بھی اگر مصنف عقود الجمان کو ہوتا تو ان مسانید میں صحابہ سے امام صاحب کی مرویات کی بابت مصنف عقود الجمان یہ نہ فرماتے:

”یہ ساری روایات مکذوبہ وموضوعہ اور کذابین کی ایجاد کردہ ہیں، جس شخص کو ذرہ برابر بھی علم روایت وفن حدیث سے آشنائی ہوگی وہ اس قسم کے اکاذیب کو کسی طرح بھی اپنے پاس پھٹکنے تک نہیں دے گا۔“[1]

[1] عقود الجمان (ص: ٦٢، ٦٣)

لیکن مصنف انوار کا حال یہ ہے کہ چونکہ وہ ان مسانید کو تصنیف ابی حنیفہ کہتے ہیں اس لیے لازمی طور پر یہ مانتے ہیں کہ صحابہ سے امام صاحب کی جو مرویات ان کتابوں میں منقول ہیں وہ سب کی سب امام صاحب نے بقلم خود لکھی ہیں، اور جب مصنف انوار کا عقیدہ یہ ہے کہ ان مسانید میں مندرج شدہ روایات کو خود امام صاحب نے لکھا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ امام صاحب نے یہ لکھا ہے کہ میں نے ۶۰ھ سے پہلے فوت ہو جانے والے صحابہ حضرت معقل بن یسار، عبداللہ بن انیس سے بھی حدیث سنی ہے اور ساتھ ہی ساتھ مصنف انوار یہ عقیدہ بھی رکھتے ہوں گے کہ امام صاحب نے اس کتاب میں یہ لکھا ہے کہ میری ولادت ۸۰ھ میں ہوئی ۹۴ھ میں میری عمر چودہ سال اور ۹۶ھ میں سولہ سال تھی، کیونکہ ان مسانید میں امام صاحب سے یہ ساری باتیں مروی ہیں، اور جب مصنف انوار کا یہ عقیدہ ہے کہ مسانید مذکورہ امام صاحب کی تصنیف ہے تو اس میں درج شدہ امام صاحب کی اس بات کے باوجود کہ میری ولادت ۸۰ھ میں ہوئی مصنف انوار نے معلوم نہیں کس طرح سے یہ کہہ دیا کہ امام صاحب کی ولادت ۷۰ھ میں ہوئی۔

تنبیہ بلیغ:

ایک طرف مصنف انوار مسند خوارزمی ودیگر مسانید ابی حنیفہ کو تصنیف ابی حنیفہ کہتے ہیں، دوسری طرف ان مسانید میں منقول شدہ روایات کو عام اہل علم خصوصاً شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مجموعۂ اکاذیب کہتے ہیں حتی کہ صحابہ سے امام صاحب کی روایت کردہ پچاسوں روایات کو مصنف انوار کے شیخ علامہ انور بھی ساقط الاعتبار کہتے ہیں، بخیالِ مصنف انوار امام صاحب کی لکھی ہوئی احادیث نبویہ کو مجموعۂ اکاذیب کہنا یا امام صاحب کی تحریر کردہ روایات کو شیخ انور کا ساقط الاعتبار قرار دینا مصنف انوار کی نظر میں کیا شانِ ابی حنیفہ میں گستاخی نہیں ہے؟ اس پر مصنف انوار نے شیخ انور پر رافضی وکذاب ہونے کا فتوی کیوں نہیں لگایا جبکہ اہل حدیثوں پر لگایا ہے؟

بقول بعض کذابین قائد تحریک جہمیت کی بابت قرآن مجید میں بشارت موجود ہے:

اگر امام صاحب کی طرف ایسے خانہ ساز مکذوبہ وجعلی مناقب وفضائل کو منسوب کر کے صحیح ومعتبر قرار دے لینا خالص علمی ودینی وتحقیقی خدمت ہے جن کا ثبوت اصول وضوابط کے مطابق نہیں ہے تو مصنف انوار اور ان کے ہم مزاج لوگ بتلائیں کہ امام صاحب کے علاوہ دوسرے لوگوں کی طرف منسوب کردہ جھوٹے اور اختراعی مناقب وفضائل کو صحیح ومعتبر قرار دے کر حجت بنا لینا کیوں درست نہیں ہے؟ اس دنیا میں فرعون ونمرود جیسے لوگوں کے خود ساختہ فضائل ومناقب بھی بیان کر کے لوگوں میں پھیلائے گئے اور بہت سارے لوگوں نے ان خانہ ساز فضائل ومناقب کو صحیح ومعتبر مانا، حتی کہ اس زمانے کی اکثریت نے فرعون ونمرود کو الٰہ ومعبود قرار دے لیا اور اس کے خلاف لب کشائی کو جرم وبددینی اور گردن زدنی گناہ بتلایا۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ جابر جعفی جہم بن صفوان کے گروپ کے آدمی یعنی جہمی ورافضی تھے، حتی کہ جس تحریک سے جہم بن صفوان اور جعد بن درہم وغیرہ وابستہ تھے اس کے قائد وسرپرست حارث بن شریح اسدی کی بابت جابر جعفی نے کہا:

"الحارث بن شريح في كتاب الله." [1]

---

[1] تهذيب التهذيب ترجمہ جابر جعفی کی آخری تین سطریں (۲/ ۵۱)

''یعنی حارث کا ذکر خیر قرآن مجید میں موجود ہے، مطلب یہ کہ حارث کے متعلق قرآن مجید میں پیش گوئیاں موجود ہیں۔''❶

امام صاحب کے بارے میں اگرچہ بہت ساری مکذوبہ روایات کے ذریعہ ظاہر کیا گیا ہے کہ سابقہ آسمانی کتابوں، خاتم المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیثوں اور فرامین صحابہ وتابعین میں ظہورِ امام صاحب کے متعلق نہایت بلند الفاظ میں بشارت وخوشخبری دی گئی ہے، مگر ہمارے علم کی حد تک کسی کذاب سے کذاب تر آدمی نے یہ کہنے کی جرأت نہیں کی کہ امام صاحب کی بابت قرآن مجید میں بھی بشارت وخوش خبری موجود ہے، اگرچہ یہ یقینی بات ہے کہ اگر کسی کذاب نے کہہ دیا ہوتا کہ قرآن مجید میں امام صاحب کے متعلق خوشخبری موجود ہے تو مصنف انوار جیسے مدعیان علم وفضل اس پر ایمان لانا اور اسے صحیح ومعتبر کہہ کر شائع کرنا اپنا فریضہ سمجھتے۔ آخر مقاتل سے مروی شدہ اس روایت کو مصنف انوار نے صحیح ومعتبر کہہ کر حجت بنا ہی لیا ہے کہ صحف سابقہ میں امام صاحب کی بابت خوشخبری موجود ہے۔❷ ''أبو حنيفة سراج أمتي'' والی مکذوبہ روایت کو بھی مصنف انوار نے دلیل بنا لیا ہے۔ (کمامر)

جابر جعفی کذاب کو مکذوبہ روایت میں صاحبِ کرامات ولی اللہ کہا گیا:

جس تحریک سے جہم وجعد وجابر وغیرہ وابستہ تھے اور اس کے قائد حارث کی مدح سرائی وحمایت میں سرگرم تھے اس تحریک کے اراکین ایک دوسرے کے فضائل بیان کرنے میں بھی سرگرم رہا کرتے تھے۔ فضائل ابی حنیفہ میں وضع روایات کرنے والے معتقدین حارث بن شریح کے مقابلہ میں بہرحال بہت کم ہمت ثابت ہوئے، مدح حارث میں مذکورہ بالا بات وضع کرنے والے جابر جعفی کی بابت ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان عیسیٰ خواسنی قاضی واسط متوفی ۱۶۹ھ نے کہا:

''كنت اتيه في وقت ليس فيه فاكهة ولا قثاء ولاخيار فيذهب إلى بسيتين له في داره فيجيء بقثاء وخيار فيقول كل فوالله ما زرعته.''❸

''یعنی پھلوں کا موسم نہیں بھی ہوتا تھا تو میں جابر کے پاس جب جاتا وہ اپنے باغ سے پھل لا کر مجھے کھلاتا اور کہتا کہ میں نے ان کو اپنے باغ میں نہیں بویا تھا بلکہ یہ میری کرامت کی وجہ سے پیدا ہو گئے ہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ یہ اکذب الناس شخص صاحب کرامات بھی تھا، ظاہر ہے کہ اس کے مقلدین ومریدین ومعتقدین اس کے بہت بڑا خدارسیدہ، عارف، ولی اللہ، متقی، متورع اور صاحب کراماتِ کثیرہ ہونے کا بہت زیادہ پروپیگنڈہ بھی کرتے ہوں گے، دریں صورت اگر امام صاحب کی تقلید وعقیدت کا دعویٰ کرنے والے کذابین نے اسی طرح کا کام کیا تو کون سی بات کی جبکہ وہ یہ پروپیگنڈہ کرنے سے قاصر رہ گئے کہ امام صاحب کی بابت بطور بشارت قرآن مجید میں بہت ساری آیات موجود ہیں یا کہ وہ منسوخ التلاوت ہو گئی ہیں۔

جابر جعفی کی کرامات سے متعلق مذکورہ بالا بات جس ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان نے کہی ہے وہ بتصریح امام شعبہ کذاب ہے دوسرے اہل علم نے اسے متروک قرار دیا ہے۔❹ لیکن اس شخص میں اس طرح کی کرامات کا پایا جانا مستبعد بھی نہیں کیونکہ وہ ''صاحب نیرنجات وشبہ'' یعنی جادوگر اور ساحر بھی تھا۔❺

---

❶ نیز ملاحظہ ہو: اللمحات (۲/ ۲۱۱ تا ۲۱٤) ❷ مقدمه انوار (۱/ ۱۲۲) وقد مر في اللمحات (۱/ ۹٦ تا ۹۹)
❸ تهذيب التهذيب (۲/ ۵۰) ❹ تهذيب التهذيب (۱/ ۱٤٤، ۱٤۵، ترجمه إبراهيم) ❺ تهذيب التهذيب (۲/ ۵۰)

یہ بات بیان ہوچکی ہے کہ جس تحریک سے جہم وجعد وابستہ تھے اس تحریک کے قائد حارث کے حکومت کے ساتھ تعلقات کو درست کرانے کی کوشش میں امام صاحب بھی شریک تھے اورانھوں نے اس کے لیے حارث کی حمایت میں خلیفہ کے معتمد علیہ کو خط بھی لکھا تھا نیز یہ بھی بیان ہوا کہ امام صاحب زوجۂ جہم کے اونٹ کی نکیل پکڑ کر کسی زمانہ میں چلا کرتے تھے۔

تذکرہ ابن خراش

عام اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ ابومحمد عبدالرحمٰن بن یوسف بن سعید بن خراش مروزی بغدادی متوفی ۲۸۳ھ بہت بڑا عالم، فاضل، محدث، حافظ، ناقد اور طلبِ علوم میں محنتی تھا، علوم حدیث کی تحقیق وجستجو، چھان بین، کھود کرید اور طلب وحصول میں بہت سرگرم اور مشکلات ومصائب کا جھیلنے والا تھا، اس نے علوم حدیث کی تحقیق میں اپنی عمر عزیز صرف کی حتی کہ کھانے پینے کا سامان ختم ہوجانے کی وجہ سے اس کو پانچ مرتبہ اپنا پیشاب بھی پینا پڑا، جس علم کو اس نے اپنا پیشاب تک پی پی کر حاصل کیا اس کے ساتھ اس کا برتاؤ یہ ہوا کہ اس نے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے مثالب میں دو مستقل کتابیں لکھ کر حاکم بغداد سے دو ہزار درہم انعام حاصل کیے، اس نے مشہور صحابی حضرت مالک بن اوس کو کذاب قرار دیا، یہ شخص ابن عقدہ رافضی کا دوست تھا جس نے یہ مکذوبہ افواہ اڑائی کہ امام صاحب ۶۱ھ میں پیدا ہوئے۔

بعض لوگوں نے کہا کہ ابن خراش عمداً جھوٹ نہیں بولتا تھا مگر عمداً جھوٹ نہ بولنے والا اگر مثالب حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما میں مروی شدہ روایات کو ان کی تکذیب کیے بغیر انھیں اس انداز میں نقل کرے گویا ان پر کوئی کلام نہیں اور اپنے اس کارنامہ پر دو ہزار انعام رافضی حکمراں کی طرف سے حاصل کرے۔[1] جس طرح کہ خالص علمی ودینی وتحقیقی خدمت کے نام پر بہت سارے لوگ جمعِ اکاذیب کا کام پرانے زمانہ میں اور آج کے زمانہ میں کرتے رہے ہیں اور اس کے ذریعہ اپنی روٹی روزی کا سامان بھی کرتے رہے ہیں، اگر ایسا شخص عمداً جھوٹ نہ بھی بولتا ہوتو "كفى بالمرء كذبا أن يحدث بكل ما سمع" والی حدیث نبوی کے مطابق جھوٹا کہلائے جانے کا مستحق ہے اور اس میں شک نہیں کہ ایسا شخص بہت بڑا مجرم ہے، حافظ عبدان نے اسی کے سامنے اس رافضی کو زندیق ومعاند حق کہا۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس نے اپنی کتاب میں مالک بن اوس صحابی کو ثقہ لکھا ہے، اس لیے ہوسکتا ہے کہ کسی دوسرے زمانہ میں جبکہ یہ جوان تھا اس نے صحابی مذکور کو کذاب کہا ہومگر اس سے اس رافضی کا جرم کم نہیں مانا جا سکتا، اس طرح کے مجرمین کا یہ شیوہ وشعار ہے کہ لکھتے کچھ اور ہیں اور نجی مجلسوں میں اس کے خلاف کچھ دوسری چیز بولتے ہیں بلکہ ایک ہی کتاب حتی کہ ایک ہی صفحہ میں متعارض قسم کی باتیں تحریر کر ڈالتے ہیں اور ذرہ برابر نہیں شرماتے، مصنف انوار کی تحریر میں یہ بات بکثرت پائی جاتی ہے جیسا کہ اہل نظر پر یہ حقیقت اب مخفی نہیں رہ گئی ہے، الغرض یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کتاب وسنت کی طرف دعوت دینے والے جہم وجعد وحارث بن شریح وابن خراش ومقاتل بن سلیمان وجابر جعفی عالم نہیں۔

بانی فرقۂ کرّامیہّ کی بابت بشارت:

جس طرح قائدِ جہمیت حارث کے بارے میں کہا گیا کہ اس کے متعلق قرآن مجید میں بشارت موجود ہے اسی طرح فرقۂ کرامیہ کے بانی وسرپرست اور قائد محمد بن کرام سجستانی متوفی ۲۵۵ھ کی بابت بھی بشارتوں کا تذکرہ موجود ہے، ابن کرام بھی

[1] ملاحظہ ہو: خطیب (۱۰/ ۲۸۰، ۲۸۱) وتذكرة الحفاظ (۲/ ٦٨٤، ٥٨٥) ولسان الميزان ترجمه ابن خراش.

بقول خویش خراسان کے شہر نساء کے ماتحت کسی گاؤں میں پیدا ہوا اور وہیں خراسان میں اس کی پرورش وتربیت ہوئی۔[1]

ابن کرام کی بابت یہ منقول ہے:

”عن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ يجيء في آخر الزمان رجل يقال له محمد بن كرام يحيىٰ السنة والجماعة هجرته من خراسان إلى بيت المقدس كهجرتي من مكة إلى المدينة.“

”یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آخری زمانہ میں محمد بن کرام کا ظہور ہوگا جو سنت نبویہ اور جماعت اہل سنت کو زندہ کرے گا، خراسان سے بیت المقدس کی طرف وہ ہجرت کرے گا اس کی یہ ہجرت بالکل میری ہجرت کی طرح ہوگی جو مکہ سے مدینہ کی طرف ہوئی۔“[2]

اس روایت میں محمد بن کرام کے علم وفضل اور مجددانہ کارنامے کی اسی طرح فضیلت بیان کی گئی ہے جس طرح امام ابوحنیفہ کے علم وفضل وغیرہ کی اور جس طرح متعدد کذابین نے امام صاحب کے مناقب میں طویل وعریض کتابیں لکھی ہیں اسی طرح محمد بن کرام کے مناقب میں بھی کتابیں لکھی گئی ہیں، مناقب ابن کرام میں کتابیں لکھنے والوں میں ایک اسحاق بن محمد شاذ بھی ہے۔[3]

جس طرح مدح امام صاحب میں لمبے چوڑے قصائد لکھے گئے ہیں اسی طرح مدح ابن کرام میں بھی، مدح ابن کرام میں لکھے گئے ایک طویل قصیدہ کے دوشعر ملاحظہ ہوں:

إن الذين لجهلهم لم يقتدوا   في الدين بابن كرام غير كرام

الفقه فقه أبي حنيفة وحده   والدين دين محمد بن كرام

”یعنی جو لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے ابن کرام کی تقلید نہیں کرتے وہ سب غیر شریف یعنی رذیل ہیں، فقہ صرف امام ابوحنیفہ کی اچھی ہے اور دین صرف محمد بن کرام کا قابل تقلید ہے۔“[4]

مادحین ابن کرام پھر بھی مادحین ابی حنیفہ سے پیچھے رہے کیونکہ مدح ابی حنیفہ میں یہ قصیدہ خوانی بھی کی گئی ہے کہ جو شخص امام صاحب کے کسی ایک قول کو بھی غلط قرار دے دے اس پر ذرات کے برابر لعنت ہوحتی کہ مصنف انوار نے فرمایا کہ جو آدمی یہ وہم وگمان بھی کرے کہ امام صاحب سے کسی مسئلہ میں غلطی واقع ہوگئی ہے وہ چوپایہ جانوروں سے بھی زیادہ گمراہ اور بدعتی ہے۔[5]

محمد بن کرام کے انتقال کے بعد اس کی قبر پر اس کے معتقدین ومقلدین مدتوں معتکف ومجاور بن کر بیٹھے رہے۔[6] حالانکہ ابن کرام کا حال یہ تھا کہ وہ شین، قاف، ط وغیرہ حروف کا تلفظ تک صحیح نہیں کر پاتا تھا اور بہت بڑا جعل ساز اور مبلغ بدعات تھا۔[7]

اگر ابن کرام کے مقلدین ومعتقدین بذریعہ اکاذیب مدح ابن کرام کی تحریک چلانے اور اس کی تقلید کی طرف دعوت وترغیب

---

1. المجروحين لابن حبان (٢/ ٣٠١)
2. الموضوعات لابن الجوزى (١/ ٥٠) واللائى المصنوعه (١/ ٢٣٨) ولسان الميزان (١/ ٣٧٥) وغيره.
3. الموضوعات لابن الجوزي (١/ ٥٠) اللآلي المصنوعه (١/ ٢٣٨)
4. لسان الميزان (٥/ ٣٥٤، ٣٥٥)
5. مقدمه انوار (١/ ١٦٨)
6. لسان الميزان (٥/ ٢٥٤)
7. المجروحين لابن حبان (٣/ ٣٠١، ٣٠٢) وعام كتب الضعفاء والمتروكين.

دینے میں حق بجانب نہیں ہیں اورجہم و جعد وحارث وغیرہ کے مقلدین بھی اپنی اس پالیسی میں حق بجانب نہیں تو مصنف انوار اوران کے ہم مزاجوں کواسی طرح کے کام کرنے میں حق بجانب کیسے کہا جا سکتا ہے؟ البتہ ثابت شدہ صحیح باتوں کے ذریعہ کسی امام کی مدح ومنقبت یقیناً باعث برکت ہے۔

علم اہل عراق کی مذمت سے متعلق احادیث موضوعہ:

اگراکاذیب کودلیل وحجت بنانا درست ہےتو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث نبوی مروی ہے:

"أكثر الناس علما أهل العراق وأقلهم انتفاعا به." [1]

''یعنی اہل عراق علم میں سب سے زیادہ ہیں مگراس سے یہ لوگ بہت ہی کم فائدہ اٹھانے والے ہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ اہل عراق اگرچہ زیادہ علم رکھیں گے مگران کا یہ زیادہ علم بے فائدہ ولا حاصل ہوگا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''۱۳۵ھ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے مقید کردہ شیاطین آزاد ہو جائیں گے ان میں سے (۱۰/۹) عراق میں مقیم ہو کر بازارمناظرہ گرم کریں گے باقی (۱۰/۱) شام میں جائیں گے۔'' [2]

مصنف انوار کے ممدوح سیوطی نے کہا:

''لابأس بہ سند سے یہ حدیث نبوی مروی ہے کہ ۱۳۵ھ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے محبوس کردہ شیاطین انسانی شکلوں میں متشکل ہوکرلوگوں کی مجالس اور مساجد میں قرآن وحدیث کے معاملات میں مناظرے کریں گے۔'' [3]

حالانکہ اس کی سند میں لیث بن ابی سلیم ساقط الاعتبار راوی ہے اور سلمہ بن فضل ابرش کثیر الخطا ہے، کیا اس طرح کی روایات سے یہ استدلال کرنا درست ہے کہ کوفہ کے جوعلماء علمی بحث ونظرکیا کرتے تھے حتی کہ تدوینِ فقہ کے لیے بحث ونظر کے دوران مسجد میں شوروغل کرتے اورمنع کرنے پر کہتے کہ اس شوروغل کے بغیر فقہ کا کام پورانہیں ہوسکتا، کیا ان کی بابت روایات مذکورہ سے استدلال کر کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ نعوذ باللہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے محبوس کردہ وہ شیاطین تھے جو ۱۳۵ھ میں آزاد ہوکرعراق خصوصًا کوفہ کی مسجدوں اور درسگاہوں میں انسانی شکل میں متشکل ہوکرشرعی علوم کا درس دیا کرتے تھے اورتعلیم وتدریس کے نام پر دین اسلام کی بخیہ ادھیڑتے تھے؟

موضوع حدیث کے ذریعہ نبطی اور جولاہا قوم کی مذمت:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا مروی ہے:

''نبطی قوم انبیائے کرام علیہم السلام کی قاتل اور ظالموں کی معاون ہے، یہ لوگ جب جائیدادیں کھڑی کرنے لگیں اور کوٹھیاں بنوانے لگیں تو بھاگ کرکہیں پناہ حاصل کرو۔'' [4]

---

[1] الموضوعات (١/ ٢١٦) واللآلي المصنوعه (١/ ١٠١)

[2] الموضوعات لابن الجوزي (١/ ٢٦٩) واللآلي المصنوعه (١/ ١٢٩) [3] اللآلي المصنوعه (١/ ١٢٩)

[4] الموضوعات لابن الجوزى (٢/ ٤٢) ولسان الميزان ترجمه عبدالرحمن بن مالك بن مغول (٣/ ٤٢٧، ٤٢٨)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعا مروی ہے:

''جب جولاہے (بنکر لوگ) تحصیلِ علم کرنے لگیں تو بھاگ جاؤ، جولاہے کی بنائی یا کارخانہ کو دیکھنے والے کی عقل خفیف ہو جاتی ہے، جولاہے سے بات کرنے والے کے منہ میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے، جولاہے کے ساتھ چلنے والے کی روزی گھٹ جاتی ہے، جولاہا قوم نے خانہ کعبہ میں پیشاب کر دیا تھا، حضرت مریم علیہا السلام (والدۂ عیسیٰ علیہ السلام) کا چوغا اس قوم نے چرا لیا تھا، حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کا عمامہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مچھلی بھی انھوں نے چرالی، حضرت مریم والدۂ عیسیٰ علیہ السلام نے جولاہوں سے راستہ پوچھا تو انھوں نے عمداً غلط راستہ بتلا دیا جس سے حضرت مریم کو پریشانی ہوئی، یہ بیحد واہیات قوم ہے۔''[1]

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے:

''جولاہا قوم کے ستر ہزار افراد دجال کے معاون ہوں گے۔''

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے:

''جولاہوں سے کوئی مشورہ مت لیا کرو کیونکہ اللہ نے ان کی عقل چھین لی ہے اور ان کی روزی سے برکت بھی ختم کر دی ہے۔''[2]

اگر مندرجہ بالا قسم کی موضوع ومکذوب احادیث کو دلیل وحجت بنا کر امام صاحب اور دوسرے نبطیوں، جولاہوں کی مذمت اور ابن کرام کی مدح سرائی کو شیوہ وشعار بنانا مذموم ہے تو اسی طرح کی مکذوبہ روایات کو دلیل بنا کر امام صاحب کے فضائل ومناقب اوران کے علاوہ دوسروں کے مثالب بیان کرنا کیوں مذموم نہیں ہے؟ اس معاملہ میں اگر مصنف انوار اور ان کے ہم مزاج لوگ ٹھنڈے دل سے ذرا بھی غور کرتے تو استعمالِ اکاذیب کے ذریعہ کبھی بھی مدح احناف ومدح مذہب احناف کی اس طریقہ پر سرگرم تحریک نہ چلاتے جو تحریک یہ لوگ چلا رہے ہیں کہ بہت بڑے پیمانہ پر اکاذیب کو صحیح ومعتبر باتیں کہہ کر حجت بنا رہے ہیں۔

امام صاحب کا ظاہر کردہ علم حدیث نبوی کے مطابق علامات قیامت میں سے ہے:

مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق امام صاحب کا ظاہر کردہ علم نصوص کتاب وسنت واقوال صحابہ وتابعین سے منقول وماخوذ علم نہیں تھا ورنہ اسے امام صاحب مجموعۂ اغلاط ہرگز نہ کہتے، دریں صورت ناظرین کرام مندرجہ ذیل روایت کو ملاحظہ فرمائیں:

" قال علي بن محمد ابن كاس النخعيي القاضي حدثنا سليمان بن الربيع ثنا محمد بن حفص عن الحسن بن سليمان أنه قال في تفسير الحديث الذي جاء لا تقوم الساعة حتى يظهر العلم قال هو علم أبي حنيفة وتفسيره الآثار."[3]

''یعنی حسن بن سلیمان نے کہا کہ حدیث نبوی "لا تقوم الساعة حتى يظهر العلم" میں ظہور علم سے مراد

---

[1] الموضوعات لابن الجوزی (١/ ٢٢٤ تا ٢٢٦)

[2] الموضوعات لابن الجوزی (١/ ٢٢٤ تا ٢٢٦) وعام كتب موضوعات.

[3] أخبار أبي حنيفه للصيمري (ص: ٩) وعقود الجمان (ص: ٤٥) وخطيب (١٣/ ٣٣٦) وعام كتب مناقب أبي حنيفه.

امام صاحب کا ظہورِ علم ہے بلفظ دیگر امام صاحب کے ظہور علم، کو علاماتِ قیامت میں سے ایک علامت کہا گیا ہے۔"[1]

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ مناقب امام صاحب میں احناف کی نقل کردہ اور پسند کردہ مذکورہ بالا روایت میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ حدیث نبوی میں امام صاحب کے علم کے ظاہر ہونے کو علامات قیامت میں سے ایک علامت کہا گیا ہے، معمولی عقل والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ جس علم کو کسی نبی ورسول یا صحابی و تابعی اور عالم نے نہیں ظاہر کیا تھا اس کے ظہور کو حدیث نبوی میں علامات قیامت میں سے قرار دیا جانا کوئی مستبعد بات نہیں ہے، اس طرح کے علم کے ظہور کو حدیث نبوی میں علامات قیامت میں سے قرار دینا ان احادیث نبویہ کے منافی نہیں جن میں کہا گیا ہے کہ علاماتِ قیامت میں سے ایک علامت یہ ہے کہ علم کم ہونے اور مٹنے لگے گا، کیونکہ ان احادیث نبویہ میں جس علم کے کم ہونے اور مٹنے کو علامات قیامت میں شمار کیا گیا ہے اس سے مراد انبیائے کرام ﷺ کا لایا ہوا اور صحابہ وتابعین کا نقل کردہ علم ہے، انبیاء کرام ﷺ اور صحابہ وتابعین کے علم کا مٹنے لگنا اور ان کے بعد برآمد ہونے والے ایسے علم کا ظاہر ہونا جو انبیاء وصحابہ میں سے کسی کے ذریعہ ظاہر نہیں ہوا تھا دو الگ الگ چیزیں ہیں دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے جس نے حدیث مذکور میں علامت قیامت قرار دیے جانے والے علم کے ظہور کو ظہور علم امام صاحب قرار دیا ہے، اس کی ظرافت قابل داد ہے اور اس کی اس ظریفانہ بات کو عام احناف کا فخر ومباہات کے طور پر بیان کرنا اس بات کی علامت ہے کہ شعوری یا غیر شعوری طور پر ان لوگوں نے تسلیم کرلیا ہے کہ امام صاحب کے علم کا ظہور علامات قیامت میں سے ہے۔

روایت مذکورہ میں جس حدیث یعنی "لا تقوم الساعة حتى يظهر العلم" کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ معنوی طور پر مسند احمد (۱/۴۰۲) اور دوسری کتب حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی شدہ ایک طویل روایت کا ٹکڑا ہے اور بتصریح امام ہیثمی سنداً معتبر ہے۔[2] جس روایت میں حدیث مذکور کا مصداق امام صاحب کو بتلایا گیا ہے اس کی سند میں سلیمان بن ربیع نہدی کوفی ابو محمد متوفی ۲۷۴ھ متروک اور ساقط الاعتبار ہے۔[3] اس اعتبار سے روایت مذکورہ غیر معتبر ہے مگر حسب عادت اسے عام احناف نے امام صاحب کے فضائل میں سمجھ کر قبول کرلیا ہے اسی وجہ سے اس کا ذکر ہم نے بھی کردیا کیونکہ اس مقام پر اس کا تذکرہ ہم کو زیادہ مناسب معلوم ہوا، ہمارے نزدیک علم مذکور سے مراد موجودہ دور کے سائنس کا علم ہے۔

"ترفع زينة الدنيا سنة ۱۵۰ھـ" کی حدیث پر بحث:

یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ عین العلم امام صاحب سے متعلق وارد شدہ حدیث "أبوحنيفه سراج أمتي" کو ابن حجر مکی وعلی قاری اور دوسرے اہل علم نے متفق اللسان ہوکر مکذوب وموضوع قرار دیا ہے، اور "لو كان العلم معلقا بالثريا" والی حدیث امام صاحب پر اس لیے منطبق نہیں ہوتی کہ موصوف کا فارسی الاصل ہونا ثابت نہیں اس کے برعکس موصوف کا نبطی الاصل بابلی ہونا زیادہ صحیح ہے۔ ابن حجر مکی وملا علی قاری اور ان جیسے لوگوں نے کہا کہ امام صاحب اس سے مستغنی ہیں کہ ان کی فضیلت پر موضوع روایت سے استدلال کیا جائے، دریں صورت امام صاحب کو مکذوبہ روایت کی بنا پر فارسی قرار دے کر ان پر "لو كان

---

[1] نیز ملاحظہ ہو: موفق (۲/ ۱۴۷، ۱۴۸)

[2] ملاحظہ ہو: مسند أحمد مع تعليقات علامه أحمد شاكر أحاديث ابن مسعود ومجمع الزوائد كتاب الفتن (۸/ ۳۲۵)

[3] لسان الميزان (۳/ ۹۱) وخطيب (۹/ ۵۵)

الدين معلقا'' والی حدیث کو منطبق کرنا کیونکر صحیح ہے؟

ابن حجر مکی وملا علی قاری ومصنف عقود الجمان نے کہا:

''ترفع زينة الدنيا سنة ۱۵۰ھ۔'' والی حدیث نبوی سے امام صاحب کی فضیلت پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔''❶

حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ ۱۵۰ھ میں دنیا کی زینت بڑھ جائے گی۔

ہم کہتے ہیں کہ مقلدین امام شافعی کہہ سکتے ہیں کہ حدیث مذکور ہمارے نزدیک امام صاحب کے بجائے امام شافعی کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے، وہ اس طرح کہ حدیث مذکور کا ظاہری مطلب یہ نکلتا ہے کہ ''۱۵۰ھ میں دنیا کی زینت بڑھ جائے گی'' اور یہ معلوم ہے کہ ۱۵۰ھ میں امام شافعی کی ولادت ہوئی ہے، جس کا مطلب حدیث مذکور کے مطابق یہ ہوا کہ ۱۵۰ھ میں امام شافعی کی ولادت باسعادت کی برکت سے دنیا کی زینت بڑھ جائے گی، دریں صورت کوئی شافعی المسلک مقلد کہہ سکتا ہے کہ حدیث مذکور سے مدح امام صاحب کے بجائے قدح امام صاحب کا پہلو نکلتا ہے، وہ یہ کہ امام صاحب بقول صحیح ۱۵۰ھ میں فوت ہو گئے گویا امام صاحب کے فوت ہوتے ہی دنیا کی زینت بڑھ گئی یعنی دنیا میں امام صاحب کی زندگی اور موجودگی دنیا کی زینت میں اضافہ وبالیدگی سے مانع رہی دنیا سے امام صاحب کے جاتے ہی اور دنیا میں امام صاحب کے آتے ہی زینتِ دنیا میں اضافہ ہو گیا، اس طرح حدیث مذکور ان احادیث صحیحہ کے موافق ہو جاتی ہے جن کے ذریعہ فضیلت امام شافعی پر استدلال کیا جاتا ہے مثلاً متعدد اسانید سے مروی شدہ ایک حدیث صحیح کا مفاد ہے کہ ہر صدی کے خاتمہ پر اللہ تعالیٰ مجدد دین مبعوث کرتا رہے گا، اہل علم کا کہنا ہے کہ امام شافعی پہلی صدی کے خاتمہ اور دوسری صدی کے افتتاح کے موقع پر فوت ہوئے تھے، اس لیے دوسری صدی کے مجدد امام شافعی ہی ہیں نیز دوسری احادیث سے بھی ولادت امام شافعی کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، اس لیے ''ترفع زينة الدنيا ۱۵۰ھ'' والی حدیث کو مدح امام صاحب کے بجائے مدح امام شافعی پر محمول کرنا چاہیے ورنہ اس حدیث کا ان احادیث صحیحہ سے تعارض لازم آئے گا جن سے مدح امام شافعی مستفاد ہوتی ہے، کیونکہ اس کا مطلب اگر یہ بتلایا جائے کہ ۱۵۰ھ میں دنیا کی زینت اٹھ جائے گی اور کہا جائے کہ ۱۵۰ھ میں امام صاحب کی وفات ہوئی تھی اور حدیث مذکور میں زینتِ دنیا سے مراد امام صاحب ہیں تو اوّلاً: امام صاحب کا سال وفات مختلف فیہ بھی ہے، امام صاحب کے شاگرد امام مکی بن ابراہیم بلخی سے مروی ہے کہ امام صاحب ۱۵۳ھ میں فوت ہوئے اور بعض دوسرے اہل علم سے مروی ہے کہ ۱۵۱ھ میں فوت ہوئے۔❷

دریں صورت جبکہ احناف کا یہ مسلک بھی ہے کہ اختلاف اہل علم سے نکل کر متفق علیہ موقف کو اختیار کرنا چاہیے تو احناف کو امام صاحب کا سال وفات ۱۵۳ھ ماننا چاہیے تاکہ اختلاف اہل علم سے نکلا جا سکے، اس کے برعکس بعض کذابین کے بیان کی بنیاد پر امام صاحب کے سال ولادت کو مختلف فیہ بنا کر کسی نے کہا کہ امام صاحب ۶۱ھ میں پیدا ہوئے کسی نے کہا ۶۳ھ میں کسی نے کہا ۷۰ھ میں کسی نے کہا ۷۱ھ میں کسی نے کہا ۷۷ھ میں مصنف انوار نے دعوی کیا کہ ۷۰ھ میں امام صاحب کا پیدا ہونا صحیح ہے۔ ایسی باتیں کرنے والے معلوم نہیں کیوں امام صاحب کا سال وفات ۱۵۳ھ نہیں قرار دیتے تاکہ حدیث مذکور سے امام صاحب کی جو قدح و مذمت نکلتی ہے اس سے امام صاحب کو محفوظ کیا جا سکے۔

---

❶ عقود الجمان (ص: ٤٥) خيرات الحسان (ص: ١٥) وذيل جواهر المضيه (٢/ ٤٥٢، بحوالۂ شمس الأئمه كردری)

❷ خطيب.

۱۲۵ھ کی مدح یا قدح سے متعلق ایک موضوع حدیث:

اکاذیب کو بکثرت دلیل بنانے والے احناف کی اطلاع کے لیے یہ گزارش ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے دو مکذوبہ سندوں کے ساتھ مرفوعا مروی ہے:

"ترفع زينة الدنيا سنة ١٢٥هـ."[1]

دنیا کی زینت ۱۲۵ھ میں بڑھ جائے گی۔"[2]

اس حدیث کو عبدالملک بن زید مدنی نے وضع کیا تھا، اس شخص نے یہ حدیث اپنی جعلی سند مصعب بن مصعب بن عبدالرحمٰن بن عوف عن الزہری عن ابی سلمہ عن عبدالرحمٰن بن عوف کے ساتھ وضع کیا تھا، اس بناوٹی سند کا راوی مصعب بن مصعب بھی ضعیف ہے مگر اس حدیث کو اس نے بیان نہیں کیا ہے بلکہ اس کے نام پر عبدالملک بن زید نے وضع کر لیا ہے، اور اس عبدالملک سے اس حدیث کو برکہ بن محمد حلبی کذاب نے سرقہ کر لیا پھر وہ اس کے لیے دوسری سند وضع کر کے بیان کرنے لگا۔[3]

برکہ حلبی والی سند سے مروی شدہ اس حدیث کو حافظ ابن الجوزی نے نقل کر کے بتلایا تھا کہ برکہ بذات خود کذاب ہے اور اس کی وضع کردہ سند میں بھی ساقط الاعتبار رواۃ ہیں، مگر سیوطی نے حسب عادت کہا کہ برکہ کے علاوہ یہ روایت دوسری سند سے بھی مروی ہے پھر سیوطی نے اسے عبدالملک بن زید والی سند سے نقل کیا۔[4] لیکن سیوطی نے یہ نہیں بتلایا کہ عبدالملک بن زید بھی کذاب ہے اور دراصل یہی حدیث مذکور کا واضع ہے برکہ نے اس کا سرقہ کر لیا ہے، حالانکہ سیوطی سے بہت پہلے یہ بات حافظ ابن حجر اور دوسرے اہل علم واضح کر چکے تھے لیکن سیوطی نے یہاں بھی عمداً غلط روی اختیار کی یہ سیوطی صاحب کی عادت ہی ہے اس طرح کا کام سیوطی نے بہت کیا ہے، مگر ابن الجوزی پر مستقلاً تنقید لکھنے والے سیوطی صاحب نے تمام حقائق کو نظر انداز کر کے ان کی لکھی ہوئی اس بات پر کہ" امام صاحب نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا" کوئی تنقید وتعاقب کرنے کے بجائے غلط بیان کرتے ہوئے ابن الجوزی کی اس بات کو امام دارقطنی کا قول قرار دے دیا۔ (کما تقدم) سیوطی کی یہ روش کیا معنی رکھتی ہے؟

اگر "ترفع زينة الدنيا ١٥٠هـ" والی روایت کو مدح ابی حنیفہ کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے جیسا کہ ابن حجر مکی اور ان کے ہم مزاج لوگوں نے کیا ہے تو کیا دوسرے لوگ عبدالملک بن زید کی وضع کردہ روایت مذکورہ کا استعمال نہیں کر سکتے ؟

یہاں بتلانا یہ مقصود ہے کہ خیرات الحسان میں ابن حجر مکی کی بیان کردہ بہت ساری باتیں غلط ہیں، دریں صورت کتاب مذکور میں ان کی لکھی ہوئی کسی بات کو بلا تنقیح وتحقیق اور بلا بحث وتمحیص صحیح ومعتبر قرار دے کر مصنف انوار کا دلیل وحجت بنا لینا خصوصًا جبکہ وہ بات انھیں کے دوسرے بیانات کے معارض ہو کون سی دیانتداری اور علمی ودینی وتحقیقی خدمت ہے؟

---

[1] الموضوعات لابن الجوزی (٢/ ١٩٣) ولسان الميزان (٢/ ٨، ٩)

[2] نیز ملاحظہ ہو: مجمع الزوائد (٧/ ٢٥٧، بحواله مسند ابی يعلی والبزار)

[3] لسان الميزان (٢/ ٨، ٩) ترجمه بركه و (٤/ ٦٤، ٦٥) ترجمه عبدالملك بن زيد و (٦/ ٤،٥ ترجمه مصعب بن مصعب)

[4] اللآلي المصنوعة (٢/ ٢٠٩)

علامہ ابن حجر مکی کی مستدل حدیث سے امام شافعی کی قدح ومذمت ہوتی ہے:

ابن حجر مکی نے "ترفع زينة الدنيا سنة ١٥٠ هـ" والی حدیث کو جس توجیہہ کے ذریعہ مدح ابی حنیفہ کی دلیل بنا کر نقل کیا ہے اس سے امام شافعی کی قدح ومذمت کا پہلو نکلتا ہے، کیونکہ ایک طرف اگر یہ مروی ہے کہ امام صاحب ۱۵۰ھ میں فوت ہوئے تو دوسری طرف یہ بھی مروی ہے کہ اسی سال بلکہ وفاتِ امام صاحب کے دن امام شافعی پیدا ہوئے، اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ امام شافعی کے آتے ہی زینتِ دنیا کا خاتمہ ہو گیا، یہ کام ابن حجر مکی نے مصنف عقود الجمان کی تقلید میں کیا ہے اور دونوں حضرات اپنے کو مقلدین امام شافعی کہتے ہیں، معلوم نہیں شعوری طور پر یا غیر شعوری طور پر کیوں اور کس مصلحت کے پیش نظر دونوں حضرات نے مدح ابی حنیفہ میں ایسا طریق عمل اختیار کیا جس سے ان کے اپنے امام کی قدح ہو، دونوں ہی حضرات وہ احادیث نبویہ نقل کیے ہوئے ہیں جن کا مفاد ہے کہ کسی کو اس کے مرتبہ سے نہ گھٹاؤ نہ بڑھاؤ اور جس میں جو وصف نہ ہو اس کی طرف وہ وصف منسوب مت کرو۔

مگر ہم دیکھتے ہیں کہ مدح امام صاحب کے شوق میں یہ لوگ احادیث مذکورہ کی خلاف ورزی کے مرتکب ہو گئے ہیں، دونوں ہی حضرات کا کہنا ہے کہ کسی امام کے مقلدین اگر دوسرے مقلدین کے اماموں کی شان میں گستاخی کریں گے تو جواب الجواب کا سلسلہ جاری ہو کر فساد برپا ہوگا۔[1]

"ترفع زينة الدنيا" والی حدیث سے جس طریق پر دونوں حضرات نے مدح امام صاحب کی ہے اس سے امام شافعی کی قدح کا پہلو نکلتا ہوا محسوس کر کے مقلدین شافعی کوئی جوابی کاروائی کریں تو فساد ہوگا یا نہیں؟ پھر جس موضوع حدیث میں کہا گیا ہے کہ ابو حنیفہ سراج الامت اور امام شافعی دجال اور ابلیس سے بھی زیادہ خطرناک ہیں اس کا کیا ہوگا؟

تاریخ خطیب کے متعلق ابن حجر مکی کی غلط بیانی:

مذکورہ بالا غیر معتدل ونامناسب باتوں کے ساتھ تاریخ خطیب کے متعلق ایک واضح غلط بیانی کرتے ہوئے ابن حجر مکی نے کہا:

> " وقع في تاريخ الخطيب ومنتظم ابن الجوزي ذكر أشياء تنافي كمال أبي حنيفة على أن الخطيب ذكر من فضائله بعد ذلك بأسانيد المشهورة ما يبهر العقل ذكره.. الخ."[2]
>
> "یعنی تاریخ خطیب ومنتظم ابن الجوزی میں شانِ ابی حنیفہ کے خلاف بعض چیزیں مذکور ہیں، البتہ شانِ ابی حنیفہ کے خلاف اپنی ذکر کردہ باتوں کے بعد خطیب نے اسانید مشہورہ سے فضائل ابی حنیفہ اس طرح کے بیان کیے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔"

حالانکہ کوئی بھی شخص تاریخ خطیب کو کھول کر دیکھ سکتا ہے کہ انھوں نے فضائل ابی حنیفہ کو مثالب کے بعد نہیں بلکہ مثالب کے پہلے نقل کر رکھا ہے مگر مصنف خیرات الحسان نے معلوم نہیں کس عالمِ کیف میں یہ کتاب لکھی کہ تمام الٹی سیدھی کرتے چلے گئے، پھر مصنف خیرات الحسان کا یہ دعوی عجیب ہے کہ خطیب نے اسانید مشہورہ سے فضائل ابی حنیفہ مثالب کے بعد بیان کیے

---

[1] خيرات الحسان (ص: ١٣) وعقود الجمان (ص: ٦)
[2] خيرات الحسان (ص: ١٥، ١٦)

کیونکہ خطیب نے مثالب ابی حنیفہ میں وارد شدہ روایات کونقل کرنے سے پہلے اور فضائل ابی حنیفہ میں وارد شدہ روایات کونقل کرنے کے بعد صراحت کی ہے۔

" قد سقنا عن أيوب السختياني وسفيان الثوري وسفيان بن عيينة وغيرهم من الأئمة أخبارا كثيرة تتضمن تقريظ أبي حنيفة والمدح له والثناء عليه والمحفوظ عند نقلة الحديث عن أئمة المتقدمين وهؤلاء المذكورين منهم في أبي حنيفة خلاف ذلك... الخ."[1]

''یعنی امام صاحب کی مدح وثنا اور تعریف میں ہم ائمہ مذکورین سے مروی شدہ روایات نقل کر چکے مگر یہ ساری روایات غیر محفوظ ہیں اور محفوظ روایات ان کے خلاف ہیں جن کا ذکر ہم مذکور شدہ فضائل کے بعد کرنے جا رہے ہیں، امام صاحب پر اہل علم کے اقوال جرح وتنقید بہت زیادہ ہیں جن میں سے بعض کا تعلق اصول سے ہے اور بعض کا فروع سے، ہم ان کا ذکر کرنے جا رہے ہیں اور جو لوگ انھیں پسند نہیں کرتے ان سے معذرت خواہ ہیں کہ امام صاحب بھی ہمارے نزدیک اس جلالت قدر کے باوجود انھیں علماء جیسے ہیں جن کا ذکر ہم نے اپنی اس کتاب میں کیا ہے اور ان کی بابت جرح وتعدیل سے متعلق اہل علم کے اقوال مختلفہ وفرامین متباینہ جمع کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ صواب موقف اختیار کرنے کی توفیق دینے والا ہے۔ امام صاحب کے معاصر امام یزید بن ہارون مولود ۱۱۷/ ۱۱۸ھ ومتوفی ۲۰۶ھ نے کہا کہ امام صاحب بھی آدمیوں میں سے ایک آدمی ہیں، ان سے اسی طرح کی خطائیں سرزد ہو سکتی ہیں اور ان میں اسی طرح سے خامیاں پائی جا سکتی ہیں جس طرح کہ دوسرے آدمیوں میں، وہ کوئی ما فوق البشر مخلوق نہیں ہیں، جس طرح اور لوگوں کی درست باتیں درست اور غلط باتیں غلط ہیں اسی طرح امام صاحب کا بھی معاملہ ہے۔ جمادی الآخرۃ ۲۸۸ھ میں امام ابوالعباس احمد بن علی ابار نے املاء کراتے ہوئے ان اہل علم کے اقوال بھی بیان کیے جنھوں نے امام صاحب پر نقد وجرح کئے ہیں، انھوں نے امام صاحب کے پینتیس معاصرین کے اقوال جرح امام صاحب کی بابت نقل کیے جن میں سے کئی ایک امام صاحب کے جلیل القدر اساتذہ اور باقی ان کے تلامذہ ہیں۔''

حافظ خطیب کے اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ وہ مدح امام صاحب میں اپنی نقل کردہ روایات کو مجموعی طور پر ان روایات کے بالمقابل غیر محفوظ وغیر معتبر سمجھتے ہیں جو امام صاحب کی تجریح وتنقید میں نقل کیے ہوئے ہیں۔ حافظ ذہبی امام خطیب کے شاگرد حافظ ابومحمد بن الآبنوسی سے امام خطیب کا یہ قول نقل کیے ہوئے ہیں:

" كل من ذكرت فيه أقاويل الناس من جرح وتعديل فالتعويل على ما أخرت."[2]

''یعنی کسی راوی کے بارے میں میرے ذکر کردہ اقوال جرح وتعدیل میں سے آخری اقوال قابلِ اعتماد ولائق اعتبار ہیں۔''

حافظ خطیب کے دونوں بیانوں سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک امام صاحب کے مثالب میں مروی شدہ روایات ہی مجموعی طور پر معتبر ومعتمد علیہ ہیں۔

---

[1] خطیب (۱۳/ ۳۶۹)   [2] تذكرة الحفاظ (۳/ ۱۳۹)

حافظ خطیب کی وضاحت وصراحت کے مقابلہ میں ابن حجر مکی کی مذکورہ بالا بات ظاہر ہے کہ بے معنی وبے وزن ہے، فن روایت ودرایت میں حافظ خطیب کا مقام ومرتبہ ابن حجر مکی جیسے بہت سارے لوگوں سے کہیں بلند وبالا ہے جیسا کہ معتدل مزاج اہل علم پر مخفی نہیں، اپنے مذکورہ بالا بیان کے بالکل خلاف ومعارض ابن حجر مکی نے آگے چل کر کہا:

"اعلم أنه لم يقصد بذلك إلا جمع ما قيل في الرجل على عادة المؤرخين ولم يقصد بذلك انتقاصه ولا الحط عن مرتبته بدليل انه قدم كلام المادحين وأكثر منه ومن نقل مآثره السابقة...ثم عقبه بذكر كلام القادحين..الخ."[1]

"یعنی امام صاحب کے مناقب ومثالب میں تحریر کردہ روایات سے خطیب کا مقصد صرف ان ساری روایات کو عام مورخین کی عادت کے مطابق جمع کر دینا تھا، اس سے خطیب کا مقصد امام صاحب کی تنقیص نہیں نہ یہ مقصود ہے کہ امام صاحب کے درجہ سے انھیں گرایا جائے، جس کی دلیل یہ ہے کہ پہلے خطیب نے امام صاحب کی مدح کرنے والوں کے اقوال بکثرت نقل کیے اس کے بعد قدح وتنقید کرنے والوں کے اقوال نقل کیے۔"

اپنے اس بیان میں ابن حجر مکی نے یہ کہا کہ خطیب نے پہلے امام صاحب کی بابت اقوال مدح نقل کیے ان کے بعد اقوال قدح وجرح نقل کیے، ظاہر ہے کہ ابن حجر کی باتیں متعارض ہیں یہ تو بالکل صحیح بات ہے کہ حافظ خطیب کا مقصد امام صاحب کی تنقیص اوران کے درجے سے انھیں گرانا نہیں تھا مگر کسی کی تنقیص دوسری چیز ہے اوراس کی تجریح وتنقید سے متعلق مروی شدہ اقوالِ اہل علم کا ذکر کر دینا دوسری چیز ہے، کسی راوی سے متعلق اہل علم کے اقوالِ تجریح کے ذکر کر دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کو اس کے درجہ سے گرایا جا رہا ہے بلکہ دونوں طرح کے اقوال کو جمع کر دینے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان میں موازنہ کر کے اس کے مقام ومرتبہ کی تعیین کی جا سکے، حافظ خطیب کی منقول شدہ مذکورہ بالا عبارتوں سے واضح طور پر مستفاد ہوتا ہے کہ ان کی نظر میں امام صاحب کی تقریظ وتجریح سے متعلق مروی شدہ روایات میں مجموعی اعتبار سے وہ روایات راجح وقابل اعتبار ہیں جو تجریح کے سلسلے میں وارد ہیں، اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ امام صاحب کی مدح یا قدح میں مروی شدہ ہر روایت حافظ خطیب کی نظر میں معتبر یا غیر معتبر ہے، یہ موقف اختیار کرنے میں حافظ خطیب نہ منفرد ہیں اور نہ انھوں نے یہ کوئی نیا اورجدید موقف ایجاد کیا ہے بلکہ خود امام صاحب کا فرمان ہے:

"میری بیان کردہ فقہی وعلمی باتیں مجموعۂ اغلاط ہیں اس لیے نہ ان کی تحدیث وروایت ہونی چاہیے نہ بذریعہ تحریر ان کی اشاعت ہونی چاہیے، میری بیان کردہ اورمرتب کردہ ساری فقہی وعلمی باتیں محض رائے وقیاس ہیں، ان سے بہتر جو چیز بھی ہو یعنی نصوص کتاب وسنت واجماع امت واقوال صحابہ وتابعین وہ میری ساری فقہی وعلمی باتوں پر مقدم وراجح ہیں کیونکہ میری ساری باتیں محض رائے وقیاس ہیں، میری کہی ہوئی باتوں کی تائید جب تک نصوص کتاب وسنت واجماع امت سے نہ ہو جائے یعنی ان کی دلیل نہ معلوم ہو جائے تب تک کسی کے لیے ان پر عمل کرنا

---

[1] الخيرات الحسان (ص: ٦٩)

اور انھیں قبول کرنا جائز وحلال نہیں ہے، میری رائے اور فقہی باتیں آئے دن بدلتی رہتی ہیں میری باتوں میں استقرار وپائیداری نہیں رہی مزید برآں یہ کہ میرے تلامذہ میری طرف بہت ساری جھوٹی باتیں منسوب کر کے لکھ دیا کرتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ''

اس تفصیل سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ ابن حجر مکی نے دعوئ تنقیح کے باوجود منقّح باتوں کے بجائے متعارض وغیر منقّح باتیں اپنی کتاب الخیرات الحسان میں لکھی ہیں، اور جب متعدد باتوں کے بارے میں معلوم ہو گیا کہ ابن حجر نے ان میں تنقیح وتحقیق کے بجائے دوسرا راستہ اختیار کیا ہے تو امام صاحب کے تابعی ہونے سے متعلق موصوف کی ذکر کردہ متعارض باتوں سے صرف اس بات کو مصنف انوار کا دلیل بنا لینا جس کا غلط ہونا بدلائل واضحہ ثابت ہے مگر جس کا صحیح ہونا دلائل وقرائن کے اعتبار سے راجح ہے اس کی طرف اشارہ بھی نہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ یہ بتلایا جا چکا ہے کہ موصوف ابن حجر مکی نے بذات خود ایسی باتیں لکھیں جن سے مستفاد ہوتا ہے کہ امام صاحب تابعی نہیں تھے اور یہی موقف خود ابن حجر مکی کا بھی ظاہر ہوتا ہے۔

رواۃ کی تنقید وتقریظ میں خطیب کی جمع کردہ روایات کا مقصد:

ہم عرض کر چکے ہیں کہ عام مورخین اور علمائے فن رجال کی طرح حافظ خطیب کا بھی کسی راوی کے بارے میں جرح وتعدیل کے مختلف اقوال نقل کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان اقوال کے درمیان دیانت داری کے ساتھ موازنہ کر کے اس کے مقام ومرتبہ کی تعیین کی جا سکے،کون انسان انبیاء کے علاوہ معصوم ہے؟ اور کون شخص جرح وتعدیل کے اصول سے صحابہ کے علاوہ جرح وتنقید سے بلند وبالا کہا جا سکتا ہے اگر یہ بات نہ ہوتی تو اکابر تابعین کی توثیق وتجریح کی ضرورت کیوں پیش آتی؟ امام صاحب نے خود اپنے تابعی استاذ جابر جعفی کو اکذب الناس کہا ہے آخر کیوں؟ دریں صورت امام صاحب کی بابت مروی شدہ اقوال جرح ومدح کو جمع کر کے حافظ خطیب نے اپنے لیے اور دوسرے اہل علم کے لیے دونوں میں موازنہ کرنے کا ایک معتد بہ مواد فراہم کر دیا، ویسے حقیقت یہ ہے کہ امام صاحب کے مناقب اور مثالب دونوں میں مروی شدہ بہت ساری باتوں کو خطیب نے نقل نہیں کیا ہے، معلوم نہیں عدم اطلاع کے سبب یا کسی مصلحت کے پیش نظر مثلاً بسند صحیح امام صاحب کا جو یہ فرمان منقول ہے:

" هذا الذي حدثتكم كله ريح وباطل." [1]

''یعنی میری بیان کردہ ساری علمی وفقہی باتیں باطل وہوائی ہیں۔''

امام صاحب سے بسند صحیح مروی شدہ اس فرمان کو حافظ خطیب نے ترجمہ امام صاحب میں نقل نہیں کیا ہے اور نہ ابن المبارک سے مروی شدہ اس قول کو نقل کیا ہے:

''میرے اصحاب مجھ کو امام صاحب سے روایت کرنے پر اس لیے ملامت کرتے ہیں کہ امام صاحب حماد سے علوم حماد سنے بغیر یمامی کے یہاں سے حاصل کردہ کتب حماد سے روایت کرتے تھے۔''

اخبار ابی حنیفہ للصیمری میں امام صاحب کے نبطی الاصل ہونے سے متعلق جو متعدد روایات امام سفیان ثوری سے منقول ہیں ان کو بھی حافظ خطیب نے نہیں نقل کیا اور نہ انھوں نے وہ روایت نقل کی جس میں صراحت ہے کہ والد امام صاحب فتنۂ انبار کے

---

[1] كتاب الجرح والتعديل لابن أبي حاتم ترجمة امام صاحب.

زمانہ میں خراسان منتقل ہو گئے جہاں شہر نساء میں امام صاحب ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور وہیں جوانی تک پلتے بڑھتے رہے پھر انھیں ان کے والد صاحب دوسری جگہ لے کر گئے۔ اس طرح کی بہت ساری باتیں حافظ خطیب نے نہیں نقل کی ہیں، انھوں نے اگر چہ دارقطنی کا یہ قول ترجمہ ابن المغلس میں نقل کیا ہے کہ امام صاحب نے کسی صحابی کو دیکھا بھی نہیں ہے مگر اس معنی ومفہوم کی جو باتیں دوسرے اہل علم نے کہی ہیں انھیں بھی حافظ خطیب نے نہیں نقل کیا ہے۔

اپنے اصولِ تحقیق سے مصنف انوار اور اراکین تحریک کوثری کی خلاف ورزی:

اوپر حافظ خطیب کی یہ صراحت گزر چکی کہ امام صاحب بھی دوسرے ائمہ اسلام ہی کی طرح ایک امام ہیں جنھیں جرح وقدح اور نقد ونظر سے بالاتر نہیں قرار دیا جا سکتا، اور امام ابوالعباس ابار کی نقل کے مطابق امام صاحب کے پینتیس جلیل القدر معاصرین جن میں امام صاحب کے اساتذہ بلکہ اساتذہ کے بھی اساتذہ ہیں امام صاحب پر جرح وتنقید کیے ہوئے ہیں، اور امام صاحب کے جلیل القدر معاصر یزید بن ہارون نے فرمایا ہے کہ امام صاحب ہمارے نزدیک آدمی ہی ہیں جن میں آدمیوں کی طرح کی خامیاں اور خطائیں پائی جاسکتی ہیں،

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو لوگ امام صاحب کو مافوق البشر معصوم شخصیت کا حامل سمجھتے ہیں ان کا موقف ہماری نظر میں صحیح نہیں ہے اور یہ حقیقت ہے کہ امام صاحب کے بہت سارے جھوٹے عقیدت مند ظاہری طور پر اگر چہ امام صاحب کا غیر نبی وغیر صحابی وغیر معصوم ہونا تسلیم کرتے ہیں مگر وہ لوگ ایسے عقیدہ وموقف کو اپنا دین وایمان سمجھتے ہیں جو ان کے ظاہر کردہ اس موقف کے بالکل خلاف ومنافی ہے، مثلاً مصنف انوار بحوالۂ مسند خوارزمی فرماتے ہیں:

> ''جو شخص امام صاحب کے بارے میں ایسی بات کہتا ہے کہ کسی ایک مسئلہ میں ان سے غلطی ہو گئی ہے وہ چوپایہ جانور بلکہ اس سے بھی زیادہ گمراہ ہے اور جو یہ گمان کرے کہ امام صاحب کی کوئی بات خلاف صواب ہے وہ بدعتی اور نئے دین کا ایجاد کرنے والا ہے۔''[1]

مصنف انوار کے اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ وہ امام صاحب کے معصوم ہونے کا ایسا عقیدہ رکھتے ہیں کہ اگر کسی کو یہ وہم وگمان بھی ہو جائے کہ امام صاحب سے کوئی غلطی سرزد ہوگئی ہے یا کہ امام صاحب سے کوئی بات خلاف صواب صادر ہوگئی ہے تو وہ چوپایہ جانور سے بھی بدتر گمراہ وبدعتی اور نئے دین کا موجد ہے۔ مصنف انوار کے اس فرمان ذی شان کا موازنہ امام صاحب سے ثابت شدہ ان فرامین سے کیجیے جن کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب نے فرمایا کہ ''میری بیان کردہ علمی وفقہی باتیں مجموعۂ اغلاط واباطیل ہیں۔'' مصنف انوار فرمائیں کہ ان کا مذکور بالا فتوی امام صاحب کی اس ذات گرامی پر چسپاں ومنطبق ہوتا ہے یا نہیں جن کی بابت وہ فرماتے ہیں کہ امام صاحب کے ایک قول میں بھی صدورِ خطا کا وہم وگمان کرنے والا چوپایہ جانور سے بھی زیادہ گمراہ وبدعتی اور نئے دین کا موجد ہے؟ عام کتب مناقب ابی حنیفہ میں کہا گیا ہے:

> ''والمسائل التی رجع عنها من القیاس الی الاثر کثیرة لشدة اتباعه.''[2]

---

[1] مقدمہ انوار تذکرہ مستدل بن علی عنزی کوفی (۱/ ۱٦٨، بحوالہ حدائق الحنفیہ ومسند خوارزمي)

[2] ذیل جواهر المضیه (۲/ ٤٧٤)

''یعنی امام صاحب نے حدیث کی پیروی میں اپنے بہت زیادہ قیاسی مسائل سے رجوع کیا ہے۔''

اس کا لازمی مطلب یہ ہوا کہ اپنے جن قیاسی مسائل سے امام صاحب نے رجوع کیا انھیں امام صاحب نے غلط سمجھا اور غلط قرار بھی دیا، جب امام صاحب نے اپنے وضع کردہ بہت سارے مسائل کو خود ہی غلط سمجھا اور غلط قرار دیا تو امام صاحب پر مصنف انوار کا فتوی مذکورہ عائد ہوتا ہے یا نہیں؟

مصنف انوار کا عقیدۂ عصمت امام صاحب خطرناک ہے:

ہر صاحب عقل سمجھ سکتا ہے کہ امام صاحب کے بارے میں مصنف انوار اوران کے ہم مزاج لوگوں کا جب یہ عقیدہ ہے تو ان کے عقیدہ مذکورہ میں اور روافض کے عقیدۂ عصمتِ ائمہ میں کوئی معنوی فرق نہیں ہے۔ (کما لا یخفی)

مصنف انوار نے یہ بات اس مسند خوارزمی سے نقل کی ہے جسے موصوف تصنیف ابی حنیفہ کہتے ہیں مگر جن علامہ انور کا مجموعہ افادات کہہ کر مصنف انوار، انوار الباری کو شائع کر رہے ہیں وہ مسند خوارزمی کو تصنیف ابی حنیفہ کے بجائے ساتویں صدی کے خوارزمی کی تصنیف کہتے ہیں اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مسند خوارزمی کو مجموعۂ اکاذیب کہتے ہیں۔[1] مسند خوارزمی یعنی مجموعۂ اکاذیب میں یہ بات امام وکیع بن الجراح کی طرف منسوب کی گئی ہے مگر مصنفِ انوار کے اس اصول سے کہ کتاب مذکور تصنیف ابی حنیفہ ہے لازم آتا ہے کہ یہ بات خود امام صاحب نے اپنے ہاتھ سے لکھی ہے، حالانکہ یہ بہت مستبعد بات ہے کہ امام صاحب نے ایسی بات لکھی ہو کیونکہ یہ معلوم ہے کہ امام صاحب اپنی بیان کردہ علمی وفقہی باتوں کو مجموعۂ اغلاط کہتے تھے، اور امام وکیع بن الجراح سے بھی اس کی توقع نہیں کی جاسکتی ہے کہ انھوں نے ایسی بات کہی ہو گی کیونکہ انھوں نے کہا ہے کہ ''مذہب اہل الرائے بدعت ہے اس کی طرف نظرِ التفات بھی مت ڈالو''[2] نیز انھوں نے بذات خود امام صاحب کی بہت ساری باتوں کی تغلیط کی ہے (کما سیأتي) بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ بالا بات خوارزمی کی ایجاد کردہ ہے جس کی ہاں میں ہاں ملا کر مصنف انوار بھی اپنی تحریک ترویج اکاذیب کو کامیاب بنانے کے لیے کوشاں اور جوشاں ہیں حافظ خطیب نے ایک روایت صرف بایں معنی یہ نقل کی تھی:

> ''محمد بن عثمان بن کرام ابوجعفر عجلی وراق عبیداللہ بن موسیٰ نے کہا کہ ہم لوگ وکیع کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک آدمی نے کہا کہ ابوحنیفہ نے غلطی کی ہے، وکیع نے کہا کہ ابو یوسف وزفر اور فلاں فلاں اپنے تلامذہ کے ہوتے ہوئے امام صاحب خطا کیونکر کر سکتے ہیں، اگر وہ کوئی خطا کریں تو ان کے یہ تلامذہ ان کو خطا سے صواب کی طرف لے آئیں گے۔''[3]

روایت مذکورہ کو محمد بن عثمان بن کرام سے نقل کرنے والا نجیح بن ابراہیم ضعیف ہے۔[4] اس لیے روایت مذکورہ ساقط الاعتبار ہے، پھر بھی اس روایت میں امام صاحب سے غلطی کے صدور وظہور کو ناممکن نہیں کہا گیا ہے بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ امام صاحب کے تلامذہ اس طرح کے ہیں کہ امام صاحب کو غلطی کرنے پر غلطی کے اوپر قائم نہیں رہنے دیں گے، اصل روایت ساقط الاعتبار ہونے کے باوجود صرف انھیں الفاظ میں مذکور تھی جس میں خوارزمی نے اپنی طرف سے اتنا اضافہ کر دیا کہ وکیع نے کہا کہ جو کہے کہ امام

---

[1] حجة الله البالغة (١/ ١٣٥)

[2] جامع ترمذي أبواب الحج وغيره.

[3] خطيب (١٤/ ٢٤٧، ترجمه أبو يوسف) وعام كتب

[4] لسان الميزان (٢/ ١٤٩)

صاحب سے غلطی سرزد ہوئی وہ چوپایہ جانوروں سے بھی بدتر ہے۔ ❶

ناظرین کرام خود سوچ سکتے ہیں کہ جامع مسانید ابی حنیفہ کے مرتب جب ترویج اکاذیب میں اتنے بے باک اور ماہر وفن کار تھے کہ ساقط الاعتبار روایات میں اپنی طرف سے مزید اکاذیب کو شامل کر کے اس قسم کی مروی شدہ افسانوی کہانیوں کو زیادہ سے زیادہ مرغوب بنانے کو اپنا فریضۂ زندگی بنائے ہوئے تھے تو انھوں نے اس کتاب کی ترتیب میں کیا کیا گل افشانی نہ کی ہوگی، موصوف خوارزمی نے کہا ہے:

''بعض جاہلوں نے امام صاحب کی تنقیص وتحقیر کرتے ہوئے انھیں قلیل الروایہ قرار دیا جس سے مجھے دینی وربانی حمیت اور حنفی عصبیت لاحق ہوگئی اس وجہ سے میں نے یہ کتاب جامع مسانید ابی حنیفہ مرتب کی۔'' ❷

موصوف خوارزمی ہوں یا حارثی ومصنف انوار وارا کین تحریک کوثری اس قسم کے جتنے خادمِ دین وعلم امام صاحب کی حمایت ومدافعت کے نام پر کتاب لکھنے بیٹھتے ہیں وہ عام طور سے مصنف انوار کی طرح یہی پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ چونکہ امام صاحب اور مذہب حنفی کی تحقیر وتذلیل اوران کے ساتھ نا انصافی کی جا رہی تھی اس لیے ہم داد انصاف وتحقیق دینے اور امام صاحب کی طرف سے مدافعت کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں، پھر خدمت علم دین کے نام پر خود ساختہ اور دوسروں کے اختراع کردہ اکاذیب کا مجموعہ تیار کر کے کہتے ہیں کہ یہ خالص علمی ودینی وتحقیقی خدمت ہے۔

مصنف انوار اور ان کے عقیدۂ مذکورہ سے بھی بڑھ کر بقول امام علی بن جریر باوردی کچھ اہل کوفہ یہ عقیدہ بھی رکھتے تھے، امام صاحب (نعوذ بالله ولعنة الله على الكاذبين) خاتم المرسلین ﷺ سے زیادہ علم ومعرفت رکھتے تھے۔ ❸ حتی کہ بعض لوگوں نے امام صاحب کی طرف منسوب کیا کہ وہ فرماتے ہیں:

"لو أدركني رسول الله ﷺ وأدركته لأخذ بكثير من قولي." ❹

''یعنی امام ابوحنیفہ نے کہا کہ اگر رسول اللہ ﷺ سے میری ملاقات ہوتی تو میری بہت ساری باتوں کو آپ معمول بہ بنا لیتے (نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ)۔''

صرف یہی نہیں بلکہ امام ابن المبارک کی طرف مصنف انوار کے ہم مزاج لوگوں نے یہ شعر بھی منسوب کر رکھا ہے:

فلعنة ربنا أعداد رمل ❺ على من رد قول أبي حنيفة.

''یعنی جو شخص امام صاحب کے کسی قول کو رد کردے اس پر ذرات کی تعداد بھر لعنتِ خداوندی ہو۔''

مصنف انوار کی تصنیف ابی حنیفہ قرار دی ہوئی کتاب مسند خوارزمی میں حافظ خطیب کی طرف امام صاحب پر ایک فرضی اعتراض منسوب کر کے کہ "بأنه عمل بالأخبار ثم رجع عنها" یعنی امام صاحب ایک زمانہ تک بہت ساری احادیث پر

---

❶ مسند خوارزمي المعروف بجامع مسانيد الإمام الأعظم باب أول (١/ ٣٥)

❷ مسند خوارزمي (١/ ٤)

❸ خطيب (١٣/ ٤١٣، ٤١٤) والثقات لابن حبان والتنكيل (١/ ٣٥٠، ٣٥١)

❹ خطيب (١٣/ ٣٨٧) وتانيب الخطيب (ص: ٧٥ و٨٥) ومسند خوارزمي (١/ ٦٢، ٦٣)

❺ مقدمه عمدة الرعاية ورد المحتار.

عمل پیرا رہے پھران سے رجوع کر کے موصوف نے دوسرا موقف اختیار کیا'' کا یہ جواب دیا گیا ہے:

''غلطی واضح ہوجانے کے بعد غلطی پر قائم رہنے کے مقابلہ میں یہ بہتر ہے کہ غلطی سے رجوع کر کے صواب کواختیار کرے، امام صاحب نے ایسا ہی کیا ہے۔''[1]

مصنف انوار کی تصنیفِ ابی حنیفہ قرار دی ہوئی کتاب مذکور میں پورے انشراحِ صدر کے ساتھ کہا گیا ہے کہ امام صاحب بہت سارے مسائل میں ایک عرصہ تک غلط موقف پر قائم رہے پھران پر ان کی غلطی ظاہر وواضح ہوگئی تو انھوں نے اپنی غلطیوں سے رجوع کر کے وہ موقف اختیار کیا جو ان کی سمجھ کے مطابق صواب وصحیح تھا، مصنف انوار فرمائیں کہ یہ کون سا ماجرا ہے؟ آگے چل کر ایسے حقائق بھی سامنے آنے والے ہیں جن سے واضح ہو جائے گا کہ امام صاحب بکثرت اپنی غلطیوں کا احساس کرتے رہتے تھے اور ان سے رجوع بھی کیا کرتے تھے، امام صاحب کے مخصوص تلامذہ نے امام صاحب کے دو تہائی اقوال کو باطل قرار دیا ہے (كما سيأتي) امام صاحب کے ان تلامذہ پر مصنف انوار کا فتوی مذکورہ لاگو ہوتا ہے یا نہیں؟

ابن حجر مکی کی علمی بے مائیگی اور مفلسی:

یہ تفصیل گزر چکی ہے کہ دسویں صدی ہجری سے پہلے متعدد اہل علم اس بات کی صراحت کر چکے ہیں کہ باتفاق اہل النقل وباجماع اہل الحدیث امام صاحب نے صحابہ کرام کو دیکھا تک نہیں ہے ان سے سماع وروایت حدیث بہت ہی زیادہ دور کی بات ہے، مگر ابن حجر مکی اہل علم کی ان واضح تصریحات سے بالکل بے خبر ونا آشنا وناواقف ہونے کے باوجود مناقب ابی حنیفہ پر کتاب لکھنے بیٹھ گئے، موصوف ابن حجر مکی کو ان اہل علم کی تصریحات نظر نہیں آئیں انھیں صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ:

''مناقب ابی حنیفہ پر جامع کتاب لکھنے والے بعض متاخر محدثین یعنی دسویں صدی کے مصنف عقود الجمان نے کہا کہ ''ائمہ حدیث کے خلائق (بہت سارے لوگوں) کا قطعی فیصلہ ہے کہ امام صاحب کا کسی صحابی سے سماع نہیں، ان ائمہ حدیث نے اپنے اس قطعی فیصلہ پر چند باتوں سے استدلال کیا ہے کہ تلامذۂ امام صاحب میں سے کسی نے بھی اس طرح کی کوئی روایت نہیں نقل کی ہے کہ امام صاحب نے کسی صحابی سے سماع کیا، اگر امام صاحب کا کسی صحابی سے سماع ہوتا تو وہ اسے ضرور نقل کرتے کیونکہ یہ ایسی چیز ہے جس کے ذریعہ محدثین پر اپنی عظمت وفوقیت ظاہر کی جاسکتی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ کسی صحابی سے امام صاحب کا سماع نہیں ہے اور جس کسی روایت میں کسی صحابی سے امام صاحب کے سماع کا ذکر ہے اس کی سند میں کوئی نہ کوئی کذاب راوی ضرور ہے، اور کچھ دوسرے وجوہ بھی ان ائمہ حدیث نے کسی صحابی سے امام صاحب کے سماع نہ ہونے کے ثبوت میں بیان کئے ہیں لیکن امام صاحب کے لیے رؤیت حضرت انس اور ایک جماعت صحابہ کا ادراکِ زمانی بالکل صحیح ہے جس میں کوئی شک نہیں، اور عینی نے امام صاحب کے لیے جو سماعِ صحابہ ثابت کیا ہے اس کی تردید خود عینی کے شاگرد حافظ قاسم بن قطلوبغا حنفی نے کردی ہے، اور صحابہ سے امام صاحب کے عدم سماع کا ظاہر سبب یہ ہے کہ ابتدائی زندگی میں امام صاحب تجارتی کاروبار میں مصروف تھے کسی نے انھیں صحابہ سے سماع کی طرف رہبری نہیں کی، امام شعبی نے جب امام

[1] ملخص از مسند خوارزمي (١/ ٥٥، ٥٦)

صاحب میں ظاہری نجابت دیکھی تو انھیں امام شعبی نے علمی مشغلہ اختیار کرنے کی طرف توجہ دلائی، جسے علم حدیث سے معمولی لگاؤ بھی ہوگا وہ اس کے خلاف کوئی بات نہیں کرے گا۔''

مصنف عقود الجمان کا حاصلِ کلام یہی ہے مگر محدثین کا قاعدہ یہ ہے کہ کسی روایت کو مرسلاً روایت کرنے والے راوی پر اسی روایت کو متصلاً روایت کرنے والے راوی کی بابت مقدم قرار دیں کیونکہ متصلاً روایت کرنے والے کا علم زیادہ ہے، محدثین کا یہ قاعدہ عینی کے موقف کا مؤید ہے۔''[1]

ہم بتلا چکے ہیں کہ ولادت ابن حجر مکی سے پہلے متعدد اہل نقل صراحت کر چکے ہیں کہ اہل نقل متفق ہیں کہ امام صاحب نے صحابہ کو نہیں دیکھا چہ جائیکہ ان سے سماع وروایت کیا ہو، اس کے باوجود اہل نقل کی ان باتوں کی طرف اشارہ کیے بغیر اپنے بعض معاصرین کے حوالہ سے ابن حجر مکی کا یہ کہنا کہ ''امام صاحب کے لیے رؤیت حضرت انس ثابت ہے۔'' اس امر کی دلیل ہے کہ یا تو انھوں نے اپنی ولادت سے پہلے اہل نقل کی تصریحات سے عمداً تجاہل سے کام لیا یا ان سے موصوف نے واقفیت حاصل کیے بغیر بعض صوفیوں کی تعمیل فرمائش کے بہانے نیز اپنے ذکر کردہ بعض دوسرے محرکات کے تحت مناقب ابی حنیفہ پر کتاب لکھنی شروع کر دی، دونوں میں سے جو بات بھی ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علمی موضوع پر قلم اٹھانے والے پر عائد ہونے والی ذمہ داریوں کا ادراک واحساس رکھے بغیر ہی ابن حجر مکی نے اس علمی موضوع پر کتاب مذکور لکھ ڈالی ہے، ورنہ موصوف ایسی باتیں ہرگز نہ لکھتے جن کا حاصل یہ ہو کہ کذابین کی وضعی روایات ائمہ ثقات کی تصریحات پر مقدم ہیں۔ ابن حجر مکی نے کتاب مذکور کی تصنیف کا ایک سبب یہ ظاہر کیا ہے:

''بہت سے متقدمین نے مناقب امام صاحب پر کتابیں لکھیں، ان متقدمین کی فہرست میں شامل ہونے کے لیے میں نے یہ کتاب لکھی نیز امام سفیان بن عیینہ نے فرمایا کہ ذکرِ صالحین سے نزول رحمت ہوتا ہے لہٰذا حصول رحمت کے لیے میں نے کتاب مذکور لکھی۔''

معلوم ہوتا ہے کہ موصوف ابن حجر مکی کو یہ معلوم نہیں تھا کہ جمع اکاذیب کا نام مناقب نویسی نہیں ہے نہ تذکرۂ صالحین ہے۔

گزشتہ تفصیل میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ ابن حجر مکی کے علی الرغم حافظ خطیب نے مناقب امام صاحب کے بعد تجریحِ امام صاحب میں اہل علم کے اقوال یہ ظاہر کرنے کے لیے جمع کر دیے ہیں کہ ان کے نزدیک امام صاحب کا مجروح ہونا راجح ہے، اس کے برعکس ابن حجر مکی مدعی ہیں کہ تجریح امام صاحب میں واردشدہ اکثر روایات کی سندوں میں مجروح ومجہول رواۃ ہیں۔[2]

مگر ہم پوچھتے ہیں کہ اگر بالفرض ابن حجر مکی کی یہ بات صحیح ہو اور تجریح امام صاحب میں واردشدہ ایک ہزار روایات میں سے صرف سو روایات کی سندیں معتبر ہوں اور یہ سو معتبر روایات ایسے ائمہ جرح وتعدیل سے مروی ہوں جن کی بات کئی ہزار ثنا خوانِ ابی حنیفہ پر اصول وضوابط کے مطابق زیادہ وزن رکھتی ہو تو بھی تجریح پر تعدیل کو مقدم ماننا صحیح ہے جبکہ اہل علم کا راجح مسلک یہ ہے کہ تجریح تعدیل پر مقدم ہے؟ خصوصاً جبکہ مدح امام صاحب میں روایات واردہ بقول خطیب مجموعی اعتبار سے غیر محفوظ ہیں۔ ثانیاً: مدح امام صاحب میں واردشدہ روایات تجریح میں واردشدہ روایات کے معارض نہیں بلکہ دونوں میں تطبیق دی جا سکتی

---

[1] خيرات الحسان (ص: ٢٣)

[2] الخيرات الحسان (ص: ٦٩) وعقود الجمان (ص: ٤٠٤، ٤٠٥)

ہے؟ ثالثاً: تجریح امام صاحب میں وارد شدہ روایات دراصل مدح میں وارد شدہ روایات کے بالمقابل تعداد میں بھی زیادہ ہیں اور صحت کے اعتبار سے بھی زیادہ ہیں نیز ان کی ترجیح کے اسباب بھی زیادہ ہیں۔

علامہ ابن حجر مکی کے بیان کردہ بعض مناقبِ امام صاحب کا تذکرہ:

مثلاً مدح امام صاحب میں ابن حجر مکی اور دوسرے متعدد لوگوں نے نقل کر رکھا ہے کہ امام صاحب چالیس سال تک عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز پڑھتے رہے اور پوری رات صرف ایک رکعت پڑھنے میں جاگ کر گزار دیتے اور اس ایک رکعت میں روزانہ ایک مرتبہ قرآن مجید ختم کر ڈالتے تھے۔[1] مگر اس صدی میں اپنے کو امام صاحب کا بہت بڑا مقلد وعقیدت مند وحامی ظاہر کرنے والے استاذ کوثری نے کہا کہ اس روایت کی سند میں احمد بن حسین بلخی اور حماد بن قریش دو مجہول رواۃ ہیں، لہٰذا یہ ثابت نہیں بلکہ مکذوب ہے نیز یہ روایت اپنے مکذوب ہونے پر بذات خود دلیل ہے۔[2]

اوّلاً: یہ بہت افسوس ناک بات ہے کہ بقول کوثری جو روایت اپنے مکذوب ہونے پر بذات خود دال ہے اور جس کی سند میں دو مجہول رواۃ ہیں، اس مکذوبہ روایت کو ابن حجر اور ان کے ہم مزاج لوگ مثلاً مصنف انوار (مقدمہ انوار: ۱/ ۵۶ و ۱۱۸ وغیرہ) وحی الٰہی سمجھ کر بلا نقد نقل ہی کرنے پر اکتفا نہیں کئے ہیں بلکہ اسے دلیل بنائے ہوئے ہیں اور اسے امام صاحب کے مناقب میں سے سب سے زیادہ جاندار اور روشن چیز قرار دیے ہوئے ہیں، چنانچہ اس روایت کے بارے میں ابن حجر مکی نے کہا کہ "ومن غراها"[3] یعنی امام صاحب کے روشن ترین اور بہترین مناقب میں سے یہ چیز ہے، مکذوب بات کو روشن ترین اور بہترین وجاندار بات قرار دینے والے ابن حجر مکی کی علمی صلاحیت صرف ان کی اسی ایک کارستانی سے ظاہر ہو جاتی ہے۔

ثانیاً: مدح امام صاحب میں مروی شدہ یہ روایت اور اس کے ہم معنی دوسری متعدد روایات امام صاحب کے اس فرمان کے معارض ومخالف نہیں کہ میری بیان کردہ تمام علمی وفقہی باتیں مجموعۂ اغلاط واباطیل ہیں، کیونکہ عبادت گزاری دوسری چیز ہے اور علمی وفقہی باتوں کے بیان کرنے میں غلطیوں سے محفوظ رہنا دوسری چیز ہے، شب بیداری اس کے منافی نہیں کہ شب بیداری کرنے والا اسباب مختلفہ کے تحت علمی وفقہی باتیں بیان کرنے میں غلطیوں کا مرتکب ہو اور اسے اپنی ان غلطیوں کا احساس بھی ہو۔

روزانہ ایک وضو سے پینتالیس سال امام صاحب نے پانچوں نمازیں پڑھیں:

امام ابن المبارک کی طرف منسوب کیا گیا کہ پینتالیس سال تک امام صاحب صرف ایک وضو سے روزانہ پانچوں وقت کی نمازیں پڑھتے تھے اور پورا قرآن مجید ایک رکعت میں ختم کر ڈالتے تھے، اور ابو یوسف سے مروی ہے کہ بیس سال تک تو میں نے خود مشاہدہ کیا ہے کہ شام کے وضو سے امام صاحب فجر کی نماز پڑھتے تھے اور مجھ سے پہلے لوگوں کا بیان ہے کہ چالیس سال تک امام صاحب نے ایسا کیا یعنی ساٹھ سال تک امام صاحب کا یہی معمول تھا۔[4] امام صاحب کی کل زندگی ستر سال ہوئی ان

---

[1] خيرات الحسان (ص: ٣٣) وعام كتب مناقب أبي حنيفه.

[2] تعليق الكوثري على مناقب أبي حنيفه للذهبي (ص: ١٤)

[3] خيرات الحسان (ص: ٧)

[4] الخيرات الحسان (ص: ٣٣) وعام كتب مناقب.

روایات کا مطلب یہ ہوا کہ دس سال کی عمر سے لے کر اپنی وفات تک امام صاحب شام کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے رہے بلکہ بروایت ابن المبارک پینتالیس سال تک صرف ایک وضوسے پانچوں نمازیں پڑھتے رہے، اور ان اکاذیب کی تکذیب ان روایات مکذوبہ سے آتی ہے کہ ۱۱۳ھ میں پیدا ہونے والے ابو یوسف سے مروی ہے:

"میں امام صاحب کے ساتھ جا رہا تھا کہ ایک آدمی نے کہا کہ امام صاحب رات بھر سوتے نہیں ہیں، اس پر امام صاحب نے فرمایا کہ جو کام میں نہیں کرتا ہوں اسے لوگ حسن ظن کی بنا پر بیان کرتے ہیں آئندہ سے میں ان کے حسن ظن کے مطابق ہی عمل کروں گا، اس کے بعد سے امام صاحب رات بھر نماز ودعا اور تضرع میں گزارنے لگے۔"[1]

یہ معلوم ہے کہ ابو یوسف ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے اور بقول افغانی حنفی وسرخسی نو سال تک ابتداء میں ابن ابی لیلیٰ اور دوسرے محدثین سے پڑھ چکنے کے بعد امام صاحب کے پاس آنے جانے لگے، دریں صورت اگر فرض کیا جائے کہ ۱۱۳ھ میں پیدا ہونے والے اور ابتداء میں امام صاحب کے علاوہ دوسری جگہوں میں تعلیم حاصل کرنے والے ابو یوسف نے ۱۴۵ھ کے لگ بھگ امام صاحب کی زبان سے یہ بات سنی تو اس کا لازمی مطلب ہے کہ ۱۴۵ھ سے پہلے امام صاحب رات کو سویا بھی کرتے تھے اور اس کے بعد صرف پندرہ سال پوری رات جاگا کرتے تھے، یعنی روایت مذکورہ سے بہت ساری روایات کی تکذیب ہوتی ہے، اور سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ ان روایات کی تکذیب کرنے والی ابو یوسف سے مروی شدہ اس روایت مکذوبہ کو بھی ابن حجر مکی نے یہ کہہ کر نقل کیا ہے کہ واقعہ مذکورہ کے پیش آنے کے بعد امام صاحب پوری رات جاگنے لگے۔[2] اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابن حجر مکی نے اپنی تکذیب خود اپنی متعارض ومتناقض ومتضاد ومکذوبہ باتوں کے ذریعہ کر دی ہے اور مکذوبہ روایات کی تکذیب کی یہ صورت ظاہر ہے سب سے زیادہ موثر وعمدہ ہے کہ اسی طرح کی دوسری مکذوبہ روایات سے ان کی تکذیب ہو، اور عموماً یہ ہوتا ہے کہ دینی خدمت کے نام پر ترویج اکاذیب کا پیشہ اور شیوہ وشعار اختیار کرنے والوں کی تکذیب کا سامان انھیں کے بیانات سے اللہ تعالیٰ کر دیتا ہے۔

ابو یوسف سے مروی شدہ روایت مذکورہ کے بنیادی راوی خود ابو یوسف کو امام صاحب نے کذاب قرار دیا ہے (کما سیاتی) ان اکاذیب کو مدح امام صاحب کے دلائل معتبرہ قرار دے کر نقل کرنے والوں کی دیانتداری یقیناً قابل ملاحظہ ہے۔

ان روایات متعارضہ کی تکذیب یحییٰ بن فضیل سے مروی شدہ اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ میں ایک جماعت کے ساتھ تھا کہ ابوحنیفہ آئے کسی نے کہا کہ یہ رات بھر سوتے نہیں، امام صاحب نے فرمایا کہ یہ بات خلاف واقع کہی جا رہی ہے البتہ اس کے بعد امام صاحب رات بھر جاگنے لگے۔[3] یہ واقعہ آخر کس زمانہ کا ہوسکتا ہے جب کہ امام صاحب نے اپنی بابت مذکورہ بالا بات کہی تھی؟ ان ساری روایات کی تکذیب امام سفیان بن عیینہ سے مروی شدہ اس روایت سے ہوتی ہے کہ "كان أبو حنيفة له مروءة وصلوة في أول زمانه"[4] یعنی نماز کی پابندی اور مروّت امام صاحب کے ابتدائی زمانے کی بات ہے، اس کا مفہوم

---

[1] مناقب أبي حنيفه للذهبي (ص: ١٢) وخطيب (١٣/ ٣٥٥) وعام كتب مناقب أبي حنيفه.
[2] الخيرات الحسان (ص: ٣٣)
[3] خطيب (١٣/ ٣٥٥) وعام كتب مناقب.
[4] خطيب (١٣/ ٣٥٣) وعام كتب مناقب.

مخالف یہ ہے کہ بعد میں امام صاحب پابند نماز (مراد نوافل کے پابند) اور بامروّت نہیں رہ گئے تھے۔مصنف انوار کے ممدوح مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے فرمایا کہ کلام الناس میں مفہوم مخالف بالاتفاق حجت ہے۔❶

اس روایت سے ان تمام روایات کی تکذیب ہوتی ہے جن کے ذریعہ پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ امام صاحب ساٹھ، پچاس، پینتالیس، چالیس وتیس سال ایک ہی وضو سے پانچوں نمازیں یا شام کے وضو سے صبح کی نماز پڑھتے اور رات بھر تہجد پڑھتے رہتے اور یہ کہ پوری رات ایک ہی رکعت پڑھنے میں گزار دیتے تھے،معلوم نہیں امام صاحب کی یہ نماز کونسی نماز ہوا کرتی تھی جبکہ وہ ایک رکعت نماز کی مشروعیت کے سخت خلاف تھے۔امام سفیان بن عیینہ سے مروی شدہ روایت مذکورہ کا واضح طور پر یہ مفاد ہے کہ امام صاحب پابند نوافل وبامروّت صرف ابتدائی زندگی میں تھے، پھر مصنف انوار اسے حجت بنانے سے کیوں اعراض کیے ہوئے ہیں، کیا یہ روایت ان کی معتبر وصحیح قرار دے کر نقل کی ہوئی روایات سے باعتبار سند کمزور ہے؟

عبادتِ امام صاحب سے متعلق بعض روایات میں ذمہ داران دائرۃ المعارف کی تحریف:

ہم عرض کر چکے ہیں کہ اس دور کے کوثری اور اراکین تحریک کوثری مدح ابی حنیفہ کے سلسلے میں حسب منشا تحریف وتصحیف بھی کرلیا کرتے ہیں، چنانچہ عام کتابوں میں لکھا ہے کہ امام صاحب اتنی طویل مدت تک رات بھر صرف ایک رکعت نماز پڑھتے جس میں ختم قرآن کرتے۔❷ مگر رکعۃ کے لفظ کو بعض جگہ اراکین تحریک کوثری نے رکعتین کر دیا ہے۔❸ اس تحریف کا مقصد صاف ظاہر ہے کہ اس اعتراض سے بچا جا سکے کہ امام صاحب ایک رکعت نماز کی مشروعیت کے قائل نہیں تھے تو ایک رکعت تہجد کیسے پڑھتے تھے؟

فقہی اشتغال کے سبب امام صاحب کی عبادت وریاضت میں غیر معمولی کمی:

ذیل جواہر المضیہ میں ملا علی قاری ناقل ہیں:

وقد جاء في رواية انه لما اشتغل بوضع المسائل واستخراجها قلت عبادته..الخ.❹

”یعنی جب امام صاحب استخراج وتدوین مسائل میں مشغول ہو گئے تو ان کی عبادت گزاری میں کمی آ گئی۔“❺ حتی کہ روزانہ ختم قرآن کے بجائے تین دن میں ختم قرآن کرنے لگے۔“❻

یہ بات گزر چکی ہے کہ قبر نبوی کھودنے سے متعلق امام صاحب کے خواب دیکھنے کے سلسلے میں مروی شدہ روایات کا حاصل یہ ہے کہ جس فقہی مذہب کے لیے استخراج واستنباط مسائل میں امام صاحب مصروف ہوئے تھے اس کو خواب کے ذریعہ باعتبار

❶ تذكرة الراشد (ص: ٢٧١ تا ٢٧٢)

❷ الخيرات الحسان (ص: ٣٣) و مناقب أبي حنيفه للذهبي (ص: ١٢،١٣) وخطيب (١٣/ ٣٥٤، ٣٥٦) وعقود الجمان (ص: ٢١١، ٢١٢) وغيره.

❸ عقود الجمان حيدرآباد (ص: ١٨٩) وأخبار أبي حنيفه للصيمري (ص: ٧٧) وعقود الجمان (ص: ٢١٢) وغيره.

❹ ذيل جواهر المضيه (٢/ ٤٩٤، ٤٩٥)

❺ نیز ملاحظہ ہو: موفق (٢/ ٢٤٤ باب ١٣)

❻ موفق (١/ ٢٤٤)

انجام نہایت بھیانک اور ہولناک بتلایا گیا تھا جس سے خوفزدہ ہوکر امام صاحب نے یہ مشغلہ ترک کر کے خانہ نشینی اختیار کر لی تھی، پھر تعبیر ابن سیرین کے بعد اگرچہ امام صاحب اس کام میں دوبارہ مصروف ہو گئے تھے مگر اس کے بعد موصوف نے صراحت کے ساتھ اعلان کر دیا کہ میری بیان کردہ عام فقہی و علمی باتیں مجموعۂ اغلاط ہیں ان کی تحدیث وروایت اور ترویج واشاعت نہ کی جائے۔

امام صاحب کے اختیار کردہ جس مشغلۂ استخراج مسائل کو امام صاحب کی اپنی سمجھ کے مطابق بذریعہ خواب من جانب اللہ نہایت ہلاک خیز وہولناک بتلایا گیا تھا، اس مشغلۂ استخراجِ مسائل بلکہ اس طرح کے متخرج کردہ مسائل کے مطالعہ ومزاولہ سے اشتغال کو کتب فقہ حنفی میں تمام عبادتوں سے افضل وبہتر بتلایا گیا ہے جیسا کہ پہلے ہم بیان کر چکے ہیں۔ [1] ظاہر ہے کہ تمام عبادتوں سے افضل وبہتر مشغلۂ استخراجِ مسائل کو چھوڑ کر رات بھر تہجد گزاری اور دن بھر روزوں کی پابندی کرنے کے بجائے امام صاحب کا دن رات استخراج مسائل ہی میں محو ومصروف رہنا قرین قیاس ہے، کیونکہ متعدد روایات کے مطابق خواب مذکور کی بتلائی ہوئی تعبیر ابن سیرین کا مطلب امام صاحب کی سمجھ میں یہی آیا تھا کہ استخراج مسائل کا یہ مشغلہ سب سے زیادہ مفید ونفع بخش کام ہے، دریں صورت یہ کیسے ممکن تھا کہ سمجھ بوجھ اور تفقہ میں اتنی شہرت رکھنے والے امام صاحب استخراجِ مسائل کے افضل ترین کام کو ترک کر کے اپنی راتیں صرف ایک رکعت نفلی نماز پڑھنے میں گزارتے جس کو وہ ممنوع بھی قرار دیتے تھے یعنی فرماتے تھے کہ کوئی نفلی یا غیر نفلی نماز ایک رکعت مشروع نہیں ہے؟

شدتِ تقویٰ کی وجہ سے امام صاحب نے چار ماہ تک غسل نہیں کیا:

بدعویٔ مصنف انوار امام صاحب شدتِ احتیاط وتورع اور مشغلۂ استخراج مسائل کی وجہ سے روایتِ حدیث اگرچہ نہیں کرتے تھے مگر غیر وقوع پذیر فرضی مسائل کے استخراج میں بہت سرگرم رہا کرتے تھے۔ [2] حالانکہ اس طرح کے مشغلۂ استخراجِ مسائل کو صحابہ کرام نے بالاجماع فعل ملعون وممنوع قرار دیا تھا اور من جانب اللہ خواب میں امام صاحب کو اسے ہلاکت خیز بتلایا گیا تھا مگر امام صاحب کی یہ تقویٰ شعاری صرف روایت حدیث کے معاملہ تک محدود نہیں تھی بلکہ جمع اکاذیب کے ذریعہ تحریک مدح امام صاحب کے اراکین کی فہرست میں شامل ہونے کا جذبہ وذوق رکھنے والے ابن حجر مکی نے کہا:

''سفر حج پر جانے والے امام صاحب کے بعض اصحاب نے امام صاحب کے پاس اپنی ایک لونڈی بطور امانت رکھ دی، چار ماہ کے بعد سفر حج سے واپسی پر موصوف حاجی صاحب نے امام صاحب سے پوچھا کہ یہ لونڈی آپ کو کیسی لگی اچھی یا بری؟ امام صاحب نے فرمایا جو آدمی حفظ قرآن اور لوگوں کے لیے حفظ دین (یعنی استخراج مسائل جن کا تعلق غیر وقوع پذیر فرضی امور سے ہو) میں مصروف ہو اسے ضرورت ہے کہ کسی قسم کے فتنہ میں اپنے کو پھنسنے سے بچانے کی کوشش کرے، بنا بریں میں نے آپ کی لونڈی کو چار ماہ کی اس مدت میں دیکھا تک نہیں، حاجی موصوف نے لونڈی سے امام صاحب کا حال پوچھا تو اس نے کہا کہ اس پوری مدت میں امام صاحب نے کبھی غسلِ جنابت نہیں کیا نہ کسی دن بے روزہ رہے، آخری رات میں کھاتے اور تھوڑا سا سوتے تھے پھر نماز فجر کے لیے نکلتے

[1] اللمحات نیز مقدمہ رد المحتار وغیرہ۔
[2] مقدمہ انوار (۱/ ۵۹)

تھے۔[1] ایک روایت میں ہے کہ اس پوری مدت میں غسل ترک کیے رہنے کا سبب امام صاحب نے یہ بتلایا کہ مجھے یہ خطرہ تھا کہ نہاتے وقت پانی گرنے کی آواز سن کر اس لونڈی کو مرد کی طرف میلان نہ پیدا ہو جائے جس سے میں کسی فتنہ میں مبتلا ہو جاؤں۔"[2]

اس سے معلوم ہوا کہ چار ماہ کی اس مدت میں امام صاحب نے غسل نہیں کیا، اور جب ترکِ غسل کا سبب یہ تھا کہ پانی گرنے کی آواز سے لونڈی کو مرد کا اشتیاق نہ پیدا ہو جائے تو ظاہر ہے کہ موصوف امام صاحب کبھی جمعہ کے دن بھی غسل نہ کرتے ہوں گے، اور یہ بالکل واضح بات ہے کہ چار ماہ کی اس مدت میں عید الاضحیٰ کا دن بھی آیا مگر امام صاحب نے اس دن بھی شدت تقویٰ شعاری کی وجہ سے غسل نہیں کیا اور اسی مدت میں بقر عید اور ایام تشریق بھی آئے جن میں روزہ رکھنے کی ممانعت ہے مگر روایت مذکورہ میں کہا گیا کہ امام صاحب نے کسی دن بھی روزہ ترک نہیں کیا، جب امام صاحب کی تقویٰ شعاری کا حال یہ تھا کہ بوقت غسل پانی گرنے کی آواز سے لونڈی کو اشتیاقِ مرد سے محفوظ رکھنے کے لیے غسل نہیں فرماتے تھے تو امام صاحب روزانہ اپنے گھر سے چل کر بازار میں اپنی دوکان پر جا کر عورتوں سے خرید وفروخت کا کام کیوں کرتے تھے، اور کیا روزانہ گھر سے اپنی دوکان تک جاتے وقت راستہ میں آنے جانے والی عورتوں کے بارے میں امام صاحب کو یہ خطرہ نہیں محسوس ہوا کہ انھیں چلتا ہوا دیکھ کر ان کی پرکشش شکل وصورت کی وجہ سے عورتوں میں اس طرح کا اشتیاق نہ پیدا ہو جائے کہ وہ سب کی سب امام صاحب پر عاشق ہو جائیں پھر وہ مصیبت آئے جو حضرت یوسف علیہ السلام پر بھی نہیں آئی تھی، آخر اس فتنے سے اپنے کو محفوظ رکھنے کے لیے نیز زیادہ سے زیادہ استخراجِ مسائل کا کام کرنے کے لیے امام صاحب نے دوکانداری اور مریضوں کی عیادت کے لیے آنے جانے کا کام کیوں نہیں بند کیا، بعض روایات میں ہے کہ شدتِ احتیاط کے سبب اپنے شاگرد محمد بن حسن کو امام صاحب اپنے سامنے بیٹھنے نہیں دیتے تھے کیونکہ وہ خوبصورت امرد تھے۔ خیرات الحسان (ص: ۴۰) میں مذکور ہے کہ امام صاحب کی دوکان پر امام صاحب سے ریشمی کپڑا خریدنے کے لیے عورتیں آیا کرتی تھیں اور ان سے امام صاحب اس انداز میں بات کرتے کہ وہ سمجھتیں کہ امام صاحب مذاق کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا روایت کے مضمون کے بیہودہ مضمرات کا احساس بعض کذابین کو ہوا تو انھوں نے اس روایت میں اتنا اضافہ کر دیا کہ جمعہ کے روز امام صاحب جا کر جامع مسجد میں غسل کر لیا کرتے تھے۔[3] مگر سوال یہ ہے کہ کیا جامع مسجد میں اس طرح کے خطرات نہیں تھے کیونکہ شدت احتیاط وتقویٰ کی وجہ سے امام صاحب نے اگرچہ عورتوں کا مسجدوں میں آنا ممنوع قرار دے دیا تھا حالانکہ احادیث نبویہ میں اس کی اجازت ہے مگر زنانِ کوفہ امام صاحب کے اس فتوی کی پابند کہاں تھیں؟ (كما سيأتي) حتی کہ خود امام صاحب کی والدہ محترمہ نماز تراویح پڑھنے کے لیے اپنے گھر سے کئی میل چل کر عمر بن ذر کی مسجد میں پابندی کے ساتھ امام صاحب کے ہمراہ جایا کرتی تھیں (کمامر) جب امام صاحب تراویح کی نماز پڑھانے کے لیے خود اپنی والدہ کو کئی میل چل کر مسجد لے جایا کرتے تھے تو فرض نمازوں کو مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھنے سے عورتوں کو بھلا موصوف کیوں روکتے تھے؟ کیا

---

[1] الخيرات الحسان (ص: ٤٠) وعام كتب مناقب.

[2] ذيل جواهر المضيه (٢/ ٤٩٤) وموفق (١/ ٢٢٠)

[3] موفق (١/ ٢٢١، ٢٢٢)

موصوف کی والدہ عورت نہیں تھیں؟ یا کہ تراویح کی نماز عیدین، جمعہ اور پنجگانہ نمازوں سے مختلف حکم رکھتی ہے، پھر گھر سے مسجد تک جانے میں کیا اس طرح کے خطرات پیش آنے کا خدشہ نہیں تھا، اور یہ عرض کیا گیا کہ امام صاحب عورتوں سے خرید وفروخت کا کام کرتے اور انھیں فتوی بھی دیتے حتی کہ زوجۂ جہم کے اونٹ کی نکیل بھی تھام کر چلا کرتے اور اس سے بات چیت اور بحث ونظر بھی کرتے تھے۔

ابن حجر مکی کی اس مستدل روایت میں ہے کہ امام صاحب آخری شب میں سویا کرتے تھے، اس سے موصوف کے اس پروپیگنڈہ کی بھرپور تکذیب ہوتی ہے کہ امام صاحب ساٹھ یا پینتالیس یا چالیس سال کی مدت میں رات میں کبھی سوئے نہیں، اگر سوتے تو ایک ہی وضو سے پانچوں وقت کی نمازیں پینتالیس سال کس طرح پڑھتے یا شام کے وضو سے فجر کی نماز اتنی مدت تک کیسے پڑھتے۔

مقروض کی دیوار کے سایہ میں امام صاحب کبھی نہیں بیٹھے:

ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب امام صاحب کی شدتِ تقویٰ وتورع کا یہ حال تھا کہ وہ امانت رکھی ہوئی عورت کو مرد کی طرف اشتیاق میں مبتلا ہونے سے بچانے کے لیے غسل تک نہیں کرتے تھے تو وہ اپنے مقروض لوگوں کے گھر سے کسی قسم کا انتفاع کیوں کرتے ہوں گے، چنانچہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں:

''کسی مقروض کی دیوار کے سایہ میں امام صاحب کبھی نہیں بیٹھے۔[1] اور اس کا سبب یہ تھا کہ یہ بھی سودخوری کے مترادف ہے۔''[2]

ابن حجر مکی کے اس زعم فاسد کی تکذیب کرتے ہوئے شمس الائمہ نے کہا:

''إنه من التكلف ليس من الزهد.''[3]

''یعنی اس طرح کا کام تقویٰ وزہد نہیں بلکہ تکلف ہے۔''

یہ معلوم ہے کہ قرآن وحدیث میں تکلف کو ممنوع کہا گیا ہے، ﴿وَمَآ أَنَا۠ مِنَ ٱلْمُتَكَلِّفِينَ﴾ ارشاد قرآنی ہے۔ فتح القدیر لابن الہمام میں اس کہانی کو بے اصل کہا گیا ہے۔[4] علمائے احناف کے مردود قرار دیے ہوئے اس افسانوی قصہ کو بھی دلیل بنانے سے ابن حجر مکی نے پرہیز نہیں کیا معلوم نہیں موصوف کس معنی میں محدث تھے اور امام صاحب کے مقلد بھی نہیں انھیں دعوی تھا کہ میں امام شافعی کا مقلد ہوں۔

صرف پندرہ دن میں امام صاحب نے سات ہزار مرتبہ ختمِ قرآن کیے:

مدح امام صاحب میں یہ بھی منقول ہے کہ جس قید خانۂ بغداد میں امام صاحب صرف پندرہ دن رہ کر فوت ہوئے اس میں انھوں نے سات ہزار مرتبہ ختم قرآن کیے۔[5] تحریک کوثری کے عظیم رکن مولانا ابوالوفاء افغانی نے کہا کہ یہ روایت صحیح نہیں

---

[1] الخيرات الحسان (ص: ٧)
[2] الخيرات الحسان (ص: ٤٠)
[3] ذيل جواهر المضيه (٢/ ٤٨٨)
[4] فتح القدير كتاب الحواله (٣/ ٣٥٦)
[5] عام كتب مناقب والخيرات الحسان.

ہے۔[1] مصنف انوار نے اسے صحیح ومعتبر قرار دے کر نقل کیا ہے۔[2] روایت مذکورہ کے صحیح وغیر صحیح ہونے سے قطع نظر اس میں مذکور شدہ فضیلتِ امام صاحب حدیث میں امام صاحب کے مجروح ہونے کے منافی نہیں نہ ان اقوال جرح ونقد کے منافی ہے جو خود امام صاحب نے اپنی بابت فرمائے ہیں اور دوسرے اہل علم نے ان کی موافقت کی ہے۔

ایک لونڈی خریدنے کے لیے بیس سال تک امام صاحب کا استخارہ ومشورہ اور اس کے باوجود تردد واضطراب

عام اہل مناقب کی طرح ابن حجر مکی ناقل ہیں کہ ابن المبارک نے کہا کہ امام صاحب کو ایک لونڈی خریدنے کا ارادہ ہوا تو وہ بیس سال تک استخارہ اور لوگوں سے مشورہ کرتے رہے کہ کون سی لونڈی خریدیں۔[3] اس سے قطع نظر کہ فہم وفراست اور مستجاب الدعوات ہونے میں غیر معمولی شہرت رکھنے کے باوجود لونڈی کے خریدنے کے سلسلے میں امام صاحب کا استخارہ بیس سال میں بھی پورا نہیں ہو سکا اور وہ کسی فیصلہ پر پہنچنے میں بیس سال تک تردد واضطراب کے شکار رہے اور اپنے جلیل القدر مخلص معاصرین سے بیس سال تک مشورہ کرتے رہنے کے باوجود کوئی نتیجہ خیز رائے نہیں قائم کر پائے، اگر فرض کر لیا جائے کہ یہ افسانوی کہانی صحیح ہے تو امام صاحب کی مدح وفضیلت میں مروی شدہ یہ کہانی ان اقوال کے معارض ومنافی نہیں جو اپنی تجریح کے سلسلے میں خود امام صاحب نے فرما رکھے ہیں اور اہل علم نے ان کی موافقت کر رکھی ہے۔

بڑے تعجب کی بات یہ ہے کہ بیس سال استخارہ واستشارہ کرتے رہنے کے باوجود خالص دنیاوی معاملہ سے تعلق رکھنے والی ایک بات میں امام صاحب کوئی فیصلہ نہیں کر سکے اور مبتلائے اضطراب وتردد رہے، مگر بدعوئ مصنف انوار امام صاحب روزانہ سینکڑوں ایسے مسائل کا استخراج کر کے مدون کر ڈالتے جن کا تعلق وقوع پذیر امور سے نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ فرضی مسائل ہوتے تھے جن کو صحابہ نے ملعون وممنوع کہا ہے۔

ایک حیرت انگیز وجہ کی بناء پر سات سال تک بکری کے گوشت سے امام صاحب کا پرہیز:

مدح امام صاحب میں مروی ہے کہ ایک مرتبہ مغصوبہ ناجائز طور پر جبراً حاصل کردہ بھیڑ بکریوں میں کوفہ کی کچھ غیر مغصوبہ بھیڑ بکریاں مل گئیں تو امام صاحب نے لوگوں سے پوچھا کہ بھیڑوں اور بکریوں کی زندگی کتنی ہوا کرتی ہے لوگوں نے بتلایا کہ سات سال تو سال سال تک امام صاحب نے بھیڑ وبکری کا گوشت شدت تقوی کی بنا پر کھایا ہی نہیں۔[4] صرف یہی نہیں بلکہ ایک بار کوفہ میں ایک بکری گم ہوگئی امام صاحب نے لوگوں سے دریافت کیا کہ بکری کتنے دنوں تک جیا کرتی ہے لوگوں نے کہا سات سال تو امام صاحب نے سات سال تک بکری کا گوشت چکھا بھی نہیں۔[5] اس سے قطع نظر کہ مصنف انوار اور اراکین تحریک کوثری کا پروپیگنڈہ ہے کہ ہر معاملہ میں امام صاحب سب سے زیادہ حتی کہ علقمہ وابراہیم وحماد وابن سیرین اور حسن بصری بلکہ ہر فرد بشر سے کہیں زیادہ علم اور واقفیت اور معلومات رکھتے تھے۔ اس کے باوجود امام صاحب کو دوسرے سے پوچھنے پر معلوم

---

[1] تعليق الأفغاني على مناقب أبي حنيفه للذهبي (ص: ١٤)

[2] مقدمه انوار (١/ ٥٦ و ١١٨)

[3] الخيرات الحسان (ص: ٥ و ٧) وعام كتب مناقب.

[4] الخيرات الحسان (ص: ٤٠)

[5] الخيرات الحسان (ص: ٧) وعام كتب مناقب.

ہو سکا کہ بھیڑ بکری کی عمر سات سال ہوا کرتی ہے جبکہ دیکھا جاتا کہ بہت ساری بکریاں چودہ پندرہ سال سے بھی زیادہ جیتی رہتی ہیں۔ روایات مذکورہ بہرحال امام صاحب کی غیر معمولی فضیلت پر دال ہونے کے باوصف اپنی تجریح میں امام صاحب سے مروی شدہ روایات صحیحہ کے معارض ومخالف نہیں ہیں۔

دونوں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار بکری کے گم ہونے پر شدت تقوی کے سبب امام صاحب نے سات سال بکری کا گوشت نہیں چکھا اور دوسری بار مغصوبہ بھیڑ بکریوں میں غیر مغصوبہ بھیڑ بکریوں کے خلط ملط ہو جانے کے سبب امام صاحب نے شدت تقوٰی کے سبب بھیڑ بکری کا گوشت سات سال تک نہیں چکھا، یہ چودہ سال امام صاحب بھیڑ بکری کا گوشت چکھے بغیر زندگی گزاتے رہے مگر کیا امام صاحب کو اس کی خبر نہیں تھی کہ کوفہ جیسے بھاری آبادی والے شہر میں روزانہ بکریوں بھیڑوں اور دوسرے جانوروں کی چوریاں ہوتی رہتی تھیں اور ہمیشہ بھیڑ بکریاں گم بھی ہوتی رہتی تھیں اور غصب کے واقعات بھی سال میں کم از کم دو تین بار ہوجاتے ہوں گے تو امام صاحب نے آخر صرف چودہ ہی سال ان کے گوشت کھانے سے کیوں پرہیز کیا۔ کیا امام صاحب کو یہ نہیں معلوم تھا کہ بھیڑ بکریاں سات سال سے بھی کہیں زیادہ دنوں تک جیتی رہتی ہیں اور یہ کہ سات سال کے اندر انھیں بچے بھی ہوا کرتے ہیں خواہ نر ہوں یا مادہ یعنی نر کے ذریعہ بھی بچے ہوا کرتے ہیں تو امام صاحب کو یہ خیال کیوں نہیں آیا کہ سات سال یا چودہ سال والی بکریاں یا بھیڑیں کہیں انھیں مغصوبہ ومفقودہ بکریوں سے نہ پیدا ہوئی ہوں جن کا کھانا شدت تقوی کے خلاف ہے؟ پھر ابن حجر مکی اوران جیسے لوگوں کی نقل کردہ ایک روایت میں ہے کہ امام صاحب اپنے کھانے پر ماہوار صرف دو درہم خرچ کرتے تھے، کسی دن صرف ستو کھا کر گزار دیتے تھے کسی دن صرف روکھی روٹی۔[1] جب امام صاحب صرف دو درہم ماہوار اپنے کھانے پر اس طرح خرچ کرتے تھے کہ کسی دن ستو پر اکتفا کرتے کسی دن روٹی پر تو انھیں گوشت کھانے سے پرہیز کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی کہ بکریوں کی عمر لوگوں سے دریافت کریں، تعجب یہ ہے کہ جو امام صاحب بیس سال تک استخارہ اور مشورہ کرتے رہنے کے باوجود اضطراب وتردد کے شکار رہے اور فیصلہ نہیں کر سکے کہ کونسی لونڈی خریدیں وہ صرف ایک دن میں لوگوں سے بکری کی عمر معلوم کر کے اس فیصلہ کن نتیجہ پر پہنچ گئے کہ بکری سات سال تک جیتی ہے جبکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے، اس کے باوجود بہرحال یہ روایات اپنی بابت امام صاحب کے اقوال جرح کے منافی ومعارض نہیں ہیں۔ سببِ مذکور کی بنا پر چودہ سال بکری کا گوشت نہ کھانا مگر ایک دن میں متعدد فرضی مسائل حل کر ڈالنا جن کو صحابہ نے ملعون وممنوع کہا ہے کس طرح کا تقوی ہے؟

ایک حیرت انگیز وجہ کی بناء پر مدت تک مچھلی کھانے سے امام صاحب کا پرہیز:

امام صاحب کی تقوی شعاری کی انتہا یہ تھی کہ ابن حجر مکی اوران جیسے لوگوں کی نقل کے مطابق ایک فوجی نے گوشت کھا کر اس کا فضلہ دریائے کوفہ میں پھینک دیا تو امام صاحب نے مدت تک مچھلی ہی نہیں چکھی کہ مچھلیوں نے اس فوجی کے فضلۂ گوشت کو کھالیا ہوگا۔[2] جب فوجی کے فضلۂ گوشت کے دریا میں پڑ جانے سے مچھلی کھانی امام صاحب نے ترک کر دی تو کیا امام صاحب کو معلوم نہیں تھا کہ بہت ساری حرام وناجائز چیزیں دریائے کوفہ میں ہمیشہ پڑا کرتی تھیں اور اس طرح کی بہت ساری چیزیں عام

[1] خیرات الحسان (ص: ٤٠) وعام کتب مناقب.
[2] خیرات الحسان (ص: ٤٠) وعام کتب مناقب.

طور سے بکریاں، مرغیاں وغیرہ کھا لیا کرتی ہیں، پھر کیا اسی وجہ سے امام صاحب ہندوستان کے سادھوؤں اور تارک الدنیا راہبوں کی طرح روزانہ صرف ستو یا روٹی کھانے پر اکتفا کرتے تھے اور گوشت ومچھلی سے پرہیز کرتے تھے تو وہ زندگی بھر اپنے مہمانوں کی جہت بڑی تعداد میں کیوں گوشت اور اس طرح کی دوسری چیزیں کھلایا کرتے تھے، کیا یہ مناسب تھا کہ اپنے لیے جو چیز امام صاحب منافی تقوی سمجھیں وہ دوسروں کے لیے مناسبِ تقوی ہو۔

لوگ سمجھتے ہوں گے کہ شدت تقویٰ کے سبب امام صاحب صرف روایت حدیث سے پرہیز کرتے اور غیر وقوع پذیر امور سے متعلق غیر مسئولہ مسائل کے حل کرنے میں دن ورات ایک کیے رہتے تھے باوجودیکہ حدیث نبوی میں اس سے منع کیا گیا ہے اور صحابہ کا اس پر اجماع بھی ہے، مگر ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ امام صاحب کی تقوی شعاری کھانے پینے کے معاملہ میں کس طرح کی تھی۔

تقلید ابی حنیفہ کی طرف ابن حجر مکی کی دعوت:

یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ امام صاحب نے تقلید پرستی سے منع کیا ہے خصوصًا اپنی تقلید سے روکا ہے اور فرمایا ہے کہ میرا ظاہر کردہ علم مجموعۂ اغلاط ہے اس کی روایت واشاعت نہ کی جائے مگر تقلید امام شافعی کے دعویدار ابن حجر مکی نے کہا:

"قال مسعر بن كدام من جعل أبا حنيفة بينه وبين الله رجوت أن لا يخاف ولايكون فرط في الاحتياط لنفسه۔ وقيل له لما تركت رأي أصحابك وأخذت برأيه قال لصحته فاتوا بأصح منه لا رغب عنه إليه۔ وقال ابن المبارك رأت مسعرا في حلقة أبي حنيفة يسأله ويستفيد منه وقال ما رأيت أفقه منه ..الخ.[1]

"یعنی مسعر بن کدام نے کہا کہ جو شخص اپنے اور اللہ کے درمیان ابوحنیفہ کو وسیلہ اور واسطہ بنائے گا، مراد ان کو اپنا امام بنا کر ان کی تقلید کرے گا تو مجھے امید ہے کہ اسے کسی قسم کا خوف وخطر نہیں لاحق ہوگا اور احتیاط کرنے میں اس سے کسی قسم کی کوتاہی بھی سرزد نہیں ہوگی۔ مسعر سے کہا گیا کہ آپ نے اپنے اصحاب کی رائے چھوڑ کر امام صاحب کی رائے کو معمول بہ کیوں بنایا تو مسعر نے کہا کہ امام صاحب کی "رائے" کے میرے رائے کے بالمقابل صحیح ہونے کے سبب، تم لوگوں کو اگر میرے اس طریق عمل پر اعتراض ہے تو امام صاحب کی رائے سے زیادہ صحیح "رائے" پیش کرو تا کہ میں رائے ابی حنیفہ چھوڑ کر تمھاری پیش کردہ رائے کو قبول کروں۔ ابن المبارک نے کہا کہ میں نے درسگاہِ ابی حنیفہ میں مسعر کو سوال اور استفادہ کرتے دیکھا اور کہا کہ میں نے ان سے زیادہ افقہ کسی کو نہیں دیکھا۔"

ابن حجر مکی کے مذکورہ بالا بیان میں امام صاحب کے مذہب رائے وقیاس کی تقلید کی طرف ترغیب ودعوت دینے والی باتیں نقل کی گئی ہیں اور بتلایا گیا ہے کہ مسعر بن کدام نے بھی امام صاحب کی تقلید کو اپنا فریضۂ زندگی بنا لیا تھا اور تقلید ابی حنیفہ کو اس قدر مفید ونفع بخش سمجھتے تھے کہ مقلد ابی حنیفہ کو کسی قسم کا خوف وخطر نہیں لاحق ہوسکتا اور مقلد ابی حنیفہ ہوجانے کے بعد مزید کسی احتیاط کی ضرورت آدمی کو نہیں رہتی، اسی وجہ سے مسعر نے اپنے لوگوں کا مذہب ومسلک چھوڑ کر امام صاحب کا مذہبِ رائے

[1] الخيرات الحسان (ص: ٣١)

اختیار کر لیا تھا اور درسگاہ ابی حنیفہ میں حاضر ہو کر استفادہ کو انھوں نے اپنا فریضہ بنا لیا تھا کیونکہ ان کے خیال میں امام صاحب سے افقہ کوئی نہیں تھا۔ اور جب یہ معاملہ ہے تو ابن حجر مکی صاحب بذات خود معلوم نہیں کیوں امام شافعی کی تقلید پر قائم رہے، انھوں نے مسعر کی طرح اپنا مذہب ترک کر کے تقلید ابی حنیفہ کو اپنا دین کیوں نہیں بنایا تا کہ انھیں دنیا وآخرت میں کسی قسم کے خوف وخطر کا ڈر نہ رہتا۔

مسعر کی طرف ابن حجر کی منسوب کردہ ساری مکذوبہ باتوں کو عام تقلید پرست احناف نے قبول کر رکھا ہے اور تقلید ابی حنیفہ کو اپنا دین ومذہب قرار دینے میں ان باتوں کو دلیل وحجت بھی ان لوگوں نے بنا رکھا ہے، اس دیانتداری کی بھی حد ہوگئی کہ ان سارے اکاذیب کے اکاذیب ہونے کی طرف کسی قسم کا اشارہ کیے بغیر تقلید پرستی کی حمایت خصوصاً تقلید ابی حنیفہ کی طرف ترغیب دلانے کے لیے نقل کر دیا گیا ہے۔ امام مسعر نے امام صاحب پر سخت تنقیدیں کی ہیں۔ (كما سيأتي)

لطف کی بات یہ ہے کہ مسعر کو امام صاحب کا حاسد بھی کہا گیا ہے۔[1] ابن حجر مکی کی تحریر کردہ لمبی عبارت میں سے جملہ نمبر ۱ ایک طویل روایت کا ٹکڑا ہے، اس طویل روایت کا واضع احمد بن محمد بن مغلس کذاب ہے۔[2] اور اس کذاب نے روایت مذکورہ ابوغسان مالک بن اسماعیل بن درہم متوفی ۲۱۸ھ کے حوالہ سے نقل کی ہے جن کی وفات کے عرصہ بعد اس کی ولادت ہوئی ہے، یہی حال دوسری روایات کا بھی ہے البتہ مسعر امام صاحب کے استاذ اور مرجی المذہب تھے۔

امام ابونعیم فضل بن دکین نے کہا:

”سمعت الثوري يقول الإيمان يزيد وينقص ثم قال أقول بقول سفيان ولقد مات مسعر وكان من خيارهم فما شهد سفيان جنازته يعني من أجل الإجاء.“[3]

”یعنی سفیان ثوری ایمان میں کمی بیشی کا عقیدہ رکھتے تھے اور میرا بھی یہی عقیدہ ہے، مسعر مرجیہ میں سے اچھے آدمی تھے مگر جب وہ مر گئے تو امام سفیان ثوری ان کے مرجی ہونے کے سبب ان کی نماز جنازہ میں شریک نہیں ہوئے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ مسعر بھی مرجی تھے اور امام صاحب کی طرح ایمان میں کمی بیشی کا عقیدہ نہیں رکھتے تھے، جبکہ یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایمان میں کمی بیشی ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے اور مصنف انوار مدعی ہیں کہ امام صاحب کے علمی مورث اعلیٰ ابن مسعود ہی تھے۔ معلوم نہیں یہ کیا معاملہ ہے کہ علم کے بنیادی امور میں ابن مسعود کی مخالفت کے باوجود امام صاحب کو مذہب ابن مسعود کا پیرو کہا جاتا ہے۔

حاصل یہ کہ امام صاحب خود مسعر وحماد جیسے اپنے اساتذہ کی تعلیم وتربیت حاصل کر کے ان کے مذہب ارجاء کے پیرو تھے، پھر یہ کہنا کیا معنی رکھتا ہے کہ مسعر اپنے اصحاب کا مذہبِ رائے چھوڑ کر امام صاحب کے مذہبِ رائے کے پیرو ہو گئے تھے، البتہ اگر یہ کہا جائے کہ امام صاحب کے استاذ خاص حماد اپنے اصحاب کے مذہب ومسلک کو چھوڑ کر مذہب امام صاحب کے پیرو ہو گئے تھے تو درست ہو سکتا ہے۔

---

[1] خطيب (١٣/ ٣٣٨) وموفق (٢/ ٣٦) وعام كتب مناقب.

[2] أخبار أبي حنيفه للصيمري (ص: ٩) وموفق (١/ ١٠٧، ١٠٨) وخطيب (١٣/ ٣٣٩)

[3] تهذيب التهذيب (١٠/ ١١٥)

علامہ ابن حجر مکی کی صرف اتنی باتوں کے ذکر پر فی الوقت ہم اکتفا کرتے ہیں جس سے موصوف کی حقیقت بیانی کا اندازہ ناظرین کرام کو ہو چکا ہوگا۔اب ہم آگے بڑھتے ہیں۔

امام صاحب کی تجریح وتنقید میں واردشدہ روایات:

گزشتہ مباحث میں امام صاحب کے بارے میں واردشدہ فضائل ومناقب کی حقیقت ناظرین کرام کے سامنے واضح ہو چکی ہے نیز ان مباحث میں ضمناً امام صاحب کی تجریح وتنقید سے متعلق بھی بہت ساری روایات کا تذکرہ آچکا ہے جس سے حقیقتِ حال ناظرین سمجھ گئے ہوں گے، مگر اس جگہ اختصار کے ساتھ ہم اس سلسلے میں اقوالِ سلف جمع کر دینا مناسب سمجھتے ہیں تاکہ معاملہ فہمی میں سہولت ہو۔

ہم مختصراً امام صاحب کے جارحین وناقدین کی ایک فہرست پیش کر رہے ہیں ان جارحین وناقدین کے اقوال جرح ونقد کا بیشتر حصہ گزشتہ مباحث میں آچکا ہے اس لیے صرف اشارہ پر اکتفا کیا جائے گا، البتہ جن کا تذکرہ صفحاتِ گزشتہ میں نہیں آیا ہے ان کی کسی قدر تفصیل مذکور ہوگی۔ ہم نمبروار اور سلسلے وار یہ فہرست پیش کریں گے نیز اس جگہ امام صاحب کے معاصرین ہی کے اقوال کا ذکر کریں گے جن میں امام صاحب کے جلیل القدر اساتذہ کی اچھی خاصی تعداد ہے اور امام صاحب کے بعد والے ان اہل علم کا کلام امام صاحب پر آگے پیش کیا جائے گا جنھوں نے امام صاحب پر نقد کیا ہے۔

۱۔ **امام أبو حنيفه.** اپنی ثقاہت اور پایۂ اعتبار کے سلسلے میں خود امام صاحب نے متعدد ومختلف بیانات دیے ہیں۔ مثلاً موصوف نے فرمایا کہ میری بیان کردہ عام علمی وفقہی باتیں مجموعۂ اغلاط واباطیل ہیں اس لیے وہ ناقابل ترویج وروایت اور ناقابل نوشت ونقل ہیں۔[1] اس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ امام صاحب بقول خویش اتنے سیئ الحفظ اور کثیر الغلط تھے کہ روایت میں ناقابل اعتبار تھے۔

۲۔ **امام عامر بن شراحبيل شعبي** متوفی ۱۰۴/ ۱۰۵/ ۱۰۶/ ۱۰۷ھ۔ یہ تفصیل گزر چکی ہے کہ جن کتب مناقب کو مصنف انوار وحی الٰہی کی طرح حجت مانتے ہیں ان کے مطابق امام عامر شعبی نے امام صاحب کو اپنی درسگاہ سے اسی دن نکال دیا تھا جس دن امام صاحب درسگاہِ شعبی میں داخل ہوئے تھے، یہ روایت اگرچہ اصولاً معتبر نہیں مگر امام شعبی اہل الرائے خصوصًا استاذ امام صاحب حماد سے جس قدر بیزار تھے نیز انھیں متروک قرار دیے ہوئے تھے، اس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ امام صاحب طریق حماد کے پیرو ہونے کے سببِ نگاہ شعبی میں قابل ترک تھے۔[2]

۳۔ **امام إبراهيم نخعي** متوفی ۹۵/ ۹۶ھ۔ یہ تفصیل گزر چکی ہے کہ امام نخعی اس مرجی مذہب اور مسلک رائے وقیاس کے معتقدین ومتبعین سے ترک تعلق رکھتے تھے نیز اپنے تلامذہ کو بھی ان سے ترک تعلق کا حکم دیتے تھے جس کے حماد بن ابی سلیمان پیرو تھے، اور یہ معلوم ہے کہ امام صاحب بھی اس معاملہ میں حماد کے ہم مذہب تھے، اس کا لازمی مطلب ہے کہ امام ابراہیم نخعی کے اصول وضابطہ کے مطابق امام صاحب قابل ترک تھے۔[3]

---

[1] اللمحات (۱/ ۴۹۴، ۴۹۵) وسيأتي.
[2] تفصیل کے لیے: اللمحات (۱/ ۳۷۴ تا ۳۹۹)
[3] ملاحظہ ہو: تفصیل کے لیے: اللمحات (۱/ ۴۲۱ تا ۴۳۲)

۴۔ **حماد بن أبي سليمان متوفى ۱۱۹/ ۱۲۰ھ۔** یہ تفصیل گزر چکی ہے جن حماد کو امام صاحب کا استاذ خاص کہا جاتا ہے وہ اپنی آخری عمر میں امام صاحب سے بعض اسباب کے تحت سخت بیزار ہو گئے تھے اور انھوں نے امام صاحب سے ترک تعلق کے ساتھ امام صاحب کے خلاف عدالت میں مقدمہ قائم کر دیا تھا نیز موصوف نے اپنے تلامذہ ومتوسلین کو امام صاحب سے ترک تعلق کا حکم دے دیا تھا۔[1]

حماد سے امام صاحب کے رشتہ تلمذ کا اگرچہ بہت شہرہ ہے مگر امام ابن المبارک اور اصحاب ابن المبارک کا کہنا تھا کہ امام صاحب نے حماد سے کتب حماد نہیں پڑھی تھیں اس کے باوجود حماد کی کتابوں کی روایت کرتے تھے، بنا بریں ان حضرات کے نزدیک امام صاحب قابلِ ترک تھے۔[2]

۵۔ **امام ایوب بن ابی تمیمه سختیاني متوفى ۱۳۱ھ۔** امام ایوب سختیانی نے امام صاحب پر سخت تنقیدیں کی ہیں اور موصوف کو ساقط الاعتبار قرار دیا ہے۔[3]

۶۔ **امام أعمش سليمان بن مهران متوفى ۱۴۷/ ۱۴۸ھ۔** امام اعمش نے امام صاحب کے مذہب سے بیزاری ظاہر کی اور انھیں مجروح قرار دیا۔[4]

۷۔ **امام محمد بن عبدالرحمن بن أبي ليلى متوفى ۱۴۸ھ۔** امام ابن ابی لیلیٰ سے امام صاحب کی تجریح وتنقید میں بہت سے اقوال منقول ہیں جن میں سے صرف بعض کا ذکر گزشتہ مباحث میں آسکا ہے اور بعض کا ذکر آگے آئے گا، ہم موصوف کی تمام باتوں کے ذکر سے قاصر ہیں۔[5]

۸۔ **امام مالک بن أنس امام دارالھجرة متوفى ۱۷۹ھ۔** امام مالک نے امام صاحب پر سخت تجریح وتنقید کی ہے جس کی کسی قدر تفصیل ترجمہ امام مالک میں آئے گی۔

۹۔ **امام شعبه بن حجاج متوفى ۱۶۰ھ۔** امام شعبہ نے امام صاحب کی سخت تجریح وتنقید کی ہے۔[6]

۱۰۔ **امام عبدالرحمن بن عمرو الأوزاعي متوفى ۱۵۷ھ۔** امام اوزاعی نے امام صاحب پر سخت نقد وجرح کی ہے۔[7]

۱۱۔ **امام جعفر صادق متوفى ۱۴۸ھ۔** یہ بیان ہو چکا ہے کہ امام جعفر صادق نے امام صاحب کے طریقِ رائے وقیاس پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا کہ اے ابوحنیفہ تمھارے اندر کوئی اچھی صلاحیت نہیں ہے، تمھارے خلاف ہم بروز قیامت اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ مقدمہ پیش کریں گے کہ تم نصوص کتاب وسنت کے بالمقابل رائے وقیاس سے کام لیتے تھے۔[8] نیز امام جعفر صادق سے امام صاحب پر ردوقدح بھی منقول ہے۔[9]

---

[1] اللمحات (۱/ ۴۳۲ تا ۴۳۴)

[2] اللمحات (۱/ ۴۴۶ تا ۴۵۳ و۲/ ۵ تا ۳۶)

[3] اللمحات (۱/ ۱۴۵ تا ۱۵۲ و۲/ ۴۴۹، ۴۵۰)

[4] اللمحات (۱/ ۴۰۸ تا ۴۱۳)

[5] اللمحات (۲/ ۲۵ تا ۳۳ و ۲/ ۴۹۲ تا ۴۹۸)

[6] اللمحات (۲/ ۸۷ تا ۹۱)

[7] اللمحات (۱/ ۱۴۰ تا ۱۴۴ و ۹۲،۹۳)

[8] اللمحات (۱/ ۴۶۶، ۴۶۷)

[9] المجروحين لابن حبان مطبوعه بيروت (۳/ ۶۵)

۱۲۔ **امام إبراهيم بن طهمان** متوفی ۱۶۸ھ۔موصوف امام ابراہیم بن طہمان نے عراق سے اہل خراسان کوتحریری طور پر یہ ہدایت ووصیت لکھ بھیجی کہ امام ابوحنیفہ کے واسطہ سے میری بیان کردہ روایات کو مٹا دو۔[1]

اس کا حاصل یہ ہے کہ امام ابراہیم بن طہمان نے امام صاحب کو متروک قرار دیا ہے۔

۱۳۔ **امام سفیان بن سعید ثوری** متوفی ۱۶۱ھ۔ نے امام صاحب پر بڑی تنقید وتجریح کی ہے اور فرمایا ہے کہ امام صاحب غیر ثقہ وغیر مامون ہیں۔[2]

۱۴۔ **امام سفیان بن عیینه هلالي كوفي ثم مكي** متوفی ۱۹۸ھ نے امام صاحب پرسخت کلام کیا ہے۔[3]

۱۵۔ **امام رؤبة بن العجاج أبو الجحاف تميمی بصري** متوفی ۱۴۵ھ نے امام صاحب کو غیر ثقہ اوران کی رائے وقیاس کو غیر محمود قرار دیا۔[4]

۱۶و۱۷۔ **امام رقبه بن مصقله** اور **مسعر بن كدام** نے بھی امام صاحب کو غیر ثقہ اوران کے قیاس ورائے کو مذموم قرار دیا ہے۔[5]

۱۸۔ **قاضي شریک بن عبد الله** متوفی ۱۷۰/ ۱۷۱ھ نے امام صاحب کو غیر ثقہ کہا اور موصوف پرسخت تجریح وتنقید کی۔ (كما مر وسيأتي)

۱۹۔ **امام حماد بن زید** متوفی ۱۷۹ھ نے امام صاحب پرسخت جرح ونقد کیا ہے (كما تقدم) حتی کہ موصوف حماد بن زید نے امام صاحب کو غلط بیانی کے ساتھ بھی متہم کیا ہے۔[6]

۲۰تا۲۹۔یہ گزر چکا ہے کہ امام صاحب پر **امام معاذ بن معاذ** متوفی ۱۹۶ھ، **يحيى بن سعيد قطان، محمد بن فليح، يحيى بن حمزه، سعيد بن عبد العزيز تنوخي، حارث بن عمير، أبو إسحاق فزاري، أبوبكربن عياش، حجاج بن أرطاة** اور **مزاحم بن زفر** وغیرہم نے سخت تنقید کی ہے۔

۳۰۔ **امام عبدالله بن المبارك**۔ یہ تفصیل گزر چکی ہے کہ امام ابن المبارک نے امام صاحب پرسخت تنقید وتجریح کی حتی کہ انھوں نے موصوف امام صاحب کو متروک قرار دے دیا ہے۔[7]

۳۱۔ **امام عثمان بن سلم بتی** متوفی ۱۴۳ھ۔ نے امام صاحب کو مجروح قرار دیا ہے۔[8]

۳۲۔ **امام عبد الله بن أدريس أودی كوفي** متوفی ۱۹۲ھ۔ نے امام صاحب پرسخت جرح کی۔[9]

۳۳و۳۴۔**امام اسود بن سالم** متوفی ۲۱۳/۲۱۴ھ۔ اور **علی بن عثام** نے امام صاحب کو مجروح قراردیا۔[10]

۳۵۔ **امام عمار بن رزين ضبی تميمی** متوفی ۱۵۹ھ۔ نے امام صاحب کو مجروح قرار دیا ہے۔[11]

---

❶ المجروحين لابن حبان (۳/ ۷۱)
❷ اللمحات (۳/ ۱٤۱ تا ۱٥۸)
❸ اللمحات (۳/ ۱٥۸، ۱٥۹)
❹ تاريخ فسوى بسند صحيح (۲/ ۷۷۹)
❺ تاريخ فسوى (۲/ ۷۹۰ وقد مرّ)
❻ تاريخ فسوى (۲/ ۷۸۷)
❼ اللمحات (۳/ ۷٤ تا ۱۳٥)
❽ تاريخ خطيب وقدتقدم.
❾ خطيب (۱۳/ ٤۱۰ وتقدم بعض ذلك في اللمحات)
❿ خطيب (۱۳/ ٤۰۹ وسيأتي)
⓫ خطيب (۱۳/ ٤۰۷ وقد تقدم وسيأتي)

۳۶و۳۷۔ امام عبدالرحمن بن مهدی وعمر بن قیس نے امام صاحب کو مجروح کہا۔ ❶

۳۸۔ امام حسن بن صالح بن حي همداني متوفی ۱۹۰ھ نے امام صاحب کو مجروح کہا۔ ❷

۳۹و۴۰۔ امام وکیع بن جراح اور حفص بن غیاث نے امام صاحب کو متروک قرار دیا۔ (کما تقدم)

۴۱۔ امام نضر بن شمیل متوفی ۲۰۴ھ۔ نے امام صاحب کو مجروح کہا۔ (کما تقدم وسیأتي)

۴۲۔ امام أبو عوانه وضاح بن عبد الله یشکری متوفی ۱۷۶/ ۱۷۷ھ۔ نے امام صاحب کو متروک قرار دیا۔ ❸

۴۳۔ امام عبدالله بن نمیر أبو هشام الهمداني کوفي متوفی ۱۹۹ھ۔ نے کہا کہ ہمارے معاصر اہل علم امام صاحب کی حدیث لکھنے کے روادار نہ تھے اوران کی رائے کو قابل اعتناء سمجھنا تو بہت دور کی بات ہے۔ ❹

اس کا حاصل یہ ہے کہ امام ابن نمیر اوران کے ان مشائخ ومعاصرین نے امام صاحب کو متروک قرار دے رکھا تھا جن سے ابن نمیر واقف تھے۔

۴۴۔ امام محمد بن عبدالوهاب القناد متوفی ۲۱۲ھ۔ نے امام صاحب کی سخت تجریح وتنقید کی ہے۔ (کما تقدم)

۴۵۔ امام حماد بن سلمه متوفی ۱۶۷ھ۔ نے امام صاحب پر سخت کلام کیا ہے۔ ❺ حتی کہ موصوف نے امام صاحب کو ''شیطان'' کہہ دیا۔ ❻

۴۶و۴۷۔ امام یوسف بن أسباط وقاضي سوار بن عبدالله عنبري متوفی ۱۵۶ھ۔ نے امام صاحب پر بڑی تنقید وتجریح کی ہے۔ (کما سیأتي)

۴۸۔ امام عبد الله بن عون أبو عون بصری متوفی ۱۵۰ھ۔ نے امام صاحب پر سخت کلام کیا اور فرمایا کہ اسلام کے حق میں امام صاحب سے زیادہ مضرت رساں کوئی دوسرا نہیں پیدا ہوا۔ ❼

۴۹۔ امام نضر بن إسماعیل بن حازم ابوالمغیره بجلي کوفي القاص متوفی ۱۸۲ھ۔ نے امام صاحب کو متروک الحدیث وغیر ثقہ قرار دیا ہے۔ ❽

۵۰۔ امام ابونعیم فضل بن دکین نے کہا کہ مشرق ومغرب میں سے جس آدمی کے اندر بھی قابل ذکر کوئی خیر ہے وہ امام صاحب کو ضرور مطعون ومجروح قرار دیتا ہے۔ ❾

۵۱تا۵۷۔ مصنف انوار نے جن چالیس افراد کو امام صاحب کی قائم کردہ فرضی مجلس تدوین کے ارکان قرار دیا ہے ان میں سے کم از کم تیں حضرات نے امام صاحب کو یا تو بالصراحت مجروح قرار دیا ہے یا دوسروں کے سامنے لاجواب ہوکر امام صاحب کے مجروح ہونے سے دفاع کرنے سے اپنے کو عاجز پایا ہے، مثلاً امام شافعی کے ساتھ مجلسِ مناظرہ میں امام محمد بن حسن

---

❶ خطیب (۱۳/ ۴۰۷ وسیأتي)
❷ خطیب (۱۳/ ۴۰۶ وسیأتي)
❸ خطیب (۱۳/ ۴۰۴ وقد تقدم)
❹ خطیب (۱۳/ ۴۱۵)
❺ خطیب (۱۳/ ۳۹۰، ۳۹۱)
❻ الکامل لابن عدی مخطوطه (۳/ ۸۰)
❼ خطیب (۱۳/ ۳۹۹) وتاریخ فسوی (۲/ ۷۸۶)
❽ الکامل لابن عدی (۳/ ۷۹)
❾ الکامل لابن عدی (۱/ ۷۹) نیز ملاحظہ ہو: اللمحات (۲/ ۴۶ تا ۵۰)

شیبانی کے پاس بہت سے تلامذۂ امام صاحب موجود تھے، اس موقع پر امام شافعی نے وضاحت وصراحت کی کہ امام صاحب روایت حدیث میں معتبر وثقہ نہیں مگر مجلس مناظرہ میں کسی موافق ومخالف حتی کہ امام محمد بن حسن بھی اس قول شافعی کی تردید نہیں کر سکے بلکہ بذریعہ خاموشی اس حقیقت کو تسلیم کیا۔ (کما مر) چہل رکنی مجلس تدوین میں سے اس فہرست میں اوپر پانچ حضرات کا ذکر آچکا ہے باقی پچیس حضرات کو ملا کر اس فہرست میں پچھتر افراد ہو گئے جنھوں نے امام صاحب پر نقد ونظر اور جرح وکلام کیا ہے۔ ان کے کلام کی تفصیل صفحات آئندہ میں آرہی ہے۔

۷۶۔ **امام المغازی محمد بن عمر واقدی متوفی ۲۰۷ھ**۔ نے امام صاحب کو ضعیف قرار دیا ہے۔[1]

۷۷۔ **قاضی سلمه بن عمرو** نے برسرمنبر امام صاحب پر نقد وجرح کیا جس پر کسی نے نکیر نہیں کی۔[2]

۷۸۔ **محمد بن جابر یمامی** کی تنقیدِ ابی حنیفہ کا ذکر گزشتہ صفحات میں آچکا ہے۔

مذکورہ بالا حضرات کے علاوہ بھی امام صاحب کے کتنے معاصرین نے امام صاحب کو مجروح قرار دیا ہے جن میں سے بعض کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں آچکا ہے۔ جارحین مذکورین میں سے بعض حضرات کی تجریح بہت زیادہ وزنی ہے، مثلاً نمبر ۵۰ کے تحت امام فضل بن دکین والی تجریح کا مضمون یہ ہے کہ تمام ائمہ جرح وتعدیل امام صاحب کی تجریح پر متفق ہیں، اور امام محمد بن حسن کے ساتھ امام شافعی کی مجلس مناظرہ میں فریقین کی طرف سے حاضر ہونے والے علماء نے کسی نہ کسی انداز میں امام صاحب کا مجروح ہونا تسلیم کیا تھا۔

اور نمبر ۴۳ کے مطابق بقول ابن نمیر عام اہل علم امام صاحب کو مجروح قرار دیے ہوئے ہیں اور وہ امام ابن المبارک بھی امام صاحب کو مجروح ومتروک قرار دیے ہوئے ہیں جو صرف اس راوی کو متروک قرار دیتے تھے جس میں جملہ اوصافِ جرح جمع ہو جائیں، نیز امام صاحب کو متروک ومجروح قرار دینے پر امام ابن مہدی ویحییٰ قطان متفق ہیں جن کی بابت مصنف انوار معترف ہیں کہ جس کی تجریح پر دونوں متفق ہوں وہ متفق علیہ طور پر مجروح ہے۔ (كما سيأتي)

مذکورہ بالا جارحین میں سے اکثر نے امام صاحب کی وفات کے بعد بھی امام صاحب پر تجریح کی ہے خصوصًا امام اوزاعی، سفیان ثوری، ابن عون، ابواسحاق فزاری، سفیان بن عیینہ وابن المبارک وغیرہم۔ ان حضرات میں سے بعض اماموں کی حیثیت ایک طبقۂ اہل علم کی طرح ہے مثلاً امام مالک، اوزاعی، حسن بن صالح بن حی اور سفیان ثوری وسفیان بن عیینہ وغیرہ جن کی متفق علیہ تجریح یقیناً بقول ابوبکر بن ابی داود بہت وزن رکھتی ہے، چنانچہ موصوف ابوبکر بن داود نے لوگوں کو خطاب کر کے پوچھا کہ جس معاملہ ومسئلہ پر حضرات مذکورین متفق ہو جائیں اس معاملہ کے متعلق تمھارا خیال کیا ہے؟ سب نے عرض کیا کہ اس سے زیادہ صحیح مسئلہ کوئی ہو ہی نہیں سکتا، امام ابوبکر موصوف نے کہا کہ تو پھر امام ابوحنیفہ کی تجریح پر یہ سارے حضرات نیز ان کے علاوہ دوسرے ائمہ متبوعین بھی متفق ہیں۔[3]

معاصرین امام صاحب کے بعد والے اہل علم میں سے بھی عام حضرات امام صاحب کی تجریح پر متفق ہیں جیسا کہ گزشتہ

---

[1] طبقات ابن سعد ترجمه امام صاحب.

[2] تاريخ دمشق لأبي زرعه (١/ ٥٠٦) وخطيب (١٣/ ٣٧٨ وقد تقدم)

[3] خطيب (١٣/ ٣٨٣)

صفحات کے مباحث سے بڑی حد تک یہ بات معلوم ہو چکی ہے اور صفحات آئندہ خصوصًا تذکرۂ امام مالک وتذکرۂ امام بخاری وفرضی چہل رکنی مجلس تدوین کے ارکان کے تراجم میں معلوم ہوگی۔

وفات ابی حنیفہ رحمہ اللہ:

اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ امام صاحب کی وفات سے متعلق بعض اہم معاملات پر مختصرًا گفتگو کریں۔

یہ بات گزر چکی ہے کہ کوثری کے علی الرغم عام اہل علم اور اکثر اصحاب فن اس بات پر متفق ہیں کہ امام صاحب کی وفات رجب کے مہینے میں ہوئی تھی اور سالِ وفات میں اگرچہ اختلاف ہے مگر صحیح بات یہ ہے کہ موصوف ۱۵۰ھ میں فوت ہوئے۔

امام صاحب کے شاگرد مکی بن ابراہیم بلخی نے کہا کہ امام صاحب ۱۵۳ھ میں اور فضل بن دکین نیز امام ابن معین نے کہا کہ ۱۵۱ھ میں امام صاحب فوت ہوئے۔[1]

مصنف انوار نے کہا کہ اپنی وفات سے تقریباً تین سال پہلے امام صاحب جیل خانہ بغداد میں حکومت کی طرف سے عہدۂ قضا قبول نہ کرنے کے سبب مقید ومحبوس رہے۔[2] حالانکہ یہ بات صریح طور پر مکذوب ہے۔

صحیح یہ ہے کہ اپنی وفات سے صرف پندرہ دن پہلے امام صاحب جیل خانۂ بغداد میں مقید کیے گئے تھے اور آخر میں بذریعہ زہرخورانی ہلاک ہوئے تھے، اور حکومت کی طرف سے موصوف کو عہدۂ قضا پیش کیا جانا صحیح نہیں ہے بلکہ حکومت کے خلاف خروج وبغاوت میں حصہ لینے کے سبب موصوف ہلاک کیے گئے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون اللهم اغفر له وارحمه واجعل الجنة مثواه.

ان باتوں کی تفصیل چہل رکنی مجلس پر بحث کے دوران آئے گی۔

مصنف انوار نے کہا:

''قاضی حسن بن عمارہ نے (جو آپ کے عاشق ومحبّ صادق تھے) آپ کو غسل دیا اور انھوں نے ہی نماز جنازہ پڑھائی۔ خطیب نے نقل کیا ہے کہ لوگ بیس روز تک آتے اور نمازِ جنازہ پڑھتے رہے، خلیفہ بھی جنازہ پر حاضر ہوا اور اپنے کیے پر افسوس کرنے لگا، پہلی بار نمازیوں کی تعداد پچاس ہزار تھی لیکن لوگ آتے رہے یہاں تک چھ بار نماز ہوئی۔''[3]

ہم کہتے ہیں کہ یہ بات صحیح طور پر ثابت ہے کہ امام صاحب کی نماز جنازہ قاضی بغداد حسن بن عمارہ نے پڑھائی تھی، اتنی بات بسند صحیح امام سلیمان بن ابی شیخ متوفی ۲۴۶ھ اور دوسرے اہل علم نے کہی ہے۔[4] یہ بیان ہو چکا ہے کہ حسن بن عمارہ کذاب وغیر ثقہ اور مجروح آدمی تھے۔[5]

جس روایت میں یہ مذکور ہے کہ بروز وفات امام صاحب کی نماز جنازہ چھ مرتبہ پڑھی گئی اس کی سند میں ابوالعباس بن سعید المعروف بابن عقدہ کذاب ہے۔[6]

---

❶ اللمحات (۱/ ۱۰۹ تا ۱۱۱)
❷ مقدمہ انوار (۱/ ۱۴۸)
❸ مقدمہ انوار (۱/ ۱۴۸)
❹ خطیب (۱۳/ ۴۲۱) وعام کتب مناقب ورجال.
❺ اللمحات (ج: ۳)
❻ خطیب (۱۳/ ۴۲۲)

عام کتب احناف میں صراحت ہے کہ نماز جنازہ ایک بار پڑھی جائے گی اس سے زیادہ نہیں لیکن مصنف انوار کی مستدل روایت کا مفاد ہے کہ امام صاحب کی نماز جنازہ حنفی مذہب کے مطابق نہیں پڑھی گئی خصوصًا نماز جنازہ پڑھ کر تدفین کے بعد دوسرے ایام میں کسی میت کی نماز جنازہ حنفی مذہب میں مشروع نہیں، اس لیے مصنف انوار کی مستدل روایت کا مفاد یہ ہے کہ مرنے کے بعد جنازۂ امام صاحب کے ساتھ مذہب حنفی کے خلاف برتاؤ کیا گیا۔

جس روایت میں یہ مذکور ہے کہ امام صاحب کی نماز جنازہ امام صاحب کو دفن کرنے کے بعد بیس دن تک بلکہ اس سے زیادہ ایام تک پڑھی جاتی رہی اس کی سند میں احمد بن عطیہ المعروف بابن المغلس کذاب ہے۔ [1]

نیز ابن المغلس کذاب نے اپنی جس جعلی سند سے یہ کہانی سنائی ہے اس کے بنیادی راوی مطیع (غالبًا یہ مطیع بن راشد بصری ہیں جن کی ثقاہت ثابت نہیں کیونکہ تقریب التہذیب میں موصوف کو مقبول کہا گیا ہے یعنی بلا متابع موصوف کی روایت معتبر نہیں) نے کہا کہ مقام وفات سے لے کر باب خراسان تک امام صاحب کا جنازہ لے کر چلنے والے صرف چار آدمی تھے اوران چاروں کے پیچھے پیچھے ایک پانچواں آدمی بھی چل رہا تھا، لیکن جنازہ جب باب خراسان سے آگے بڑھا تو لوگوں کی کثرت ہونے لگی اور موصوف کی نماز جنازہ باب الجسر کے ایک جانب پڑھی گئی، نماز جنازہ کا پڑھانے والا امام صاحب کے خاندانی آقا بنوتیم اللہ کا ایک آدمی تھا۔"

مصنف انوار کی دلیل بنائی ہوئی اس روایت کا مضمون واضح طور پر موصوف کی اس مستدل روایت کے مضمون کے معارض ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب کی نماز جنازہ حسن بن عمارہ نے پڑھائی کیونکہ حسن بن عمارہ بنوتیم اللہ کا فرد نہیں تھا۔

اس کا حاصل یہ نکلا کہ مصنف انوار نے دو متضاد مضامین والی روایات میں سے ہر ایک کو معتبر قرار دے کر حجت بنا لیا ہے، اسی روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ امام صاحب کی نماز جنازہ امام صاحب کی تدفین کے بعد خلیفہ منصور نے بھی پڑھی تھی۔ نماز جنازہ کے بعد دفن ہونے والے شخص کی قبر پر نماز جنازہ حنفی مذہب میں ایک طرف مشروع نہیں دوسری طرف بغاوت کے جرم میں امام صاحب کو بذریعہ زہر ہلاک کر ڈالنے والے خلیفہ منصور سے مستبعد ہے کہ اس نے تدفین کے بعد امام صاحب کی نماز جنازہ پڑھی ہوگی اور ایسی مستبعد بات بلا معتبر دلیل کے مقبول نہیں، نیز اس روایت میں امام صاحب کے فوت ہونے کے دن صرف ایک بار نماز جنازہ تیمی آدمی کی امامت میں پڑھے جانے کا ذکر ہے جو مصنف انوار کے اس دعویٰ کے معارض ہے کہ بروز وفات امام صاحب کی نماز جنازہ چھ مرتبہ پڑھی گئی۔

جس روایت میں یہ مذکور ہے کہ امام صاحب کی نماز جنازہ پچاس ہزار آدمیوں نے یا اس سے بھی زیادہ افراد نے پڑھی اس میں یہ نہیں مذکور ہے کہ یہ پہلی بار نماز جنازہ کا حال ہے اور اس کے بعد مزید پانچ بار نماز پڑھی گئی، بلکہ اس روایت کا ظاہری مفاد یہ ہے کہ صرف وہی ایک بار موصوف کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس روایت میں کہا گیا ہے کہ وفات ابی حنیفہ کے دن ایک ایسے جلیل القدر محدث کی موت ہوئی جو امام صاحب پر کلام کیا کرتے تھے مگر ان کی نماز جنازہ میں صرف آٹھ آدمی شریک ہوئے۔ [2]

---

[1] مناقب أبي حنيفه للصيمري (ص: ٨٨) وعام كتب مناقب. [2] موفق (٢/ ١٧٢) وعام كتب مناقب.

مطلب یہ ہے کہ اس فرقہ کے لوگ کسی موقع پر بھی اکاذیب کے ذریعہ مدح ابی حنیفہ کے ساتھ محدثین کرام اوران کے مذہب ومسلک کے خلاف ہرزہ سرائی وبیہودہ گوئی سے نہیں چوکتے۔

افسوس کہ اس مکذوبہ افسانے کے گھڑنے والے بددیانت شخص کو یا تو اس کی خبر نہیں کہ وفات ابی حنیفہ کے موقع پر امام صاحب کے جلیل القدر اساتذہ امام اوزاعی اورسفیان ثوری نیز بعض دیگر اہل علم نے امام صاحب پر کتنے ناقدانہ انداز میں تبصرے کیے تھے یا پھراس کذاب نے مسخ حقائق کے لیے مصنف انوار کی طرح یہ کہانی وضع کر لی ہے۔ اس روایت کا واضع حارثی کذاب ہے۔

وفات ابی حنیفہ کے موقع پر اوراس کے بعد عام مناقب نویسوں نے مدح امام صاحب کے سلسلے میں مختلف قسم کے متعدد خوابوں اورغیبی آوازوں پر مشتمل روایات مکذوبہ نقل کی ہیں، ان میں سے کئی ایک کا ذکر مصنف انوار نے متفرق مقامات پر کر رکھا ہے جن کی حقیقت بھی ان مقامات پر واضح کر دی گئی۔ہم اس سلسلے میں زیادہ تعرض پسند نہیں کرتے ورنہ ان وضعی افسانوں کے برعکس صحیح ومعتبر طور پر مروی شدہ بہت سارے خواب کتب تواریخ وتراجم میں منقول ہیں۔

ایک افسانہ یہ بھی وضع کیا گیا ہے کہ امام شافعی قبرِامام صاحب پر آ کر نماز پڑھتے اور دعا کرتے تھے حتی کہ اپنے مسلک کے خلاف اس موقع پر بوقت رکوع رفع الیدین بھی نہیں کرتے تھے اورایسا کرنے سے موصوف کی دعا قبول ہو جاتی تھی، اس افسانے کا ذکر مصنف انوار نے بھی کر رکھا ہے، اس کا ذکر ہم امام شافعی کے ترجمہ میں کرنے والے ہیں بہرحال یہ افسانہ مکذوبہ ہے۔

اب ہم چاہتے ہیں کہ مصنف انوار کی اس افسانوی اورفرضی چہل رکنی مجلس تدوین پر مفصل گفتگو کریں جس کو اپنے زوربیانی سے موصوف نے حقیقی چیز ثابت کرنے کی کوشش کر رکھی ہے۔

یہ ایک واضح بات ہے کہ مجلس مذکور امام صاحب نے فارغ التحصیل ہو کر مسند نشین درس ہونے کے بعد قائم کی ہو گی، اس لیے سب سے پہلے یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ امام صاحب کس سن وسال میں تحصیلِ علوم سے فارغ ہو کر مسند نشین درس ہوئے جس کے بعد انھوں نے مجلسِ مذکور قائم کی۔

تحصیلِ علوم سے امام صاحب کا سال فراغت اورمسند نشینی:

یہ بیان ہو چکا ہے کہ اپنی ولادت سے لے کر تخمیناً ۱۰۲/۱۰۳ھ تک امام صاحب عراق سے باہر دوسرے ملک میں رہے پھر لگ بھگ ۱۰۲/۱۰۳ھ کوفہ میں قیام پذیر ہوئے، اور کتب مناقب ابی حنیفہ کے مطابق ۱۰۲/۱۰۳ھ تک امام صاحب مذہب متکلمین کے پیرو رہے، ان کی ایک درسگاہ بھی تھی جس میں علم کلام کا درس دیتے اور مذہب متکلمین کی حمایت میں مناظرے کے لیے مختلف جگہوں پر جایا کرتے جس کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب علم کلام پڑھانے کے لیے ۱۰۲/۱۰۳ھ کے پہلے ہی معلم ومدرس بن چکے تھے، مگر ظاہر ہے کہ اس زمانے میں یہ ماننا ممکن نہیں کہ امام صاحب نے چہل رکنی مجلس تدوین فقہ قائم کی کیونکہ کتب مناقب کے مطابق امام صاحب جب تک مذہب متکلمین کے پیرو اور درسگاہ علم کلام کے معلم رہے تب تک وہ علم فقہ سے بالکل نا آشنا تھے پھر وہ تدوین فقہ کے لیے مجلس مذکور اس زمانے میں کیونکر قائم کر سکتے تھے؟

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ کتب مناقب ابی حنیفہ کے مطابق مذہب متکلمین سے تائب اور درسگاہ علم کلام سے دست بردار ہونے کے بعد امام صاحب حصول علم فقہ کے لیے ۱۰۲/۱۰۳ھ میں داخل درسگاہِ حماد ہوئے اور اپنے عہد و پیمان کے مطابق وفاتِ حماد یعنی ۱۲۰ھ تک درسگاہِ حماد میں فقہ پڑھتے رہے۔[1]

مصنف انوار کے متعدد بیانات کا حاصل یہ ہے کہ ۱۲۰ھ میں وفات حماد کے بعد امام صاحب حصول علم حدیث نیز تکمیل علم کے لیے بصرہ گئے اور بصرہ میں تحصیلِ علم کے بعد مکہ مکرمہ پھر مدینہ منورہ گئے جس کا حاصل یہ ہے کہ ۱۲۰ھ کے بعد عرصہ تک امام صاحب بصرہ و مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کی درسگاہوں میں زیر تعلیم رہے۔[2]

ظاہر ہے کہ اس کا مقتضی یہ ہے کہ ۱۲۰ھ کے عرصہ بعد امام صاحب تحصیل علوم سے فارغ ہو کر مسند نشین درس ہوئے اور اس کے بعد ہی انھوں نے مجلس تدوین قائم کی نیز یہ بیان ہو چکا ہے کہ وفات حماد کے بعد مسند حماد پر یکے بعد دیگرے اسماعیل بن حماد اور موسیٰ بن ابی کثیر جانشینِ حماد کی حیثیت سے درس وتدریس کا کام کرتے رہے اس کے بعد ہی امام صاحب جانشین حماد بنے، اس کا مقتضی بھی یہ ہے کہ ۱۲۰ھ کے عرصہ بعد امام صاحب نے مسند نشین درس ہو کر مجلس مذکور قائم کی نیز مصنف انوار کا ایک بیان یہ ہے:

''حرمین شریفین میں تقریباً چھ سال گزارنے کے بعد جب امام صاحب کوفہ واپس ہوئے تو مجلس مذکور قائم کرنے کا منصوبہ ذہن میں تھا۔''[3]

اور مصنف انوار کا مندرجہ بالا بیان جس دلیل پر قائم ہے اس میں صراحت ہے کہ ۱۳۰ھ میں امام صاحب ابن ہبیرہ کی قید سے رہا ہو کر حرمین شریفین کی طرف فرار ہوئے۔[4] مصنف انوار کی دلیل بنائی ہوئی اس روایت اور ان کے بیان کے مطابق مستخرج ہوتا ہے کہ امام صاحب ۱۳۰ھ تا ۱۳۶ھ حرمین شریفین میں رہے اس کے بعد جب کوفہ واپس آئے تو ان کے ذہن میں مجلس تدوین قائم کرنے کا منصوبہ تھا، جس کا مقتضی یہ ہے کہ امام صاحب نے مجلس تدوین ۱۳۶ھ کے بعد قائم کی۔

ظاہر ہے کہ مصنف انوار کی یہ بات ان کے بیاناتِ مذکورہ بالا سے مستخرج ہونے والی اس مضمون کے موافق ہے کہ امام صاحب ۱۲۰ھ کے بعد علوم حدیث حاصل کرنے کے لیے بصرہ پھر مکہ مکرمہ پھر مدینہ منورہ گئے اور نہ جانے کب تحصیلِ علوم سے فارغ ہو کر ۱۲۰ھ کے عرصہ بعد مسند نشین درس ہوئے تو انھوں نے مجلس تدوین قائم کی۔

---

[1] اللمحات (۱/ ۳۷۳ و ۳۹۵ تا ۳۹۹ و ٤٤٥ تا ٤٥٥)

[2] اللمحات (۱/ ٥٤٧، ٥٤٨)

[3] مقدمه انوار (۱/ ۱٥٥)

[4] موفق (۲/ ۲٤) و کردری (۲/ ۲۷) وعقود الجمان (ص: ۳۱۳) وعام كتب مناقب أبي حنيفه.

چہل رکنی مجلسِ تدوین

تمہید:

مصنف انوار الباری نے بار بار کی تکرار کے ساتھ بڑے زور وشور سے اس بات کا تذکرہ کیا ہے:

''امام صاحب نے اپنے فقہی مذہب کی تدوین کے لیے چالیس افراد پر مشتمل ایک ''مجلس تدوین'' قائم کی تھی، مجلسِ مذکور کی تاسیس کے بعد اس کے چہل ارکان کے تعاون سے امام صاحب نے اپنے فقہی مذہب کی تدوین تیس سال کی مدت میں مکمل کی، بلفظ دیگر فقہ حنفی کی تدوین مجلس مذکور کے چہل ارکان نے امام صاحب کی ماتحتی اور سرپرستی میں تیس سال کی طویل مدت میں کی، تدوین فقہ حنفی کے اس تیس سالہ کارنامہ کی انجام دہی میں مجلس مذکور کے چہل ارکان کا تعاون مزید سینکڑوں محدثین وفقہاء اور مجتہدین نے بھی کیا ہے یعنی فقہ حنفی کی تدوین شورائی نظام پر انجام پذیر ہوئی ہے۔''

مندرجہ بالا بات دراصل چہل رکنی مجلس تدوین سے متعلق مصنف انوار کی تمام تحریروں کا خلاصہ ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ مجلس مذکور ایک خیالی اور فرضی چیز ہے جس کا کوئی حقیقی اور معنوی وجود نہیں، مجلس مذکور سے متعلق مصنف انوار اور ان کے ہم مزاج لوگوں کی تحریر کردہ جملہ تفاصیل کو زیادہ سے زیادہ ''اضغاث احلام'' یعنی پراگندہ وبے معنی خواب کہا جا سکتا ہے جن کی نہ کوئی حقیقت ہوتی ہے نہ کوئی تعبیر۔

اس موضوع پر تفصیلی مطالعہ شروع کرنے سے پہلے ناظرین کرام یہ ملحوظ رکھیں کہ امام صاحب نے اپنے بعض تلامذہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

(١)" ويحكم كم تكذبون عليّ في هذه الكتب ما لم أقل۔ (٢) إنكم تكتبون في كتابنا ما لم نقله۔ (٣) ألا تعجبون من يعقوب يقول عليّ ما لم أقل."[1]

''یعنی تم لوگ اپنی اور ہماری کتابوں میں بہت بڑے پیمانے پر میری طرف اپنی اختراع کردہ جھوٹی باتیں منسوب کر کے لکھتے اور انھیں زبانی طور پر بھی لوگوں میں بیان کرتے پھرتے ہو۔''

یہ بالکل واضح بات ہے کہ امام صاحب نے اپنی مذکورہ بالا باتیں اپنے ان تلامذہ کی بابت فرمائی تھیں جو ان کی طرف اپنی ایجاد کردہ جھوٹی باتیں کتابوں میں لکھ کر اور زبان سے کہہ کر لوگوں میں پھیلایا کرتے تھے، امام صاحب کی مذکورہ بالا باتوں خصوصاً

---

[1] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم ترجمه أبي يوسف. وخطيب (١٤/ ٢٥٨) وتاريخ صغير للبخاري وتاريخ جرجان. واللمحات إلى ما في أنوار الباري من الظلمات (٢/ ٤٩٩)

"إنكم تكتبون في كتابنا ما لم نقله" (تم لوگ ہماری کتاب میں ہماری طرف وہ باتیں منسوب کر دیتے ہو جو ہماری کہی ہوئی نہیں ہوتی ہیں) سے بظاہر مستفاد ہوتا ہے کہ امام صاحب اپنی تصنیف کردہ کتابیں خود نہیں لکھتے تھے بلکہ انھیں ان کے تلامذہ لکھتے تھے، مگر چونکہ امام صاحب بذریعہ املا یہ کتابیں اپنے تلامذہ سے لکھواتے تھے اس لیے بطور مجاز امام صاحب اپنے تلامذہ کے ذریعہ لکھوائی ہوئی کتابوں کو اپنی کتابیں بھی کہہ ڈالتے تھے یا پھر اگر یہ مانا جائے کہ امام صاحب بدست خود اپنی کتابیں لکھتے تھے تو روایت مذکورہ کا مطلب لازمی طور پر یہ ہوگا کہ امام صاحب کی بقلم خود لکھی ہوئی کتابوں میں ان کے تلامذہ بطور الحاق واضافہ اپنی اختراعی باتیں شامل کر دیتے تھے، وہ الحاقی اور اختراعی باتیں امام صاحب کی بقلم خود لکھی ہوئی نہیں ہوتی تھیں، ان دونوں صورتوں میں یہ لازم آتا ہے کہ بتصریح امام صاحب امام صاحب کی طرف منسوب شدہ کتابوں میں مکذوبہ اور اختراعی چیزوں کا الحاق واضافہ کر دیا گیا ہے۔

نیز امام صاحب کے فرمان "يقول على ما لم أقل" سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحب کی طرف زبانی طور پر بھی مکذوبہ باتیں منسوب کر دی جاتی تھیں اور جب یہ معاملہ ہے تو امام صاحب کی طرف زبانی طور پر منسوب ہونے والی کسی علمی بات کو امام صاحب کی بیان کردہ بات نہیں کہا جا سکتا اور نہ امام صاحب کی طرف منسوب ہوجانے والی کتابوں میں سے کسی بھی کتاب کو امام صاحب کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی محفوظ کتاب کہا جا سکتا ہے، جب تک کہ بسند معتبر موصوف کی طرف منسوب شدہ بات یا تحریر کی بابت ثابت نہ ہو کہ یہ امام صاحب کی فرمودہ بات ہے کہ فلاں تحریر الحاق واضافہ سے محفوظ امام صاحب کی خود نوشت تحریر ہے۔

الحاصل تقریری یا تحریری طور پر جتنی بھی باتیں امام صاحب کی طرف منسوب شدہ پائی جاتی ہیں وہ سب کی سب محتمل الکذب ہونے کے سبب ساقط الاعتبار اور مجموعۂ اکاذیب ومشکوک قرار دیے جانے کے لائق ہیں، کیونکہ امام صاحب کی طرف منسوب شدہ ان باتوں میں اس کی تمیز ناممکن ہے کہ کون سی بات ان کی طرف غلط طور پر منسوب ہوگئی ہے اور کون سی بات فی الواقع ان کی فرمودہ ہے البتہ ان کی طرف منسوب شدہ جن باتوں کی سندیں صحیح ومعتبر ہیں وہ یقیناً ان کی فرمودہ وبیان کردہ مانی جائیں گی، مثلاً موصوف کی مذکورہ بالا تینوں باتیں موصوف سے باسانید صحیحہ منقول ہیں، اس لیے انھیں امام صاحب کی فرمودہ باتیں ماننا لازم ہے۔ مگر ان کی طرف منسوب شدہ جن روایات کی سندوں میں علل قادحہ موجود ہیں انھیں امام صاحب کی فرمودہ باتیں ہرگز نہیں قرار دیا جا سکتا ہے، اگر امام صاحب کے مذکورہ بالا فرامین نہ بھی ہوتے تو بھی اہل اسلام کے اصول مسلمہ کے مطابق ان کی طرف ساقط الاعتبار اسانید سے منسوب شدہ باتیں غیر معتبر ہی قرار پاتیں، مگر اس جگہ دراصل ہم کو یہ بتلانا ہے کہ بتصریح امام صاحب ان کی طرف منسوب شدہ کتابوں میں نیز زبانی طور پر بھی ان کے بعض تلامذہ اپنی اختراعی باتوں کو امام کی باتیں کہہ کر پھیلایا کرتے تھے، شاید امام صاحب کی تقلید کے دعویداروں کو امام صاحب کے ان فرمودات کے سبب یہ سمجھنے کی توفیق ہو سکے کہ بتصریح امام صاحب امام صاحب کے زمانہ ہی میں امام صاحب کے ایسے تلامذہ موجود تھے جو تقریری وتحریری طور پر امام صاحب کی طرف مکذوبہ باتیں منسوب کر کے پھیلانے کا کاروبار کرتے تھے۔

امام صاحب کے فرامین مذکورہ کو ذہن نشین رکھتے ہوئے ناظرین کرام مندرجہ ذیل روایت صحیحہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

”قال أبو نعيم الفضل بن دكين سمعت زفر يقول كنا نختلف إلى أبي حنيفة ومعنا أبو يوسف ومحمد بن الحسن فكنا نكتب عنه فقال يوما أبوحنيفة لأبي يوسف ويحك يا يعقوب لا تكتب كل ما تسمعه مني فإني قد أرى الرأي اليوم فأتركه غدا وأرى الرأي غدا وأتركه بعد غد.“[1]

”یعنی امام ابونعیم فضل بن دکین نے کہا کہ میں نے امام زفرکو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہم لوگ امام ابوحنیفہ کے پاس جایا کرتے تھے اور ہمارے ساتھ ابو یوسف ومحمد بن حسن بھی ہوا کرتے تھے اورہم امام صاحب کی بیان کردہ باتیں لکھا کرتے تھے مگر ایک دن امام صاحب نے ابویوسف سے کہا کہ مجھ سے سنی ہوئی ہر بات تم مت لکھا کرو کیونکہ میری ”رائے“ روزانہ بدلتی رہتی ہے۔“

أوّلاً: مذکورہ بالا روایت میں منقول شدہ قولِ امام صاحب کے ناقل امام زفرکو مصنف انوار نے چہل رکنی مجلس تدوین کا رکن قرار دیا اور انھیں ثقہ بتلایا ہے۔[2] چہل رکنی مجلس اور اس کے ارکان کی کہانی تومحض فرضی ہے مگر امام زفر ثقہ ہیں۔ (كما سيأتي) اورامام زفر سے روایت مذکورہ کے ناقل امام ابونعیم فضل بن دکین (مولود ۱۳۰ھ ومتوفی ۲۱۹ھ) کو مصنف انوار نے امام صاحب کے خصوصی تلامذہ میں سے ثقہ قرار دیا ہے۔[3] مگر نہ جانے کیا بات ہے کہ موصوف نے مصنف انوار نے چہل رکنی مجلس کا رکن نہیں قرار دیا۔ امام ابو یوسف یعقوب بن سفیان فسوی نے فرمایا:

” أجمع أصحابنا أن أبا نعيم كان غاية في الإتقان والحفظ وأنه حجة.“[4]

”یعنی ہمارے اصحاب اہل حدیث ابونعیم کے ثقہ وحجت ہونے پر متفق ہیں۔“

امام ابونعیم سے روایت مذکورہ کے ناقل امام یحییٰ بن معین ہیں جن کو مصنف انوار نے ثقہ امام جرح وتعدیل اورحنفی المسلک قرار دیا ہے۔[5] امام ابن معین نے یہ روایت اپنی کتاب التاریخ میں نقل کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ روایت مذکورہ صحیح ہے۔

ثانیاً: اس روایت صحیحہ کا مفاد یہ ہے کہ امام صاحب نے اپنی مذکورہ بالا بات جس زمانہ میں کہی اس زمانہ میں ان کے پاس امام محمد بھی پڑھنے جایا کرتے تھے، اورامام ابن خلکان وعلامہ شبلی نے امام محمد کا سال ولادت ۱۳۵ھ بتلا کر کہا ہے کہ انھوں نے درسگاہ امام صاحب میں دو سال تعلیم پائی۔[6] اس کا مفاد یہ ہے کہ امام محمد درسگاہِ امام صاحب میں ۱۴۸/ ۱۴۹ھ سے پڑھنے جانے لگے تھے، اس کے برعکس مصنف انوار نے کہا:

” امام محمد ۱۳۲ھ میں پیدا ہوئے اوربعمر ستاون سال ۱۸۹ھ میں فوت ہوئے اور ۱۴۶ھ میں بعمر چودہ سال درسگاہِ امام صاحب میں پڑھنے کے لیے جانے لگے۔“[7]

---

[1] تاریخ ابن معین (۲/ ۶۰۷) وخطیب (۱۳/ ۴۰۲) واللمحات (۱/ ۴۹۰)

[2] مقدمه انوار (۱/ ۱۶۱ تا ۱۶۶)

[3] مقدمه انوار (۱/ ۲۳۰، ۲۳۱)

[4] خطیب (۱۲/ ۳۵۳) وتهذيب التهذيب (۸/ ۲۷۳)

[5] مقدمه انوار (۱/ ۱۳۲، ۱۳۳)

[6] وفيات الأعيان ترجمه امام محمد وسيرة النعمان مطبوعه ۱۹۶۳ء (ص: ۲۱۷)

[7] ماحاصل ازمقدمه انوار (۱/ ۱۹۲)

مصنف انوار کا بیان اگرچہ امام ابن خلکان اور علامہ شبلی کے خلاف ہے مگر اس کا حاصل یہ ہے کہ درسگاہ امام صاحب میں امام محمد چونکہ ۱۴۶ھ سے پڑھنے کے لیے جانے لگے، اس لیے امام صاحب نے اپنی مذکورہ بالا بات ۱۴۶ھ کے بعد ہی فرمائی ہے یعنی اپنی زندگی کے آخری ایام میں۔

ثالثاً: روایت مذکورہ کا مفاد یہ ہے کہ امام صاحب کے قول مذکور کے صادر ہونے کے پہلے امام صاحب کی طرف سے مطلقاً اس بات کی اجازت تھی کہ ان کی درسگاہ میں پڑھنے والے لوگ ان کی فرمائی ہوئی تمام علمی باتیں لکھ سکتے ہیں، مگر اپنے فرمان مذکور کے ذریعہ امام صاحب نے اپنی درسگاہ میں فرمائی ہوئی باتوں کو لکھنے کی اجازت مطلقہ کو ختم کر دیا اور فرما دیا کہ میری بیان کردہ سنی ہوئی تمام باتیں نہ لکھی جائیں۔

رابعاً: اپنی بیان کردہ تمام باتوں کو لکھنے کی ممانعت کا سبب امام صاحب نے یہ بتلایا کہ میری رائے روزانہ بدلتی رہتی ہے اور میری جو رائے روزانہ بدلتی رہے وہ ناقابل نوشت ہے۔ اس کا دوسرا مفاد یہ بھی ہے کہ امام صاحب اپنی درسگاہ میں جو علمی وفقہی باتیں بیان کرتے تھے وہ امام صاحب کی تصریح کے مطابق روزانہ بدلتے رہنے والی ''آراء'' تھیں، بلفظ دیگر امام صاحب کی بیان کردہ جملہ علمی باتیں ''رائے'' ہوا کرتی تھیں، جن میں آئے دن ترمیم وتبدیلی ہوا کرتی تھی اور امام صاحب کی نظر میں ان کی بیان کردہ علمی باتوں یعنی آراء میں روزانہ واقع ہوتے رہنے والی علت ایسی علت قادحہ تھی جس کے پائے جانے کے سبب ان کی بیان کردہ علمی باتیں ناقابل نوشت تھیں۔

ہم بیان کر آئے ہیں کہ امام صاحب کے متعدد تلامذہ کی تصریحات کا حاصل بھی یہی ہے کہ امام صاحب کی بیان کردہ علمی باتیں محض رائے وقیاس ہوتی تھیں جن میں روزمرہ ترمیم وتبدیلی ہوتی رہتی تھی نیز یہ بھی بتلایا جا چکا ہے کہ امام صاحب نے پوری صراحت سے فرما دیا ہے کہ میری تمام علمی باتیں محض رائے وقیاس ہیں۔[1]

اس تفصیل کا حاصل یہ نکلا کہ امام صاحب اور ان کے متعدد تلامذہ نے متفقہ طور پر صراحت کر دی ہے کہ امام صاحب کی بیان کردہ عام علمی باتیں رائے وقیاس ہوا کرتی تھیں جن میں روزمرہ واقع ہونے والی علت ترمیم وتغیر کو دیکھ کر امام صاحب اور ان کے متعدد وتلامذہ کو احساس ہوا کہ امام صاحب کی بیان کردہ علمی باتیں ناقابل نوشت ہیں۔ ''لا تکتب کل ما تسمعہ'' والے فرمان امام صاحب سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب نے اپنی بیان کردہ تمام باتوں کو لکھنے سے ممانعت نہیں کی تھی مگر امام صاحب کی بیان کردہ علت منع کتابت سے مستفاد ہوتا ہے کہ موصوف نے اپنی بیان کردہ باتوں کو لکھنے سے مطلقاً ہی منع کر دیا تھا جس کی نہایت صریح اور واضح دلیل امام صاحب کا یہ فرمان ہے:

"لا ترو عنی شيئا فإني والله ما أدري أ مخطئ أنا أم مصيب."[2]

''میری بیان کردہ کسی بھی علمی بات کی نقل وروایت مت کرو کیونکہ مجھے معلوم نہیں کہ میری بیان کردہ یہ علمی باتیں صحیح ہیں یا غلط ہیں۔''

---

[1] اللمحات (١/ ١٦٧ و ٤٩٠ تا ٤٩٥)

[2] خطيب (١٣/ ٤٠٢) واللمحات (١/ ٤٩٥)

امام صاحب کے اس فرمان سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے حکم صادر کر دیا تھا کہ زبانی طور پر بھی میری کسی بات کی نقل وروایت نہ کی جائے، اور ہر صاحب عقل بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ جب امام صاحب نے اعلان فرما دیا تھا کہ زبانی طور پر بھی میری بیان کردہ کوئی بات نقل نہ کی جائے تو تحریری طور پر کسی بات کی نقل کو موصوف نے بدرجۂ اولیٰ منع کر دیا ہوگا، اور جو علتِ منع امام صاحب نے اپنے قول مذکور میں بیان فرمائی ہے وہ امام صاحب کی بیان کردہ تمام باتوں میں امام صاحب کی تصریح کے مطابق پائی جاتی تھی، اس لیے واضح ہوتا ہے کہ امام صاحب نے جس طرح زبانی طور پر ان کی نقل سے منع کیا تھا اسی طرح کتابی وتحریری طور پر بھی منع کر دیا تھا بلکہ روایات کے مجموعہ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب نے اپنے فرمان ''لا تکتب کل ما تسمعه'' کے بعد ''لاتروعني شیئا'' کا فرمان صادر کیا تھا، پہلے والے فرمان میں علتِ منعِ نوشت اپنی بیان کردہ باتوں میں آئے دن واقع ہونے والی تبدیلی کو قرار دیا تھا اور اس کے بعد والے فرمان میں علتِ منعِ روایت اس بات کو قرار دیا تھا کہ مجھے پتہ نہیں رہتا کہ میری بیان کردہ علمی باتیں صحیح ہوتی ہیں یا غلط ہوتی ہیں۔

ہم عرض کر آئے ہیں کہ امام صاحب کا یہ شک بعد میں اس یقین میں تبدیل ہو گیا تھا کہ:

''إن عامة ما أحدثكم به خطأ ـهذا الذي حدثتكم كله ريح وباطل۔ والله ما أدري لعله الباطل الذي لا شك فيه۔ فقال ابو حنيفة تحمل هذا الكلام فقال نعم قال تحمل شرا كثيرا.''[1]

''بلاشک وشبہ میری بیان کردہ عام علمی باتیں مجموعۂ اغلاط واباطیل نیز بہت سی شرآمیز چیزوں پر مشتمل ہیں۔''

ہر صاحب عقل بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ جب امام صاحب نے صرف اس شک وتردد کی بنا پر ''میری بیان کردہ باتیں صحیح ہیں یا غلط'' اپنی باتوں کی نقل وروایت کو منع ہی کر دیا تھا تو پھر جب بعد میں انھیں یقین ہو گیا کہ بلاشک وشبہ میری بیان کردہ عملی باتیں مجموعۂ اغلاط ہیں تو انھوں نے یقیناً بدرجہ اولی ان کی نقل وروایت کو منع کر دیا ہوگا، اور اس کا لازمی مطلب یہ ہوا کہ امام صاحب کا یہ فرمان امام صاحب کی آخری زندگی میں صادر ہوا تھا جبکہ ان کی درسگاہ میں امام محمد کو پڑھتے ہوئے کچھ دن گزر چکے تھے، یعنی ۱۴۸/ ۱۴۹ھ کے بعد اپنی وفات سے بالکل قریبی زمانے میں۔ اس لیے اگر یہ مان لیا جائے کہ امام صاحب نے اپنے فقہی مذہب کی تدوین کے لیے کوئی چہل رکنی مجلس فی الواقع قائم کی تھی اور اپنی قائم کردہ اس مجلس تدوین کے چہل ارکان کے ساتھ موصوف اپنے فقہی مذہب کی تدوین میں لگ بھی گئے تھے تو مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق موصوف امام صاحب نے اپنی زندگی کے آخر میں اعلان کر دیا تھا کہ میری بیان کردہ یا تحریر کردہ علمی وفقہی باتیں مجموعۂ اغلاط اور ناقابل نوشت وروایت ہیں۔

الغرض امام صاحب کی طرف منسوب فقہی وعلمی باتیں بتصریح امام صاحب مجموعۂ اغلاط اور ناقابل نوشت ونقل ہیں، اس لیے امام صاحب کی طرف منسوب شدہ جتنی بھی علمی وفقہی باتیں زبانی یا تحریری طور پر بیان کی جاتی ہیں وہ اوّلاً: امام صاحب کے حکم وفرمان کے خلاف بیان کی جاتی ہیں۔ ثانیاً: وہ سب کی سب بقول امام صاحب مجموعۂ اغلاط ہیں، ہمارے خیال سے اپنی بیان کردہ علمی باتوں کو امام صاحب نے اس وجہ سے بھی ممنوع الروایہ والکتابۃ قرار دے دیا کہ انھیں یقین ہو گیا تھا کہ ان کے بعض تلامذہ ان کی طرف اپنی اختراعی باتیں بھی منسوب کر کے زبانی وتحریری طور پر بیان کرتے ہیں، اپنی بیان کردہ باتوں کی نوشت

[1] اللمحات (١/ ٤٩٤ تا ٤٩٧)

وروایت سے منع کرنے کے متعلق امام صاحب سے مروی شدہ مذکورہ بالا باتیں باعتبار سند امام صاحب کی طرف منسوب شدہ بہت سے فقہی وعلمی اقوال کے بالمقابل معتبر ہیں جن کو امام صاحب کی تقلید کا دم بھرنے والے واجب التقلید قرار دیے ہوئے ہیں۔ مصنف انوار کے ممدوح علامہ جلال الدین سیوطی نے بحوالہ امام ذہبی لکھا:

''امام صاحب نے ۱۴۳ھ سے تدوین فقہ کا کام شروع کیا۔'' ❶

مذکورہ بالا قولِ سیوطی کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ امام صاحب نے ذاتی طور پر اپنی اس فقہ کی تدوین اپنی وفات ۱۵۰ھ سے سات سال پہلے شروع کی تھی جس کو بعد میں موصوف نے مجموعۂ رائے وقیاس نیز مجموعۂ اغلاط کہہ کر ممنوع الروایۃ والکتابۃ قرار دے دیا تھا۔ البتہ چونکہ بعض روایات صحیحہ کا مفاد ہے کہ امام صاحب بدست خود اپنی کتابیں نہیں لکھتے تھے بلکہ بطریقِ املا لکھواتے تھے، اس لیے یہ ماننے بغیر چارہ نہیں کہ امام صاحب نے اپنے فقہی مذہب کی تدوین بطریق املا ۱۴۳ھ سے شروع کی لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اپنے فقہی مذہب کی تدوین کا کام امام صاحب نے ۱۴۳ھ سے اپنی قائم کردہ کسی چہل رکنی مجلس تدوین کے ساتھ شروع کیا، لیکن مصنف انوار علامہ سیوطی کے نقل کردہ قول ذہبی کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ دعویٰ کر سکتے تھے کہ امام صاحب نے اپنے فقہی مذہب کی تدوین کے لیے چہل رکنی مجلس تدوین ۱۴۳ھ میں قائم کی تھی اور اپنی قائم کردہ اس چہل رکنی مجلس تدوین کے ساتھ امام صاحب نے ۱۴۳ھ سے اپنے فقہی مذہب کی تدوین شروع کی تھی مگر بعد میں اپنی وفات سے کچھ پہلے ۱۴۹/ ۱۵۰ھ میں موصوف کو اس بات کا احساس ویقین ہوگیا کہ خالص رائے وقیاس پر مشتمل اپنی جس فقہ کی تدوین میں اپنی چہل رکنی مجلس کے ذریعہ کرا رہا ہوں وہ مجموعۂ اغلاط ہے۔ نیز اس کی کتابت کرنے پر مقرر شدہ لوگ بڑے پیمانے پر اپنی اختراعی باتیں بھی میری طرف منسوب کر کے لکھ ڈالتے ہیں، اس لیے قطع شر کے لیے موصوف نے کار تدوین کو بند کر دیا اور تدوین شدہ باتوں کی نقل وروایت اور ترویج واشاعت کو ممنوع قرار دے دیا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ امام صاحب نے اپنی باتوں کی نقل وروایت اور کتابت سے منع کرنے کے لیے جو حکم صادر فرمایا تھا اس میں انھوں نے امام ابو یوسف کو خاص طور پر خطاب کیا تھا اور مصنف انوار کا ارشاد ہے:

''امام اعظم کے شرکاء تدوین فقہ میں سب لوگ ابو یوسف کو عشرۂ متقدمین میں شمار کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اول سے لے کر آخر تک شریک تدوین رہے اور تصفیہ شدہ مسائل واحکام کو دفاتر میں لکھنے کی خدمت بھی ان سے متعلق رہی ہے۔ ❷ امام ابو یوسف پہلے شخص ہیں جنھوں نے امام صاحب کا علم زمین کے گوشہ گوشہ میں پھیلایا اصول فقہ کی کتابیں لکھیں مسائل کا نشر املاء کے ذریعہ کیا۔ ❸ امام ابو یوسف امام صاحب کی مجلس تدوین کے رکن رکین اور فرد اعظم تھے اور امام صاحب کی وفات تک تقریباً انتیس سال تدوین کے کام میں مشغول رہے۔ ❹ ابو یوسف نے امام صاحب کے مذہب پر اصول فقہ کو سب سے پہلے تصنیف کیا۔ مسائل احکام کا املا کرایا اور امام صاحب کے علوم اجتہادیہ کو زمین کے تمام حصوں میں پھیلایا اور نشر کیا۔'' ❺

---

❶ تاریخ الخلفاء للسیوطی واقعات خلافت منصور (ص: ۱۷۸)
❷ مقدمه انوار (۱/ ۱۷۳) ❸ مقدمه انوار (۱/ ۱۷٤)
❹ مقدمه انوار (۱/ ۱۷۹) ❺ مقدمه انوار (۱/ ۱۸۲ و ۱/ ۱۵٤)

مصنف انوار کی مندرجہ بالا باتوں کا حاصل یہ ہے کہ چہل رکنی مجلس تدوین کے ساتھ امام صاحب کے حل کردہ مسائل کے میر منشی اور کاتب ومحرر نیز ناشر ومرتب امام ابو یوسف ہی تھے اور یہ بات گزر چکی ہے کہ امام صاحب نے ابو یوسف ہی کو خطاب کر کے فرمایا تھا:

"تكتبون في كتابنا ما لم نقله ـ كم تكذبون في هذه الكتب علي ما لم أقله ـ لا تكتب كل ما تسمعه مني ـ لا ترو عني شيئاً ـ "

''ہماری کتاب میں تم ہماری نہ کہی ہوئی باتیں بھی لکھ ڈالتے ہو اور ان کتابوں میں تم بکثرت جھوٹی باتیں میری طرف منسوب کر کے لکھ ڈالتے ہو، تم مجھ سے سنی ہوئی ہر بات مت لکھا کرو تم مجھ سے کسی بھی چیز کی نقل وروایت مت کرو۔''

امام صاحب کے ان فرامین سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کی طرف منسوب علمی باتوں پر مشتمل کتابوں کے منشی اور اصل کاتب وراوی اور ناشر ومرتب ابو یوسف ہی تھے، یہی وجہ تھی کہ جب امام صاحب نے اپنی علمی باتوں کی تقریری اور تحریری دونوں طور پر نقل وروایت بند کرنے کا ارادہ کیا تو انھوں نے ابو یوسف ہی سے خطاب کر کے کہا کہ میری بیان کردہ باتوں کی روایت وکتابت مت کرو۔

عمار بن ابی مالک نے کہا:

"لولا ابويوسف ما ذكر ابوحنيفة ولا ابن ابى ليلى ولكن نشر علمهما وبث قولهما."[1]

''یعنی اگر ابو یوسف نہ ہوتے تو امام صاحب اور ابن ابی لیلیٰ کا نام بھی نہیں لیا جاتا، ابو یوسف ہی نے دونوں کے علم ومذہب کی نشر واشاعت کی۔''

علامہ قاسم بن قطلو بغا حنفی نے تاج التراجم میں لکھا ہے:

"هو من وضع الكتب في أصول الفقه وأملى المسائل ونشرها وبث علم أبي حنيفة في أقطار الأرض لولا أبو يوسف ما ذكر أبو حنيفة."[2]

''یعنی پوری دنیا میں علوم ابی حنیفہ کی نشر واشاعت کرنے والے اور مسائل کی تدوین نیز اصول فقہ میں کتابوں کی تصنیف کرنے والے ابو یوسف ہی تھے۔''

کیا چہل رکنی مجلس تدوین کی مدّت تیس سال ہے؟

مصنف انوار کا دعویٰ بہرحال یہ ہے کہ چہل رکنی مجلس تدوین کے ساتھ امام صاحب کے حل کردہ مسائل کو لکھنے کی ذمہ داری اول سے لے کر آخر تک یعنی پوری مدتِ تدوین تک امام ابو یوسف کے سپرد رہی، اور علامہ سیوطی کے نقل کردہ اس قول کہ ''امام صاحب نے تدوین فقہ ۱۴۳ھ سے شروع کی۔'' سے لازم آتا ہے کہ امام صاحب کی کل مدت تدوین فقہ زیادہ سے زیادہ سات سال تھی، اور تفصیل مذکورہ بالا کے مطابق امام صاحب کے اس سات سالہ علمی کارنامہ کو قید تحریر میں لانے والے امام ابو یوسف ہی تھے مگر اپنی قائم کردہ چہل رکنی مجلس تدوین کے ساتھ امام صاحب کے انجام دیے ہوئے کارنامۂ تدوین کی مدت مصنف انوار نے اپنی بے پناہ اختراعی صلاحیت کی بدولت تیس سال بتلائی ہے، چنانچہ موصوف مصنف انوار نے ایک جگہ فرمایا:

---

[1] أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ۹۲)
[2] حاشيه جواهر المضية بحواله تاج التراجم (۲/ ۲۲۱)

''۱۲۰ھ سے امام اعظم نے اپنے چالیس شرکاء تدوین فقہ اور دوسرے اصحاب وتلامذہ کے ساتھ پچیس تیس سال تک لاکھوں مسائل کا استخراج کیا۔''[1]

مصنف انوار کے مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ چہل رکنی مجلس نیز دوسرے اصحاب وتلامذہ کے ساتھ امام صاحب نے تدوین فقہ کا کام ۱۲۰ھ سے شروع کر دیا تھا، بلفظ دیگر امام صاحب ۱۲۰ھ میں چہل رکنی مجلس تدوین قائم کر چکے تھے اوراسی وقت یعنی ۱۲۰ھ سے موصوف ان چالیس ارکان مجلس نیز ان کے دوسرے معاونین کے ساتھ تدوین فقہ میں مصروف ہو گئے تھے اوراس وقت ۱۲۰ھ سے لے کر پچیس تیس سال تک امام صاحب کا یہ کام ان چہل ارکان اوردوسرے معاونینِ تدوین کے ساتھ جاری رہا، بلفظ دیگر بتصریح مصنف انوار چہل رکنی مجلس کے ساتھ امام صاحب کی مدتِ تدوین پچیس تیس سال ہے اور چونکہ مصنف انوار کا فرمان یہ ہے کہ امام صاحب کی مہمِ تدوین میں حل شدہ مسائل کو اول سے آخر تک لکھنے کا کام کرنے والے امام ابویوسف تھے، اس لیے اس کا لازمی مطلب ہے کہ ۱۲۰ھ میں جب امام صاحب نے چہل رکنی مجلس قائم کر کے اپنی تیس سالہ مہمِ تدوین شروع کی تو اس وقت ابویوسف مجلس مذکور کے ذریعہ حل شدہ مسائل کی تحریر وترتیب کے کام پر مامور کر دیے گئے اورموصوف اس وقت سے لے کرتیس سال مسلسل اپنی اس ذمہ داری کو ادا کرتے رہے نیز ان کے ساتھ امام صاحب کی سرپرستی میں مجلس مذکور کے سبھی ارکان جو چالیس عدد تھے نیز ان کے معاونین جو سینکڑوں تھے حلِ مسائل میں مصروف رہے۔

مصنف انوار نے ایک جگہ فرمایا:

''امام صاحب کی شورائی طرز کی فقہی مجلس کی دھاک دور دور تک بیٹھی ہوئی تھی اور دنیا کی یہ بے نظیر علمی مہم دوچار دس سال تک بھی نہیں تقریباً تیس سال بلکہ زیادہ تک پورے شدومد سے جاری رہی۔''[2]

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مصنف انوار نے اپنے مندرجہ بالا بیان میں صراحت کی ہے کہ مجلس تدوین کے ساتھ امام صاحب کی مدتِ تدوین دوچار دس اورتقریباً تیس سال ہی نہیں ہے بلکہ اس سے زیادہ ہے، تقریباً تیس سال کی نفی کر کے یہ کہنا کہ امام صاحب کی مدت تدوین تقریباً تیس سال سے زیادہ ہے اس امر کی دلیلِ صریح ہے کہ مصنف انوار نے جو یہ کہا ہے کہ امام صاحب نے اپنے چالیس شرکاءِ تدوین نیز دوسرے تلامذہ کے ساتھ پچیس تیس سال تک استخراجِ مسائل کیا اس سے موصوف کی مراد یہ ہے کہ امام صاحب نے پورے تیس سال کی مدت میں یہ کام انجام دیا اورتیس سالہ مدت میں اول سے لے کرآخر تک مجلس مذکور کے ساتھ امام صاحب کے حل کردہ مسائل کو قیدِ تحریر میں لانے کی خدمت ابویوسف انجام دیتے رہے۔

جب مصنف انوار نے مجلس مذکور کے ساتھ امام صاحب کی مدتِ تدوین اپنے ایک بیان میں پچیس تیس سال بتلائی ہے اور دوسرے بیان میں اس مدت کے تقریباً تیس سال ہونے کی نفی کر کے یہ مدت تقریباً تیس سال سے زیادہ بتلائی ہے، جس کا لازمی مطلب ہے کہ مدت مذکور مصنف انوار کی تصریح کے مطابق پورے تیس سال ہے تو پھر مصنف انوار کا یہ بیان قابلِ ملاحظہ ہے:

''امام صاحب کی تدوین فقہ کا یہ عظیم الشان کام تقریباً پچیس تیس سال تک جاری رہا۔''[3]

---

[1] مقدمہ انوار ملخصاً (۲/ ۱۸)
[2] مقدمہ انوار (۱/ ۱۵۸)
[3] مقدمہ انوار (۱/ ۷۹)

جب مصنفِ انوار ایک جگہ امام صاحب کی مدت تدوین کے تقریباً تیس سال ہونے کی نفی کر کے اسے اس سے زیادہ بتلا چکے ہیں اور دوسری جگہ صراحت کر چکے ہیں کہ مدت مذکور پچیس تیس سال ہے تو تیسری جگہ مصنف انوار نے یہ کیا فرمادیا کہ مدت مذکور تقریباً پچیس تیس سال ہے یعنی پورے پچیس تیس سال سے کم۔ مگر مصنف انوار کی ان نا قابل فہم باتوں سے صرف نظر کرتے ہوئے ہم یہ مان لیتے ہیں کہ چونکہ موصوف نے مدت مذکور کے تقریباً تیس سال ہونے کی نفی کی ہے اور تقریباً بیس سال سے موصوف نے یہ مدت زیادہ بتلائی اور اس کی صراحت بھی کر دی ہے کہ مدت مذکور تیس سال ہے، اس لیے مدتِ مذکور فی الواقع تقریباً پچیس تیس سال کے بجائے پورے بیس سال ہے، کیونکہ مصنف انوار نے تذکرۂ یحییٰ بن زکریا میں یہ بھی فرمایا ہے:

''وہ یعنی یحییٰ بن زکریا امام اعظم کے ان چالیس اصحاب میں سے تھے جو تدوین کتب فقہ میں مشغول تھے اور تیس سال تک مسلسل وہی مسائل مدونہ کو لکھتے رہے۔''[1]

مصنف انوار کے مندرجہ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ کرنے والے چالیس افراد تیس سال تک مسلسل تدوین فقہ میں مشغول رہے اور تیس سال کی پوری مدت میں ان حضرات کے حل کردہ مسائل کو لکھنے کا کام یحییٰ بن زکریا کیا کرتے تھے، حاصل یہ کہ مصنف انوار نے اپنے مذکورہ بالا بیان میں بھی چہل رکنی مجلس تدوین کے ساتھ امام صاحب کے کارنامۂ تدوین انجام دینے کی مدت تیس سال بتلائی ہے اگرچہ موصوف نے اپنے اس بیان میں مجلس مذکور کے حل کردہ مسائل کا محرر و کاتب امام ابو یوسف کے بجائے امام یحییٰ بن زکریا کو قرار دیا ہے جو بظاہر موصوف کے اس بیان کے خلاف ہے کہ مجلس مذکور کے حل کردہ مسائل کے لکھنے کا کام از اول تا آخر امام ابو یوسف ہی کرتے رہے۔ معلوم نہیں مصنف انوار اپنے ان دونوں تحریری بیانوں کے مابین کیا صورتِ تطبیق بتلاتے ہیں مگر ہم رفع تضاد کے لیے یہ صورت تطبیق مان لیتے ہیں کہ مجلس مذکور کے ذریعہ حل شدہ مسائل کو لکھنے کا کام ابو یوسف کے علاوہ بعض دوسرے لوگ مثلاً یحییٰ بن زکریا بھی کیا کرتے تھے حالانکہ اس صورت تطبیق کے لیے کوئی دلیل نہیں کیونکہ دونوں کی دونوں باتیں مکذوب ہونے کے ساتھ باہم ایسی متعارض ہیں کہ تطبیق مذکور کامیاب نظر نہیں آتی۔

نیز مصنف انوار نے تذکرۂ اسد بن عمرو میں کہا:

''امام اسد مشہور محدث وفقیہ اور امام صاحب کے ان چالیس فقہاء واصحاب میں سے تھے جو تدوین فقہ میں مشغول ہوئے، تیس سال تک انھوں نے مسائل فقہ حنفی لکھے۔''[2]

مصنف انوار کی مندرجہ بالا بات کا حاصل بھی یہ ہے کہ چہل رکنی مجلس تدوین کے ساتھ امام صاحب کی مدت تدوین تیس سال ہے، اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مصنف انوار نے ایک جگہ جو یہ لکھ دیا ہے کہ مدت تدوین تقریباً پچیس تیس سال ہے وہ انھیں کے بقول صحیح نہیں ہے، اس لیے موصوف نے استدراک کرتے ہوئے اس کی تصحیح اپنے اس فرمان کے ذریعہ کردی ہے کہ ''مدت مذکور تقریباً تیس سال بلکہ اس سے زیادہ ہے۔

مصنف انوار نے جو یہ فرمایا ہے کہ ''امام صاحب نے ۱۲۰ھ سے اپنے چالیس شرکاءِ تدوین اور دوسرے تلامذہ کے ساتھ

[1] مقدمه انوار (۱ / ۱۹۱ تذکره یحییٰ بن زکریا)
[2] مقدمه انوار (۱ / ۱۹۱ تذکرة اسد بن عمرو)

پچیس تیس سال استخراج مسائل کیا۔"[1] تو اس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ امام صاحب کے ساتھ ان کے چالیس شرکاء تدوین نیز دوسرے تلامذہ نے تدوین فقہ کا تیس سالہ کام ۱۲۰ھ سے شروع کر دیا تھا اور موصوف کے اس کام کی تیس سالہ مدت ۱۵۰ھ میں ختم ہوئی تھی یعنی موصوف کی وفات کے سال، بلفظ دیگر بقول مصنف انوار مجلس مذکور کے چالیس ارکان کا انتخاب کارنامۂ تدوین کی انجام دہی کے لیے ۱۲۰ھ میں امام صاحب نے کرلیا تھا، ناظرین کرام مصنف انوار کی اس بات کو بخوبی ذہن نشین رکھیں۔

کیا مجلس تدوین کی دھاک پورے عالمِ اسلام میں پھیلی ہوئی تھی؟

امام صاحب نے اگرچہ بہت تاسف وتکلیف کے ساتھ بطور زجر وتوبیخ نیز شکوہ واحتجاج کے انداز میں اپنے بعض تلامذہ کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ لوگ اپنی اختراعی اورخانہ ساز باتیں میری طرف منسوب کر کے کتابوں میں لکھ ڈالتے اورزبانی طور پر بھی ان کو پھیلاتے ہیں۔

مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ امام صاحب کے متعدد تلامذہ یہ کاروبار بڑے پیمانے پر چلاتے تھے جس کی تصدیق امام صاحب کے علاوہ دوسرے ائمہ جرح وتعدیل نے بھی کی ہے، اس کے باوجود امام صاحب کے کسی کذاب سے بھی کذاب تر شاگرد یا غیر شاگرد معاصر نے چہل رکنی مجلس تدوین کی کہانی نہیں سنائی تھی، امام صاحب کے کسی بھی معاصر نے اس فرضی داستان کے کسی ادنیٰ ترین جزو کا ذکر بطور اشارہ وکنایہ تک نہیں کیا تھا بلکہ امام صاحب کی وفات کے بعد متصل زمانہ میں پائے جانے والے کسی غیر معاصر شخص سے بھی بسند معتبر اس داستان کے کسی جزو یا کل کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔حالانکہ مصنف انوار کا دعویٰ ہے:

> ''امام صاحب کی بلند ترین شخصیت علمی کے گہرے اثرات نئے طرز وفکر، افتاء وتخریج مسائل کے لیے اسلوب فہم معانی حدیث واستنباط احکام کے گراں قدر اصول، شورائی طرز کی فقہی مجالس کی دھاک دور دور تک بیٹھی ہوئی تھی اور یہ دنیا کی بےنظیر علمی مہم دوچار دس سال تک بھی نہیں تقریباً تیس سال بلکہ زیادہ تک پورے شد ومد سے رہی، اتنے بڑے عظیم الشان کارنامہ کو انجام دینے والی عظیم شخصیت کے ایسے غیر معمولی کارنامہ کو دیکھ کر دنیائے علم محو حیرت وتماشہ تھی، قریب سے دیکھنے والوں نے اچھے اثرات لیے دور سے اندازہ کرنے والوں میں صحیح وغلط دونوں ہوئے کچھ غلط فہمی کے شکار ہوئے اور کچھ نے مخالفانہ پروپیگنڈے شروع کیے۔"[2]
>
> تدوین حدیث کے ساتھ ہی امام اعظم نے سینکڑوں ہزاروں ائمہ حدیث کی موجودگی میں اپنے تلامذہ واصحاب مجتہدین وکبار محدثین کی مدد سے فقہ اسلامی کو مدون کیا جس پر اسی وقت سے ساری دنیا نے عمل بھی شروع کر دیا، اورعباسی خلفاء نے باوجود ذاتی مخالفت امام اعظم کے بھی اسی کو اسلامی قانون کی پوزیشن دی اوراگر کبھی کوئی آواز خلاف میں اٹھی تو اس کا دفاع بھی خود ہی کیا۔ ان واقعات کی تفصیل اوراس وقت کی اسلامی دنیا کتنی وسیع تھی یہ سب امور بھی مقدمہ میں آئیں گے یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ امام صاحب کی حیثیت دور تابعین میں سرتاج فقہاء ومحدثین کی تھی پھر اس پر تدوین فقہ کا کارنامہ سونے پر سہاگا ہوگیا، ایسے حالات میں اگر آپ کی تقلید واتباع لوگوں نے کی تو کیا برا کیا۔"[3]

---

[1] مقدمہ انوار (۲/ ۱۸) [2] مقدمہ انوار (۱/ ۱۵۸) [3] مقدمہ انوار (۱/ ۱٤)

مصنف انوار کی مذکورہ بالا باتوں کا حاصل مطلب یہ ہے کہ امام صاحب کی زندگی ہی میں ان کے مدون کردہ فقہی مذہب پر ساری دنیا میں عمل ہونے لگا اور امام صاحب کا فقہی مذہب مسلمانوں کا سرکاری مذہب قرار پا گیا، عباسی خلفاء نے اسے عالم اسلام کا سرکاری مذہب بنا دیا۔ مگر عجیب بات ہے کہ امام صاحب اور ان کی چہل رکنی مجلس تدوین کے اس طویل المدت کارنامۂ تدوین کا کوئی ذکر امام صاحب کے کسی معاصر حتی کہ مجلس مذکور کے متعین چہل ارکان اور سینکڑوں معاونین میں سے کسی نے بطور اشارہ وکنایہ بھی نہیں کیا حالانکہ بدعویٰ مصنف انوار اس طویل المدت کارنامہ تدوین کی دھاک اور شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی جسے دیکھ کر دنیائے علم محو حیرت بھی تھی۔

دنیا میں احسان فراموشی کے واقعات بکثرت پائے جاتے ہیں مگر دنیائے علم پر امام صاحب کے کیے گئے اس احسان عظیم کا کوئی ذکر مجلس مذکور کے چہل ارکان میں سے بھی کسی کا نہ کرنا یقیناً نہایت حیرت انگیز سانحہ ہے، حالانکہ ان چہل ارکان پر امام صاحب کا یہی احسان کیا کم تھا کہ انھوں نے ان حضرات کو اس عظیم الشان کارنامہ میں اپنا شریک ورفیق بنایا نیز ان پر دوسرے بہت سارے احسانات کیے مگر جب ان لوگوں میں سے کسی نے بھول کر بھی امام صاحب کے اس عظیم احسان کا ذکر نہیں کیا تو پھر دوسرے لوگ جتنی بھی بے اعتنائی سے کام لیتے کم ہوتا۔

اس میں شک نہیں کہ امام صاحب کے زمانہ میں یا ان سے متصل قریب کے زمانہ میں کسی فرد نے مجلس مذکور کے وجود کی طرف کوئی اشارہ بھی نہیں کیا تھا حالانکہ مجلس مذکور کے ارکان میں سے ہی متعدد لوگ مختلف کتابیں لکھے ہوئے ہیں، البتہ چوتھی صدی کے اواخر اور پانچویں صدی کے اوائل میں نہایت مجمل طور پر افسانہ گوئی کے انداز میں یہ کہانی بعض حلقوں میں سنائی جانے لگی تھی کہ امام صاحب کے ساتھ چالیس افراد نے مل کر تدوین کتب کا کارنامہ انجام دیا، پھر رفتار زمانہ کے ساتھ اس داستان میں حیرت انگیز اضافات ہوتے رہے حتی کہ چودھویں صدی میں یہ داستان بہت کافی طویل وعریض اور رنگین ودلچسپ ہوگئی جو انوار الباری کے کئی صفحات میں مرتب ومنتشر انداز میں پھیلی ہوئی ہے۔

اس جگہ ناظرین کرام مصنف انوار کا مندرجہ ذیل بیان بھی ملاحظہ فرمالیں:

> ''سراج الامۃ امام الائمہ امام اعظم نے حضرت ابن مسعود کے طریق اجتہاد کو کمال پر پہنچا کر تدوین فقہ کی مہم سر کرائی، تقریباً ساڑھے بارہ لاکھ مسائل وجزئیات کو منقح کرا کر ان کو ابواب پر مرتب کرایا جن سے کتاب الفرائض وکتاب الشروط وغیرہ تصنیف ہوئیں، پھر آپ ہی کے نقش قدم پر چل کر امام مالک، امام محمد، ابو یوسف، زفر، امام شافعی، امام احمد وغیرہ کبار ائمہ مجتہدین نے اصول تفقیہ وتفریع وغیرہ مرتب کر کے ترقیات کیں اور فقہ، اصول فقہ، اصول حدیث ورجال پر بہترین کتابیں وجود میں آئیں، موفق (۲/ ۲۴۵) میں تصریح ہے کہ سب سے پہلے علم اصول فقہ میں امام ابو یوسف نے امام اعظم کے مذہب پر کتابیں لکھیں، اس لیے امام شافعی کے بارے میں جو کسی نے لکھا ہے کہ اصول فقہ پر سب سے پہلے کتاب لکھی وہ صرف امام شافعی کے اصول فقہ سے متعلق سمجھنا چاہیے۔
> مسند خوارزمی میں ہے کہ امام صاحب نے سب سے پہلے علم شریعت کو مدون کیا کیونکہ صحابہ وتابعین کے بلاد

اسلامیہ میں منتشر ہونے کی وجہ سے علم شریعت کو منتشر پایا اور متاخرین کے سوء حفظ کا خیال کر کے تدوین شریعت کی ضرورت محسوس کی۔"[1]

ناظرین کرام مصنف انوار کے مندرجہ بالا بیان سے پہلے موصوف کا وہ بیان ملاحظہ فرما آئے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب کے طویل المدت کارنامۂ تدوین کی شہرت اپنے اور پرائے لوگوں میں دور دور تک پھیلی ہوئی تھی جس کو دیکھ کر دنیائے علم محو حیرت تھی، اور موصوف کے مندرجہ بالا بیان کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب نے تقریباً ساڑھے بارہ لاکھ منقح شدہ مسائل کو مرتب کرایا تھا اور امام صاحب ہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے امام صاحب کے بعد امام مالک، ابو یوسف، محمد، زفر، شافعی واحمد وغیرہ نے کتابیں لکھی تھیں۔

مصنف انوار نے امام صاحب کے بعد امام صاحب کے نقش قدم پر کتابیں لکھنے والوں میں جن ابو یوسف، زفر اور محمد کا ذکر کیا انھیں موصوف نے امام صاحب کی قائم کردہ مجلس تدوین کے اراکین میں بھی شمار کیا ہے مگر یہ عجیب بات ہے کہ ان حضرات نیز دوسرے اراکین مجلس تدوین میں سے کسی نے بھی زبانی یا تحریری طور پر امام صاحب کی مجلس تدوین اور کارنامۂ تدوین فقہ کا کوئی ذکر نہیں کیا اور اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ امام صاحب کی سرپرستی میں تدوین علوم کرنے والے حضرات مذکورین بدعویٰ مصنف انوار امام صاحب کے بعد بھی ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تدوین علوم کے کاروبار میں مصروف ہوئے، یہاں سوال یہ ہے کہ جو لوگ امام صاحب کی موجودگی میں امام صاحب کی زیر سرپرستی تدوین علوم کا کام انجام دے چکے تھے وہ پھر دوبارہ کیوں اس کاروبار میں مصروف ہوئے؟

ناظرین کرام سمجھتے ہوں گے کہ خالص علمی، دینی اور تحقیقی خدمت کے نام پر صرف معتبر وصحیح باتوں کے لکھنے کے دعویدار مصنف انوار کی تحریر کردہ مذکور بالا ساری باتیں فی الواقع صحیح ومعتبر ہوں گی اور وہ ان لوگوں کے ایجاد کردہ اکاذیب میں سے نہیں ہوں گی جو بقول مصنف انوار سیاہ کو سفید ثابت کر دکھانے کے لیے کار خیر وثواب سمجھ کر بڑے پیمانے پر ترویج اکاذیب اور کتابوں میں الحاق وحذف کا کاروبار کرتے رہتے تھے۔[2] خصوصاً ناظرین کرام سمجھتے ہوں گے کہ اپنے مذکورہ بالا بیان میں مصنف انوار نے جو بات موفق (۲/ ۲۴۵) اور مسند خوارزمی کے حوالہ سے کہی ہے وہ ضرور ہی نصوص کتاب وسنت کی طرح معتبر ہوگی حالانکہ موفق کے مقام مذکور والی بات وفات ابی یوسف کے زمانہ بعد پیدا ہونے والے طلحہ بن محمد بن جعفر متوفی ۳۰۸ھ سے منقول ہے جو غیر معتبر معتزلی تھا۔[3] چوتھی صدی کے کسی غیر معتبر شخص کے بیان کو مصنف انوار کا حجت بنا لینا کیا معنی رکھتا ہے؟

موفق والی بات کے بعد جس مسند خوارزمی کے حوالہ سے مصنف انوار نے اپنی مذکورہ بات لکھی ہے اسے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے مجموعۂ اکاذیب قرار دیا ہے اور شاہ صاحب کی یہ بات سو فیصدی صحیح بھی ہے۔ (كما سيأتي) پھر مسند خوارزمی میں یہ بات بلا ذکر حوالہ مندرج ہے۔[4] مگر خوارزمی کی یہ بات موفق میں عتیق بن داود یمانی کے حوالہ سے لکھی ہوئی ایک طویل عبارت کا ایک ٹکڑا ہے جو (۲/ ۱۲۸ سے ۱۴۸) پر پھیلی ہوئی ہے، اس میں بطور ادراج موفق نے بھی کہیں کہیں بعض باتیں اپنی

[1] مقدمه انوار (١/ ١٥٤)
[2] مقدمه انوار (١/ ١٢٣، ١٢٤)
[3] خطيب (٩/ ٣٥١) ولسان الميزان.
[4] مسند خوارزمي (١/ ٣٤)

طرف سے شامل کر دی ہیں، مسند خوارزمی والی بات (۲/ ۱۳۶) پر ہے۔عتیق یمانی پانچویں صدی کا غیر موثق آدمی ہے اگر یہ موثق بھی ہوتا تو یہ معلوم ہے کہ پانچویں صدی کے کسی آدمی کی صرف وہی بات معتبر ہوتی ہے جو بسند معتبر منقول ہو۔

اب ہم مجلس مذکور پر تفصیلی مطالعہ شروع کرتے ہیں۔

فرضی مجلس تدوین کی فرضی کہانی کی تخلیق نہ کرنے والے اہل علم پر مصنف انوار کی برہمی:

چہل رکنی مجلس تدوین سے متعلق تمہید کی ابتدائی سطروں میں ہم عرض کر آئے ہیں کہ چہل رکنی مجلس تدوین کا کوئی حقیقی وجود نہیں تھا اس کی پوری کہانی اپنی جملہ تفصیل سمیت محض فرضی وخیالی اور افسانوی چیز ہے اور امام صاحب کی وفات کے زمانہ بعد تک لوگ اس خیالی مجلس کی افسانوی کہانی سے بالکل ناآشنا تھے۔ چوتھی صدی کے اواخر اور پانچویں صدی کے اوائل میں اس مجلس کی نہایت مختصر ومجمل سی کہانی وضع کی گئی جو رفتار زمانہ کے ساتھ کرتے کرتے کافی طویل وعریض اور انوکھی ودلچسپ بن گئی۔

ظاہر ہے کہ علمی کتابوں میں اس طرح کی فرضی کہانی کا ذکر نہیں کیا جا سکتا، خصوصاً اس کی تخلیق سے پہلے کے اہل علم یعنی چوتھی پانچویں صدی کے پہلے کے اہل علم اس فرضی کہانی کے کل وجزو سے جب بالکل ناآشنا تھے تو وہ بھلا اپنی کتابوں یا درسگاہوں میں زبانی طور پر ہی صحیح اس کہانی کے کسی جزو کو نہ بیان کرنے میں بالکل بے قصور ہیں، مگر مصنف انوار نے محدثین کرام کو جہاں بہت ساری باتوں سے مطعون ومتہم کیا ہے وہاں موصوف ان حضرات پر اس وجہ سے بھی بہت خفا ہیں کہ ان لوگوں نے مجلس مذکور اور اس کے چہل ارکان سے متعلق وہ حیرت انگیز داستانیں کیوں خالص علمی وتحقیقی ودینی خدمت کے نام پر صحیح ومعتبر باتیں کہہ کر نہ لکھیں نہ زبانی طور پر بیان کیں یعنی مصنف انوار کی نظر میں محدثین کرام کے جملہ جرائم میں سے یہ جرم بھی بہت بھاری ہے کہ انھوں نے مجلس تدوین کی کہانی بالکل اسی انداز میں کیوں نہیں سنائی جس انداز میں مصنف انوار نے سنائی ہے، ان کی بعض باتیں اس مفہوم کی ہم نقل کر آئے ہیں کہ چہل رکنی مجلس تدوین اور اس کے طویل المدت کارنامۂ تدوین کی شہرت اپنے اور پرائے لوگوں میں دور دور تک پھیل ہوئی تھی جس سے دنیائے علم محو حیرت تھی مگر ایسی عظیم الشان مجلس اور اس کے کارناموں کا کوئی ذکر چونکہ محدثین کرام نے اشارہ وکنایہ میں بھی نہیں کیا اس لیے مصنف انوار کا ان پر برہم ہونا فطری بات تھی، مگر ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ اس مجلس اور اس کے کارناموں کی طرف کسی قسم کا کوئی اشارہ مجلس مذکور کے متعین ونامزد چہل ارکان تک نے نہیں کیا ہے حالانکہ امام صاحب کے بہت سے معمولی ترین کاموں کی شہرت بھی ان کے عام معاصرین میں ہوجاتی تھی اور ان کی نقل وروایت بھی ہوا کرتی تھی لیکن چونکہ مجلس مذکور کی فرضی کہانی چوتھی پانچویں صدی میں نہایت مختصر انداز میں وضع کی گئی تھی اس لیے اس کہانی کو طویل وعریض بنانے میں مصنف انوار کو اپنے اور اپنے ہم مزاج لوگوں کے ایجاد کردہ قصوں کا سہارا لینا پڑا، ساتھ ہی ساتھ مصنف انوار نے ان اہل علم کو مطعون کرنا بھی ضروری سمجھا جنھوں نے مجلس مذکور کی کہانی کی تخلیق میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ مصنف انوار کی ایک طویل عبارت کا خلاصہ یہ ہے:

> ''محدثین کرام نے مجلس تدوین اور اس کے چہل ارکان کا ذکر وتعارف محض تعصب وحسد اور عناد ودشمنی کے سبب نہیں کرایا۔''[1]

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۶۰، ۱۶۱)

''امام صاحب اوران کی مجلس تدوین کے چہل ارکان نے سینکڑوں معاونین فقہ کے تعاون باہم سے ساڑھے بارہ لاکھ فقہی مسائل کی تدوین نصوص کتاب وسنت وآثار صحابہ وتابعین کی روشنی میں کی مگر محض حسد وتعصب کی وجہ سے ان کے ذکر اذکار تک کونظر انداز کر کے علم کے ساتھ بہت ظلم کیا گیا۔'' [1]

آگے چل کر مصنف انوار فرماتے ہیں:

''افسوس ہے کہ امام اعظم اور آپ کے چالیس شرکائے تدوین اور اکابر محدثین نے جو فقہ اسلامی کی تدوین کا بے نظیر تاریخی کارنامہ انجام دیا اس کو بے وقعت بنانے کے لیے غلط کوششیں کی گئیں اور اس کی وجہ سے دور خیر القرون کی حدیث وفقہ کی ایک بے مثال عظیم الشان خدمت اپنے صحیح تعارف سے محروم ہوگئی جس کی کچھ تلافی ہم نے اس مقدمہ میں کی ہے۔'' [2]

صاحب مشکوۃ نے امام صاحب کی درسی اور افتائی اور بے نظیر علمی کارنامہ تدوین فقہ وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ [3]

غرض امام صاحب نے جس اچھے وقت میں تدوین فقہ کی مہم سر کی اور جیسے بلند پایہ محدثین وفقہاان کے رفیق ومعاون ہوئے اس کی خوبی وبرتری کا مقابلہ بعد میں نہ ہوسکتا تھا نہ ہوا، ظاہر ہے کہ فقہ حنفی کا یہ کھلا ہوا فضل وتفوق ہی حاسدین ومعاندین کے تنگ دلوں اور متعصب ذہنوں کے لیے سب سے بڑی وجہ عداوت بن گئی۔'' [4]

مصنف انوار کی ان باتوں کا حاصل یہ ہے کہ محدثین کرام نے چہل رکنی مجلس تدوین اور اس کے اراکین سے متعلق کہانی کا کوئی ذکر نہیں کیا جس کا سبب محض حسد وعناد اور تعصب ہے مگر افسوس کہ مصنف انوار نے محدثین کرام کا شکوہ کرنے کے بجائے اس معاملہ میں مجلس مذکور کے فرضی چہل ارکان کا کوئی شکوہ نہیں کیا جنھوں نے نہ تو اپنی کسی کتاب میں اس کہانی سے متعلق کوئی اشارہ کیا نہ زبانی طور پر کسی سے اس کا ذکر کیا حتی کہ ان چہل ارکان میں سے کئی ایک کو مصنف انوار نے امام صاحب کی تصنیف کردہ کتاب مسند ابی حنیفہ کا راوی ومرتب کہا ہے اور ان حضرات کی طرف منسوب شدہ یہ مسانید مسند خوارزمی میں جمع بھی کر دیے گئے ہیں لیکن کسی ایک میں بھی مجلس تدوین کی کہانی سے متعلق کوئی بات منقول نہیں، یہاں تک کہ مصنف انوار نے کہا:

''امام صاحب کے فقہی علوم مشرق سے مغرب تک پھیل چکے تھے اگر بالفرض امام صاحب کی ساری کتابیں صفحۂ وجود سے معدوم ہو جائیں تو بھی ان کے مسائل مخالفین کی کتابوں میں بھی درج ہو کر بقائے دوام حاصل کر چکے تھے۔'' [5]

مصنف انوار کے مذکورہ بالا بیان میں پوری صراحت سے ظاہر کیا گیا ہے کہ امام صاحب کے فقہی علوم پر مشتمل امام صاحب کی مدون ومرتب کردہ کتابیں صفحۂ وجود سے معدوم ہونے کے بجائے دنیا میں موجود ومعروف ہیں، لیکن اگر بالفرض امام صاحب کی یہ کتابیں معدوم ہوگئی ہوتیں تو بھی ان میں درج شدہ امام صاحب کے فقہی علوم ومسائل چونکہ مشرق ومغرب میں پھیل چکے تھے اور مخالفین کی کتابوں میں بھی مندرج ہو کر بقائے دوام حاصل کر چکے تھے اس لیے ان کا ذکر اپنوں میں نہیں

---

[1] ماحاصل وملخص مقدمه انوار (١ / ٨)
[2] مقدمه انوار (١ / ١٣)
[3] مقدمه انوار (١ / ٥٥)
[4] مقدمه انوار (١ / ٦٧)
[5] مقدمه انوار (٢ / ٢١)

تو مخالفین کی کتابوں میں ضرور موجود رہتا، اور ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ جب امام صاحب کے مدون کردہ علوم فقہ ومسائل کا یہ حال ہے تو جس چہل رکنی مجلس کے تعاون سے یہ علوم مدون ہوئے اس کا ذکر اپنی اور مخالفین کی کتابوں میں ضرور ہونا چاہیے تھا مگر یہ عجیب معاملہ ہے کہ چوتھی پانچویں صدی سے پہلے اس کا کوئی ذکر کسی موافق یا مخالف کی کتاب میں نہیں ملتا۔

چہل رکنی مجلسِ تدوین کے مدوّن کردہ مسائل کی حقیقت:

مصنف انوار نے ایک جگہ فرمایا:

''۱۲۰ھ سے لے کر امام اعظم نے اپنے چالیس شرکاء تدوین فقہ اور دوسرے اصحاب وتلامذہ محدثین وفقہاء کے ساتھ پچیس تیس سال تک احادیث وآثار، فتاوی صحابہ واقوال تابعین، قضایائے صحابہ وتعامل سلف کی روشنی میں لاکھوں مسائل کا استخراج کیا جو حسب تحقیق حضرت شاہ ولی اللہ صاحب احادیث مرفوعہ کے حکم میں ہیں۔''[1]

مصنف انوار نے اپنے مندرجہ بالا بیان میں بتلایا ہے کہ ۱۲۰ھ سے امام صاحب نے اپنے چالیس شرکاء تدوین کے ساتھ مل کر تیس سال کی مدت میں جو لاکھوں مسائل متسخرج ومدون کیے وہ بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی احادیث مرفوعہ کے حکم میں ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ مصنف انوار نے مذکورہ بالا بات شاہ ولی اللہ کی طرف اسی طرح منسوب کر دی جس طرح بقول امام صاحب ان کے بعض کذاب تلامذہ ان کی طرف اپنی اختراعی باتیں تحریری یا تقریری طور پر منسوب کر دیا کرتے تھے، مگر مصنف انوار کے اس اختراعی قول کا حاصل بہرحال یہ ہے کہ امام صاحب کی طرف منسوب شدہ فقہی مسائل احادیث مرفوعہ کے حکم میں ہیں جن کی تعداد لاکھوں ہے، ان مسائل کی تعداد مصنف انوار نے اپنے دوسرے بیانات میں ساڑھے بارہ لاکھ بتلائی ہے۔ (كما سيأتي) ہم عرض کر آئے ہیں کہ مصنف انوار نے یہ دعوی بھی کر رکھا ہے کہ امام ابراہیم نخعی سے منقول شدہ فقہی اقوال احادیث مرفوعہ کے حکم میں ہیں۔[2]

نیز ہم یہ بھی بتلا آئے ہیں کہ امام صاحب نے امام نخعی کے لاکھوں فقہی اقوال وفتاوی کی مخالفت کی ہے جس کا لازمی مطلب ہے کہ امام صاحب کے لاکھوں فقہی اقوال ومسائل احادیث مرفوعہ کے خلاف ہیں، اب مصنف انوار کے دونوں دعاوی کو باہم ملا کر ناظرین کرام دیکھیں تو کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ ایک طرف مصنف انوار نے امام صاحب کے مدون کردہ فقہی مسائل کو احادیث مرفوعہ کے حکم میں قرار دیا اور دوسری طرف اس کے خلاف یہ فرمایا ہے:

''امام ابن المبارک کا ارشاد ہے کہ امام ابوحنیفہ کی رائے مت کہو بلکہ تفسیر حدیث کہو۔ ان ظروف میں امام صاحب نے جو اپنے چالیس فقہاء ومجتہدین کے ساتھ تدوین فقہ کی جس کے ایک رکن رکین خود ابن المبارک بھی تھے اور ساڑھے بارہ لاکھ مسائل کی تدوین اس مجلس سے عمل میں آئی جو بمنزلہ احادیث موقوفہ ہیں۔''[3]

اپنے مذکورہ بالا بیان میں مصنف انوار نے امام صاحب کے مدون کردہ ساڑھے بارہ لاکھ فقہی مسائل کو احادیث موقوفہ کے درجہ میں قرار دیا ہے، موصوف کی یہ بات ظاہر ہے کہ ان کی پہلی والی بات سے مختلف ہے اور اس کے باوجود معاملہ یہ ہے کہ امام

[1] مقدمه انوار (۲/ ۱۸)
[2] مقدمه انوار (۱/ ٤۱) واللمحات (۱/ ٤١٤ تا ٤٢٠)
[3] مقدمه انوار (۱/ ۱۲٥)

صاحب کے فقہی اقوال بڑی کثرت سے امام نخعی کے خلاف ہیں، اس لیے مصنف انوار کے اصول سے لازم آیا کہ امام صاحب کے بہت سارے اقوال احادیث مرفوعہ وموقوفہ کے خلاف ہیں، اپنے مذکورہ بالا بیان سے پہلے مصنف انوار نے اپنے مخالفین اورحاسدین کے طرزِ عمل کا بہت زیادہ شکوہ کیا ہے، موصوف کا یہ شکوہ اگرچہ طویل ہے مگر مناسب ہے کہ ناظرین کرام ان کے اس شکوہ پر واقف رہیں۔ ملاحظہ ہو مصنف انوار نے فرمایا:

''واضح ہو کہ کتابوں میں الحاق اورضروری اجزاء کے حذف کا باقاعدہ منظّم فن استعمال ہوتا رہا ہے جس کے حیرت انگیز کمالات شاطر دشمنوں اورحاسدوں نے بڑی بڑی جلیل القدر تالیفات کی کتابت وطباعت کے وقت دکھائے ہیں اوراسی کا ایک نمونہ اوپر پیش کیا گیا ہے (اس نمونہ کی حقیقت ہم نے دوسری جگہ بیان کر دی ہے) اوردوسرے نمونے بھی پیش کیے جائیں گے۔ یہ فن پروپیگنڈہ کا ایک بڑا جزو ہے جس سے کسی سفید چیز کو سیاہ اور سیاہ کوسفید تک ثابت کردینے کے جوہر دکھائے جاتے ہیں، یورپ کے عقلاء نے اس فن کو بڑی ترقی دی ہے مگر اسلامی دور میں بھی اس نوع کے کارنامے بڑی کثرت سے ملتے ہیں کیونکہ مسلمانوں میں بدقسمتی سے ایک فرقہ ابتداء ہی سے ایسا پیدا ہو گیا تھا جو جھوٹ کو کارخیر وثواب سمجھ کر پھیلاتا رہا اوران کے اثرات دوسرے سادہ لوح مسلمانوں پر بھی پڑتے رہے، حالانکہ ایسے ہی جھوٹ کی روک تھام کے لیے صادق ومصدوق سرور انبیاء ﷺ نے ارشادفرمایا تھا کہ ''كفى بالمرء كذبا أن يحدث بكل ما سمع''، یعنی ایک شخص کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ بھی کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو بے تحقیق آگے چلتا کر دے۔ اس قسم کی بے سند باتوں کے ذکر سے پہلے زمانہ میں تو امام صاحب کے دشمنوں اورحاسدوں نے فائدہ اٹھایا تا کہ امام صاحب کی جلالت قدر کو کم کر کے دکھایا جائے یا خوبیوں کے ساتھ برائیاں بھی کہیں کہیں سے لے کر سامنے کی گئیں کہ ان کمالات اورخوبیوں کا کوئی اثر نہ رہے یا لوگ شک وتردد میں پڑ جائیں یا ان کے فقہ کی عالم گیر مقبولیت کو کم کیا جائے۔ اکثر اسلامی حکومتوں کا مذہب بھی فقہ حنفی رہا اور عہدۂ قضا وغیرہ حنفی علماء کے پاس رہے یہ بات بھی حسد وعداوت کا بڑا سبب بنی رہی، پھر نئے دور میں غیر مقلدین رونما ہوئے اورانھوں نے امام صاحب کے ساتھ حسد وعداوت کا وہ معاملہ کیا کہ ریکارڈ ہی مات کر دیے ان کی نظر میں ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیبے است والی بات پوری پوری صادق ہوگئی، اس لیے ان حضرات نے امام صاحب کی علو قدر، عظمتِ شان اورعلمی رفعت کو گرانے اور چھپانے میں کوئی بھی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اوراس کارثواب میں دن ورات ایک کر دیا، ان قدیم وجدید تلبیسات کا پردہ چاک کرنے کے لیے خدا کا شکر ہے کہ ہمارے شیوخ واکابر نے بروقت توجہ کی اور برابر اپنی تالیفات اور درسی افادات میں احقاق حق وابطال باطل کا فریضہ ادا کیا۔ قریبی دور میں مصر میں علامہ کوثری کی جلیل القدر شخصیت گزری ہے جنھوں نے اس سلسلے میں گرانقدر تالیفات کیں اورمصری رسائل میں لا تعداد تحقیقی مضامین شائع کیے جن کے مطالعے سے اہل علم کبھی مستغنی نہیں ہو سکتے، ان کی کتابوں سے معاندین کے حوصلے پست ہو گئے ہیں اور جب تک ان کی اشاعت ہوتی رہے گی ان کے مطالعہ واستفادہ کی وجہ سے علماءِ حق معاندین مذہبِ حنفی پر غالب رہیں گے، اسی طرح ہمارے اکابر حضرت گنگوہی،

حضرت نانوتوی ،حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن ،حضرت مولانا خلیل احمد صاحب بذل المجہود ،حضرت مولانا کشمیری، حضرت علامہ عثمانی ، حضرت مولانا مدنی ؒ نے اپنی تالیفات اوردرسی افادات میں اس فتنۂ قدیم وجدید کی طرف پوری توجہ فرما کرحنفی مسلک کی تائید اور معاندین کے اعتراضات وشبہات کے مدلل ومکمل جوابات دیے پھر اس دور جدید میں اس فتنۂ جدیدہ کے خلاف قابل ذکر خدمات مخدوم ومحترم مولانا العلامہ مفتی سید مہدی حسن صاحب صدر المفتیین دار العلوم دیوبند کی ہیں جنھوں نے غیر مقلدین کے رد میں بیشتر علمی مضامین لکھے فیصلہ کن کتابیں تالیف کیں اور طبع کر کے شائع کیں۔احقر (مصنف انوار الباری) کومجلس علمی ڈابھیل کے زمانہ ہی سے حضرت موصوف کے ساتھ تعلق رہا، اس مختصر مقدمہ (مقدمہ انوار الباری) میں بھی مستند کتب مناقب اور حضرت علامہ انور کشمیری کے ارشادات کے علاوہ آپ کی تالیفات اورخصوصی ارشادات سے استفادہ کیا گیا ہے، ہمیں احساس ہے کہ امام اعظم کا تذکرہ طویل ہو گیا ہے لیکن چونکہ تمام محدثین کے مسلم امام امیر المومنین فی الحدیث ابن المبارک کا ارشاد ہے کہ امام ابوحنیفہ کی رائے مت کہو بلکہ تفسیر حدیث کہو...ان ظروف میں امام صاحب نے جو اپنے چالیس فقہاء ومجتہدین کے ساتھ تدوین فقہ کی جس کے ایک رکن رکین خود ابن المبارک بھی تھے اور ساڑھے بارہ لاکھ مسائل کی تدوین اسی مجلس سے عمل میں آئی جو بمنزلۂ احادیث موقوفہ ہیں۔‘‘[1]

أوّلاً: مصنف انوار نے اپنے مندرجہ بالا بیان میں جلیل القدر کتابوں میں شاطر دشمنوں ،حاسدوں اورمعاندوں کے منظّم الحاق واضافات کا شکوہ کرتے ہوئے جن ابن المبارک کو رکن مجلس تدوین قرار دے کر یہ کہا کہ ابن المبارک امام صاحب کی رائے کوتفسیر حدیث کہتے تھے نیز یہ کہ امام صاحب کے مدون کردہ فقہی مسائل بمنزلۂ احادیث موقوفہ ہیں، انھیں ابن المبارک کا یہ فرمان ہم نقل کر آئے ہیں:

’’محمد بن جابر یمامی کے یہاں سے حاصل کردہ کتب حماد کوحماد سے سنے بغیر امام صاحب روایت کیا کرتے تھے۔‘‘

اور یہ تفصیل کے ساتھ بتلایا جا چکا ہے کہ محمد بن جابر یمامی کی کتابوں میں الحاق واضافات کر دیے گئے تھے۔ یمامی کی الحاق واضافہ شدہ کتابوں میں مندرج شدہ باتوں کوحماد سے سنے بغیر روایت کرنا ہی امام صاحب کا ایک ایسا عمل تھا جس کے سبب امام ابن المبارک اوران کے اصحاب نے امام صاحب کو نیز ان کی بیان کردہ علمی باتوں کو ساقط الاعتبار قرار دے دیا۔[2] خودامام صاحب نے بھی بعد میں مختلف وجوہ واسباب کے تحت محسوس کیا کہ میری بیان کردہ عام علمی باتیں مجموعۂ اغلاط ہیں۔(کمامر)

ثانیاً: مصنف انوار نے امام ابونعیم فضل بن دکین کا تذکرہ امام صاحب کے مخصوص تلامذہ میں اس طرح کیا کہ ہم کو اس پر حیرت ہوئی کہ موصوف نے امام فضل کو مجلس تدوین کے اراکین میں کیوں نہیں شامل کیا اور یہ عرض کیا جا چکا ہے امام فضل نے فرمایا ہے:

"سمعت أبا حنيفة يقول لأبي يوسف ويحكم أنتم تكتبون في كتابنا ما لا نقوله."[3]

’’یعنی میں نے امام صاحب کو ابو یوسف سے یہ فرماتے سنا کہ تم لوگ ہماری کتاب میں بہت بڑے پیمانہ پر ایسی

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۲۹) [2] ملاحظہ ہو: اللمحات (۱/ ٤٤٦ تا ٤٥٣)

[3] الجرح والتعديل أبي حاتم ترجمه أبي يوسف.

باتیں لکھ ڈالتے ہو جو ہماری بیان کردہ نہیں ہوتی ہیں۔ نیز "كم تكذبون في كتبكم علي ما لم أقل" تم لوگ بہت زیادہ خانہ ساز باتیں میری طرف منسوب کر کے اپنی لکھی ہوئی کتابوں میں تحریر کر ڈالتے ہو حالانکہ وہ میری بیان کردہ باتیں نہیں ہوتی ہیں۔"

اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ امام ابو یوسف امام صاحب کی کتابوں میں بہت بڑے پیمانے پر الحاق واضافہ کا کاروبار کرتے تھے نیز اپنی تحریر کردہ کتابوں میں بھی امام صاحب کی طرف اپنی وضع کردہ باتیں بہت بڑے پیمانے پر لکھ ڈالتے تھے۔ دریں صورت ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ امام صاحب کی طرف منسوب شدہ علمی اور فقہی باتیں جس طرح بتصریح امام صاحب مجموعۂ اغلاط واباطیل ہیں اسی طرح مجموعۂ الحاق واکاذیب بھی ہیں، بلفظ دیگر امام صاحب کی طرف منسوب شدہ جس فقہی اور علمی سرمایہ کو مصنف انوار بمنزلۂ احادیث مرفوعہ وموقوفہ اور تفسیر حدیث قرار دیے ہوئے ہیں وہ فقہی وعلمی سرمایہ بتصریح امام صاحب الحاقی ہونے کے ساتھ مجموعۂ اکاذیب بھی ہے، خصوصًا اس لیے کہ مصنف انوار نے تصریح کر رکھی ہے کہ چہل رکنی مجلس تدوین کے ساتھ امام صاحب کے حل کردہ ساڑھے بارہ لاکھ مسائل واحکام کو قید تحریر میں لانے والے یہی امام ابو یوسف ہیں۔ [1]

نیز مصنف انوار نے یہ بھی فرمایا:

"امام ابو یوسف پہلے شخص ہیں جنھوں نے امام ابوحنیفہ کا علم زمین کے گوشہ گوشہ میں پھیلایا، اصول فقہ کی کتابیں لکھیں، مسائل کا نشر املاء کے ذریعہ کیا، سترہ برس قاضی القضاۃ رہے۔ [2] اسی طرح امام ابو یوسف نے امام صاحب کے علوم فقہ وحدیث کے قضایا صحابہ وتابعین کا بھی پورا علم جمع کر لیا تھا، یہی وجہ ہے کہ امام ابو یوسف نے سب سے پہلے قاضی القضاۃ کے عہدہ پر فائز ہو کر پوری اسلامی دنیا کے قاضیوں پر وہ اثر ڈالا کہ ان کی نظیر اوّل وآخر میں نہیں ملتی۔ [3] موفق (۲/ ۲۲۵) میں تصریح ہے کہ سب سے پہلے علم اصول فقہ میں امام ابو یوسف نے امام اعظم کے مذہب پر کتابیں لکھیں۔ [4]

جب بدعوی مصنف انوار بذریعہ چہل رکنی مجلس امام صاحب کی تدوین کردہ فقہ کے لکھنے والے اور علوم امام صاحب کی نشر واشاعت کرنے والے وہ امام ابو یوسف تھے جن کی بابت امام صاحب کے فرامین مذکورہ منقول ہیں تو ہر صاحبِ عقل بڑی آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ شاطر دشمنوں اور حاسدوں کے متعلق مصنف انوار کی کہی ہوئی مندرجہ بالا یہ بات کہ انھوں نے سیاہ کو سفید ثابت کر دکھانے کے لیے کار خیر وثواب سمجھ کر بڑے پیمانے پر الحاق واضافہ اور ترویج اکاذیب کا کام کیا، امام صاحب کی طرف منسوب شدہ اس فقہی وعلمی سرمایہ پر منطبق ہوتی ہے جو بقول مصنف انوار ساڑھے بارہ لاکھ احکام ومسائل پر مشتمل ہے اور بمنزلۂ احادیث موقوفہ ومرفوعہ ہے۔

یہ بھی عجیب بات ہے کہ ایک طرف امام صاحب فرماتے ہیں کہ میرا تمام تر علمی وفقہی سرمایہ صرف رائے وقیاس کا مجموعہ ہے مگر دوسری طرف مصنف انوار فرماتے ہیں کہ بذریعہ چہل رکنی مجلس امام صاحب کے مدوّن کرائے ہوئے ساڑھے بارہ لاکھ

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۷۳)

[2] مقدمہ انوار (۱/ ۱۷٤)

[3] مقدمہ انوار (۱/ ۱۷۵)

[4] مقدمہ انوار (۱/ ۱٥٤)

مسائل بمنزلۂ احادیث موقوفہ ہیں۔مصنف انوار نے ایک جگہ ایک لمبی بات کہی جس کا حاصل یہ ہے:

''چونکہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بعض اکابر صحابہ کے فتاوی ومسائل کو احادیث اور آثار موقوفہ کے حکم میں مانا ہے، اس لیے امام صاحب اور ان کی سرپرستی میں مجلس تدوین کے چہل ارکان نیز امام صاحب کے دوسرے اصحاب وتلامذہ کے مرتب کردہ ساڑھے بارہ لاکھ فقہی مسائل بھی احادیث وآثار موقوفہ کے درجہ میں ہیں۔''[1]

نیز مصنف انوار نے فرمایا:

''افسوس ہے کہ امام اعظم اور آپ کے چالیس شرکاء تدوین فقہ نے جو فقہ اسلامی کی تدوین کا بے نظیر کارنامہ انجام دیا تھا اس کو بے وقعت بنانے کی غلط کوششیں کی گئیں... دور صحابہ میں فقہ وحدیث کی تدوین نہیں کی گئی تھی مگر امام اعظم نے اپنے اصحاب وتلامذہ کی مدد سے فقہ اسلامی کو مدون کر ڈالا جس پر اس وقت سے ساری اسلامی دنیا نے عمل بھی شروع کر دیا اور عباسی خلفاء نے بھی اسی کو اسلامی قانون کی پوزیشن دی۔امام صاحب کی حیثیت دور تابعین میں سرتاج فقہاء کی تھی پھر اس پر ان کی تدوین فقہ کا کارنامۂ عظیم سونے پر سہاگہ ہوگا، امام صاحب نے چونکہ صحابہ کرام اور سنت نبوی کا اتباع جزئی جزئی معاملہ میں کیا اس لیے امام صاحب کا اتباع بعینہ ان کا اتباع ہے۔''[2]

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مصنف انوار نے اپنے مذکورہ بالا بیانات میں چہل رکنی مجلس تدوین کے کارنامۂ تدوین کی مدح سرائی کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ مجلس مذکور کے تعاون سے امام صاحب کا تیار کردہ مجموعۂ فقہ جو ساڑھے بارہ لاکھ مسائل پر مشتمل ہے، وہ احادیث وآثار موقوفہ کے درجہ میں ہے جس پر ان مسائل کی تدوین کے وقت ہی عمل شروع ہو گیا تھا اور خلفاء نے اسی کو سرکاری مذہب بھی قرار دیا تھا، لہٰذا ان مسائل پر عمل دراصل اتباعِ نبوی اور اتباع صحابہ ہے۔مگر ہر صاحب عقل بڑی آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ مصنف انوار کی مندرجہ بالا باتیں قابل قبول ہیں یا جن امام ابوحنیفہ کی مدح میں مصنف انوار یہ ساری سخن آرائی کر رہے ہیں ان کی وہ باتیں قابل قبول ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ ہمارا جملہ علمی وفقہی سرمایہ خالص رائے وقیاس پر مشتمل مجموعۂ اغلاط ہے جن کی نقل وروایت نہ تحریری طور پر مناسب ہے نہ تقریری طور پر، جس کا ایک بھاری سبب یہ ہے کہ ہمارے اس علمی سرمایہ میں ہمارے بعض تلامذہ نے الحاق واضافہ کے ذریعہ خانہ ساز جھوٹی باتیں بہت بڑی مقدار میں شامل کر دی ہیں۔

ساڑھے بارہ لاکھ مسائل پر مشتمل فقہ حنفی کو احادیث وآثار کے درجہ میں قرار دینے والے مصنف انوار نے اس فقہ حنفی کی ایک بہت بڑی خصوصیت یہ بیان کی ہے:

''مسائل ونوازل کے وقوع سے پہلے امام صاحب نے ان احکام کو کتاب وسنت کی روشنی میں اور ان کی عدم موجودگی میں قیاس سے حل کیا۔قیس بن ربیع نے امام صاحب کی یہ خصوصیت بیان کی ہے کہ ''أعلم بما لم یکن'' یعنی جو حوادث ابھی وقوع پذیر نہیں ہوئے ان کے متعلقہ احکام کے وہ سب سے بڑے عالم تھے۔[3] امام

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۸)

[2] ملخص ومختصر از مقدمہ انوار (۱/ ۱۳، ۱۴) نیز ملاحظہ ہو: مقدمہ انوار (۱/ ٦٦ و ٦٧ و ۱/ ۱۲٤ و ۱/ ٦٨، ٦٩)

[3] ملخص از مقدمہ انوار (۱/ ۱۵۵)

مالک کا نظریہ تھا کہ جو واقعات وحوادث وقوع پذیر نہیں ہوئے ان کے متعلق مسائل کا جواب نہ دیا جائے نہ ان پر غور وخوض کیا جائے مگر امام صاحب اوران کے اصحاب غیر وقوع پذیر امور سے متعلق مسائل پر غور وخوض کر کے مدون کرتے تھے۔[1] بانیٔ فقہ حنفی کا نظریہ تھا کہ غیر وقوع پذیر امور سے متعلق فرضی مسائل حل کیے جائیں، یہ چیز امام صاحب اوران کی فقہ کی خصوصیت وفضیلت ہے۔[2]

اس سے قطع نظر کہ امام صاحب نے اپنی طرف منسوب شدہ سرمایہ فقہ وعلم کو مجموعۂ اغلاط قرار دیا ہے، ہم عرض کرآئے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے غیر وقوع پذیر امور سے متعلق مسائل کو پوچھنے اور حل کرنے اوران کی تدوین وتحقیق کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے اوراس طرز عمل سے صحابہ نیز امام ابراہیم نخعی نے منع کیا ہے، پھر غیر وقوع پذیر امور سے متعلق مسائل پر مشتمل امام صاحب کی طرف منسوب شدہ اس فقہ کا اتباع اتباع نبوی واتباع صحابہ کیسے ہوسکتا ہے جس کی بابت امام صاحب کا فرمان ہے کہ میری طرف منسوب شدہ فقہی، علمی باتیں مجموعۂ اغلاط ہیں؟ دریں صورت مصنف انوار کا یہ فرمان کیا معنی رکھتا ہے:

''امام صاحب نے جس طرز پر تدوین فقہ کا کام کیا درحقیقت وہ رسول اکرم رحمہ اللہ کے فرمان کی تعمیل تھی جو طبرانی نے اوسط میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے "قال قلت يا رسول الله! إن ينزل بنا أمر ليس فيه بيان أمر ولانهي فما تأمرني قال تشاوروا الفقهاء والعابدين ولاتمضوا فيه رأي خاصة" یعنی میں نے کہا یا رسول اللہ اگر کوئی ایسا امر پیش آئے جس میں امر ونہی منصوص نہ ملے تو ہمیں کیا کرنا چاہیے، فرمایا کہ فقہاء وعابدین سے معلوم کرواور کسی ایک کی رائے پر مت چلو، اسی لیے حنفی مذہب دراصل ایک جماعت شوری کا مذہب تھا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "يد الله على الجماعة" سے مؤید تھا ہر زمانہ میں مقبول خواص وعام رہا۔''[3]

مصنف انوار کی مندرجہ بالا باتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ناظرین کرام سوچ کر بنظر انصاف بتلائیں کہ فرضی مسائل پر مشتمل امام صاحب کی طرف منسوب فقہ کی اصل حقیقت زیادہ مصنف انوار جانتے ہیں یا وہ امام صاحب جنھوں نے اپنی طرف منسوب فقہ کو مجموعۂ اغلاط واباطیل قرار دیا ہے؟

اگر فی الواقع امام صاحب کی طرف منسوب فقہ کی تدوین فرمانِ نبوی کے مطابق ہوئی ہوتی اوراس کی ہر جزئی بات بمنزلۂ حدیث وآثار مرفوعہ وموقوفہ ہوتی اوراس کا اتباع، اتباع نبوی واتباع صحابہ ہوتا تو اس کی بابت امام صاحب نے یہ کیوں فرمایا کہ یہ مجموعۂ اغلاط واباطیل ہے، اس میں بعض لوگوں کے الحاق واضافہ کردہ اکاذیب بھی بکثرت شامل ہیں؟ اس کی نقل وروایت نہ کی جائے۔

ناظرین کرام کو صفحات آئندہ میں عنقریب یہ بات معلوم ہونے والی ہے کہ مصنف انوار کی تحریر کردہ بہت ساری باتوں کا حاصل وخلاصہ یہ ہے کہ امام صاحب نے فقہ حنفی کی تدوین کے لیے جو چہل رکنی مجلس قائم کی تھی اور جس کے تعاون سے موصوف نے مندرجہ بالا اوصاف کی حامل فقہ کو تیس سال کی طویل مدت میں مدون کیا تھا، اس کے کئی ارکان اپنی ولادت سے زمانہ پہلے عظیم المرتبت، مشاہیر روزگار فقیہ، مجتہد ومحدث اور ماہرین علوم شریعت بن کر مجلس مذکور کے ارکان منتخب کر لیے گئے تھے اور انھوں

[1] مقدمہ انوار (١/ ١٩٤، ١٩٥ ملخصاً ومختصرا)

[2] مقدمہ انوار (١/ ١٥٦ مخلصاً) [3] مقدمہ انوار (١/ ١٥٥)

نے اپنی ولادت سے پہلے اس فقہ کی تدوین کا کارنامہ انجام دیا تھا، اس تفصیل سے ناظرین کرام کو معلوم ہو سکے گا کہ جس فقہ کا یہ حال ہو اس کی بابت مصنف انوار کا یہ دعوی کتنا صحیح ہے کہ اس کی تدوین فرمانِ نبوی کے مطابق ہوئی ہے اور اس کے ساڑھے بارہ لاکھ مسائل بمنزلۂ احادیث موقوفہ ہیں اور اس کا اتباع عین اتباع نبوی و اتباع صحابہ ہے۔؟

غیر مولود اور فوت شدہ افراد کی مدوّن کردہ فقہ کی بابت مصنف انوار کا دعوی ہے:

''فقہ مذکور حضرت عبداللہ بن مسعود کی علمی میراث ہے۔''[1]

نیز مصنف انوار کا فرمان ہے:

''اجتہاد واستنباط کا طریقہ حضرت ابن مسعود سے شروع ہوا، سراج الامۃ امام الائمہ امام اعظم نے اس کو کمال تک پہنچا کر تدوین فقہ کی مہم سر کرائی تقریباً ساڑھے بارہ لاکھ مسائل وجزئیات کو منقح کرا کر ان کو ابواب پر مرتب کرایا...موفق (۲/ ۲۲۵) میں تصریح ہے کہ سب سے پہلے اصول فقہ میں امام ابو یوسف نے امام اعظم کے مذہب پر کتابیں لکھیں۔''[2]

مصنف انوار کے مندرجہ بالا فرمان کا حاصل یہ ہے کہ چہل رکنی مجلس تدوین کے ذریعہ امام صاحب کی طرف منسوب ساڑھے بارہ لاکھ مسائل پر مشتمل فقہ کی تدوین حضرت ابن مسعود کے طریقِ اجتہاد واستنباط پر ہوئی ہے۔

ہم بیان کر آئے ہیں کہ غیر وقوع پذیر امور سے متعلق فرضی مسائل سے اشتغال کو فعلِ ملعون قرار دینے میں حضرت ابن مسعود بھی حضرت عمر فاروق اور عام صحابہ کے ہم نوا تھے نیز وقوع پذیر امور سے متعلق ایک مسئلہ کی بابت انھیں شرعی مسئلہ معلوم نہیں تھا تو لوگوں کے بار بار مطالبہ کے باوجود انھوں نے ایک زمانہ تک اس کے جواب سے اعراض کرتے ہوئے فرمایا کہ کسی دوسرے کی طرف رجوع کرو۔[3] مگر مصنف انوار کا دعوی ہے کہ امام صاحب نے چہل رکنی مجلس کے تعاون سے ساڑھے بارہ لاکھ مسائل حل کر کے مدون کیے اور یہ بات جلد بتلائی جائے گی کہ مجلس مذکور کے ساتھ امام صاحب کی مدت تدوین بتلانے میں مصنف انوار کے بیانات میں اضطراب وتعارض ہے، موصوف نے اپنے کسی بیان میں یہ مدت تیس سال، کسی میں تقریباً تیس سال بتلائی ہے لیکن ان کے متعدد بیانات سے لازم آتا ہے کہ امام صاحب کی مدت تدوین تیس سال یا تقریباً تیس سال سے کہیں زیادہ کم حتی کہ پندرہ سال سے بھی کم قرار پاتی ہے، بالفرض یہ مدت تیس سال ہی ہو تو روزانہ امام صاحب کے حل کردہ مسائل کی تعداد قمری سال کے حساب سے دو سو سے بھی زیادہ قرار پاتی ہے اور غیر وقوع پذیر امور سے متعلق مسائل کی تعداد اگر صرف آدھی مانی جائے تو لازم آتا ہے کہ امام صاحب نے اس طرح کے مسائل روزانہ سو سے بھی زیادہ کی تعداد میں حل کیے۔ کیا حضرت عبداللہ بن مسعود اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی طریقِ عمل تھا؟

ہم بتلا آئے ہیں کہ جس کتاب العالم والمتعلم کو مصنف انوار امام صاحب کی تصنیف کردہ کتاب کہتے ہیں اس میں امام صاحب کا اعتراف واقرار موجود ہے کہ فرضی اور غیر وقوع پذیر امور سے متعلق مسائل کے ساتھ اشتغال صحابہ وتابعین کا طریق نہیں تھا۔[4] نیز ہم یہ بھی بتلا آئے ہیں کہ حضرت ابن مسعود عام صحابہ وتابعین کی طرح اعمال کے جزو ایمان ہونے نیز ایمان میں

[1] ماحصل از مقدمہ انوار (۱/ ۳۸ و ۱/ ۱۵۳)
[2] مقدمہ انوار (۱/ ۱۵٤)
[3] اللمحات (۱/ ۳٤۹ تا ۳۵۱)
[4] (اللمحات)

کمی بیشی ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے مگر حنفی مذہب میں نہ صرف یہ کہ اعمال جزو ایمان نہیں اور ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی، بلکہ مصنف انوار کے رکن مجلس تدوین قرار دیے ہوئے ابومطیع بلخی وغیرہ نے اس مضمون کی احادیث وضع کر کے مسلمانوں میں پھیلائیں کہ اعمال کے جزو ایمان ہونے اور ایمان میں کمی بیشی ہونے کا عقیدہ کفر وشرک اور منافقت اور نا قابل معافی وگردن زدنی جرم ہے۔[1] نیز ہم یہ بھی بتلا آئے ہیں کہ حضرت ابن مسعود کثیر الحدیث تھے مگر امام صاحب بقول مصنف انوار شدت تورع کے سبب روایت حدیث سے تو بہت پرہیز کرتے تھے لیکن غیر وقوع فرضی مسائل کی تدوین میں تیس سال تک مجتہدین وفقہاء کے جم غفیر کے ساتھ سرگرم عمل رہے۔[2] اور اس بات کے معترف بھی کہ صحابہ وتابعین نے غیر وقوع پذیر امور سے متعلق مسائل کے ساتھ کبھی اشتغال نہیں رکھا۔[3] اس کے باوجود بھی مصنف انوار کا یہ دعوی عجوبہ نہیں تو کیا ہے کہ امام صاحب نے اپنے مدون کردہ ساڑھے بارہ لاکھ مسائل کی جزئیات تک میں فرمان نبوی اور صحابہ کا پورا پورا اتباع کیا ہے، لہٰذا ان مسائل کا اتباع اتباع نبوی اور اتباع صحابہ ہے۔

داستانِ مجلسِ تدوین کا مواد چوتھی پانچویں صدی میں تیار کیا گیا:

اس میں شک نہیں کہ امام صاحب کی وفات کے بعد ایک زمانہ تک لوگ اس بات سے بالکل ناواقف ونا آشنا تھے کہ امام صاحب نے اپنے فقہی مذہب کی تدوین کے لیے کوئی چہل رکنی مجلس قائم کی تھی جس کے چہل ارکان کے تعاون سے امام صاحب نے ایک طویل مدت میں اپنے فقہی مذہب کی تدوین کا کارنامہ انجام دیا تھا، لیکن چوتھی پانچویں صدی میں بعض حلقوں میں بطور افسانہ گوئی نہایت اجمال واختصار کے ساتھ یہ کہانی سنائی جانے لگی کہ فقہ امام صاحب کی تدوین امام صاحب کے چالیس تلامذہ نے امام صاحب کے ساتھ مل کر کی ہے۔

رفتار زمانہ کے ساتھ اس مختصر کہانی میں اضافہ ہوتا رہا اور پھر یہ بات کہی جانے لگی کہ امام صاحب نے اپنے فقہی مذہب کی تدوین کا ارادہ کیا تو سب سے پہلے انھوں نے اس مقصد کے لیے ایک جامع اور منظّم منصوبہ بنایا، وہ منصوبہ یہ تھا کہ اپنے فقہی مذہب کی تدوین کے لیے چالیس مجتہد فقہاء ومحدثین پر مشتمل ایک چہل رکنی مجلس قائم کی جائے جس کے سینکڑوں دوسرے معاونین بھی ہوں پھر اس چہل رکنی مجلس تدوین کے ذریعہ تدوین فقہ کا کام شروع کیا جائے، چنانچہ اس جامع منصوبہ کو عملی جامہ پہنا کر امام صاحب نے مجلس مذکور قائم کر دی پھر اس کے چہل ارکان نیز دوسرے سینکڑوں معاونین کے ساتھ مل کر موصوف نے تدوین کا کام شروع کر دیا اور ایک طویل مدت تک اس کام میں مصروف رہ کر موصوف نے تدوین فقہ کا کام مکمل کر لیا۔

یہ ثابت نہیں کہ امام صاحب نے الحاق سے محفوظ بقلم خود کوئی کتاب لکھی ہے لیکن یہ ثابت ہے کہ امام صاحب کی بیان کردہ علمی باتیں ان کے بعض تلامذہ قلم بند کر لیا کرتے تھے، اپنی بیان کردہ علمی باتوں پر مشتمل اپنے تلامذہ کی لکھی ہوئی کتابوں کو امام صاحب مجازی طور پر اپنی کتابیں کہا کرتے تھے یا پھر اگر موصوف بقلم خود کوئی کتاب لکھے ہوئے تھے تو انھیں کا فرمان ہے کہ میری کتابوں میں مکذوبہ باتوں کا الحاق کر دیا گیا ہے۔ (کما مر) اس سے لازمی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ تقریری یا تحریری طور پر

---

[1] اللمحات (١/ ٥٠ تا ٥٥) [2] اللمحات (١/ ١٨٠ تا ١٩٦)

[3] (اللمحات، ج:١)

امام صاحب کی طرف منسوب شدہ باتیں اصلاً مشکوک اور محتمل الکذب ہیں، لہٰذا کسی معتبر اور پختہ طریقہ سے جب تک امام صاحب کی طرف منسوب شدہ کسی تحریری یا تقریری چیز کی بابت اس کا ثبوت نہ ہو کہ یہ بات فی الواقع امام صاحب کی فرمودہ یا نوشتہ ہے تب تک باعتبار اصل اسے کم از کم مشکوک اور محتمل الکذب سمجھا جائے گا۔

اس میں شک نہیں کہ امام صاحب کی بیان کردہ علمی باتیں لکھنے والے ان کے تلامذہ میں ثقہ اور غیر ثقہ ہر طرح کے لوگ تھے جیسا کہ امام زفر کے اس بیان سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے:

"كنا نختلف إلى أبي حنيفة ومعنا أبو يوسف ومحمد بن الحسن فكنا نكتب عنه."

"یعنی ہم (زفر وابو یوسف ومحمد) امام صاحب کے پاس جا کر ان کی بیان کردہ علمی باتیں لکھا کرتے تھے۔"

مذکورہ بالا تینوں حضرات امام زفر وابو یوسف ومحمد میں سے امام زفر کا ثقہ ہونا ثابت شدہ حقیقت ہے مگر امام ابو یوسف کو خود امام صاحب نے غیر ثقہ قرار دیا ہے اور دوسرے اہل علم نے بھی امام صاحب کے اس فرمان کی تائید وتصدیق کی ہے جیسا کہ دوسری جگہ ہم نے اس معاملہ کو مفصل طور پر بیان کیا ہے اور امام محمد بن حسن بھی غیر ثقہ ہیں۔ (كما سيأتي)

اس سے معلوم ہوا کہ امام صاحب کے پاس جا کر علوم امام صاحب کے لکھنے والوں میں ثقہ وغیر ثقہ ہر طرح کے لوگ رہا کرتے تھے لیکن دنیا میں متداول ومروج کسی بھی کتاب کی بابت اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ اسے امام صاحب کے کسی ثقہ شاگرد نے لکھ کر یہ کہا ہو کہ اس کی جملہ مندرجات ومشتملات امام صاحب کی بیان کردہ اور فرمودہ ہیں، یہ معلوم ہو چکا ہے کہ امام صاحب کے ظاہر کردہ جملہ علوم بقول امام صاحب مجموعہ آرائے وقیاس اور مجموعہ اغلاط ہیں، لہٰذا بالفرض اگر کسی کتاب کی نسبت امام صاحب کی طرف صحیح ہو تو اس کا حال امام صاحب کے فرمان سے ظاہر ہے۔

مشہور کذاب ابو محمد عبداللہ بن محمد حارثی نے کہا:

"حدثنا محمد بن يزيد أنبأنا الحسن بن صالح سمعت أبا مقاتل (حفص بن سلم السمرقندي) يقول أول ما وضع أبوحنيفة كتاب الصلوة فسمى كتاب العروس قال فقعد أبي حنيفة عن الجلوس ولزم البيت..الخ."[1]

أوّلاً: روایت مذکور کا واضع حارثی بذات خود کذاب ہے اور اس روایت کے لیے اس نے جو جعلی سند وضع کی ہے اس میں اس نے اپنا استاذ جس محمد بن یزید کو ظاہر کیا ہے وہ غیر متعین ہونے کے سبب بمنزلۂ مجہول ہے، اس نام کے کئی رواۃ حارثی کی طرح کذاب ہیں، یہی حال محمد بن یزید کے استاذ کا ہے اور ابو مقاتل حفص بن سلم سمرقندی متوفی ۲۵۸ھ بقول امام وکیع وعبدالرحمٰن بن مہدی وحاکم وابو سعید نقاش وابن عدی وابن حبان کذاب اور وضاع ہے۔ موصوف ابو مقاتل نے کہا کہ میں نے امام ابو حنیفہ کے پہلو میں نماز پڑھی میں رفع الیدین کرتا تھا تو امام صاحب نے نماز کے بعد کہا کہ "لعلك من أصحاب المراوح" معلوم ہوتا ہے کہ تم پنکھا جھلنے والوں (مکھی جھاڑنے والوں) میں سے ہو۔[2] حاصل یہ کہ باعتبار سند یہ روایت مکذوبہ ہے۔

ثانیاً: اس مکذوبہ روایت میں اس بات کی طرف اشارہ بھی نہیں ملتا کہ امام صاحب نے اپنی کتابیں لکھنے لکھوانے کے لیے کوئی

[1] موفق (١/ ٦٧، ٦٨) [2] لسان الميزان (٢/ ٣٢٢، ٣٢٣) والمجروحين (١/ ٢٥١، ٢٥٢)

چہل رکنی مجلس قائم کی تھی بلکہ اس کا ظاہری مفاد صرف یہ ہے کہ امام صاحب نے کتاب مذکور ذاتی طور پر تنہا لکھی تھی نیز روایت مذکورہ کا مفاد یہ بھی ہے کہ مسند درس پر بیٹھنے کے بعد امام صاحب نے تصنیفی کام شروع کیا تھا اور موصوف نے صرف ایک کتاب ''العروس'' لکھی تھی کہ خواب میں اپنے کو قبر نبوی کھودتے دیکھ کر موصوف خانہ نشین ہو گئے اور اس خانہ نشینی کے کچھ دنوں بعد دوبارہ موصوف درس وتدریس کے کام میں مصروف ہوئے تھے، جس کا مفاد یہ بھی ہے کہ امام صاحب نے بالفرض اگر مجلس تدوین قائم کی تھی تو روایت مذکورہ میں منقول شدہ واقعہ کے بعد بلفظ دیگر مسند نشین درس ہونے کے عرصہ بعد۔

مصنف انوار نے بہت ساری باتیں ایسی لکھی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ مسند درس پر بیٹھنے کے بعد امام صاحب نے مجلس تدوین اس وقت قائم کی جبکہ ان کے پاس مجلس مذکور کے چہل ارکان مجتہد بن کر موجود تھے اور اپنے دوسرے بیان میں موصوف مصنف انوار نے صراحت کر دی ہے کہ امام صاحب ۱۲۰ھ سے اپنے چالیس اصحاب کے ساتھ تدوین فقہ میں لگ گئے تھے، یعنی ۱۲۰ھ میں امام صاحب مجلس مذکور قائم کر چکے تھے جس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ ۱۲۰ھ میں مجلس تدوین کی تاسیس سے پہلے یہ چالیس حضرات مجتہد بن چکے تھے نیز یہ کہ ۱۲۰ھ میں مجلس تدوین کی تاسیس سے پہلے امام صاحب مسند درس پر بیٹھ چکے تھے۔

ثالثاً: مصنف انوار نے اگرچہ روایت مذکورہ کو خالص علمی ودینی خدمت کے نام پر صحیح ومعتبر کہہ کر نقل نہیں کیا مگر وہ اسی طرح کی روایات کو نصوص کتاب وسنت کی طرح بطور حجت نقل کرتے چلے جانے کے عادی ہیں۔ روایت مذکورہ کا واضع حارثی کذاب (مولود ۲۵۸ھ ومتوفی ۳۴۰ھ) تیسری چوتھی صدی کا آدمی ہے اس کی اور اس کے ہم طبقہ کذابین کی وضع کردہ روایات کا استقصاء کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے زمانہ میں صرف اس طرح کی باتیں بیان کرنے پر اکتفا کیا جاتا تھا کہ امام صاحب نے مسند درس پر بیٹھنے کے بعد کوئی کتاب تصنیف فرمائی اس زمانہ میں خالقین مناقب ابی حنیفہ میں اتنی بلند پروازی نہیں آئی تھی کہ وہ اس طرح کی داستان سرائی کرتے پھریں کہ امام صاحب نے اپنے فقہی مذہب کی تدوین چہل رکنی مجلس تدوین کے ذریعہ فرمائی تھی، اس طرح کی داستانیں اگر اس زمانے میں سنائی جاتی ہوتیں تو حارثی کذاب اور اس کے ہم مزاج دوسرے لوگ اس طرح کی داستانوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے امام صاحب کے تصنیفی کاموں کے سلسلے میں روایات گھڑتے اور ایسی حکایات سناتے جن سے مستفاد ہوتا کہ امام صاحب نے اپنی کتابیں چہل رکنی مجلس تدوین کے ساتھ مل کر لکھی لکھوائی ہیں۔

وفات امام صاحب کے لگ بھگ اسی سال بعد پیدا ہونے والے احمد بن عطیہ المعروف بابن المغلس متوفی ۳۰۸ھ نے یہ روایت وضع کی تھی:

"حدثنا أبو سليمان الجوزجاني قال قال لي محمد بن عبد الله قاضي البصرة نحن أبصر بالشروط من أهل الكوفة قلت الإنصاف بالعلماء أحسن وإنما وضع هذا أبوحنيفة فزدتم شيئا ونقصتم شيئا وحسنتم تلك الألفاظ ولكن هاتوا شروطكم وشروط أهل الكوفة قبل أبي حنيفة فسكت وقال التسليم للحق أولىٰ." [1]

---

[1] أخبار أبي حنيفه للصيمري (ص: ۸۲) وعام كتب مناقب أبي حنيفة.

''یعنی ہم سے ابوسلیمان الجوز جانی نے بیان کیا کہ مجھ سے محمد بن عبداللہ قاضی بصرہ نے کہا کہ ہم اہل کوفہ سے زیادہ علم شروط کی بصیرت رکھتے ہیں، میں نے کہا کہ علماء کو انصاف سے کام لینا زیادہ اچھا ہے علم شروط کو سب سے پہلے صرف امام ابوحنیفہ نے وضع کیا تھا بعد میں آپ لوگوں نے اس میں کمی بیشی کر کے اچھے الفاظ میں اسے مرتب کر لیا، امام صاحب کے پہلے آپ لوگ علم شروط پر اہل کوفہ کی یا اپنی لکھی ہوئی کوئی کتاب پیش کر سکتے ہوں تو کیجیے، اس پر قاضی بصرہ محمد بن عبداللہ یہ کہہ کر خاموش ہو گئے کہ حق بات کو تسلیم کرنا زیادہ اچھا ہے۔''

أوّلاً: جن ابوسلیمان موسیٰ بن سلیمان جوز جانی سے ابن المغلس نے یہ روایت نقل کی ہے وہ بتصریح مصنف انوار ۲۰۰ھ میں بعمر اسی (۸۰) سال فوت ہوئے۔[1] جس کا مطلب یہ ہوا کہ موصوف جوز جانی ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے تھے اور یہ بتلایا جا چکا ہے کہ ابن المغلس ۲۰۰ھ کے بعد پیدا ہوا، وفات جوز جانی کے لگ بھگ تیس سال بعد پیدا ہونے والے ابن المغلس کا ظاہر ہے کہ ۲۰۰ھ میں فوت ہونے والے ابوسلیمان جوز جانی سے ملاقات وروایت کرنا ناممکن ہے، مگر یہ بتلایا جا چکا ہے کہ ابن المغلس کے جملہ اوصاف میں سے ایک وصف خاص یہ بھی تھا کہ وہ ایسے لوگوں سے سماع وتحدیث کرنے کا عادی تھا جو اس کی ولادت سے بہت پہلے فوت ہو چکے تھے، الغرض روایت مذکورہ مکذوبہ ہے۔ اور ہم نے اپنی اس کتاب میں دوسری جگہ بتلایا ہے کہ حافظ ابوسلیمان جوز جانی نے اہل علم کے سامنے اس بات کا اعتراف کیا تھا کہ امام صاحب روایتِ حدیث میں غیر معتبر ہیں۔

ثانیاً: روایت مذکور کا مفاد زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ صرف علم الشروط پر امام صاحب کے پہلے کسی دوسرے نے کتاب نہیں لکھی تھی اور وہ بھی یہ کام امام صاحب نے تنہا کیا تھا جیسا کہ روایت میں واقع شدہ لفظ "إنما وضع هذا أبوحنيفة" اور "هاتوا شروطكم وشروط أهل الكوفة قبل أبي حنيفة" سے صاف ظاہر ہے۔

ثالثاً: ابن المغلس کی وضع کردہ روایت مذکورہ میں اس بات کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا گیا ہے کہ اپنی فقہی کتابوں کی تدوین کے لیے امام صاحب نے کوئی چہل رکنی مجلس تدوین قائم کی تھی مگر ابن مغلس وحارثی وغیرہ کے بعد شہرت پذیر ہونے والے بعض لوگوں کی اختراعی باتوں کی بنیاد پر یہ کہانی مشہور ہونے لگے کہ امام صاحب کے فقہی مذہب کی تدوین چالیس آدمیوں کے تعاونِ باہم سے انجام پذیر ہوئی اور امام صاحب کی یہ مہم تدوین امام صاحب کے مسند درس پر بیٹھنے کے بعد شروع ہوئی۔ چنانچہ ابن المغلس اور اس کے ہم طبقہ بعض لوگوں نے امام صاحب کی مسند نشینی کی ایک کہانی مختلف الفاظ اور مختلف انداز میں بڑی رنگین بیانی کے ساتھ سنائی تھی، اس سلسلے کی اہم ترین بعض روایات کا ذکر یہاں کر دینا مناسب ہے۔ ملاحظہ ہو۔

''حفص بن غیاث یا یحییٰ بن زکریا سے مروی ہے کہ جب حماد بن ابی سلیمان کا انتقال ہو گیا تو تلامذہ حماد امام ابوحنیفہ کے پاس آ کر جمع ہوئے اور انھوں نے امام صاحب سے کہا کہ آپ مسند درس پر بیٹھیے۔ امام صاحب نے فرمایا کہ میں اس شرط پر بیٹھوں گا کہ تم میں سے دس آدمی اس بات کی ضمانت دیں کہ وہ سال بھر تک میری درسگاہ میں التزام کے ساتھ حاضر رہا کریں گے، چنانچہ ان لوگوں نے اس کی ضمانت دی اور اپنے اس وعدہ کو پورا کیا یعنی

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۲۲۴)

سال بھر یہ دس حضرات درسگاہِ امام صاحب میں بالالتزام حاضر ہوتے رہے۔‘‘[1]

أوّلاً: روایت مذکورہ کا واضع حارثی کذاب ہے اور اس روایت کے لیے حارثی کی وضع کردہ جعلی سند میں جس عمران بن فرنیام کو استاذِ حارثی ظاہر کیا گیا ہے وہ مجہول ہے اور اس مجہول کا استاذ ابوعصمہ سعد بن معاذ مروزی ہے جس کا ذکر جواہر المضیہ (۲/ ۲۵۷، ۲۵۸) میں ہے مگر موصوف کی ثقاہت ثابت نہیں۔ اس سند میں ابوعصمہ کا استاذ ابوسلیمان کو ظاہر کیا گیا ہے جنھوں نے امام صاحب کو ساقط الاعتبار کہا ہے، ابوسلیمان نے روایت مذکورہ بقول ابوعصمہ حفص بن غیاث یا یحییٰ بن زکریا سے روایت کی ہے ان دونوں حضرات میں سے یحییٰ بن زکریا وفات حماد کے وقت یا تو پیدا ہی نہیں ہوئے تھے یا نہایت چھوٹے سے بچے تھے اور حفص بھی بوقت وفات حماد چھوٹے سے بچے تھے یعنی ان دونوں میں سے کسی نے امام صاحب کی مسند نشینی کا زمانہ سن شعور وروایت میں نہیں پایا، مگر اس سند میں یہ نہیں ظاہر کیا گیا کہ کس سے سن کر یحییٰ یا حفص نے روایت مذکورہ بیان کی ہے۔ الغرض روایت مذکورہ باعتبار سند مکذوب ہے۔

ثانیاً: روایت مذکورہ میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ وفاتِ حماد کے بعد فوراً اصحابِ حماد نے امام صاحب کو مسند درس پر یہ ضمانت دے کر بیٹھایا کہ اصحاب حماد سے دس آدمی سال بھر تک بالالتزام درسگاہ امام صاحب میں حاضر رہا کریں گے اور ابن سعد نے کہا ہے:

’’أجمعوا علی أنه مات سنة عشرين و مائة.‘‘[2]

’’یعنی اس پر تمام لوگوں کا اجماع ہے کہ وفات حماد ۱۲۰ھ میں ہوئی۔

امام بخاری نے ہشیم سے نقل کیا کہ حماد کا انتقال ۱۲۰ھ میں ہوا اور عبیداللہ بن عمرو الاسدی سے نقل کیا کہ حماد ۱۱۹ھ میں فوت ہوئے۔[3] مگر حقیقت یہ ہے کہ عبیداللہ بن عمرو والی روایت کی سند میں عمرو بن عثمان بن سیار کلابی ضعیف ہیں۔[4] اس لیے صحیح یہ ہے کہ حماد کا سالِ وفات ۱۲۰ھ ہے۔ اس اعتبار سے امام صاحب کی مسند نشینی ۱۲۰ھ میں ہوئی۔

ثالثاً: روایت مذکورہ کے بالکل خلاف ابوالولید سے مروی ہے:

’’وفات حماد کے بعد اصحاب حماد صاحب زادۂ حماد (اسماعیل) کے پاس جمع ہوئے لیکن انھیں کام کا نہ پا کر حماد کی جگہ موسیٰ بن ابی کثیر نے سنبھالی، موصوف موسیٰ کو لوگ برداشت کرتے رہے وہ فقہ میں ماہر نہیں تھے ایک مرتبہ وہ سفر حج کو گئے تو ان کی جگہ امام ابوحنیفہ نے سنبھالی امام صاحب کے پاس لوگوں نے وہ سب پایا جو موسیٰ کے پاس نہیں تھا لوگ امام صاحب کے پاس آتے رہے حتی کہ بہت سے لوگ ان سے پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئے اور امام بنے۔‘‘[5]

اس روایت کا واضع بھی حارثی کذاب ہے اور اس کا مفاد یہ ہے کہ وفات حماد کے بعد جانشینِ حماد موسیٰ بن ابی کثیر ہوئے اور ان کے بعد امام صاحب مسند درس پر بیٹھے۔ احمد ابن المغلس کذاب نے حماد بن حماد سے روایت کی کہ:

’’وفات حماد کے بعد اصحاب حماد نے صاحب زادۂ حماد اسماعیل کو جانشین حماد بنایا اور ان کے پاس اصحاب حماد مثلاً ابوبکر نہشلی، ابو بردہ ضبی، محمد بن جابر حنفی وغیرہ آتے جاتے رہے، مگر ان پر شعر و شاعری کا غلبہ تھا اس لیے ان کی

---

[1] موفق (۱/ ٦٦) وعام کتب مناقب.
[2] تهذيب التهذيب وطبقات ابن سعد.
[3] تاريخ صغير للبخاري (ص: ۱۳۸، ۱۳۹)
[4] تهذيب التهتيذب (۸/ ۷٦، ۷۷)
[5] موفق (۱/ ۷۰، ۷۱)

جگہ پر لوگوں نے یکے بعد دیگرے ابوبکر نہشلی اور ابوبردہ کا نام تجویز کیا مگر دونوں نے انکار کیا تو لوگوں نے امام صاحب سے درخواست کی امام صاحب نے فرمایا کہ علم کو زندہ رکھنا چاہتا ہوں اس لیے وہ مسند درس پر بیٹھ گئے اور لوگ ان کی درسگاہ میں آمد و رفت رکھتے رہے ان کے بعد ابو یوسف، زفر، اسد بن عمرو، قاسم بن معن اور ولید نیز ان کے علاوہ دوسرے کوفی لوگ بھی درسگاہ ابی حنیفہ میں آئے امام صاحب سب کو تعلیم فقہ دیتے رہے اور سب کے ساتھ اچھا سلوک اور نگہداشت کرتے رہے۔ ابن ابی لیلیٰ شریک، سفیان امام صاحب کی مخالفت کرنے، ان کی بڑائی چاہتے تھے، مگر امام صاحب ترقی کرتے رہے حتی کہ امراء ان کے حاجت مند ہوگئے۔"[1]

روایت مذکورہ بھی مکذوبہ ہے اور اس کا مفاد بھی یہ ہے کہ امام صاحب وفات حماد کے فوراً بعد جانشین حماد نہیں بنائے گئے۔
ابن المغلس کذاب نے اسی بات کو بایں طور بھی بیان کیا ہے کہ:

"حدثنا الحسن بن الربيع انبأنا أحمد بن المبارك سمعت داود الطائي يقول. الخ"[2]

یعنی ہم سے حسن بن ربیع نے اور حسن سے احمد بن مبارک نے بیان کیا کہ داود طائی نے کہا کہ کوفہ کے مفتی حماد تھے ان کے ایک بیٹے اسماعیل تھے وفات حماد کے بعد معتقدمین حماد نے انھیں اسماعیل کو جانشین حماد بنانا چاہا مگر دیکھا کہ ان پر شعر و شاعری و علم الوقائع کا غلبہ ہے اس لیے سب نے کہا کہ امام صاحب اگرچہ نوعمر ہیں مگر حسن معرفت رکھتے ہیں لہٰذا انھیں کو لوگوں نے جانشین حماد بنایا، امام صاحب مالدار و سخی اور ذہین بھی تھے وہ صبر کے ساتھ درس دیتے رہے اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک بھی کرتے رہے ان کی تعظیم و توقیر حکام و امراء بھی کرتے رہے اور وہ عظیم المرتبت ہوگئے، ابتداء میں ان کے پاس طبقۂ علیاء کے لوگ آتے رہے ان کے بعد ابو یوسف و اسد بن عمرو و القاسم و ابوبکر ہذلی و ولید بن ابان آنے لگے۔ جو لوگ امام صاحب کے مخالف تھے اور ان پر کلام کرتے تھے وہ ابن ابی لیلیٰ و ابن شبرمہ و ثوری و شریک اور پوری ایک جماعت کے لوگ تھے جو امام صاحب کی مخالفت اور ان کی برائی کے طلب گار رہے، مگر امام صاحب ترقی کرتے رہے ان کے تلامذہ بڑھتے رہے حتی کہ مسجد میں امام صاحب کا حلقۂ درس سب سے بڑا ہوگیا امام صاحب کمزوروں پر عنایت کرتے رہے اور مالداروں کو تحائف دیتے رہے، اس لیے لوگوں کی توجہ امام صاحب کی طرف منعطف ہوگئی حتی کہ امراء و حکام و اشراف آپ کی عزت کرنے لگے امام صاحب مصائب میں لوگوں کے کام آتے رہے اور تمام لوگ ان کی مدح کرتے رہے۔ موصوف نے اللہ ایسے کارنامے انجام دیے، جن سے عرب عاجز تھے، مگر امام صاحب ان پر علم واسع اور خوش نصیبی کی بدولت قادر رہے، اسی وجہ سے ان کے حاسدین زیادہ ہوگئے۔

مزکورہ بالا روایت بھی مکذوبہ ہے، مگر روایات نمبر (۲و۳و۴) کا مفاد یہ ہے کہ وفات حماد کے بعد کچھ زمانہ کے فصل اور وقفہ سے امام صاحب حماد کی جگہ مسند نشین درس ہوئے۔ ان روایات میں اس وقفہ کی مدت کا کوئی ذکر نہیں ہے اور روایت نمبر ایک کا

---

[1] موفق (١/ ٧١، ٧٢) و عقود الجمان (ص: ١٦٨، ١٦٩) و أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ٧، ٨) وغيره.

[2] موفق (١/ ٦٩، ٧٠) وعام كتب مناقب.

ظاہری مفاد ہے کہ وفات حماد کے فوراً بعد بلا فصل امام صاحب جانشین حماد بنا دیے گئے تھے، اگر پہلی روایت کو ان تینوں روایات کا ملخص و مختصر قرار دے لیا جائے تو ان میں ظاہری اختلاف ختم ہوجائے گا۔ چوتھی روایت میں امام صاحب کے پاس آنے والے طلبہ کو دو طبقہ میں تقسیم کیا گیا ہے۔ طبقۂ علیاء اور طبقۂ سفلی و علیا میں سے کسی کا نام نہیں بتلایا گیا ہے، مگر طبقۂ سفلی میں سے ابو یوسف، اسد بن عمر، قاسم بن معن، ابوبکر ہذلی اور ولید بن ابان کے نام بتلائے گئے ہیں اور روایت نمبر (۳) میں ان پانچوں حضرات میں سے ابوبکر ہذلی کے بجائے زفر کا نام بھی لیا گیا ہے، اگر دونوں روایتوں کو باہم ملا دیا جائے تو اس طبقۂ یعنی طبقہ سفلی میں سے چھ افراد کے نام معلوم ہو جاتے ہیں۔

چالیس افراد کے ذریعہ تدوین فقہ حنفی کی کہانی پانچویں صدی کے زرنجری نے سنائی:

مذکورہ بالا چاروں روایات میں اس بات کی طرف کوئی اشارہ بھی نہیں کیا گیا ہے کہ امام صاحب نے اپنی فقہی کتابوں کی تدوین کے لیے کوئی چہل رکنی مجلس تدوین قائم تھی البتہ چوتھی روایت میں پانچویں چھٹی صدی کے ابوالفضل بکر بن محمد بن علی بن الفضل بن حسن انصاری زرنجری المعروف بشمس الائمہ (مولود ۴۲۷ھ و متوفی ۵۱۲ھ) نے یہ الحاق واضافہ کر دیا:

> ''طبقۂ علیا کے بعد امام صاحب کی درسگاہ میں آنے والے مذکورہ بالا پانچ چھ حضرات ابو یوسف، اسد، قاسم، ہذلی، ولید، زفر کے ساتھ حسن بن زیاد، داود طائی، یوسف بن خالد سمتی، زکریا بن ابی زائد۔ (قال الموفق صوابه یحییٰ بن زکریا) نوح بن ابی مریم، عبداللہ بن المبارک، مغیرہ بن حمزہ و محمد بن حسن بھی ہیں اور چالیس افراد تھے جنھوں نے کتب فقہ حنفی کی تدوین کی ہے۔''[1]

اس روایت کو دیکھنے سے معلوم ہوا کہ امام صاحب کی مسند نشینی سے متعلق جو رنگین کہانی تیسری چوتھی صدی میں اس بات کی طرف کوئی اشارہ کیے بغیر سنائی جایا کرتی تھی کہ کتب فقہ حنفی کی تدوین کرنے والے چالیس حضرات ہیں، اس کہانی میں پانچویں چھٹی صدی کے آتے آتے یہ اضافہ کر دیا گیا کہ تدوینِ کتبِ فقہ حنفی چالیس افراد نے کی ہے نیز جس کہانی میں امام صاحب کے پاس آنے والے طبقۂ سفلی کے لوگوں میں پہلے پانچ چھ افراد کے نام لیے جاتے تھے اس کہانی میں اس طبقہ کے اندر مزید آٹھ ناموں کا اضافہ کر دیا گیا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ شمس الائمہ زرنجری کی روایت میں طبقۂ سفلی میں زکریا بن ابی زائدہ کا نام لکھا ہوا ہے مگر معلوم نہیں کس مصلحت سے موفق نے اسے بدل کر یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ کر دیا۔

روایات مذکورہ بالا کے مجموعہ سے جو چودہ حضرات درسگاہِ امام صاحب کے طبقۂ سفلی کے لوگ قرار پاتے ہیں ان میں سے چھ سات افراد (ابو یوسف، اسد بن عمرو، زفر، داود طائی، یوسف بن خالد سمتی، یحییٰ بن زکریا، محمد بن حسن) کو بعض دوسری روایات میں عشرۂ متقدمین (دس متقدم حضرات) میں سے قرار دیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ عشرۂ متقدمین وہ ہیں جو امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ کرنے والی مجلس تدوین سے چہل ارکان میں تقدم رکھنے کے سبب عشرۂ متقدمین کہلاتے ہیں۔ (كما سيأتي) ان عشرۂ متقدمین میں سے باقی تین کے نام صراحت سے نہیں بتلائے گئے حالانکہ طبقۂ سفلی کے جن چودہ حضرات میں سے سات کو عشرۂ متقدمین میں سے قرار دیا گیا ہے ان میں سے تین حضرات کو لے کر عشرۂ متقدمین کے افراد کے نام متعین کیے جا سکتے تھے

[1] موفق (۱/ ۷۲) و کردری (۱/ ۱۲۸، ۱۲۹)

مگر معلوم نہیں کس مصلحت کے تحت ایسا نہیں کیا گیا ہے۔

ایک طرف مذکورہ بالا روایات کے مجموعہ سے بالصراحت یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب وفات حماد کے بعد مسند نشین درس ہوئے مگر دوسری طرف کتب مناقب ابی حنیفہ میں یہ تصریح بھی ہے:

”عن إسماعيل بن حماد قال عقد حلقة الإمام اثنا عشرة زفر وأبو يوسف وأسد بن عمرو وحماد ابنه و داود والقاسم بن معن ووليد والأبيض أبنا الأغر و ابن المغيرة وحماد بن ابى سليمان وابن الصباح وعافية .“ ❶

”یعنی امام صاحب کی درسگاہ ان بارہ حضرات کے ذریعہ قائم ہوئی ،زفر، ابو یوسف، اسد بن عمرو، حماد بن ابی حنیفہ، داود طائی ، قاسم بن معن ، ولید بن اغر، ابیض بن اغر، حمزہ بن مغیرہ ،حماد بن ابی سلیمان ،ابن صباح ، عافیہ۔“

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مذکورہ بالا روایت میں کہا گیا ہے کہ جن بارہ افراد کے ذریعہ درسگاہِ امام صاحب قائم ہوئی ان میں حماد بن ابی سلیمان (استاذِ امام صاحب) بھی ہیں۔ ایک طرف یہ دعوی کہ درسگاہ امام صاحب وفاتِ حماد کے بعد قائم ہوئی، دوسری طرف یہ دعوی کہ درسگاہ امام صاحب جن لوگوں کے ذریعہ قائم ہوئی ان میں حماد بھی ہیں یعنی درسگاہ امام صاحب میں حماد بھی پڑھا کرتے تھے بلفظ دیگر امام صاحب وفات حماد کے پہلے مسند درس پر جلوہ افروز ہو گئے تھے، اگر ان بارہ حضرات کے ذریعہ درسگاہ امام صاحب قائم ہوئی تو ان بارہ حضرات کا اجتماع کس زمانہ میں ہوا؟ کیونکہ ایک طرف حماد ۱۲۰ھ میں فوت ہوئے تو دوسری طرف ابو یوسف ۱۱۳ھ میں اور زفر ۱۱۶ھ میں پیدا ہوئے؟ کتب احناف میں حماد کو تلامذۂ امام صاحب میں شمار کیا گیا ہے۔ ❷

یہ بیان ہو چکا ہے کہ مصنف انوار کی تحریر کردہ متعدد باتوں کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب وفات حماد کے بعد بھی ایک زمانہ تک تحصیل علم میں مصروف تھے، نیز یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ کتب مناقب کی جن روایات کو مصنف انوار نصوص کتاب وسنت کی مانند حجت بناتے چلے جاتے ہیں اسی طرح کی روایات سے ثابت ہے کہ امام صاحب امام ابن سیرین کی زندگی میں مسند درس پر بیٹھ چکے تھے یعنی ۱۱۰ھ سے پہلے نیز یہ کہ مسند درس پر بیٹھ چکنے کے بعد درمیان میں امام صاحب دس سال کے لیے خانہ نشین ہو گئے تھے۔ دریں صورت مصنف انوار اوران کے ہم مزاج لوگوں نے جو یہ دعوی کر رکھا ہے کہ امام صاحب نے چار ہزار اساتذہ سے پڑھ کر مسند درس پر بیٹھنے کے بعد اپنے پاس جمع ہونے والے تلامذہ میں سے چالیس مجتہدین کو منتخب کر کے مجلس تدوین کے ارکان بنائے تو آخر یہ فیصلہ کیسے کیا جائے کہ امام صاحب کس زمانہ میں مسند درس پر رونق افروز ہوئے؟۔

مذکورہ بالا روایت میں جن بارہ افراد کو بشمول حماد تلامذۂ امام صاحب قرار دیا گیا ہے ان کا تلامذۂ امام صاحب کے طبقہ علیا میں سے ہونا لازم آتا ہے کیونکہ اس روایت کا مفاد یہ ہے کہ درسگاہ امام صاحب کا قیام ہی انھیں بارہ افراد سے عمل میں آیا حالانکہ ناظرین کرام دیکھ آئے ہیں کہ بعض روایات کے مطابق ان افراد میں سے ابو یوسف، اسد، زفر، قاسم و داود کو بعض دوسری روایات میں طبقۂ سفلی کے افراد قرار دیا گیا ہے۔ اب تک کی تفصیل کے مطابق امام صاحب کے تلامذۂ علیا و سفلی کو ملا کر کل اکیس حضرات کے نام سامنے آئے۔ (۱) حماد بن ابی سلیمان ، (۲) زفر، (۳) ابو یوسف، (۴) اسد بن عمرو، (۵) حماد بن ابی حنیفہ،

---

❶ کردری (۲/ ۳۱۴)

❷ جواهر المضيه تذكره حماد بن أبي سليمان.

(٦) داود طائی، (٧) قاسم، (٨) ولید بن ابان، (٩) ولید بن اغر، (١٠) ابیض بن اغر، (١١) حمزہ بن مغیرہ، (١٢) مغیرہ بن حمزہ، (١٣) ابن صباح، (١٤) عافیہ، (١٥) ابوبکر ہذلی، (١٦) حسن بن زیاد، (١٧) یوسف بن خالد سمتی، (١٨) نوح بن ابی مریم، (١٩) عبداللہ بن المبارک، (٢٠) محمد بن حسن، (٢١) یحییٰ بن زکریا یا زکریا بن ابی زائدہ۔

ان اکیس حضرات میں سے آٹھ کو مصنف انوار نے مجلس تدوین کے اراکین میں نہیں شمار کیا ہے یعنی حماد بن ابی سلیمان، ولید بن ابان، ولید بن اغر، ابیض بن اغر، حمزہ بن مغیرہ، مغیرہ بن حمزہ، ابن الصباح، ابوبکر ہذلی اور باقی تیرہ افراد کو ارکانِ مجلس میں شمار کیا ہے، معلوم نہیں ان آٹھوں حضرات نے مصنف انوار کا کیا قصور کیا تھا کہ انھوں نے ان آٹھوں کی بجائے دوسرے آٹھ افراد کو ارکان مجلس میں شمار کرلیا۔ آخر مصنف انوار نے کوئی سبب بتلائے بغیر کیوں ان حضرات کو اس شرف عظیم سے محروم کر کے دوسرے آٹھ افراد کو ارکان مجلس میں شمار کر رکھا ہے؟ اگر مصنف انوار یہ کہیں کہ حماد بن ابی سلیمان کو اس لیے شمار نہیں کیا کہ وہ ١٢٠ھ میں فوت ہو گئے تھے اور ہمارا دعوی یہ ہے کہ مجلس مذکور ١٢٠ھ میں قائم ہوئی تو ہم عرض کریں گے کہ مصنف انوار نے جن چالیس افراد کو ارکان مجلس قرار دیا ہے ان میں سے متعدد حضرات ١٢٠ھ میں پیدا ہی نہیں ہوئے تھے اور ان میں کتنے لوگ اطفال مکتب تھے۔ اگر غیر مولود افراد یا اطفال مکتب ١٢٠ھ میں مجتہد بن کر مجلس تدوین کے ارکان منتخب کیے جا سکتے ہیں تو فوت ہو چکنے والے بعض لوگ کیوں ارکان مجلس نہیں قرار دیے جا سکتے؟ جبکہ مصنف انوار کے متعدد اقوال کا حاصل ہے کہ امام صاحب نے مجلس تدوین اپنی وفات کے بعد قائم کی اور اس کے متعدد ارکان اپنی وفات کے بعد بھی امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ کا کام کرتے رہے۔ (كما سيأتي التفصيل)

زرنجری نے محض اجمالی طور پر پانچویں صدی میں یہ کہانی سنائی تھی کہ فقہ حنفی کی تدوین چالیس افراد نے کی مگر مصنف انوار نے چودھویں صدی میں اس کہانی کو بہت زیادہ طویل بنا دیا۔

مجلس تدوین کی کہانی پانچویں صدی کے عتیق یمانی نے بھی سنائی:

ابوبکر عتیق بن داود یمانی کے حوالہ سے موفق وغیرہ نے مذہب حنفی کی عظمت و برتری کی ایک طویل وعریض داستان سنائی ہے جو تقریباً اٹھارہ صفحات پر مشتمل ہے۔ مذہب حنفی کی جملہ خوبیوں میں سے موصوف نے ایک خوبی یہ بیان کی ہے کہ امام صاحب نے اپنے فقہی مذہب کی تدوین شورائی نظام کے تحت ایسی مجلس تدوین کے ذریعہ فرمائی جس کے حل کردہ مسائل فقہ کو قاضی ابو یوسف لکھا کرتے تھے اور ان مسائل مدونہ پر امام صاحب نظر ثانی بھی فرماتے تھے اور کسی معاملہ میں کئی فتاوی اور اقوال کے بجائے صرف ایک قطعی اور درست فتوی تحریر فرماتے تھے، موصوف امام صاحب نے کل پانچ لاکھ مسائل فقہ مدون کیے امام صاحب سے پہلے تدوین شریعت کا یہ کارنامہ کسی نے انجام نہیں دیا تھا نہ صحابہ نے نہ تابعین نے، اللہ تعالیٰ نے امام صاحب کو جتنے بے نظیر قسم کے تلامذہ میسر کیے کسی اور کو نہیں ان میں سے مشہور لوگ یہ ہیں۔

(١) ابو یوسف، (٢) محمد بن حسن، (٣) زفر، (٤) حسن بن زیاد لولوی، (٥) وکیع بن جراح، (٦) ابن المبارک، (٧) بشر بن غیاث، (٨) عافیہ، (٩) داود طائی، (١٠) یوسف سمتی، (١١) مالک بن مغول، (١٢) نوح بن ابی مریم۔[1]

[1] موفق (٢/ ١٢٨ تا ١٤٦) وكردرى (١/ ٤٦ تا ٦٥) ومسند خوارزمي (١/ ٣١ تا ٣٤)

امام صاحب کے تلامذۂ مذکورین میں سے مصنف انوار نے معلوم نہیں کیوں بشر بن غیاث کو ارکان مجلس میں نہیں شمار کیا ہے نیز عتیق یمانی کے بیان میں امام صاحب کے مسائل مدونہ کی تعداد پانچ لاکھ بتلائی گئی ہے لیکن مصنف انوار نے یہ تعداد ساڑھے بارہ لاکھ بتلائی ہے نیز دعوی کیا ہے کہ امام صاحب کے مدون کردہ یہ ساڑھے بارہ لاکھ مسائل احادیث مرفوعہ کے حکم میں ہیں۔عتیق یمانی نے اپنے مندرجہ بالا بیان میں یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ امام صاحب کے فتاوی میں باہم اختلاف نہیں ہوتا تھا حالانکہ یہ بات بدیہی طور پر باطل ہے اور کتب فقہ حنفی میں ایک ہی مسئلہ سے متعلق امام صاحب کے بکثرت کئی کئی اقوال منقول ہیں، نیز عتیق یمانی نے بھی یہی کہا ہے کہ مجلس تدوین کے ذریعہ امام صاحب کے حل کردہ مسائل وہ ابو یوسف لکھا کرتے تھے جن کی بابت ہم بتلا چکے ہیں کہ امام صاحب فرماتے تھے کہ موصوف میری طرف اپنی اختراعی باتیں بھی منسوب کر کے زبانی اورتحریری دونوں طور پر بیان کرتے تھے عتیق یمانی نے جو یہ کہا کہ "حتى تصفح ما وضعه وتأمله" یعنی امام صاحب اپنے مدونہ مسائل پر نظر ثانی کرتے تھے تو یہ بات ٹھیک ہے کیونکہ ابو یوسف کی لکھی ہوئی کتابوں پر نظر ثانی ہی کی بدولت امام صاحب اس حقیقت سے واقف ہوئے کہ موصوف ان کی طرف اپنی اختراعی باتیں بھی بہت بڑے پیمانے پر منسوب کر کے لکھ دیا کرتے ہیں، لیکن جب ابو یوسف ہی علوم امام صاحب کے ناشر اور تدوین کنندہ ہیں اور موصوف وفاتِ امام صاحب کے بعد زمانہ تک زندہ رہ کر علوم امام صاحب کی نشر واشاعت کرتے رہے تو موصوف نے کیا کچھ نہیں کیا ہوگا؟

چہل رکنی مجلس کی کہانی چوتھی پانچویں صدی کے ابن ابی العوام کی زبانی:

چوتھی صدی کے بالکل اواخر میں مصر کی رافضی وباطنی حکومت کے ایک سرکاری عہدیدار اور آلۂ کار قاضی ابوالعباس احمد بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن ابی العوام سعدی مولود ۳۴۹ھ ومتوفی ۴۱۸ھ کا ظہور ہوا جو ۴۰۵ھ میں مصر کی رافضی حکومت کی جانب سے اس شرط پر قاضی بنایا گیا کہ رافضی مذہب کے مطابق عدالتی فیصلے کرے گا، یہ جاہ پرست شخص حنفی المسلک ہونے کے باوجود شرط مذکور پر قاضی بن گیا اور تاوفات رافضی حکومت کے آلۂ کار کے طور پر قاضی بنا رہا۔ رافضی حکومت کے بعض پروردۂ نعمت کی سفارش پر موصوف کو قاضی بنایا گیا تھا اس نے موصوف کو قابل اعتماد بھی بتلایا تھا ورنہ کسی معروف ثقہ امام جرح وتعدیل نے اس کی توثیق نہیں کی۔ اس مجہول الحال شخص نے یہ ظاہر کیا کہ میرے دادا ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بن العوام سعدی متوفی ۳۳۵ھ نے مناقب ابی حنیفہ اور مسند ابی حنیفہ کے نام سے دو کتابیں لکھی تھیں جو مجھے میرے باپ محمد بن عبداللہ بن محمد سعدی کے واسطہ سے دست یاب ہوئی ہیں۔[1]

اس مجہول الحال شخص نے اپنے جس باپ کے واسطہ سے اپنے دادا کی دونوں کتابیں بطریقِ روایت حاصل کرنے کا دعوی کیا ہے وہ بھی مجہول ہے اور اس کا وہ دادا بھی مجہول ہے جس کی طرف یہ کتابیں منسوب ہیں۔[2] اس طرح کے تین مجہول رواۃ کے سلسلے سے مروی شدہ کتاب مناقب ابی حنیفہ میں منقول ہے:

---

[1] ماحصل از كتاب الولاة والقضاة لأبي عمر محمد بن يوسف كندى (ص: ٤٩٦) ورفع الأصر عن قضاة مصر (ص: ١٩) ونجوم الزاهره بتلخيص أخبار مصر والقاهره (ص: ٢٢) وجواهر المضية (١/ ١٠٦، ١٠٧) وتقدمة نصب الرايه للكوثري وطليعة التنكيل (ص: ٢٨، ٢٩)

[2] طليعة التنكيل (ص: ٢٨، ٢٩)

”قال ابن أبي العوام حدثني الطحاوي كتب إلى محمد بن عبد الله بن أبي ثور الرعيني قال حدثني سليمان بن عمران حدثني أسد بن الفرات قال كان أصحاب أبي حنيفة الذين دوّنوا الكتب أربعين رجلا فكان في العشرة المتقدمين أبو يوسف وزفر و داود الطائي وأسد بن عمر ويوسف بن خالد السمتي ويحيى بن زكريا بن أبي زائده وهو الذي كان يكتب لهم العلم ثلاثين سنة.“

”یعنی تدوین کتب کرنے والے تلامذۂ امام صاحب چالیس ہیں، ان میں دس متقدمین ہیں، ان دس متقدمین میں ابو یوسف وزفر وداود طائی واسد بن عمر اور یوسف سمتی اور یحییٰ بن زکریا ہیں، یحییٰ بن زکریا ہی تیس سال ان کے لیے علم لکھتے رہے۔“

قال ابن أبي العوام حدثني الطحاوى كتب إلى ابن أبي ثور قال قال أخبرني نوح أبوسفيان قال لي المغيرة بن حمزة كان أصحاب أبي حنيفة الذين دوّنوا هذه الكتب أربعين رجلا كبيرا.“ [1]

”یعنی امام صاحب کے ساتھ مل کر تدوین کتب کرنے والے چالیس اکابر حضرات ہیں۔“

أوّلاً: گزشتہ تفصیل سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ مذکورہ بالا دونوں روایات تین مجہول رواۃ کے سلسلہ سے مروی شدہ کتاب میں منقول ہیں اور یہ تینوں مجہول رواۃ چوتھی و پانچویں صدی کے آدمی تھے۔ صرف اتنی بات بھی دونوں روایات کے ساقط الاعتبار دیے جانے کے لیے کافی ہونے کے ساتھ اس چیز کی غماز ہے کہ دونوں روایات چوتھی پانچویں صدی میں وضع ہوئی ہیں۔ علاوہ ازیں ان میں سے پہلی روایت کے راوی اسد بن فرات ۱۴۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۱۳ھ میں فوت ہوئے، موصوف کی پرورش عراق سے بہت دور براعظم افریقہ میں ہوئی، موصوف وفات امام صاحب کے زمانہ بعد وارِدِ عراق ہوئے اور اس روایت میں یہ نہیں ظاہر کیا گیا کہ اسد نے روایت مذکورہ کس سے سن کر نقل کی ہے یعنی اس کی سند میں دوسری علل قادحہ کے ساتھ علت انقطاع بھی ہے۔ مجہول اور منقطع سندوں سے مروی روایت مصنف انوار اور ان کے استاذ کوثری ومولانا ابوالوفاء افغانی وغیرہ بھی ساقط الاعتبار مانتے ہیں۔[2] اسد کی طرف منسوب اس روایت کا راوی سلیمان بن عمران قیروانی (مولود ۱۸۳ھ ومتوفی ۲۷۰ھ) کو امام دارقطنی نے مجہول رواۃ میں شمار کیا اور اس کی روایت کو ”لا یصلح“ بتلایا۔[3] معالم الایمان فی معرفۃ اہل القیروان (۲/ ۹۹ تا ۱۰۴) میں سلیمان کا تعارف کرایا گیا مگر موصوف کی توثیق وتجریح کا کوئی ذکر نہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ بقول دارقطنی موصوف مجہول الحال ہے۔ سلیمان سے روایت مذکورہ کا ناقل محمد بن عبداللہ بن ابی ثور رعینی (متوفی ۲۹۹ھ) کو ظاہر کیا ہے ان کا ذکر بھی بلا توثیق وتعدیل جواہر المضیہ (۲/ ٦٦، ٦٧) میں کیا گیا ہے، الغرض باعتبار سند روایت مذکورہ ساقط ہے۔ دوسری روایت کی سند میں واقع شدہ نوح اور مغیرہ مجہول ہیں یعنی دونوں روایات غیر معتبر ہیں۔

---

[1] تقدمة نصب الراية للكوثري (ص: ۳۷، ۳۸) ولمحات النظر سيرة زفر.

[2] تعليق الكوثرى والأفغاني على مناقب أبي حنيفة للذهبي (ص: ۸)

[3] لسان الميزان (٤/ ۳۸۲، ترجمه عنبسه بن خارجه عافقى و ۳/ ۹۷ ترجمه سليمان قيرواني)

ثانیاً: دونوں روایات کے مجموعہ سے مستخرج ہوتا ہے کہ امام صاحب کے ساتھ چالیس افراد نے مل کر تدوین کتب حنفی کی ہے جن میں سے صرف چھ افراد کے نام بتلائے گئے ہیں، ان چھ افراد کا نام بتلانے کے ساتھ یہ صراحت بھی کی گئی ہے کہ چھ حضرات عشرۂ متقدمین میں سے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ امام صاحب کے ساتھ تدوین کتب کرنے والے چالیس افراد کے دو گروپ ہیں، پہلا گروپ عشرۂ متقدمین کہلاتا ہے جو دس افراد پر مشتمل ہے اور دوسرا گروپ گروپِ متاخرین کہلاتا ہے۔اس کا مفاد یہ ہے کہ امام صاحب نے ابتداء میں اپنے کارنامۂ تدوین کو عشرۂ متقدمین کے ساتھ مل کر انجام دینا شروع کیا تھا مگر بعد میں امام صاحب کے ساتھ اس کام میں مزید تیس متاخر حضرات یکے بعد دیگرے شریک ہوتے گئے۔

ثالثاً: ان دونوں روایتوں میں سے صرف ایک میں عشرۂ متقدمین کے چھ افراد کے نام بتلائے گئے ہیں یعنی امام صاحب کے ساتھ مہم تدوین کو انجام دینے والے چالیس افراد میں سے صرف چھ کے نام اس میں مذکور ہیں باقی کے نام مذکور نہیں۔

رابعاً: پہلی روایت میں جو یہ مذکور ہے کہ عشرۂ متقدمین میں سے یحییٰ بن زکریا امام صاحب کی مہمِ تدوین کے معاونین کے لیے تیس سال کتابتِ علم کرتے رہے وہ اس امر کی دلیل ہے کہ امام صاحب کی مہم تدوین کی مدت تیس سال ہے نیز اس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ یحییٰ بن زکریا امام صاحب کی تیس سالہ مہم تدوین میں اول سے آخر تک شریک رہے مگر اس روایت سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ امام صاحب کی یہ تیس سالہ مہم تدوین کب سے شروع ہو کر کب ختم ہوئی؟

خامسًا: جن کتابوں کی باتوں کو مصنف انوار اپنے موافقِ مزاج پا کر نصوص کتاب وسنت کی طرح حجت بنانے کے عادی ہیں ان میں سے ایک جواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ بھی ہے۔جواہر المضیہ مطبوع حیدرآباد میں یہ ظاہر کیے بغیر کہ روایت مذکورہ ابن ابی العوام کی کتاب میں طحاوی کے حوالہ سے منقول ہے یہ کہا گیا ہے کہ روایت مذکورہ کو طحاوی نے نقل کیا ہے، مصنف انوار نے بھی یہی کہا ہے کہ روایت مذکروہ کو طحاوی نے نقل کیا ہے، معلوم نہیں کس مصلحت سے ان حضرات نے یہ نہیں بتلایا کہ روایت مذکورہ کو ابن ابی العوام نے طحاوی کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور حقیقت امر یہ ہے کہ روایت مذکورہ طحاوی کی طرف صرف منسوب ہوگئی ہے طحاوی اس کے راوی نہیں ہیں۔اس سے قطع نظر جواہر المضیہ میں یہ بھی کہا گیا ہے:

”مات بالمدينة قاضيا لها سنة اثنتين وقيل ثلاث وقيل ثمان وتسعين ومائة وهو ابن ثلاث وستين سنة.“[1]

”یعنی یحییٰ مذکور مدینہ میں قاضی کی حیثیت سے ۱۹۲ھ میں فوت ہوئے اور کہا گیا ہے کہ ۱۹۳ھ میں فوت ہوئے نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ موصوف ۱۹۸ھ میں فوت ہوئے اور بوقت وفات موصوف کی عمر تریسٹھ سال تھی۔“

اس کا مطلب یہ ہوا کہ یحییٰ بن زکریا ۱۲۹/ ۱۳۰ھ میں یا بقول دیگر ۱۳۵ھ میں پیدا ہوئے تھے اور یہ بالکل واضح بات ہے کہ ۱۲۹/ ۱۳۰ھ یا ۱۳۵ھ میں پیدا ہونے والے آدمی کی عمر وفاتِ امام صاحب کے وقت یعنی ۱۵۰ھ میں بیس اکیس سال یا پندرہ سال ہوگی اور جو شخص وفات امام صاحب کے وقت صرف پندرہ سال یا بیس اکیس سال کا نوعمر لڑکا ہو اس کا امام صاحب کے ساتھ تیس سال تک مہم تدوین میں حاضر وموجود رہنا محال ونا ممکن ہے، مگر مصنف انوار کی مستدل روایت کا مفاد بہرحال یہ ہے کہ

---
[1] جواهر المضيه (۲/ ۲۱۲)

یحییٰ بن زکریا امام صاحب کے ساتھ تیس سال تدوین کا کام کرتے رہے۔

امام ابن معین نے صراحت کی ہے کہ بوقت وفات یحییٰ بن زکریا کی عمر تریسٹھ سال تھی۔ (1) اور یعقوب بن شیبہ نے بھی یہی بات کہی ہے کہ بوقت وفات موصوف کی عمر تریسٹھ سال تھی۔ (2) اور امام ابن المدینی نے صراحت کی ہے کہ یحییٰ بن سعید قطان ۱۹۸ھ میں اور یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ ۱۸۲ھ میں فوت ہوئے۔ (3) اس اعتبار سے موصوف یحییٰ بن زکریا کا سال ولادت ۱۱۹ھ قرار پاتا ہے اور زیادہ تر لوگوں نے موصوف کا سال وفات ۱۸۳/۱۸۴ھ بتلایا ہے، اس اعتبار سے موصوف کا سال ولادت ۱۲۰/ ۱۲۱ھ قرار پاتا ہے۔ (4) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جواہر المضیہ کی عبارت میں تخلیط وتصحیف اور تحریف واقع ہوگئی ہے اور عین ممکن ہے کہ مصنف جواہر المضیہ سے تاریخ خطیب میں منقول شدہ اس عبارت کا مطلب سمجھنے میں قصور سرزد ہوا ہو کہ "ثم انتهى علم هؤلآء إلى يحيى بن سعيد ومات في صفر سنة ثمان وتسعين ومائة وإلى يحيى بن زكريا مات سنة اثنتين وثمانين ومائة" (5) یعنی فلاں فلاں اہل علم کا علم یحییٰ بن سعید و یحییٰ بن زکریا پر ختم ہوا اور یحییٰ بن سعید کا انتقال ۱۹۸ھ میں اور یحییٰ بن زکریا کا ۱۸۲ھ میں ہوا۔ یہ عرض کیا جاچکا ہے کہ مصنف جواہر المضیہ غیر ماہر اور تصحیف کار تھے۔ حاشیہ جواہر المضیہ پر بطور استدراک فوائد البہیہ کے حوالہ سے کہا کہ موصوف یحییٰ بن زکریا ۱۸۳/۱۸۴ھ میں فوت ہوئے تھے۔ (6)

حاصل یہ کہ یحییٰ بن زکریا کا سال ولادت ۱۲۰/ ۱۲۱ھ ہے اس اعتبار سے وفات امام صاحب کے وقت موصوف کی عمر انتیس تیس سال تھی، اور کسی بھی صاحب عقل وہوش پر یہ حقیقت مخفی نہیں رہ سکتی کہ وفات امام صاحب کے وقت انتیس تیس سال عمر والے آدمی کا امام صاحب کے ساتھ تیس سال تک کاروبار تدوین میں مصروف رہنا ناممکن ہے، اور جب یہ معاملہ ہے تو ہر باہوش آدمی بڑی آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ ابن ابی العوام کی ذکر کردہ جس روایت مذکورہ میں یہ ناممکن الوقوع بات مذکور ہے اور باعتبار سند جس کا غیر معتبر ہونا ظاہر ہے اسے دلیل وحجت بنانا پھر اسے چہل رکنی مجلس تدوین کے وجود پر دلیل قرار دینا کسی سلیم الطبع شخص کا شیوہ نہیں ہوسکتا مگر اس کے باوجود مصنف انوار نے روایت مذکورہ کو دلیل وحجت بناتے ہوئے کہا:

"طحاوی نے فرمایا کہ یحییٰ امام اعظم کے ان چالیس اصحاب میں سے تھے جو تدوین کتب فقہ میں مشغول تھے اور تیس سال تک وہ ہی مسلسل مسائل مدونہ کو لکھتے رہے بلکہ ان میں سے بھی عشرۂ متقدمین میں ان کا شمار کیا گیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں ابن مدینی سے نقل کیا ہے کہ امام سفیان ثوری کے بعد کوفہ میں آپ سے زیادہ اثبت کوئی نہ تھا، نسائی نے بھی آپ کو ثقہ حجت کہا، خطیب نے نقل کیا کہ آپ نے بیس سال تک روزانہ ایک ختمِ قرآن کیا، بغداد میں رہ کر ایک مدت تک درس حدیث دیتے رہے آپ کے تلامذۂ حدیث میں امام احمد، ابن معین، قتیبہ، حسن بن عرفہ اور ابوبکر بن ابی شیبہ وغیرہ ہیں۔ خلیفہ ہارون نے آپ کو مدینہ طیبہ کا قاضی مقرر کیا تھا علاوہ دوسری تصانیف کے ایک مسند بھی آپ نے جمع کی تھی ۹۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔" (7)

---

(1) تاريخ ابن معين (٢/ ٦٤٣) وخطيب (١٤/ ١١٩)

(2) خطيب (١٤/ ١١٨) وتهذيب التهذيب (١١/ ٢٩)

(3) خطيب (١٤/ ١١٥، ١١٦)

(4) عام كتب رجال.

(5) خطيب (١٤/ ١١٥، ١١٦)

(6) نیز ملاحظہ ہو: کردری (٢/ ٢٠٧)

(7) مقدمه انوار (١/ ١٩١ بحواله حدائق الحنفية)

مصنف انوار کے اس بیان سے ان کی علمی دیانت داری واضح ہے کہ تین مجہول رواۃ کے سلسلے سے طحاوی کی طرف منسوب شدہ روایت کی بابت موصوف نے دعوی کر دیا کہ یہ روایت امام طحاوی نے نقل کی ہے حالانکہ اسے طحاوی نے روایت نہیں کیا ہے بلکہ اسے غلط طور پر طحاوی کی طرف منسوب کر دیا گیا نیز طحاوی کی طرف منسوب کردہ اس روایت کی سند کا ساقط الاعتبار ہونا واضح کیا جا چکا ہے۔ کیا مصنف انوار کا خالص علمی و دینی اور تحقیقی نقطۂ نظر یہی ہے کہ ایسی ساقط الاعتبار روایت کو صحیح و معتبر کہہ کر نقل کریں؟

حافظ خطیب کی طرف مصنف انوار کی منسوب کردہ پانچ جھوٹی باتیں

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مصنف انوار نے خطیب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ (۱) یحییٰ بن زکریا نے بیس سال تک روزانہ ایک ختمِ قرآن مجید کیا اور (۲) موصوف بغداد میں ایک مدت تک درس حدیث دیتے رہے۔ (۳) ہارون نے موصوف کو قاضی مدینہ طیبہ مقرر کیا۔ (۴) موصوف نے ایک مسند بھی جمع کی تھی۔ (۵) موصوف ترانوے سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ پانچ فقروں پر مشتمل اتنی لمبی بات مصنف انوار نے بحوالہ خطیب لکھی ہے حالانکہ اتنی لمبی بات خطیب نے نہیں لکھی ہے، اتنی لمبی بات مصنف انوار کے معتمد علیہ مصنف حدائق الحنفیہ نے اپنی طرف سے لکھ کر خطیب کی طرف منسوب کر دی ہے جن کی تقلید میں مصنف انوار نے اپنے خالص علمی، تحقیقی، دینی نقطۂ نظر سے دعویٔ تحقیق کے باوجود اتنی لمبی بات حافظ خطیب کی طرف منسوب کر دی۔

ناظرین کرام سوچیں کہ مصنف انوار اور ان کے معتمد علیہ لوگوں کی علمی دیانت داری کا کیا حال ہے؟ مصنف انوار نے یحییٰ بن زکریا کی بابت جو بات فقرہ نمبر ایک میں کہی ہے وہ خطیب نے یحییٰ بن سعید قطان کی بابت نقل کی ہے۔[1] جواہر المضیہ (۴/ ۲۱۲) میں بحوالہ خطیب یہ بات یحییٰ بن سعید قطان کی بابت منقول ہے۔[2]

مگر مصنف حدائق الحنفیہ کی طرح فقرہ مذکورہ کو فوائد البہیہ (ص: ۲۲۴) میں خطیب کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ غرض اس قوم نے دینی و علمی و تحقیقی خدمت کے نام پر عجیب گورکھ دھندہ کر رکھا ہے۔

مصنف انوار نے فقرہ نمبر (۲) دوسرے میں مصنف حدائق الحنفیہ کی تقلید میں خطیب کی طرف یہ منسوب کیا ہے کہ ''یحییٰ بن زکریا ایک مدت تک بغداد میں رہ کر درس دیتے رہے حالانکہ خطیب نے اس کے بالکل برعکس یہ لکھا:

"حدثنا زياد بن أيوب حدثنا يحيى بن زكريا في سنة ١٨٢هـ ولم يحدث ببغداد غير هذا المجلس وخرج الى النصيرية على القضاة فمات فى الطريق."[3]

''یعنی زیاد بن ایوب نے کہا کہ یحییٰ بن زکریا نے ۱۸۲ھ میں صرف ایک مجلس میں بغداد کے اندر درسِ حدیث دیا پھر وہ قاضیٔ نصیریہ بن کر بغداد سے چلے گئے اور راستہ ہی میں فوت ہو گئے۔''

ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں کہ خالص علمی و دینی اور تحقیقی خدمت کے نام پر مصنف انوار نے کیسی گل افشانی فرمائی ہے، کیا یہ الحاق وتحریف اور ترویج اکاذیب کا وہ فن نہیں ہے جس کو مصنف انوار عقلائے یورپ اور شاطر دشمنوں یا حاسدوں اور معاندوں کا وہ خصوصی فن بتلاتے ہیں جس کے ذریعہ سفید کو سیاہ ثابت کر دکھانے کا کام کار خیر و ثواب سمجھ کر کیا جاتا ہے؟[4]

---

[1] خطیب (١٤/ ١٤١)
[2] نیز ملاحظہ ہو: تهذيب التهذيب (١١/ ٢١٩) وتذكرة الحفاظ (٢/ ٢٩٩)
[3] خطیب (١٤/ ١١٤، ١١٥)
[4] مقدمه انوار (١/ ١٢٣، ١٢٤)

مصنف انوار نے فقرہ نمبر (۳) میں خطیب کی طرف یہ منسوب کر رکھا ہے کہ خلیفہ ہارون نے آپ کو مدینہ طیبہ کا قاضی مقرر کیا تھا حالانکہ خطیب نے اس کے بالکل برعکس یہ کہا ہے کہ "توفی بالمدائن وهو قاضی بها لهارون أمیر المؤمنین"[1] موصوف کو ہارون نے مدائن کا قاضی مقرر کیا تھا۔ کہاں مدینہ طیبہ اور کہا مدائن! مگر مصنف انوار کا خالص علمی و دینی وتحقیقی نقطۂ نظر بہرحال اسی طرح کا ہے کہ تحریف اور جھوٹے انتسابات کو علمی و دینی وتحقیقی خدمت کہتے پھریں۔ یہ گل افشانی مصنف حدائق الحنفیہ کی طرح مصنف جواہر المضیہ نے بھی فرمائی ہے کیونکہ پوری قوم کا یہی حال ہے۔

مصنف انوار کا بحوالۂ خطیب ذکر کردہ چوتھا فقرہ بھی خطیب نے نہیں نقل کیا ہے، خطیب نے صرف یہ کہا ہے کہ "یعد من حفاظ الکوفیین للحدیث متقنا ثبتا صاحب سنة"[2] خطیب کی عبارت میں واقع شدہ لفظ "صاحب سنة" کو ان حضرات نے "صاحب مسند" یعنی "مسند" نام کی کتاب کا مصنف قرار دے لیا۔"

مصنف انوار نے مصنف حدائق کی تقلید میں بحوالۂ خطیب اپنے پانچویں فقرہ میں کہا کہ یحییٰ بن زکریا ترانوے سال کی عمر میں فوت ہوئے اور مصنف حدائق ہی کی تقلید میں مصنف انوار نے موصوف یحییٰ کا سال وفات ۱۸۴ھ بتلایا ہے۔ اس اعتبار سے موصوف یحییٰ ۹۱ھ میں پیدا ہوئے حالانکہ خطیب نے مختلف اہل علم سے یہ نقل کیا ہے کہ موصوف یحییٰ تریسٹھ سال کی عمر میں ۱۸۲ھ یا ۱۸۳ھ یا ۱۸۴ھ میں فوت ہوئے اس اعتبار سے موصوف یحییٰ ۱۱۹ھ یا ۱۲۰ھ یا ۱۲۱ھ میں پیدا ہوئے، ظاہر ہے کہ یہ کوئی بڑا اختلاف نہیں ہے۔ اہل علم کے ان اقوال سے مصنف انوار نے مصنف حدائق کی تقلید میں محض اس لیے انحراف کیا ہے کہ لوگوں کو یقین دلا سکیں کہ امام صاحب کی سرپرستی میں یحییٰ کا تیس سال مصروف رہنے کا افسانہ ناممکن الوقوع نہیں ہے، مگر ہر صاحب عقل سمجھ سکتا ہے کہ اس طرح کی تحریف والحاق سے مصنف انوار کی چلائی ہوئی مہم مسخِ حقائق کامیاب نہیں ہو سکتی۔

ابن ابی العوام کی ذکر کردہ زیر بحث روایت میں امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ کرنے والے چالیس افراد میں سے عشرہ متقدمین کے صرف چھ اشخاص کے نام بتلائے گئے ہیں مگر مصنف حدائق الحنفیہ اور مصنف فوائد البہیہ نے ان چھ ناموں پر اپنی طرف سے ایک نام یعنی امام محمد بن حسن کے نام کا اضافہ بذریعہ الحاق کر دیا ہے۔[3]

عشرۂ متقدمین میں ایک مزید نام کی نشاندہی کر کے مجلس مذکور کی کہانی کو زیادہ رنگین بنا دیا گیا ہے، کیونکہ یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ جن امام محمد کو بذریعہ الحاق عشرۂ متقدمین میں شامل کر دیا گیا ہے وہ بتصریح علامہ شبلی ۱۳۵ھ میں پیدا ہوئے اور بدعوئ مصنف انوار ۱۳۲ھ میں اور ۱۳۵ھ یا ۱۳۲ھ میں پیدا ہونے والے امام محمد کا امام صاحب کے ساتھ تیس سال رہ کر تدوین فقہ کے کام میں مصروف رہنا محال و ناممکن ہے۔ اسی طرح امام زفر ۱۱۶ھ میں اور ابو یوسف ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے۔ (کما سیأتي)

دریں صورت ان کا بھی امام صاحب کی سرپرستی میں تیس سال تک رہ کر امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ کے کام میں مصروف رہنا محال ہے۔ نیز یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ مصنف انوار کے متعدد دعاوی کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب نے اپنے چالیس شرکاءِ تدوین کے ساتھ تدوین کا کام ۱۲۰ھ سے شروع کر دیا تھا اور عنقریب ناظرین کرام کو یہ معلوم ہوگا کہ ان چالیس

---

[1] خطیب (۱۴/ ۱۱۸)
[2] خطیب (۱۴/ ۱۱۶) وتهذیب التهذیب (۱۱/ ۲۰۹)
[3] حدائق الحنفیة (ص: ۱۲۶) وفوائد البهیة (ص: ۲۲۴، تذکرہ یحییٰ بن زکریا)

حضرات میں سے متعدد افراد ۱۲۰ھ میں پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اور متعدد افراد ۱۲۰ھ میں اپنی ماؤں کا دودھ پینے والے بچے اوراطفالِ مکتب تھے۔ دریں صورت ہر باہوش آدمی بڑی آسانی سے یہ سمجھ سکتا ہے کہ ان حضرات کا ۱۲۰ھ سے امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ کے کام میں مصروف ہوجانا محال وناممکن ہے اور جو کہانی اس طرح کی محال باتوں پر مشتمل ہو وہ صرف فرضی اور خیالی چیز ہوسکتی ہے، جب مصنف انوار کے متعدد اقوال کا حاصل یہ ہے کہ ۱۲۰ھ سے سبھی ارکان مجلس امام صاحب کے ساتھ تدوین کے کام میں مصروف ہو گئے تو ان چہل ارکان میں متقدمین ومتاخرین کی تقسیم کیا معنی رکھتی ہے؟

یحییٰ بن زکریا کی بابت یعقوب بن شیبہ کا قول ہے:

"یقولون إنه أول من صنف الكتب بالكوفة."❶

"یعنی اہل علم کہتے ہیں کہ کوفہ میں سب سے پہلے تصنیفِ کتب کرنے والے یحییٰ ہیں۔"

عجلی نے کہا:

"وكيع إنما صنف كتبه على كتب يحيى."❷

"یعنی امام وکیع نے یحییٰ کے طرز پر اپنی کتابیں لکھیں۔"

مصنف انوار اوران کے ہم مزاج لوگوں نے اہل علم کی ان باتوں کو اپنے اختراع کردہ اس دعوی کے ساتھ جوڑ لیا کہ امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ کرنے والی چہل رکنی مجلس کے حل کردہ مسائل فقہ کو لکھنے کا کام یحییٰ نے کیا۔

مصنف انوار نے حدائق الحنفیہ اور جواہر المضیہ کے حوالہ سے لکھا ہے:

"امام اسد بن عمروان چالیس افراد میں سے تھے جو امام صاحب کے ساتھ تدوین کتب میں مصروف تھے تیس سال انھوں نے بھی مسائل فقہ حنفی لکھے اور عشرۂ متقدمین میں شمار کیے گئے، سب سے پہلے کتب امام صاحب کے لکھنے والے یہی اسد ہیں۔"❸

حالانکہ ابن ابی العوام کی جس روایت سے یہ کہانی اخذ کی گئی ہے اس میں مذکورہ بالا بات نہیں ہے، بلاشک وشبہ یہ بات مصنف انوار کے ہم مزاج لوگوں نے بعد میں بذریعہ الحاق بڑھائی ہے۔

مصنف انوار کی ایک نئی دریافت اور شکوۂ محدثین:

ابن ابی العوام والی روایت میں امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ کرنے والے چالیس افراد میں سے صرف چھ کے نام ظاہر کیے گئے تھے مگر مصنف انوار نے اپنی ذاتی صلاحیت کی بدولت باقی چونتیس حضرات کے نام بھی دریافت کر لیے ہیں اور موصوف اپنی اس حیرت انگیز دریافت پر بطور فخر فرماتے ہیں:

"امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ کی تاریخی مہم میں شریک ہونے والے چالیس اکابر مجتہدین، فقہاء، محدثین کی تعیین وتلاش اور حالات جمع کرنے میں مجھے کافی صعوبت اس لیے ہوئی کہ اب تک کسی تصنیف میں یکجا ان کے

❶ خطیب (۱۴/ ۱۱۸) وتهذيب التهذيب (۱۱/ ۲۰۹) ❷ خطیب وتهذيب وتذكرة الحفاظ.

❸ ماحصل مقدمه انوار (۱/ ۱۹۱)

حالات تعیین وتشخیص کے ساتھ نہیں ملے، کتابوں میں بھی تلاش بلیغ کی گئی اور موجودہ اکابر اہل علم سے بھی رجوع کیا گیا مگر کہیں سے رہ نمائی نہ ہوئی۔ علامہ شبلی مرحوم نے سیرۃ النعمان میں لکھا ہے کہ مجھے بڑی تمنا تھی کہ ان چالیس شرکاءِ تدوین کے حالات جمع کروں مگر نہ مل سکے اس لیے انھوں نے بھی صرف ۱۲، ۱۳ حضرات کی تعیین کی، چونکہ اوپر سے نقول میں یہ چیز ملتی ہے کہ امام صاحب نے اپنے بے شمار تلامذہ واصحاب میں سے چالیس افراد منتخب کر کے ان کو تدوین فقہ کے کام پر لگا دیا تھا اور وہ سب مجتہدین کے درجہ کے تھے اس کے بعد تفصیل ندارد ہو جاتی تھی، اس لیے راقم الحروف (مصنف انوار) کو بھی بڑی تمنا تھی کہ ان سب کی تعیین ہو کر حالات بھی یکجا ہو جائیں، خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس میں کامیابی ہوئی پھر جمع حالات کے سلسلے میں یہ بھی دقت ہوئی کہ رجال حدیث کے حالات لکھنے والے قلم غیروں کے ہاتھوں میں تھے انھوں نے شروع ہی سے کاٹ چھانٹ اور اپنے پرائے کی تفریق کے نظریہ سے کام لیا تھا۔ حافظ ابن حجر کا تو کہنا ہی کیا کہ بقول شاہ صاحب (علامہ انور شاہ) ان سے زیادہ رجال حنفیہ کو کسی اور سے نقصان نہیں پہنچا... حافظ ذہبی نے ان چالیس حضرات میں سے اکثر کو حفاظ میں شامل نہیں کیا کیونکہ تعصب یہاں بھی کم نہیں ہے اگرچہ دوسرے طرز کا اور حافظ ابن حجر نے نسبتاً کم ہے، اسی سے اندازہ کر لیجیے کہ امام محمد کو حفاظ میں ذکر نہیں کیا... یہاں اس تفصیل سے مجھے یہ دکھانا بھی تھا کہ امام صاحب کے تلامذہ واصحاب کتنے بڑے پایہ کے ائمہ وحفاظ تھے، غرض اپنے سلسلے کے اکابر کی تصانیف نابود ہیں نہ حافظ عینی کی تاریخ ہے نہ سبط ابن جوزی حنفی کی مرأۃ الزمان نہ امام طحاوی کی تاریخ کبیر نہ کفوی کی طبقات الحنفیہ ملتی ہے نہ قاسم بن قطلوبغا کی تالیفات۔ فوائد البہیہ دیکھیے تو وہاں بھی نقول غیروں سے ہی ہیں اپنی بہت کم اور بہت سے علمائے حنفیہ کے تذکرہ سے خالی... مختصر یہ کہ دوسروں نے اگر تعصب وعناد کی وجہ سے ہمارے اکابر کا ذکر مٹایا تو ہم بھی سادگی یا بے اعتنائی سے اسی راہ پر چل پڑے حتی کہ نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ کچھ اہل حدیث یہ کہنے کو بھی تیار ہو گئے کہ حنفیہ کے پاس نہ حدیث ہے نہ محدثین... غرض اس قسم کی تمام ناانصافیوں اور تعصّباتی نظریات کی ہم ہر موقع پر نشاندہی کریں گے اور ان کی تردید احقاق حق وابطال باطل کے لیے اپنا فریضہ سمجھیں گے۔“[1]

ناظرین کرام مصنف انوار کے مذکورہ بالا طویل بیان کو بغور ملاحظہ فرمائیں، موصوف نے اپنے اس بیان میں خاص بات یہ بتلائی ہے کہ امام صاحب کے ساتھ تدوین کرنے والے چالیس افراد کو امام صاحب کی چہل رکنی مجلس کے ارکان قرار دے کر ان کا تعارف محدثین نے محض تعصب وعناد کی وجہ سے نہیں کرایا نیز محدثین کرام نے مجلس مذکور اور اس کے چہل ارکان کا تعارف صرف اور صرف اپنے پرائے کی تفریق کی بنیاد پر اور رجالِ احناف کو نقصان پہنچانے کی غرض سے اور ائمہ احناف کا ذکر مٹانے کے مقصد سے بے انصافی سے کام لے کر نہیں کرایا نیز وہ اس بات کے بھی شاکی ہیں کہ علمائے احناف کی کتابوں میں بھی ان چالیس حضرات کی تعیین کے ساتھ یہ صراحت نہیں ملتی ہے کہ یہ چالیس حضرات مجلس تدوین کے چہل ارکان تھے جنھوں نے امام صاحب کے ساتھ تیس سال تدوین فقہ کا کام کیا، ان حالات کو دیکھتے ہوئے مصنف انوار نے بزعم خویش احقاق حق اور ابطال

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۶۰، ۱۶۱)

باطل کا فریضہ انجام دینے اور تعصب وناانصافی پر قائم شدہ نظریات کی تردید کرنے کے لیے کامیاب کوشش فرمائی۔

مگر ہم کو سخت تعجب ہے کہ اپنی ان غیر معمولی صلاحیتوں کے باوجود مصنف انوار نے عشرۂ متقدمین میں سے ان باقی ماندہ حضرات کے نام ایجاد کرنے کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی جن کے نام ابن ابی العوام کی زیر بحث روایت میں مذکور ہونے سے چھوٹ گئے ہیں۔ روایت مذکورہ کے سلسلۂ سند کے سبھی رواۃ حنفی ہی ہیں ان لوگوں پر مصنف انوار نے یہ الزام نہیں لگایا کہ عناد و تعصب، دشمنی کے سبب نیز رجال احناف کو نقصان پہنچانے کی غرض سے ان لوگوں نے عشرۂ متقدمین میں سے چار کا ذکر نظر انداز کر دیا نہ تو موصوف نے دوسرے احناف کا شکوہ کیا کہ ان لوگوں نے باقی ماندہ حضرات کے نام دریافت کرنے اور بتلانے میں بے انصافی سے کام لیا اور اس سے بڑھ کر حیرت یہ ہے کہ ایجادات واختراعات کی بے پناہ صلاحیت واستعداد سے بہرہ ور ہونے کے باوجود موصوف مصنف انوار نے ان باقی ماندہ حضرات کے نام ایجاد کرنے سے بے اعتنائی وبے توجہی برتی حتی کہ ان کے ممدوح مصنف حدائق الحنفیہ نے ساتویں بزرگ امام محمد کا نام اس چودھویں صدی میں ایجاد کر دیا تھا اور حدائق کی عبارتوں کو مصنف انوار نصوص کتاب وسنت کی طرح بطور حجت ودلیل نقل کرتے چلے جاتے ہیں، مگر بایں ہمہ موصوف مصنف انوار نے عشرۂ متقدمین میں امام محمد کا شمار نہیں کیا اور حد یہ ہے کہ ابن ابی العوام کی روایت مذکورہ میں عشرۂ متقدمین میں سے جن چھ حضرات کے نام مذکور ہیں ان میں سے صرف بعض ہی کے حالات بیان کرتے وقت مصنف انوار نے یہ صراحت کی ہے کہ یہ عشرۂ متقدمین میں سے ہیں ورنہ داود طائی اور یوسف سمتی کے حالات میں یہ صراحت نہیں فرمائی کہ یہ دونوں عشرۂ متقدمین میں سے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اپنی مستدل روایت میں سے یوسف سمتی وداود طائی کے نام بالصراحت مذکور ہونے کے باوجود مصنف انوار نے جو دونوں کا ذکر صراحت کے ساتھ عشرۂ متقدمین میں نہیں کیا اور مصنف حدائق الحنفیہ کے ایجاد کردہ ساتویں نام کے ذکر سے بھی اعراض کیا نیز باقی تین عشرۂ متقدمین کے نام اپنی استعداد اختراع کے ذریعہ نہیں کیا تو کیا مصنف انوار کا یہ طرز عمل حنفی مذہب اور حنفی اماموں کے ساتھ دشمنی، حسد، عناد، عداوت، تعصب، ظلم وناانصافی ہے؟ اگر نہیں تو فرضی مجلس تدوین اور اس کے فرضی چہل ارکان کا ذکر اس انداز میں نہ کرنے کے سبب محدثین کرام کو کیوں مطعون کیا جائے جس انداز میں مصنف انوار ان کا ذکر چاہتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ فرضی مجلس تدوین کے فرضی چہل ارکان میں سے ہر ایک کے نام دریافت کر لینے میں مصنف انوار نے محض اپنی اختراعی صلاحیت سے کام لیا ہے، اپنی اس انوکھی اور اچھوتی ایجاد پر مصنف انوار جس قدر بھی فخر کریں کم ہے اور ان کے اس کارنامہ پر ان کے ہم مزاج لوگ جس قدر بھی داد تحسین دیں کم ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مصنف انوار کی اس ایجاد پر ان کے ہم مزاج لوگ بڑے پیمانے پر خراج تحسین پیش کر رہے ہیں۔

مصنف انوار نے مجلس مذکور کے چہل ارکان میں متقدمین ومتاخرین کے زمانہ کی حد بندی بھی کر کے یہ نہیں بتلایا کہ امام صاحب کے ساتھ کارنامۂ تدوین کی انجام دہی میں عشرۂ متقدمین کو کتنا زمانہ گزر گیا تھا کہ اس میں باقی تیس حضرات کب اور کس زمانہ میں شامل ہوئے؟ بیک وقت یا مختلف ادوار وازمنہ میں؟

مجلس مذکور کے چہل ارکان میں متقدمین ومتاخرین کی تقسیم کے باوجود مصنف انوار نے بہت ساری باتیں ایسی لکھی ہیں

جن کا حاصل یہ ہے کہ ۱۲۰ھ سے امام صاحب نے مجلس مذکور کے چالیسوں ارکان کے ساتھ تدوین کا کام شروع کر دیا تھا۔ (كما سيأتي) اور جب یہ معاملہ ہے تو ان ارکان میں متقدمین ومتاخرین کی درجہ بندی کیا معنی رکھتی ہے؟

مصنف انوار نے کہا:

''امام اعظم کے شرکاءِ تدوین میں بھی ابو یوسف کو سبھی لوگ عشرۂ متقدمین میں ذکر کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو یوسف اول سے لے کر آخر تک شریکِ تدوین رہے۔'' ❶

مصنف انوار کے اس قول کا واضح مفاد یہ ہے کہ عشرۂ متقدمین کے سبھی لوگ از اول تا آخر امام صاحب کی تیس سالہ مہمِ تدوین میں شریک رہے مگر یہ بات مصنف انوار نے بالصراحت عشرۂ متقدمین میں سے صرف دو کی بابت کہی اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرمایا:

''امام ابو یوسف وفات سے پہلے کہتے تھے کہ سترہ برس میں ابوحنیفہ کی صحبت میں رہا۔'' ❷

سوچنے کی بات ہے کہ ایک طرف مصنف انوار کے فرمان کا حاصل یہ ہے کہ ابو یوسف امام صاحب کے ساتھ تیس سال مصروف تدوین رہے اور دوسری طرف موصوف کا ارشاد یہ ہے کہ ابو یوسف بقول خویش امام صاحب کی صحبت میں کل سترہ سال رہے۔

جو بھی صحیح العقل آدمی مصنف انوار کی یہ بات دیکھے گا کہ امام ابو یوسف اول سے لے کر آخر تک امام صاحب کی مہمِ تدوین میں موجود تھے نیز یہ کہ امام ابو یوسف امام صاحب کی صحبت میں کل سترہ سال رہے وہ یہی سمجھے گا کہ امام صاحب کی مہم تدوین کی پوری مدت سترہ سال سے بہر حال کم تھی، کیونکہ امام صاحب کے ساتھ ابو یوسف کی اس سترہ سالہ صحبت میں حصولِ تعلیم کی اچھی خاصی مدت بھی شامل ماننی ہوگی جس کے بعد مجتہد بن کر ہی امام ابو یوسف امام صاحب کے ساتھ مہمِ تدوین میں شریک ہوئے ہوں گے۔ حاصل یہ کہ مصنف انوار کی ان باتوں کا لازمی مطلب یہ ہے کہ مجلس مذکور کے ساتھ امام صاحب کی مہم تدوین کی پوری مدت سترہ سال سے کم ہے، اس کے باوجود دوسری طرف مصنف انوار کا یہ دعوی موجود ہے کہ مجلس مذکور کے ساتھ امام صاحب کی مہم تدوین کی مدت مسلسل تیس سال ہے، تیسری طرف مصنف انوار یہ بھی فرماتے ہیں:

''ابو یوسف امام صاحب کی مجلس تدوین کے رکن رکین اور فرد اعظم تھے اور امام صاحب کی وفات تک تقریباً انتیس سال تدوین کے کام میں مصروف رہے۔'' ❸

''امام ابو یوسف خود فرماتے ہیں کہ میں انتیس سال برابر امام صاحب کی خدمت میں رہا۔'' ❹

تعجب کی بات یہ ہے کہ اس طرح کی تضاد بیانیوں کی کثرت کے باوجود مصنف انوار کے ہم مزاجی ''اہل علم'' مصنف انوار کی ان تحقیقات عالیہ پر خراج تحسین پیش کرتے کرتے کسی طرح بھی نہیں تھکتے ہیں۔

جو صحیح العقل آدمی یہ دیکھے گا کہ ایک طرف مصنف انوار عشرۂ متقدمین میں سے دو حضرات کی بابت یہ فرمائے ہوئے ہیں کہ یہ لوگ امام صاحب کے ساتھ تیس سال تدوین میں مصروف رہے اور دوسری طرف یہ دیکھے گا کہ امام ابو یوسف کو چونکہ عشرۂ

---

❶ مقدمه انوار (۱/ ۱۷۳) ❷ مقدمه انوار (۱/ ۱۷۵)

❸ مقدمه انوار (۱/ ۱۷۹) ❹ مقدمه انوار (۱/ ۱۷۷)

متقدمین میں شمار کیا گیا ہے اس لیے معلوم ہوا کہ وہ اول سے آخر تک امام صاحب کے ساتھ کارِ تدوین میں شریک رہے وہ یہ سمجھے گا کہ تمام عشرۂ متقدمین امام صاحب کے ساتھ تیس سال مصروف تدوین رہے نیز وہ یہ بھی سمجھے گا کہ امام صاحب کی مہم تدوین کی پوری مدت تیس سال ہے خصوصًا اس صورت میں کہ مصنف انوار نے بالصراحت یہ بھی فرمایا ہے:

''۱۲۰ھ سے امام اعظم نے اپنے چالیس شرکاء تدوین فقہ اور دوسرے اصحاب وتلامذہ کے ساتھ پچیس تیس سال تک لاکھوں مسائل واحکام کا استخراج کیا۔''[1]

مگر جب تیسری طرف مصنف انوار کا یہ فرمان دیکھے گا کہ ''امام صاحب کے ساتھ امام ابو یوسف سترہ سال یا تقریباً انتیس سال رہے'' تو وہ حیران ہو جائے گا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟

مجلسِ تدوین کی کہانی چھٹی صدی کے سائلی اور ساتویں صدی کے خوارزمی کی زبانی:

مصنف انوار نے کہا:

''مسند خوارزمی میں ہے کہ امام صاحب جس وقت اپنے استاذ حماد کی جگہ جامع مسجد کوفہ میں مسند درس پر بیٹھے تو ایک ہزار شاگرد آپ کے پاس جمع ہو گئے جن میں چالیس ایسے محدثین وفقہاء تھے جن کو اجتہاد کا درجہ حاصل تھا ان پر آپ کو فخر تھا اور ان کو دیکھ کر اکثر یہ جملہ فرمایا کرتے تھے کہ تم سب میرے راز دار وغمگسار ہو، میں نے اس فقہ کے اسپ تازی زین ولگام کے ساتھ بنا سنوار کر تیار کر دیا اس پر تم اپنا علمی ودینی سفر طے کرو تم میری مدد کرو کیونکہ لوگوں نے مجھ کو جہنم کا پل بنایا ہے وہ سب اس پر سے گزر کر پار ہو جاتے ہیں اور سب بار بوجھ میری پیٹھ پر ہے، یعنی وہ لوگ تو تقلید سے نجات پالیں گے لیکن اگر اجتہاد واستنباطِ احکام میں ذرا سا بھی تساہل رونما ہوا تو اس کا مواخذہ مجھ سے ہوگا۔ چنانچہ امام صاحب نے تدوین فقہ کی ایک مجلس شوری ترتیب دی جس میں علاوہ چالیس فقہاء مذکورین کے دوسرے سینکڑوں محدثین وفقہاء بھی وقتاً فوقتاً شرکت کیا کرتے تھے جو امام صاحب کی خدمت میں دور دراز ملکوں سے تحصیل فقہ وحدیث کے لیے حاضر ہوتے رہتے تھے کیونکہ تدوین فقہ کا یہ عظیم الشان کام تقریباً پچیس تیس سال تک جاری رہا۔''[2]

اوّلاً: ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مصنف انوار نے اپنی مذکورہ بالا بات مسند خوارزمی (اس کو جامع مسانید ابی حنیفہ بھی کہا جاتا ہے) کے حوالہ سے لکھی ہے، اس کتاب کو مصنف انوار اوران کے ہم مزاج لوگ اگرچہ تصنیف ابی حنیفہ کہتے ہیں۔[3] مگر بقول شاہ ولی اللہ کتاب مذکور مجموعۂ اکاذیب ہے اور اس بات کی تفصیل عنقریب آرہی ہے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی یہ بات سو فیصدی صحیح ہے۔ سردست اس جگہ صرف ایک بات کا ذکر کیا جا رہا ہے، مسند خوارزمی یا بلفظ دیگر جامع مسانید ابی حنیفہ کے مصنف نے اسی مسند خوارزمی میں (جس کو مصنف انوار اوران کے ہم نوا تصنیفِ ابی حنیفہ کہتے ہیں) یہ صراحت کر رکھی ہے:

''میں نے مسند خوارزمی یا بلفظ دیگر جامع مسانید ابی حنیفہ میں چودہ اشخاص کے تصنیف کردہ مجموعۂ احادیث کو جمع کر

---

[1] مقدمہ انوار (۲/ ۱۸) [2] مقدمہ انوار (۱/ ۷۹) نیز ملاحظہ ہو: حدائق الحنفية (ص: ۳۹)

[3] مقدمہ انوار (۱/ ۱۲۸)

دیا ہے جن میں سے ہر ایک کو مسند ابی حنیفہ کہا جاتا ہے۔ ان پندرہ مسانید میں سے پانچ کی تصنیف کرنے والے امام صاحب کے چار تلامذہ ابو یوسف، حسن بن زیاد لولؤی، حماد بن ابی حنیفہ اور محمد بن حسن شیبانی ہیں اور باقی اس مسانید کے مصنفین تیسری چوتھی، پانچویں صدی کے مختلف افراد ہیں۔''[1]

اور یہ بیان ہو چکا ہے کہ امام صاحب نے اپنے تلامذہ کی ایک جماعت خصوصًا ابو یوسف کو مخاطب ہو کر فرمایا تھا کہ تم لوگوں پر افسوس ہے کہ بہت بڑے پیمانے پر تم لوگ میری طرف اپنی ایجاد کردہ جھوٹی باتوں کو منسوب کر کے لکھ دیا کرتے ہو حالانکہ یہ باتیں میری بیان کردہ نہیں ہوتی ہیں، نیز اس بات کی تفصیل عنقریب آ رہی ہے کہ بتصریح ائمہ جرح وتعدیل امام صاحب کے جن شاگردوں کی طرف یہ پانچوں مسانید منسوب ہیں وہ کذاب وغیر ثقہ ہیں نیز ان کے بعد مرتب ہونے والے مسانید کے کئی مصنفین بھی مشہورِ عالم کذاب ہیں اور جو بذات خود کذاب نہیں ان کے مرتب کردہ مسانید میں مندرج روایات کی سندوں کا دارومدار انھیں کذابین یا ان جیسے دوسرے کذابین پر ہے۔ لہٰذا کتاب مذکور کی جملہ مشتملات مجموعۂ اکاذیب ہیں قرآن مجید نے منافقوں کی اس بات کو کذب سے تعبیر کیا ہے کہ ''إنك لرسول اللّٰه'' یعنی آپ ﷺ (مراد محمد) اللہ کے رسول ہیں۔'' جس کا سبب صرف یہ ہے کہ کذابین کی بیان کردہ کل باتیں حکماً مکذوب ہیں، خواہ ان میں سے کوئی بات فی نفسہ صحیح بھی ہو الا یہ کہ اس کے صحیح ہونے کی تصدیق کسی دوسرے معتبر ذریعہ سے ہو جائے۔

مسند خوارزمی میں منقول شدہ مندرجہ بالا زیر بحث بات ان پندرہ مسانید ابی حنیفہ کے بجائے بتصریح خوارزمی والد خوارزمی محمود بن محمد بن حسن کی تحریر کردہ عبارت سے دست یاب ہوئی ہے۔[2] اور بتصریح کوثری صرف تحریر کے ذریعہ حاصل شدہ روایت مذہب ابی حنیفہ میں جائز نہیں۔[3] لہٰذا تقلید ابی حنیفہ کے دعویدار لوگوں کے نزدیک صرف اسی ایک علت کے سبب روایت مذکورہ کو ساقط الاعتبار ہونا چاہیے چہ جائیکہ جس والد خوارزمی کی تحریر میں یہ بات خوارزمی کو ملی تھی ان کا ثقہ ہونا معلوم نہیں اور ساتویں صدی کے والد خوارزمی نے اپنی تحریر کردہ یہ بات بخیال خویش ''امام سیف الائمہ سائلی'' سے نقل کی۔ اس سیف الائمہ السائلی کا حال بھی نہیں معلوم ہوا کہ ثقہ ہے یا کیسا راوی ہے، اس مجہول الحال شخص نے اپنی بیان کردہ زیر بحث مذکورہ بالا روایت کی سند نہیں بتلائی اور مصنف انوار نیز ان کے ہم مزاج اراکین تحریک کوثری تک اس بات کے معترف ہیں کہ بے سند مروی شدہ روایت ساقط الاعتبار ہے اور اسے حجت بنانا درست نہیں ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی پر تنقید کرتے ہوئے مصنف انوار نے کہا:

''علامہ کوثری نے حضرت شاہ ولی اللہ کے اس طریقِ فکر پر بھی نقد کیا ہے کہ دربارۂ احکام وفروع صرف متونِ احادیث کو پیش نظر رکھا جائے اور ان کی اسانید میں نظر نہ کی جائے، کوثری صاحب فرماتے ہیں حتی کہ اہل علم کسی وقت بھی اسانید حدیث سے قطع نظر نہیں کر سکے اور نہ کر سکتے ہیں حتی کہ صحیحین کی اسانید پر بھی نظر ضروری ہے چہ جائیکہ دوسری کتب صحاح اور کتب سنن وغیرہ، اور جب دربارۂ احتجاج فی الفروع اسانید میں نظر ضروری ہے تو باب اعتقاد میں بدرجۂ اولیٰ اس کی ضرورت واہمیت ہے۔''[4]

---

[1] ماحصل از جامع مسانيد أبي حنيفة مطبوعه حيدر آباد ۱۳۳۲هـ.
[2] مسند خوارزمي (۱/ ۳۲)
[3] تانيب (ص: ۱۱۵، ۱۱۶)
[4] مقدمه انوار (۲/ ۱۹۷)

جب مصنف انوار اوران کے ہم مزاج لوگوں کے مذہب میں اسانید کو پیش نظر رکھنا اوران پر نظر کرنا ایسا ضروری ہے کہ کسی وقت بھی اہل علم اس سے قطع نظر نہ کر سکے نہ کر سکتے ہیں حتی کہ صحیحین وصحاح کی اسانید پر نظر کیے بغیر ان کی روایات کو حجت نہیں بنایا جا سکتا تو مصنف انوار نے اپنی مستدل زیر بحث خوارزمی والی روایت کی سند پر نظر کیے بغیر اسے خالص علمی وتحقیقی خدمت کے نام پر صحیح ومعتبر کہہ کر کیوں بطور حجت ودلیل نقل کر لیا ہے؟ جہاں تک شاہ صاحب پر کوثری ومصنف انوار کی مندرجہ بالا اتہام تراشی کا معاملہ ہے اس کی حقیقت عنقریب واضح ہوگی۔

ناظرین کرام غور فرمائیں کہ صحیحین کی روایات پر نظر کیے بغیر احادیث صحیحین کو حجت نہ ماننے کا نظریہ رکھنے والے مصنف انوار نے اس مجہول شخص کی بیان کردہ بے سند بات کو خالص علمی وتحقیقی ودینی خدمت کے نام پر صحیح ومعتبر کہہ کر کس طرح نصوص کتاب وسنت کی طرح حجت ودلیل بنا لیا ہے؟ حاصل یہ کہ مجہول درمجہول رواۃ سے مروی شدہ بے سند روایت ہونے کے سبب روایت مذکورہ ساقط الاعتبار ہے، خصوصًا اس وجہ سے کہ جس مسند خوارزمی میں روایت مذکورہ منقول ہے وہ بقول شاہ ولی اللہ مجموعۂ اکاذیب ہے۔ اس طرح کی ملکذوبہ وخانہ ساز باتوں کے ذریعہ کسی چیز کے وجود پر استدلال کرنے والے اپنے اس دعوی میں کتنے سچے ہو سکتے ہیں کہ ہم نے صرف صحیح ومعتبر باتیں اعتدال کے ساتھ افراط وتفریط سے بچتے ہوئے خالص علمی ودینی وتحقیقی نقطۂ نظر سے لکھی ہیں؟

یہ بالکل واضح بات ہے کہ ساتویں صدی کے کسی معروف یا مجہول شخص کی بیان کردہ بے سند بات کا وہی درجہ ہے جو چودھویں صدی کے کسی شخص کی بیان کردہ بے سند بات کا ہو سکتا ہے البتہ مجہول یا کذاب وغیر ثقہ آدمی کی بات کا پایۂ اعتبار معروف ثقہ کی بات سے کہیں زیادہ ساقط ہے۔ مدّعیِ تحقیق مصنف انوار کو اس بے سند روایت کے ساقط الاعتبار ہونے کا احساس نہیں ہوا بلکہ اسے صحیح ومعتبر کہہ کر موصوف نے نصوص کتاب وسنت کی طرح نقل کر دیا، مگر مجموعۂ اکاذیب کے جامع مسند خوارزمی کے مصنف ابوالمؤید خوارزمی کو بہرحال اس بات کا احساس تھا کہ سیف الائمہ سائلی جیسے ساتویں صدی کے مجہول شخص کی بے سند بیان کردہ بات زیادہ سے زیادہ ایک دعوی ہو سکتی ہے جس پر الگ سے دلیل قائم کرنے کی ضرورت ہے، چنانچہ سیف الائمہ سائلی سے مروی شدہ اس دعوی کو نقل کرنے کے بعد خوارزمی نے بزعم خویش اس پر دلیل پیش کرتے ہوئے کہا:

"والدليل على ذلك ما أخبرني به المشائخ الثلاثة إلى أن قال حدثنا نجيح بن إبراهيم حدثنا ابن كرامه قال كنا عند وكيع بن الجراح فقال رجل أخطأ أبوحنيفة فقال وكيع كيف يقدر أبوحنيفة أن يخطئ ومعه مثل أبي يوسف وزفر ومحمد في قياسهم واجتهادهم، ومثل يحيى بن زكريا بن أبي زائدة وحفص بن غياث وحبان ومندل في حفظهم للحديث ومعرفتهم به، والقاسم بن معن في معرفته باللغة العربية وداود بن نصير الطائي وفضيل بن عياض في زهدهما من كان أصحابه هؤلاء وجلسائه لم يكن ليخطئ لأنه إن أخطأ ردوه إلى الحق، ثم قال وكيع والذى يقول مثل هذا كالأنعام بل هم أضل فمن زعم أن الحق فيمن خالف أبا حنيفة ووضع المذهب وحده أقول له ما قال الفرزدق لجرير.

أولئك آبائي فجئني بمثله   إذا جمعتنا يا جرير المجامع[1]

---

[1] مسند خوارزمي (١/ ٣٣، ٣٤)

یعنی سائلی کی بیان کردہ مذکورہ بالا بے سند بات پر ہماری روایت کردہ یہ حکایت دلیل ہے کہ ابن کرامہ (محمد بن عثمان بن کرامہ) نے کہا کہ ہم لوگ امام وکیع کے پاس تھے کہ اتنے میں ایک شخص نے کہا کہ امام ابوحنیفہ سے غلطی سرزد ہوگئی، امام وکیع نے کہا کہ امام ابوحنیفہ کیسے غلطی کر سکتے ہیں جبکہ ان کے پاس ابویوسف وزفر ومحمد جیسے قیاس واجتہاد والے، یحییٰ بن زکریا وحفص بن غیاث وحبان ومندل جیسے حافظ حدیث اور قاسم بن معن جیسے عارف لغت وادب اور داود طائی وفضیل بن عیاض جیسے زاہد وعابد موجود ہیں، جس کے اصحاب وہم نشین اس طرح کے لوگ ہوں وہ غلطی نہیں کرسکتا کیونکہ وہ اگر غلطی کرنا بھی چاہے گا تو یہ لوگ حق کی طرف اسے لوٹا لائیں گے، پھر امام وکیع نے کہا کہ جو شخص ایسی بات کہے کہ امام صاحب سے غلطی سرزد ہوئی وہ چوپایہ جانوروں سے بھی زیادہ گمراہ ہے، جو یہ کہے کہ حق ان لوگوں کے یہاں ہے جنھوں نے امام صاحب سے اختلاف کر رکھا ہے اس نے تن تنہا اپنا فقہی مذہب وضع کیا ہے، اس سے میں وہ بات کہتا ہوں جو فرزدق نے جریر سے کہا تھا کہ میرے اجداد یہ ہیں لوگوں کے اجتماع کے موقعہ پر تم اس طرح کے اجداد پیش کرسکو تو جانیں۔''

اس سلسلے میں ایک معاملہ یہ ہے کہ سائلی کی بات اور اس پر خوارزمی کی فراہم کردہ دلیل میں مطابقت نہیں ہے، کیونکہ سائلی کا دعوی یہ ہے کہ امام صاحب کے فارغ التحصیل ہوکر مسند نشین درس ہونے کے بعد ان کے پاس پڑھنے کے لیے جمع ہونے والے ایک ہزار افراد میں سے چالیس افراد جب درجۂ اجتہاد پر پہنچ گئے تو امام صاحب نے انھیں اپنے پاس بلا کر کہا کہ تم لوگ میرے جلیل القدر تلامذہ، باعثِ سرور قلب اور مداوائے غم ہو، میں نے تمھارے لیے فقہ کے گھوڑے کو لگام لگا کر زین چڑھا دی ہے لہٰذا تم اس معاملہ میں میری مدد کرو الخ۔ مگر سائلی کے اس دعوی پر خوارزمی نے مذکورہ بالا جو روایت بطور دلیل پیش کی ہے اس میں وہ بات موجود نہیں ہے جو دعوئ سائلی میں کہی گئی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ روایت مذکورہ میں امام وکیع کی طرف یہ منسوب کیا گیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ امام صاحب سے اوّلاً: تو غلطی سرزد ہی نہیں ہوسکی، ثانیاً: اگر کسی معاملہ میں امام صاحب سے غلطی سرزد بھی ہونے لگے تو ان کے تلامذۂ مذکورین انھیں غلطی میں پڑنے کی بجائے حق کی طرف لوٹا لائیں گے۔ ثالثاً: ان دونوں مقدمات سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ امام صاحب سے غلطی سرزد ہوگئی وہ چوپایہ جانور ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ گمراہ تر ہے حالانکہ باسانید صحیحہ منقول ہے کہ امام صاحب نے بذات خود فرمایا کہ میرا تمام علمی وفقہی سرمایہ مجموعۂ اغلاط واباطیل ہے۔ اس کا لازمی مطلب یہ ہوا کہ خوارزمی کی مستدل روایت میں امام وکیع کی طرف جو یہ فتوی منسوب ہے کہ جو شخص اس بات کا قائل ہو کہ امام صاحب سے غلطی سرزد ہوئی وہ چوپایہ جانور سے بھی زیادہ گمراہ ہے، وہ فتویٰ امام صاحب کی ذات گرامی پر منطبق ہوتا ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ خوارزمی کی مستدل روایت میں امام وکیع کی طرف جو بات منسوب کی گئی ہے وہ امام صاحب کی اپنی بیان کردہ اس بات کے معارض ہے کہ میرا علمی وفقہی سرمایہ مجموعۂ اغلاط واباطیل ہے اور دوسروں کے بالمقابل اپنی بابت امام صاحب کی بات زیادہ صحیح ہے خصوصًا ان کے نزدیک امام صاحب کی بات زیادہ صحیح ہونی چاہیے جو تقلید امام صاحب کا دم بھرتے ہیں۔ چوتھی بات یہ ہے کہ روایت مذکورہ کو خوارزمی نے حافظ خطیب کے حوالہ سے نقل کیا ہے حالانکہ حافظ خطیب نے روایت مذکورہ کو ترجمہ ابی یوسف (۱۴/ ۲۴۷) میں نقل کیا ہے مگر اس میں خوارزمی کے ذکر کردہ وہ الفاظ نہیں ہیں جن پر خط کشید کر دیا گیا

ہے یعنی قال وکیع والذي يقول مثل هذا الخ، اتنی عبارت یا تو خود خوارزمی نے بزور الحاق واضافہ اپنی طرف سے شامل کر دی ہے یا جس جعلی سند سے مسند خوارزمی میں یہ روایت منقول ہے اس کے کسی جعل ساز راوی نے یہ کارستانی کر دکھائی ہے اور ہر حال میں روایت مذکورہ کا دارومدار نجیح بن ابراہیم نامی راوی پر ہے جو ضعیف ہے۔❶ بایں ہمہ یہ ساقط الاعتبار روایت سائلی کے دعوی سے مطابقت نہیں رکھتی۔ پانچویں بات یہ ہے کہ روایت خطیب میں امام محمد بن حسن کا نام مذکور نہیں مگر مسند خوارزمی میں بذریعہ الحاق واضافہ موصوف کا نام بھی بڑھا دیا گیا ہے۔ مصنف انوار نے الحاق واضافہ اور ترویجِ اکاذیب کو ان لوگوں کا فن قرار دیا ہے جو سفید کو سیاہ ثابت کر دکھانے کے لیے یہ کاروبار کارِ خیر وثواب سمجھ کر کرتے ہیں۔❷

مجموعۂ اکاذیب مسند خوارزمی کی پوری بات مصنف انوار نے اس جگہ معلوم نہیں کس مصلحت وسیاست کے سبب نہیں نقل کی ہے البتہ آگے چل کر تذکرۂ مندل میں مسند خوارزمی کی عبارت کا وہ حصہ بھی موصوف نے نقل کر دیا ہے جو قول وکیع کے طور پر منقول ہے۔❸

مصنف انوار نے مسند خوارزمی کی درج ذیل عبارت بھی توڑ مروڑ کر نقل کی ہے:

”عن الإمام سيف الأئمة السائلي أنه قال اشتهرو استفاض أن أبا حنيفة تلمذ عند أربعة الألف من شيوخ أئمة التابعين وتفقه عند أربعة الالف فلم يفت بلسانه ولابقلمه حتى أمروه فجلس في مجلس في جامع الكوفة... وكان رحمه الله إذا وقعت واقعة شاورهم وناظرهم شهرا أو أكثر حتى يستقر أحد الأقوال يثبته أبو يوسف حتى أثبت الأصول على هذا المنهاج شورى لا انه تفرد بذلك كغيره.“❹

”یعنی سیف الائمہ سائلی نے کہا کہ یہ چیز مشہور ومعروف ہے کہ امام صاحب نے چار ہزار ائمہ تابعین سے پڑھا اور چار ہزار حضرات سے علم فقہ حاصل کیا اس کے باوجود وہ نہ زبان سے کوئی فتوی دیتے تھے نہ قلم سے۔ حتی کہ لوگوں نے انھیں حکم دیا کہ فتوی دیں تو امام صاحب کوفہ کی جامع مسجد میں ایک جگہ بیٹھ گئے اور ان کے پاس ایک ہزار تلامذہ جمع ہو گئے جن میں چالیس درجۂ اجتہاد پر فائز تھے، انھیں قریب بلا کر امام صاحب نے فرمایا کہ تم میرے جلیل القدر اصحاب، میرے قلب کے لیے باعث سرور اور مداوائے غم ہو میں نے مرکب فقہ کو لگام دے کر زین چڑھا دی ہے لہٰذا تم لوگ میری مدد کرو کیونکہ لوگوں نے مجھے جہنم کا پل بنا لیا ہے لوگوں کے لیے آرام ہو گیا مگر بوجھ میرے پشت پر ہے۔ جب کوئی واقعہ پیش آتا تو وہ اپنے ان تلامذہ سے مشورہ ومناظرہ وتبادلۂ خیال و پوچھ گچھ کرتے ان کے پاس جو احادیث ہوتیں انھیں خود سنتے اور اپنی باتیں انھیں سناتے، ایک ایک ماہ یا اس سے بھی زیادہ ایک واقعہ سے متعلق مسئلہ کی تحقیق پر اس طرح کی بحث ونظر کرتے جب کوئی بات طے ہو جاتی تو اسے ابو یوسف قلم بند کرتے اس طرح شورائی نظام کے تحت سارے اصولی مسائل قلم بند کروا دیے۔ دوسرے اماموں کی

---

❶ لسان الميزان (٦/ ١٤٩)
❷ مقدمه انوار (١/ ١٢٣، ١٢٤)
❸ ملاحظہ ہو: مقدمہ انور (١/ ١٦٨)
❹ مسند خوارزمي (١/ ٣٤)

طرح امام صاحب نے تنہا تدوینِ فقہ نہیں کی اور اس کی دلیل ابن کرامہ سے مروی شدہ روایت مذکورہ ہے۔

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ مسند خوارزمی کی عبارت میں صاف طور پر صراحت ہے کہ امام صاحب نے چار ہزار تابعی اماموں اور چار ہزار دوسرے اساتذہ سے تحصیل علم کیا گویا امام صاحب کے جملہ اساتذہ کی تعداد آٹھ ہزار ہوئی مگر مصنف انوار نے مسند خوارزمی کے حوالہ سے عبارت مذکور کو نقل کرنے کے دعوی کے باوجود نہ تو اس جگہ مسند خوارزمی کی یہ عبارت لکھی نہ کسی دوسری جگہ یہ بات ظاہر ہونے دی کہ مسند خوارزمی میں امام صاحب کے اساتذہ کی تعداد آٹھ ہزار بتلائی گئی ہے جن میں چار ہزار ائمہ تابعین ہیں اور باقی چار ہزار دوسرے ہیں، امام صاحب کی اتنی بڑی فضیلت کا ذکر مصنف انوار نے نہ جانے کیوں حذف کر دیا بلکہ اس کے بالکل خلاف متعدد مقامات پر موصوف نے اساتذۂ امام صاحب کی تعداد صرف چار ہزار ہی بتلائی ہے۔[1] حتیٰ کہ موصوف نے مسند خوارزمی کی تصریح کے بالکل خلاف اس کی طرف یہ غلط بات منسوب کر دی:

> ''امام صاحب کے کل اساتذۂ حدیث چار ہزار تھے، مسند خوارزمی میں بھی سیف الائمہ سائلی سے یہی تعداد (یعنی چار ہزار اساتذہ کی) نقل کی گئی ہے۔''[2]

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مصنف انوار نے مسند خوارزمی کی طرف یہ بیان منسوب کیا ہے کہ امام صاحب کے اساتذہ چار ہزار ہیں حالانکہ مسند خوارزمی میں اساتذۂ امام صاحب کی تعداد آٹھ ہزار بتلائی گئی ہے مگر مصنف انوار نے یہ بات ظاہر نہیں ہونے دی۔ یقیناً مصنف انوار نے اپنے وضع کردہ قاعدہ کے مطابق یہ تحریفی کاروائی نیز حذف واسقاط کا کام امام صاحب کی ایک فضیلت کو قارئین انوار الباری کی نظر سے اوجھل رکھنے کے لیے کر رکھا ہے کیونکہ مسند خوارزمی اور اس جیسی کتابوں میں مدح امام صاحب سے متعلق لکھی ہوئی باتوں کو نصوص کتاب وسنت کی طرح سمجھ کر نقل نہ کرنے والے محدثین پر مصنف انوار کا یہی اتہام ہے کہ امام صاحب کے ساتھ حسد وعداوت کے سبب امام صاحب کے فضائل کا ذکر ان لوگوں نے نہیں کیا۔

مسند خوارزمی کی عبارت مذکورہ میں یہ نہیں لکھا ہے کہ ''امام صاحب جس وقت اپنے استاذ حماد کی جگہ جامع مسجد کوفہ میں مسند درس پر بیٹھے تو ایک ہزار شاگرد آپ کے پاس جمع ہو گئے۔'' بلکہ اس میں یہ ہے کہ آٹھ ہزار اساتذہ سے تحصیل علم کر چکنے کے بعد بھی امام صاحب زبان وقلم سے کوئی فتوی نہیں دیتے تھے حتیٰ کہ لوگوں نے امام صاحب کو حکم دیا تو وہ کوفہ کی جامع مسجد میں ایک جگہ بیٹھنے لگے ...الخ، ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ مصنف انوار نے مسند خوارزمی کی عبارت نقل کرنے میں حذف اور الحاق دونوں کام کیے ہیں۔ مسند خوارزمی کی اس عبارت میں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ امام صاحب اپنے استاذ حماد کی جگہ پر جامع مسجد کوفہ میں مسند درس پر بیٹھے تھے۔ مصنف انوار نے اپنی اس تحریفی کارستانی کے ذریعہ یہ ظاہر کیا کہ وفات حماد کے بعد ہی یعنی ۱۲۰ھ میں امام صاحب جانشینِ حماد ہو گئے، حالانکہ خود مصنف انوار کی متعدد باتوں سے ثابت ہے کہ امام صاحب وفات کے بعد ایک طویل زمانہ تک کوفہ اور کوفہ سے باہر بصرہ، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی درسگاہوں میں زیر تعلیم رہے اور نہ جانے کس زمانہ میں فارغ التحصیل ہو کر درس وتدریس کا کام کرنے لگے نیز مصنف انوار کے بیانات کا لازمی مطلب ہے کہ درسگاہِ حماد میں داخل ہونے کے بعد امام صاحب درسگاہِ حماد میں وفات حماد تک پڑھتے رہے وفات حماد کے بعد ہی موصوف دوسرے اساتذہ کی درسگاہوں میں

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۵۱ و ۵٦ و ۵۷ و ٦٤ و ٦۵ و ٦٩ و ۷۰ و ٤۷ و ۲۵)

[2] مقدمہ انوار (۱/ ٤۷)

گئے، دریں صورت سوچنے کی بات ہے کہ وفات حماد کے بعد امام صاحب کتنے زمانہ میں چار ہزار اساتذہ کی درسگاہوں سے پڑھ کر فارغ التحصیل ہو سکے ہوں گے۔

مسند خوارزمی میں امام صاحب کی طرف منسوب کر کے یہ بات بھی نہیں کہی گئی ہے کہ میری تقلید سے لوگ نجات پالیں گے لیکن اگر اجتہاد و استنباطِ احکام میں ذرا سا تساہل ہوا تو اس کا مواخذہ مجھ سے ہوگا، یہ جملہ مصنف انوار کا اختراع کردہ اور الحاق کردہ ہے جو حدائق الحنفیہ (ص: ۳۹) کی تقلید میں لکھا گیا ہے کیونکہ مصنف انوار اصل کی طرف مراجعت کے بغیر حدائق الحنفیہ کی تقلید میں الحاقی وتحریفی باتیں لکھنے کے عادی ہیں۔ مصنف انوار کے الحاق کردہ اس جملہ کا مفاد یہ ہے کہ امام صاحب اپنی تقلید کو باعث نجات اور ذریعہ فلاح قرار دیتے تھے حالانکہ اس بات کی تفصیل آرہی ہے کہ امام صاحب اپنی اور دوسروں کی تقلید سے بڑی تاکید کے ساتھ منع کرتے تھے لیکن اپنی اس کارستانی کے ذریعہ مصنف انوار نے امام صاحب کو تقلید پرستی کا حامی قرار دے ڈالا۔ جب امام صاحب اپنی بیان کردہ علمی باتوں کو مجموعۂ اغلاط کہہ کر پوری صراحت کے ساتھ یہ بھی فرماتے تھے کہ میری باتوں میں سے کسی کی نقل وروایت تک بھی مت کرو تو یہ کیسے ممکن ہے کہ موصوف لوگوں کو اپنی تقلید کی اجازت دیں گے اور اسے ذریعہ نجات بتلائیں گے؟

مسند خوارزمی کی عبارت مذکورہ میں اس بات کا ذکر اشارہ میں بھی نہیں ہے کہ ''چالیس فقہائے مذکورین کے علاوہ امام صاحب کی تدوین فقہ میں دوسرے سینکڑوں لوگ بھی شامل تھے اور تدوین فقہ کا یہ عظیم الشان کام تقریباً پچیس تیس سال جاری رہا، اتنی لمبی بات بھی مصنف انوار نے بذریعہ الحاق واضافہ عبارت مذکورہ میں شامل کر دی ہے۔ اس سے قطع نظر مصنف انوار نے بہرحال اپنے مختلف بیانوں سے یہ ظاہر کیا ہے کہ مجلس تدوین کے ساتھ امام صاحب کی مدت تدوین تیس سال ہے مگر موصوف کے اس بیان کا اصل ماخذ معلوم نہیں ہوتا۔ ابن ابی العوام کی ذکر کردہ اسد بن فرات والی جس روایت میں ہے کہ یحییٰ بن زکریا فقہ امام صاحب کی تدوین کرنے والے چالیس اشخاص میں سے تھے اور یحییٰ مذکور تیس سال تک تدوین کا کام کرتے رہے، اس کا مکذوبہ ہونا ظاہر ہو چکا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یحییٰ والی اس روایت کا ذکر بھی مسند خوارزمی کی عبارت مذکورہ میں نہیں کیا گیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مصنف انوار نے اپنے اختراعی جملے بھی مسند خوارزمی کی عبارت میں شامل کر دیے ہیں مگر دوسری طرف موصوف نے مسند خوارزمی کی عبارت کے اہم مضامین حذف کر دیے ہیں، ان میں سے ایک یہ کہ امام صاحب نے آٹھ ہزار اساتذہ سے پڑھا، پھر بھی جب تک انھیں لوگوں نے مسند فتوی پر نہیں بٹھایا وہ بیٹھے نہیں، دوسری بات یہ کہ عبارت مذکورہ میں صراحت ہے کہ امام صاحب کے سامنے جب واقع شدہ کسی مسئلے کے بارے میں سوال آتا تو وہ اس پر غور کرتے تھے اور اپنے تلامذۂ مذکورین سے اس سلسلے میں مشورہ و بحث ونظر اور تبادلۂ خیالات کر کے کوئی فیصلہ فرماتے تھے، اس عبارت کا مفاد یہ ہے کہ امام صاحب کی مجلس تدوین میں صرف واقع شدہ امور سے متعلق مسائل زیر بحث آیا کرتے تھے مگر مصنف انوار کا دعوی ہے کہ غیر وقوع پذیر امور سے متعلق بہت سارے مسائل بھی امام صاحب نے مجلس تدوین کے ذریعہ حل کیے، نیز اس عبارت کا مفاد یہ ہے کہ مجلس تدوین کے چہل ارکان کے باہمی مشورہ اور بحث ونظر کے ذریعہ جب کسی مسئلہ پر اتفاق رائے ہو جاتا تھا اور معاملہ بالکل طے ہو جاتا تھا تو اسے قلم بند کیا جاتا تھا مگر جن لوگوں کو مصنف انوار نے مجلس مذکور کے ارکان بتلائے ہیں ان میں سے امام

محمد وابو یوسف وغیرہ کی کتابوں میں بڑی کثرت سے ان تینوں حضرات سے ایک ایک مسئلہ میں مختلف اقوال وفتاوی منقول ہیں، اور تین حضرات کے مابین اختلاف کا جب یہ حال ہے تو چالیسوں کے درمیان کیا حال ہوگا؟ اس امر واقع کے ذریعہ بھی عبارت خوارزمی کی تردید ہوتی ہے، بہرحال یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ عبارت خوارزمی کی اس اہم بات کا ذکر مصنف انوار نے کیوں حذف کیا۔؟

عبارت مذکورہ میں صراحت ہے کہ مجلس تدوین کے سامنے پیش آمدہ ایک ایک مسئلہ پر ایک ایک ماہ بلکہ اس سے بھی زیادہ دنوں تک بحث ونظر ہوتی تھی تب جا کر کہیں کوئی مسئلہ متفقہ طور پر حل قرار پاتا تھا، اس سے قطع نظر کسی خالص دینی مسئلہ کے حل کرنے میں امام صاحب کو صرف ایک ماہ ہی کیوں لگتے تھے جبکہ کتب مناقب ابی حنیفہ میں صراحت ہے کہ ایک لونڈی خریدنے کے لیے امام صاحب بیس سال تک استخارہ کرتے رہے اور اپنے تمام جاننے والوں سے مشورہ بھی کرتے رہے، پھر بھی موصوف کوئی فیصلہ نہ کرسکے۔ (کمامر) جب ایک لونڈی کی خریداری کے معاملہ میں بیس سال کے استخارہ ومشورہ کے باوجود امام صاحب کوئی فیصلہ نہیں کرسکے تو وہ صرف ایک ماہ یا اس سے تھوڑی زیادہ مدت میں کوئی فقہی مسئلہ حل کر لینے میں کیسے کامیاب ہو جاتے تھے۔؟

علاوہ ازیں جب امام صاحب کی مجلس تدوین ایک ایک ماہ میں صرف ایک مسئلہ حل کرتی تھی تو تیس سال کی مدت میں زیادہ سے زیادہ تین سو ساٹھ مسائل مجلس مذکور حل کرسکی ہوگی مگر مصنف انوار کا ارشاد ہے کہ مجلس تدوین کے ساتھ امام صاحب نے ساڑھے بارہ لاکھ مسائل حل کیے، بہرحال یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ مسند خوارزمی کی اس اہم بات کو مصنف انوار نے کیوں حذف کردیا اور دوسری اختراعی باتوں کو کیوں اس میں شامل کردیا۔؟

اس سے قطع نظر سب سے زیادہ اہم معاملہ یہ ہے کہ مصنف انوار نے جس مسند خوارزمی کے حوالہ سے عبارت مذکورہ لکھی ہے اس کو مصنف انوار تصنیف ابی حنیفہ کہتے ہیں، یعنی مسند خوارزمی سے عبارت مذکورہ نقل کر کے مصنف انوار نے قارئین انوار الباری پر یہ ظاہر کرنا چاہا ہے کہ یہ عبارت امام صاحب کی اپنی لکھی یا لکھوائی ہے، جو شخص بھی مصنف انوار کا یہ دعوی دیکھے گا کہ مسند خوارزمی امام صاحب کی ہے وہ سمجھے گا کہ بحوالۂ خوارزمی مصنف انوار کی لکھی ہوئی یہ بات نیز دوسری باتیں امام صاحب کی اپنی لکھی یا لکھوائی ہوئی ہیں، حالانکہ دراصل یہ عبارت یا تو خوارزمی کی خود ساختہ ہے یا سائلی کی اختراع کردہ ہے۔

چہل رکنی مجلس تدوین کا زمانۂ تاسیس:

اوپر یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ بقول علامہ سیوطی امام صاحب نے اپنی فقہ کی تدوین ۱۴۳ھ میں شروع کی اور متعدد روایات صحیحہ کے مجموعہ سے مستخرج ہوتا ہے کہ اپنی وفات سے پہلے پہلے امام صاحب نے اپنے فقہی اور علمی سرمایہ کو مجموعۂ اغلاط واباطیل کہہ کر ممنوع الروایہ والکتابہ قرار دے دیا بلفظ دیگر امام صاحب نے تدوین فقہ کا جو کام ۱۴۳ھ میں شروع کیا تھا اسے اپنی وفات سے پہلے بند کردیا، اس اعتبار سے امام صاحب کی مدت تدوین فقہ سات سال سے کم قرار پاتی ہے۔

یہ بتلایا جا چکا ہے کہ قول سیوطی سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ امام صاحب نے اپنی فقہ کی تدوین کے لیے کوئی چہل رکنی مجلس قائم کی تھی، پھر بھی مصنف انوار سیوطی کے قول مذکور کے پیش نظر یہ دعوی کرسکتے تھے کہ امام صاحب نے مجلس مذکور ۱۴۳ھ میں قائم کی مگر مصنف انوار نے اپنی کتاب میں چہل رکنی مجلس تدوین اور اس کی کارکردگی سے متعلق طویل داستان سرائی کے باوجود علامہ سیوطی کے قول مذکور کی طرف اشارہ وکنایہ بھی نہیں کیا۔ معلوم نہیں کہ اس میں مصنف انوار کی کس سیاست ومصلحت یا

خالص علمی وتحقیقی اور دینی نقطۂ نظر کا اثر ودخل ہے کہ موصوف نے قول سیوطی کو بنیاد مان کر یہ دعوی نہیں کیا کہ امام صاحب نے مجلس تدوین ۱۴۳ھ میں قائم کی لیکن ہم آگے چل کر بتلائیں گے کہ مصنف انوار نے اگر چہ سیوطی کے قول مذکور کی طرف اشارہ کرنے سے بھی اعراض کیا مگر موصوف کے طریق عمل اور اصول تحقیق، نیز مختلف اقوال کے مجموعہ سے لازم آتا ہے کہ امام صاحب نے مجلس تدوین (۱۳۵/ ۱۳۶ھ) کے بعد قائم کی، اپنے ان اقوال کے مجموعہ سے لازم آنے والی اس بات کو بنیاد بنا کر اور علامہ سیوطی کے قول مذکور کا سہارا لے کر مصنف انوار کہہ سکتے تھے کہ امام صاحب نے مجلس تدوین ۱۴۳ھ میں قائم کی لیکن مصنف انوار کی خالص تحقیقی وعلمی اور دینی مصلحت وسیاست نے موصوف کو ایسا کرنے کی اجازت اس لیے نہیں دی کہ ایک طرف موصوف کو اپنے خالص علمی ودینی وتحقیقی نقطۂ نظر سے یہ دعوی کرنا فرضِ لازم تھا کہ امام صاحب نے مجلس مذکور ۱۲۰ھ میں قائم کی اور دوسری طرف اپنے خالص دینی وتحقیقی نقطۂ نظر سے موصوف کو بہت سی ایسی باتیں بھی لکھنی واجب تھیں جن سے لازم آئے کہ امام صاحب نے مجلس مذکور ۱۲۰ھ کے زمانہ بعد حتی کہ (۱۳۵/ ۱۳۶ھ) کے بعد قائم کی۔

مسند خوارزمی کے حوالہ سے مصنف انوار کا تحریر کردہ یہ بیان گزر چکا ہے کہ اپنے استاذ حماد کی جگہ پر مسند نشین درس ہونے کے بعد اپنے گرد جمع ہونے والے تلامذہ سے چالیس متعین ومقرر مجتہدین اور سینکڑوں دوسرے فقہاء ومحدثین کے ساتھ امام صاحب نے تدوین فقہ کا کام شروع کیا جو تقریباً پچیس تیس سال جاری رہا۔ایک دوسری جگہ موصوف فرماتے ہیں:

''موفق (ص: ۳۹) میں ہے کہ امام صاحب نے چار ہزار اساتذہ سے علم فقہ وحدیث حاصل کیا اور تکمیل کے بعد مسند درس پر بیٹھے تو ایک ہزار شاگرد جمع ہوگئے، ان میں سے چالیس کو منتخب کیا تدوین فقہ کے لیے جو سب مجتہد تھے، یہ چالیس حضرات تو وہ تھے جو باقاعدہ تدوین فقہ کے کام میں ذمہ دارانہ حصہ لیتے تھے، ان کے علاوہ دوسرے محدثین وفقہاء بھی اکثر اوقات حدیثی وفقہی بحثوں کو سنتے اوران میں سے اپنے علم وصواب دید کے مطابق کہنے سننے کا برابر حق رکھتے تھے۔''[1]

مصنف انوار نے اپنی مذکورہ بالا بات موفق (ص: ۳۹) کے حوالہ سے لکھی ہے، موفق کی دو جلدیں ہیں مگر موصوف نے جلد کا حوالہ نہیں دیا اور موفق کی دونوں جلدوں میں سے کسی کے (ص: ۳۹) پر یہ عبارت موجود نہیں ہے بلکہ موفق کی پوری کتاب میں کہیں بھی اتنی لمبی عبارت نہیں ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ اتنی لمبی عبارت مصنف انوار نے اپنی جانب سے لکھ کر موفق (ص: ۳۹) کی طرف منسوب کردی ہے۔موفق (۱/ ۳۸) پر صرف یہ عبارت ہے:

"ثم عدوا مشائخ أبي حنيفة من العلماء والتابعين فبلغوا أربعة الاف."

''اساتذۂ امام صاحب چار ہزار ہیں۔''

اس سے صاف ظاہر ہے کہ رائی کا پہاڑ بنا لینے میں مصنف انوار کو بڑا ملکہ حاصل ہے۔ایک تیسری جگہ مصنف انوار فرماتے ہیں:

''چنانچہ انھوں نے یعنی امام ابوحنیفہ نے اپنے ہزاروں اصحاب وتلامذہ میں سے چالیس اصحاب کا انتخاب کر کے اپنی سرپرستی میں اس جماعت یعنی مجلس تدوین کی تشکیل کی وہ سب مجتہد تھے ان میں بڑے بڑے محدث، مفسر، لغوی

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۵۵)

عالم، تاریخ ومغازی اوران علوم میں دوسرے مشائخِ بلاد کے خصوصی تربیت یافتہ بھی تھے۔"[1]

مصنف انوار کی مذکورہ بالا باتوں کے مجموعہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ جب امام صاحب کے پاس پڑھنے کے لیے جمع ہونے والے تلامذہ میں سے چالیس افراد مجتہد بن کر چہل رکنی مجلس کے ارکان بنائے جانے کے لائق ہو گئے تو امام صاحب نے مجلس مذکور قائم کی، مصنف انوار نے اس معنی ومفہوم کی باتیں دوسری جگہ بھی لکھی ہیں مگر مصنف انوار کی ان باتوں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ چالیس افراد کس زمانہ اورسن وسال میں مجتہد بن کر مجلس مذکور کے ارکان بنائے جانے کے لائق ہوئے؟ لیکن یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ مصنف انوار نے اپنے ایک دوسرے بیان میں کہا کہ امام صاحب نے اپنے چالیس ارکان مجلس کے ساتھ ۱۲۰ھ سے تدوین فقہ کا کام شروع کیا۔ ناظرین کرام مصنف انوار کی یہ بات ملحوظ رکھ کر آنے والی تفصیل کا مطالعہ فرمائیں۔

مصنف انوار کی پیش کردہ تفصیل کے مطابق مجلس مذکور کے چہل ارکان کے نام نقشۂ ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں، نیز ان حضرات میں سے جن کے سال ولادت و وفات معلوم ہو سکے ہیں ان کے سال ولادت و وفات بھی اس نقشہ میں ظاہر کر دیے گئے ہیں تا کہ آنے والی باتوں کو سمجھنے میں سہولت ہو۔

نمبر شمار	اسمائے ارکان مجلس	سال ولادت	سال وفات
۱	امام زفر بن ہذیل	۱۱۶ھ	۱۵۸ھ
۲	امام مالک بن مغول		۱۵۹ھ
۳	امام داود طائی		۱۶۰ھ
۴	امام مندل بن علی عنزی	۱۰۲ھ	۱۶۸ھ
۵	امام نصر بن عبدالکریم		۱۶۹ھ
۶	امام حبان بن علی عنزی	۱۱۲ھ	۱۷۲ھ
۷	امام نوح بن ابی مریم		۱۷۳ھ
۸	امام زہیر بن معاویہ	۱۰۰ھ	۱۷۳ھ
۹	امام قاسم بن معن		۱۷۵ھ
۱۰	امام حماد بن ابی حنیفہ		۱۷۶ھ
۱۱	امام ہیاج بن بسطام		۱۷۷ھ
۱۲	امام عمرو بن میمون بلخی		۱۷۱ھ
۱۳	امام شریک	۹۵ھ	۱۷۸ھ

[1] مقدمه انوار (۱/ ۸۹)

۱۴	امام عافیہ		۱۸۰ھ
۱۵	امام ابن المبارک	۱۱۸/ ۱۱۹ھ	۱۸۱ھ
۱۶	امام ابو یوسف	۱۱۳ھ	۱۸۲ھ
۱۷	امام نوح بن دراج		۱۸۲ھ
۱۸	امام ہشیم بن بشیر سلمی		۱۸۳ھ
۱۹	امام یحییٰ بن زکریا	۱۲۰/ ۱۲۱ھ	۱۸۴ھ
۲۰	امام فضیل بن عیاض		۱۸۷ھ
۲۱	امام اسد بن عمرو بجلی		۱۸۸ھ/ ۱۹۰ھ
۲۲	امام محمد بن حسن شیبانی	۱۳۲/ ۱۳۵ھ	۱۸۹ھ
۲۳	امام علی بن مسہر		۱۸۹ھ
۲۴	امام یوسف سمتی	۱۲۳/۱۲۴ھ	۱۸۹ھ
۲۵	امام عبداللہ بن ادریس	۱۱۵ھ	۱۹۲ھ
۲۶	امام فضل بن موسیٰ سینانی	۱۱۵ھ	۱۹۲ھ
۲۷	امام علی بن ظبیان		۱۹۲ھ
۲۸	امام حفص بن غیاث	۱۱۷ھ	۱۹۴ھ
۲۹	امام حفص بن عبدالرحمٰن		۱۹۹ھ
۳۰	امام وکیع بن الجراح	۱۲۸/ ۱۲۹ھ	۱۹۷ھ
۳۱	امام ہشام بن یوسف		۱۹۷ھ
۳۲	امام یحییٰ بن سعید قطان	۱۲۰ھ	۱۹۸ھ
۳۳	امام شعیب بن اسحاق	۱۲۶ھ	۱۹۸ھ
۳۴	امام ابو مطیع بلخی	۱۱۵ھ	۱۹۹ھ
۳۵	امام خالد بن سلیمان	۱۱۵ھ	۱۹۹ھ
۳۶	امام عبدالحمید بن عبدالرحمٰن		۲۰۲ھ
۳۷	امام حسن لولؤی	۱۱۶ھ	۲۰۴ھ

۳۸	امام ضحاک بن مخلد	۱۲۲ھ	۲۱۲ھ
۳۹	امام مکی بن ابراہیم	۱۲۶ھ	۲۱۵ھ
۴۰	امام حماد بن دلیل		

واضح رہے کہ مصنف انوار کی گزشتہ باتوں سے اگرچہ یہ پتہ نہیں چلتا کہ مذکورہ بالا چالیس افراد کس زمانہ میں مجتہد بن کر ارکانِ مجلس مذکور بنائے جانے کے لائق ہو گئے تھے جس کے بعد ان کو امام صاحب نے ارکان مجلس نامزد کر کے مجلس مذکور کو قائم کیا مگر مصنف انوار ایک جگہ فرماتے ہیں:

''۱۲۰ھ سے امام صاحب نے اپنے چالیس شرکاء تدوین اور دوسرے اصحاب وتلامذہ کے ساتھ پچیس تیس سال تک احکام کا استخراج کیا۔''[1]

مصنف انوار کے مندرجہ بالا بیان کا حاصل یہ ہے کہ اپنی قائم کردہ مجلس تدوین کے چہل ارکان کے ساتھ امام صاحب نے اپنے فقہی مذہب کی تدوین کا کام ۱۲۰ھ سے شروع کیا جس کا لازمی مطلب ہے کہ ۱۲۰ھ میں امام صاحب مجلس مذکور قائم کر چکے تھے، اس لیے مصنف انوار کی اس بات کو اگر موصوف کی ان باتوں کے ساتھ ملایا جائے جن کا حاصل یہ ہے کہ مذکورہ بالا چالیس افراد کے مجتہد بن چکنے کے بعد امام صاحب نے مجلس مذکور قائم کی تو نہایت واضح طور پر یہ نتیجہ برآمد ہوگا کہ مذکورہ بالا چالیس حضرات ۱۲۰ھ میں مجتہد بن کر امام صاحب کے پاس موجود تھے جن کو امام صاحب نے ارکان مجلس تدوین نامزد کر کے مجلس مذکور کو قائم کیا تھا۔

ناظرین کرام مجلس مذکور کے چہل ارکان کی فہرست والے مندرجہ بالا نقشہ پر دوبارہ نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ ان چہل ارکان میں سے متعدد حضرات ۱۲۰ھ کے بعد پیدا ہوئے اور متعدد حضرات ۱۲۰ھ میں اپنی ماؤں کی گود میں دودھ پینے والے بچے یا اطفال مکتب تھے، یعنی امام محمد بن حسن ۱۳۲/ ۱۳۵ھ میں، امام وکیع ۱۲۸/ ۱۲۹ھ میں، امام مکی وشعیب ۱۲۶ھ میں، امام یوسف سمتی ۱۲۳/ ۱۲۴ھ میں، امام ضحاک بن مخلد ۱۲۲ھ میں، امام یحییٰ بن زکریا ۱۲۰/ ۱۲۱ھ میں، امام یحییٰ قطان ۱۲۰ھ میں، امام ابن المبارک ۱۱۸/ ۱۱۹ھ میں، امام حفص بن غیاث ۱۱۷ھ میں، امام زفر ۱۱۶ھ میں، امام عبداللہ بن ادریس، خالد بن سلیمان، فضل سینانی، ابومطیع ۱۱۵ھ میں، امام ابویوسف ۱۱۳ھ میں اور امام حبان عنزی ۱۱۲ھ میں اور امام حسن بن زیاد ۱۱۶ھ میں پیدا ہوئے۔ اس تفصیل سے صاف طور پر ظاہر ہے مصنف انوار کی تحریر کردہ بہت ساری باتوں کا حاصل یہ ہے کہ متعدد حضرات اپنے ولادت سے پہلے اور متعدد حضرات زمانۂ رضاعت وطفلی میں مجتہد بن کر مجلس مذکور کے ارکان منتخب کیے جانے کے لائق ہو گئے تھے اور یہ حضرات امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ کے کام میں اپنی ولادت سے پہلے یا ایام رضاعت اور طفلی میں مصروف ہو گئے تھے، متعدد ارکان مجلس کے سال ولادت معلوم ہی نہ ہو سکے ورنہ معاملہ اور بھی زیادہ نتیجہ خیز ہوتا۔ ہر صاحب عقل بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ مصنف انوار کی ذکر کردہ جس چہل رکنی مجلس تدوین کا یہ حال ہو وہ محض خیالی، فرضی اور افسانوی چیز ہی ہوسکتی ہے جس کا کوئی حقیقی اور معنوی وجود نہ ہو۔

---

[1] مقدمہ انوار (۲/ ۱۸)

مصنف انوار کی مندرجہ بالا باتوں میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ۱۲۰ھ میں قائم ہونے والی مجلس تدوین کے چہل ارکان مجلس مذکور کے قائم ہونے کے وقت سے لے کر یعنی ۱۲۰ھ سے لے کر امام صاحب کے ساتھ مسلسل تیس سال تک تدوین فقہ کا کام کرتے رہے جس کا دوسرا مطلب یہ ہوا کہ مجلس مذکور کے چہل ارکان ۱۲۰ھ سے لے کر ۱۵۰ھ تک امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ کا کام کرتے رہے، اور یہ معلوم ہے کہ امام صاحب بماہ رجب یا شعبان ۱۵۰ھ میں فوت ہوئے تھے، بلفظ دیگر مجلس مذکور کے چہل ارکان کے ساتھ امام صاحب کی تیس سالہ مدتِ تدوین فقہ ان کی وفات کے سال ختم ہوئی، دریں صورت مجلس مذکور کے جو ارکان ۱۲۰ھ کے بعد پیدا ہوئے یا جو حضرات ۱۲۰ھ میں اپنی ماؤں کا دودھ پینے والے بچے یا اطفال مکتب تھے ان کا مجتہد بننے کے بعد امام صاحب کے ساتھ تیس سال رہ کر تدوین فقہ میں مصروف رہنا امر محال ہے اور جس چہل رکنی مجلس کی کہانی اس طرح کی ناممکن الوقوع باتوں پر مشتمل ہو اس کا وجود کیونکر ممکن ہوسکتا ہے۔

مصنف انوار کی مندرجہ بالا باتوں کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ ۱۲۰ھ میں قائم ہونے والی چہل رکنی مجلس تدوین کی تاسیس وتشکیل کرنے سے پہلے امام صاحب اپنے چار ہزار اساتذہ سے علم فقہ وحدیث پڑھ کر اور فارغ التحصیل ہوکر مسند درس پر رونق افروز ہوچکے تھے، حالانکہ یہ تفصیل گزر چکی ہے کہ مصنف انوار کی تحریر کردہ متعدد باتوں کا حاصل یہ بھی ہے کہ امام صاحب اپنے استاذِ خاص حماد کی درسگاہ میں ۱۲۰ھ تک پڑھتے رہے اور ۱۲۰ھ میں وفات حماد ہوجانے کے بعد ایک زمانہ تک کوفہ اور کوفہ سے باہر بصرہ وحجاز کی درسگاہوں میں تکمیل علم کے لیے زیر تعلیم رہے بلفظ دیگر امام صاحب ۱۲۰ھ کے عرصہ بعد تحصیل علم سے فارغ ہوئے۔[1]

صاف ظاہر ہے کہ مصنف انوار کی یہ باتیں باہم متعارض ومضطرب ہیں کیونکہ موصوف کے متعدد اقوال سے لازم آتا ہے کہ امام صاحب نے ۱۲۰ھ میں مجلس مذکور قائم کی جس کے پہلے موصوف تحصیل علم سے فارغ ہوکر مسند درس پر بیٹھ گئے تھے۔ اس کے برعکس مصنف انوار کے دوسرے کئی اقوال سے یہ لازم آتا ہے کہ امام صاحب ۱۲۰ھ کے زمانہ بعد تحصیل علم سے فارغ ہوکر مسند درس پر بیٹھے، یعنی امام صاحب نے ۱۲۰ھ کے زمانہ بعد مجلس مذکور قائم کی، نیز مصنف انوار کی جن باتوں کا مفاد یہ ہے کہ امام صاحب نے مجلس مذکور ۱۲۰ھ کے بعد قائم کی ان کا مفاد یہ بھی ہے کہ امام صاحب کے انجام دیے ہوئے کارنامہ تدوین فقہ کی مدت تیس سال سے کم ہے کیونکہ ۱۲۰ھ کے زمانہ بعد امام صاحب کا شروع کردہ کام زیادہ سے زیادہ ان کی وفات ۱۵۰ھ تک جاری رہ سکتا تھا، اور جو کام ۱۲۰ھ کے زمانہ بعد شروع ہوکر ۱۵۰ھ میں موقوف ہوگیا ہو اس کی مدت کار کسی طرح بھی تیس سال نہیں ہوسکتی، شاید اسی بات کے پیش نظر مصنف انوار نے کہیں کہیں مجلس مذکور کی مدتِ کارکردگی تقریباً پچیس تیس سال بتلائی مگر حسب عادت تضاد کا شکار ہوکر موصوف نے یہ مدت پورے تیس سال بھی بتلائی۔

کیا امام صاحب نے مجلس تدوین ۱۳۶ھ کے بعد قائم کی؟

مذکورہ بالا باتوں کو ذہن نشین رکھتے ہوئے ناظرین کرام مصنف انوار کی مندرجہ ذیل بات کو بھی ملاحظہ فرمائیں۔

''حرمین شریفین (مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ) میں تقریبًا چھ سال گزارنے کے بعد جب امام صاحب کوفہ واپس ہوئے

---

[1] اللمحات إلى ما في أنوار الباري من الظلمات (١ / ٥٦، ٥٧)

تو مجلس مذکور قائم کرنے کا منصوبہ ان کے ذہن میں تھا۔"❶

مصنف انوار نے اپنے مندرجہ بالا بیان میں یہ صراحت نہیں فرمائی کہ امام صاحب کب سے کب تک تقریبًا چھ سال حرمین شریفین (مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ) میں رہنے کے بعد اپنے ذہن میں مجلس مذکور قائم کرنے کا منصوبہ لیے ہوئے کوفہ واپس آئے، پھر موصوف نے اپنے اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنا کر کس سال مجلس مذکور کو قائم کیا؟

ناظرین کرام کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مصنف انوار کے متعدد اقوال کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب نے مجلس تدوین ۱۲۰ھ میں قائم کی اور اس کے برعکس موصوف کے دوسرے متعدد اقوال کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب نے مجلس مذکور ۱۲۰ھ کے زمانہ بعد قائم کی۔

اگر مصنف انوار کی مذکورہ بالا بات کو موصوف کے ان اقوال سے مربوط کیا جائے جن کا مفاد ہے کہ امام صاحب نے مجلس مذکور ۱۲۰ھ میں قائم کی تو لازم آتا ہے کہ ۱۲۰ھ سے پہلے امام صاحب حرمین شریفین (مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ) میں تقریباً چھ سال گزار کر کوفہ واپس آ چکے تھے مگر مشکل یہ ہے کہ مصنف انوار کے متعدد اقوال کا حاصل یہ بھی ہے کہ امام صاحب کوفہ کی درسگاہِ حماد میں ۱۲۰ھ تک زیر تعلیم رہے اور ۱۲۰ھ کے بعد ایک زمانہ تک کوفہ اور کوفہ سے باہر بصرہ اور حرمین شریفین کی درسگاہوں میں تکمیل علم کے لیے زیر تعلیم رہے، پھر نہ جانے کب فارغ التحصیل ہو کر مسند درس پر بیٹھنے کے بعد موصوف نے مجلس مذکور قائم کی۔ دریں صورت موصوف کا ۱۲۰ھ میں مجلس تدوین قائم کرنا اور مجلس تدوین قائم کرنے کا منصوبہ لیے ہوئے کوفہ واپس آنا امر محال ہے، اس سے قطع نظر مصنف انوار نے اگرچہ یہ نہیں بتلایا ہے کہ امام صاحب کب سے کب تک تقریباً چھ سال حرمین شریفین میں رہنے کے بعد کوفہ واپس آئے لیکن مصنف انوار کی تحریر کردہ یہ بات کتب مناقب ابی حنیفہ میں مروی شدہ مندرجہ ذیل روایتوں سے ماخوذ ہے:

(١) قال الموفق أخبرني الإمام البارع الحافظ أبو حفص عمر بن محمد بن أحمد النفسي فيما كتب إلى من سمرقند أنا الإمام إبراهيم بن إسماعيل الصغار كتابةً أنا أبو محمد عبد الله بن منصور البخاري إذنًا أخبرنا إبراهيم بن أحمد السرخسي أنا أبو بكر أحمد بن سعد أنا أبو سهل محمد بن عبد الله بن سهل بن حفص البجلي أخبرنا أبو عبد الله محمد بن الإمام أبي حفص الكبير البخاري رحمه الله تعالى قال في حديث طويل لما هرب أبو حنيفة من ابن هبيرة إلى مكة أقام بها إلى أن ظهرت الهاشمية وملكوا قدم الكوفة فأرسل إليه أبو جعفر فضمه إلى بغداد الخ."❷

''امام صاحب کوفہ کے جیل خانۂ ابن ہبیرہ سے بھاگ کر مکہ مکرمہ میں مقیم ہوئے اور جب بنوعباس غالب ہو کر حکمران ہوئے تو امام صاحب کوفہ واپس آئے، پھر انھیں عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور نے بغداد بلوایا اس نے امام صاحب کے لیے دس ہزار درہم اور ایک لونڈی بطور انعام دیے جانے کا حکم صادر کیا، اس وقت منصور کا وزیر عبدالملک بن حمید تھا، امام صاحب نے انعام مذکور قبول کرنے سے انکار کیا، وزیر موصوف نے امام صاحب سے کہا خلیفہ آپ کے خلاف کاروائی کے لیے بہانہ تلاش کر رہا ہے اگر آپ انعام قبول نہیں کریں گے تو وہ آپ کے خلاف

❶ مقدمہ انوار (١/ ٥٥) ❷ موفق (١/ ٢١٦) و کردری (١/ ٢٣١)

لگائے گئے الزامات کو صحیح قرار دے کر کوئی کاروائی کرے گا، پھر بھی امام صاحب نے انکار کیا تو وزیر نے کہا کہ میں انعامات مندرج کیے جانے والے رجسٹر میں نقد مال کا اندراج کردوں گا مگر لونڈی کو آپ میری طرف سے قبول کرتے ہوئے کوئی عذر بیان کر دیجیے، امام صاحب نے کہا کہ کبرسنی کی وجہ سے میں عورتوں کے لائق نہیں رہ گیا ہوں، اس لیے قبول کرنے سے معذور ہوں اور اسے میں قبول کرکے فروخت کرنا بھی اس لیے مناسب نہیں سمجھتا کہ خلیفہ کی دی ہوئی لونڈی کا فروخت کرنا ٹھیک نہیں، الغرض امام صاحب نے کوئی چیز قبول نہیں کی۔''

اوّلاً: جس ابوعبداللہ محمد بن ابی حفص کبیر یعنی محمد بن احمد بن محمد بن خاقان بخاری (متوفی ۳۷۳ھ) سے روایت مذکورہ مروی ہے وہ چوتھی صدی کے آدمی ہیں جو وفاتِ امام صاحب کے عرصہ بعد پیدا ہوئے۔[1] اور موصوف نے اپنی بیان کردہ اس روایت کی سند نہیں بتلائی ہے، صرف اتنی ہی بات روایت مذکورہ کے ساقط الاعتبار ہونے کے لیے کافی ہے، چہ جائیکہ ابوعبداللہ تک پہنچنے والی اس روایت کی سند میں مجہول ومجروح رواۃ بھی ہیں جو اس امر کی دلیل ہے کہ ابوحفص کی طرف قولِ مذکور کا انتساب صحیح نہیں ہے۔

ثانیاً: روایت مذکورہ میں بتلایا گیا ہے کہ امام صاحب کوفہ کے جیل خانۂ ابن ہبیرہ سے بھاگ کر مکہ مکرمہ میں مقیم ہوئے تھے اور یہ معلوم ہے کہ ابن ہبیرہ یعنی یزید بن عمر بن ہبیرہ فزاری ۱۲۸ھ میں ابھرنے والی عراقی شورش کو دبانے کے لیے مامور کیا گیا تھا اور رمضان ۱۲۹ھ میں شورش مذکور کو دبا کر وہ کوفہ میں سکونت پذیر ہوا تھا، پھر ۱۳۲ھ میں وہ فوت ہوگیا تھا۔[2] جس کا لازمی مطلب ہے کہ ۱۲۹ھ و۱۳۲ھ کے درمیان کسی سال امام صاحب قید خانۂ ابن ہبیرہ سے بھاگ کر مکہ مکرمہ گئے تھے اور ۱۳۲ھ میں خلافت عباسیہ قائم ہونے کے بعد دوبارہ کوفہ واپس آئے تھے، مذکورہ بالا روایت میں اگرچہ اس بات کی صراحت اور تعیین نہیں ہے کہ امام صاحب کس سال کوفہ کے جیل خانۂ ابن ہبیرہ سے فرار ہوکر مکہ مکرمہ گئے اور وہاں کتنی مدت مقیم رہے، پھر خلافت عباسیہ قائم ہونے کے بعد کس سال دوبارہ کوفہ واپس آئے مگر ایک دوسری روایت میں صراحت ہے کہ امام صاحب ۱۳۰ھ میں جیل خانۂ ابن ہبیرہ سے چھوٹ کر مکہ مکرمہ کی طرف فرار ہوئے تھے۔ چنانچہ کتب مناقب ابی حنیفہ میں منقول ہے:

''شیخ ابوعبداللہ بن ابی حفص نے کہا کہ اموی حکومت کے عراقی گورنر یزید بن عمر بن ہبیرہ فزاری (مولود ۸۷ھ ومتوفی ۱۳۲ھ) نے عراق کے زمانۂ فتنہ میں اپنے پاس فقہائے کوفہ مثلاً: ابن ابی لیلیٰ وابن شبرمہ اور داود بن ابی ہند وغیرہ کو جمع کیا اور ان میں سے ہر ایک کو کوئی نہ کوئی سرکاری عہدہ دیا اور امام صاحب کو بلا کر انھیں خاتم یعنی مہر کا عہدہ دینا چاہا کہ آپ ہی کے ہاتھ میں پوری حکومت کی زمام کار رہے گی، کوئی بھی سرکاری کام آپ کے حکم کے بغیر نہیں کیا جا سکتا نہ سرکاری خزانہ سے کوئی چیز آپ کی اجازت کے بغیر خرچ کی جا سکتی ہے مگر امام صاحب نے ابن ہبیرہ کی یہ پیشکش رد کر دی، اس پر ابن ہبیرہ نے یہ قسم کھائی کہ اگر آپ ہماری پیش کش قبول نہ کریں گے تو ہر ہفتہ آپ کو سات کوڑے لگائے جائیں گے، نیز دربارِ ابن ہبیرہ میں موجود فقہاء نے بھی امام صاحب کو اللہ کا واسطہ

[1] جواهر المضيه في طبقات الحنفية (٢/ ٢١)
[2] تاریخ طبری، واقعات ۱۲۸/ ۱۲۹ھ اور عام کتب تاریخ.

دلا کر کہا کہ آپ سرکاری عہدہ قبول کر لیں اپنے کو ہلاک نہ کروائیں ہم بھی مجبور ہو کر سرکاری عہدوں کو قبول کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں، امام صاحب نے فرمایا کہ مجھے مسجد واسطہ کے دروازوں کے گننے کی فرمائش ابن ہبیرہ کرے تو اس کی بھی تعمیل کرنے کو میں تیار نہیں، چہ جائیکہ کسی ایسے فرمان کو مجھ سے لکھوایا جائے جس کے ذریعہ کسی بے گناہ آدمی کو قتل کرنا مقصود ہو، میں بخدا یہ سرکاری عہدہ نہیں قبول کر سکتا۔ اس پر ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ انھیں ان کے حال پر چھوڑ و یہ صحیح موقف پر اور ہم غلطی پر ہیں، امام صاحب کو ابن ہبیرہ کے حکم سے پولیس افسر نے دو ہفتہ قید میں رکھا مگر زدو کوب نہیں کیا اس کے بعد چودہ کوڑے لگوائے۔ بعض روایت میں ہے کہ مسلسل کئی روز امام صاحب مارے جاتے رہے، پھر امام صاحب کو زدو کوب کرنے والا ابن ہبیرہ کے پاس آکر عرض گزار ہوا کہ اگر امام صاحب روزانہ یوں ہی مارے جاتے رہے تو مر جائیں گے، ابن ہبیرہ نے جواب دیا کہ جا کر امام صاحب سے کہو کہ میری قسم پوری کرنے اور میری بات رکھنے ہی کے لیے سرکاری عہدہ قبول کر لیں مگر امام صاحب نے پھر یہی بات دہرائی کہ مسجد کے دروازے مجھ سے گننے کو کہا جائے تو بھی میں نہیں گنوں گا، پھر ابن ہبیرہ نے کہا کہ اگر اس قیدی کا کوئی خیر خواہ ہوتا جو مجھ سے ان کے لیے مہلت لینے کی درخواست کرتا تا کہ وہ اپنے معاملہ میں غور و فکر کرے تو میں اس کے لیے یہ درخواست قبول کر لیتا، امام صاحب کو ابن ہبیرہ کی یہ بات جب معلوم ہوئی تو انھوں نے بذات خود اس سے درخواست کی کہ مجھے میرے معاملہ میں میرے بھائیوں سے مشورہ کرنے کے لیے گھر جانے کی اجازت دی جائے، ابن ہبیرہ نے امام صاحب کی یہ درخواست قبول کرتے ہوئے امام صاحب کو قید سے آزاد کرنے کا حکم دے دیا، ادھر امام صاحب قید سے چھوٹتے ہی اپنی سواری پر بیٹھے اور ”هرب إلى مكة وكان هذا في سنة مائة وثلاثين... الخ.“ مکہ مکرمہ کی طرف بھاگ گئے، امام صاحب کے اس فرار کا واقعہ ۱۳۰ھ میں پیش آیا اس وقت سے لے کر امام صاحب مکہ میں منصور کے خلیفہ ہونے کے زمانہ تک مقیم رہے، پھر منصور کے دور خلافت میں امام صاحب کوفہ واپس آئے تو منصور ان کی بڑی تعظیم و تکریم کرنے لگا اور ان کے ساتھ محبت کا برتاؤ کرتا رہا انھیں دس ہزار درہم اور ایک لونڈی بطور انعام دینے کا حکم جاری کیا مگر امام صاحب نے قبول نہیں فرمایا۔“[1]

اوّلاً: روایت مذکورہ بھی بتصریح موفق و کردری ابوعبداللہ بن ابی حفص کبیر متوفی ۳۷۵ھ سے مروی ہے جنھوں نے امام صاحب کا زمانہ نہیں پایا اور موصوف نے یہ روایت بھی بلا سند بیان کی ہے، نیز ابوعبداللہ سے اس روایت کا ناقل ابوبکر محمد بن علی بن فضل زرنجری کو ظاہر کیا گیا ہے جس کی بابت برہان الاسلام زرنوجی نے کہا:

”شمس الائمہ حلوانی بخارا کے بعض دیہات میں گئے، وہاں زرنجری کے علاوہ حلوانی کے تمام تلامذہ حلوانی کی زیارت و ملاقات کے لیے آئے بعد میں زرنجری سے ملاقات ہونے پر حلوانی نے اس کا سبب پوچھا تو زرنجری نے کہا کہ

[1] موفق (۲/ ۲۳، ۲۴) وكردرى (۲/ ۲۷) وعقود الجمان (ص: ۳۱۱، ۳۱۲) نیز ملاحظہ ہو: عقود الجمان (ص: ۱٦۰) وذيل جواهر المضية (ص: ٥۰٥) وأبوحنيفه لأبي زهره (ص: ۳۲، ۳۳) وحياة أبي حنيفه (ص: ٦٥، ٦٦)

میں خدمتِ والدہ میں مصروف تھا، حلوانی نے کہا کہ تمھیں طویل عمر نصیب ہو گی مگر تم رونقِ درس سے محروم رہو گے چنانچہ ایسا ہی ہوا، جس شاگرد سے استاذ کو اذیت پہنچے وہ علم کی برکت سے محروم ہوتا ہے اور اپنے علم سے اسے بہت کم فائدہ ہوتا ہے۔''[1]

اپنے استاذ کو اذیت پہنچانے کے سبب برکتِ علم اور رونقِ درس سے محروم ہو جانے والے زرنجری موصوف کی بابت حافظ ابن حجر نے فرمایا:

''اس شخص سے موضوع اور ظاہر البطلان روایت منقول ہے۔''[2]

زرنجری موصوف سے روایت مذکور کا ناقل اس کا بیٹا ابوحفص عمر ہے جس کا حال معلوم نہیں اور ابوحفص عمر سے روایت مذکورہ کے ناقل موفق کا حال اوائل کتاب میں بیان ہو چکا ہے، حاصل یہ کہ روایت مذکورہ ساقط الاعتبار ہے۔

تنبیہ:

مناقب موفق و کردری میں روایت مذکورہ ابوعبداللہ بن ابی حفص کبیر سے منقول ہے مگر عقود الجمان مطبوعہ حیدر آباد میں کہا گیا ہے کہ موفق نے روایت مذکورہ ابوحفص کبیر وغیرہ سے نقل کی ہے، ظاہر ہے کہ عقود الجمان میں واقع شدہ یہ بات تحریف وتصحیف ہے۔ عقود الجمان میں یہ بھی مذکور ہے کہ روایت مذکورہ کو قاضی ابوالقاسم بن کاس نے محمد بن عمر الاسلمی یعنی واقدی سے بھی نقل کیا ہے اور یہ معلوم ہے کہ واقدی کذاب ومتروک ہے، حاصل یہ کہ روایت مذکورہ مکذوبہ ہے۔

ثانیاً: روایت مذکورہ میں صراحت ہے کہ امام صاحب ۱۳۰ھ میں کوفہ سے جا کر مکہ مکرمہ میں مقیم ہوئے اور زمانۂ منصور میں دوبارہ کوفہ واپس آئے، اور یہ معلوم ہے کہ ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۶ھ میں ابوالعباس سفاح کے مرنے کے بعد منصور خلیفہ ہوا جس کا لازمی مطلب ہے کہ منصور ۱۳۶ھ کے خاتمہ پر عراق واپس آیا۔[3]

لہٰذا زیر بحث روایت کا مطلب یہ ہوا کہ امام صاحب ۱۳۶ھ کے بعد حرمین شریفین سے کوفہ واپس آئے، اور یہ معلوم ہے کہ منصور کا زمانۂ خلافت ۱۳۶ھ کے اواخر سے لے کر ۱۵۸ھ تک پھیلا ہوا ہے اور روایت مذکورہ میں یہ تعیین نہیں کہ منصور کے اس طویل دور خلافت کے کس سال امام صاحب حرمین شریفین سے کوفہ واپس آئے؟ البتہ چونکہ امام صاحب ۱۵۰ھ میں فوت ہو گئے تھے، اس لیے روایت مذکورہ کا یہ مطلب ماننا لازم ہے کہ امام صاحب ۱۳۶ھ کے اواخر سے لے کر ۱۵۰ھ کے درمیان کسی زمانہ میں کوفہ واپس آئے۔ اس سلسلے کی پہلی روایت میں واقع شدہ مندرجہ ذیل الفاظ قابل غور ہیں:

''قدم الكوفة فأرسل إليه أبو جعفر فضمه إلى بغداد.''

''حرمین شریفین سے امام صاحب کے کوفہ واپس آتے ہی خلیفہ ابوجعفر منصور نے امام صاحب کو اپنے پاس بغداد میں بلوالیا۔''

---

[1] فوائد البهية (ص: ١٨٢) [2] لسان الميزان (٥/ ٢٩٨)

[3] النجوم الزاهره لابن تغري (١/ ٢٣٤) وتاريخ طبري (٩/ ١٥٤، ١٥٥) والبداية والنهاية (١٠/ ٥٨، ٥٩) وتلقيح فهوم أهل الأثر في عيون التاريخ والسير (ص: ٤١)

ان الفاظ کا ظاہری مفاد یہ ہے کہ حرمین شریفین سے امام صاحب کے کوفہ واپس آتے ہی خلیفہ منصور نے امام صاحب کو اپنے پاس بغداد بلوالیا تھا جس سے مستفاد ہوتا ہے کہ امام صاحب جس زمانہ میں کوفہ واپس آئے تھے اس زمانہ میں منصور بغداد میں مقیم ہو گیا تھا، اور یہ معلوم ہے کہ تعمیر بغداد کا منصوبہ ۱۴۴ھ میں بنایا گیا تھا اور ۱۴۵ھ میں اس کی تعمیر شروع ہوئی تھی اور ۱۴۶ھ میں وہ اس لائق ہو گیا تھا کہ اسے دارالخلافہ بنایا جا سکے اگر چہ پورے شہر کی تعمیر ۱۴۹ھ میں مکمل ہوئی تھی۔[1]

اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب کے کوفہ سے حرمین شریفین میں جا کر مقیم ہونے کا ذکر جن روایات میں ہے ان کا مفاد یہ ہے کہ امام صاحب ۱۳۰ھ میں کوفہ سے حرمین شریفین کی طرف فرار ہو کر گئے اور وہاں ایک زمانہ تک مقیم رہ کر ۱۳۶ھ کے بعد اور ۱۵۰ھ سے پہلے کسی زمانہ میں کوفہ واپس آئے اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ موصوف امام صاحب ۱۴۵ھ کے بعد سے لے کر ۱۵۰ھ تک کے درمیان کسی زمانہ میں حرمین شریفین سے کوفہ واپس آئے۔

ان روایات سے امام صاحب کے مقیم حرمین شریفین ہونے والی بات کو مستعار لینے والے مصنف انوار پر لازم تھا کہ موصوف ان روایات سے مستفاد ہونے والی مندرجہ بالا بات کے خلاف لب کشائی نہ کرتے مگر ناظرین کرام کو معلوم ہو چکا ہے کہ مصنف انوار کے خصوصی اوصاف میں سے ایک یہ بھی ہے کہ موصوف اپنی مستدل روایات کے مضامین اور مشتملات کے خلاف اختراعی دعاوی کے عادی ہیں، چنانچہ موصوف نے اپنی اس خصوصیت کے مطابق روایات مذکورہ کے ساتھ بھی معاملہ کیا ہے۔

أوّلاً: امام صاحب کے مقیمِ حرمین ہونے سے متعلق کسی روایت میں بھی امام صاحب کے قیامِ حرمین کی مدت کی تحدید نہیں ہے مگر مصنف انوار نے اس کی تحدید کرتے ہوئے کہہ دیا ہے کہ یہ مدت تقریباً چھ سال ہے۔

ثانیاً: روایات مذکورہ میں اگر چہ اس مدت کی تحدید نہیں ہے مگر چونکہ ان کا واضح مفاد ہے کہ امام صاحب ۱۳۰ھ میں مقیم حرمین ہوئے اور اواخر ۱۳۶ھ کے بعد وہاں سے کوفہ لوٹے، اس لیے یہ بات بہر حال ظاہر ہے کہ امام صاحب کے قیام حرمین کی مدت چھ سال سے کم نہیں ہے لیکن مصنف انوار نے یہ مدت تقریباً چھ سال یعنی چھ سال سے کم بتلائی ہے۔

ثالثاً: حرمین میں امام صاحب کے مقیم ہونے سے متعلق یا غیر متعلق کسی روایت میں اس کا اشارہ نہیں کہ قیامِ حرمین سے کوفہ واپسی کے وقت امام صاحب کے ذہن میں مجلس تدوین قائم کرنے کا منصوبہ تھا مگر مصنف انوار نے یہ اختراعی دعوی کر دیا ہے کہ قیام حرمین سے کوفہ واپسی کے وقت ذہنِ امام صاحب میں تاسیسِ مجلس مذکور کا منصوبہ تھا۔

رابعاً: جب روایات مذکورہ کا مفاد یہ ہے کہ امام صاحب حرمین شریفین سے اواخر ۱۳۶ھ کے بعد کوفہ لوٹے اور ان روایات سے امام صاحب کے مقیم حرمین ہونے کی بات کو مستعار لینے والے مصنف انوار کا دعوی ہے کہ حرمین شریفین سے کوفہ لوٹتے وقت ذہنِ امام صاحب میں مجلس تدوین قائم کرنے کا منصوبہ تھا تو مصنف انوار پر یہ ماننا لازم تھا کہ اواخر ۱۳۶ھ کے بعد حرمین شریفین سے کوفہ واپسی کے وقت تک مجلس تدوین قائم کرنے کا مسئلہ امام صاحب کے ذہن میں صرف منصوبہ کے مرحلہ میں تھا جس کو امام صاحب نے ۱۳۶ھ کے بعد ہی کسی زمانہ میں عملی جامہ پہنایا، بلفظ دیگر مصنف انوار کے اس دعوی اور اس کے ماخذ کے مجموعہ سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ امام صاحب نے مجلس مذکور ۱۳۶ھ کے بعد قائم کی مگر اس کے بالکل

---

[1] تاريخ طبري (٩/ ٢٣٨ تا ٢٧٦) وعام كتب تاريخ.

خلاف مصنف انوار کی تحریر کردہ بہت ساری باتوں کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب نے مجلس مذکور ۱۳۶ھ سے بہت پہلے قائم کی۔ اس سے ایک طرف یہ لازم آتا ہے کہ مصنف انوار نے اپنے ماخذِ دعویٰ کی مخالفت کی اور دوسری طرف یہ لازم آتا ہے کہ ایک ہی معاملہ میں مصنف انوار نے متضاد و متعارض باتیں کہیں۔

خامساً: اپنے ماخذِ دعویٰ کے خلاف اگر مصنف انوار کی اس بات کو صحیح فرض کر لیا جائے کہ امام صاحب حرمین شریفین میں تقریباً چھ سالہ قیام کے بعد اپنے ذہن میں مجلس تدوین کو قائم کرنے کا منصوبہ لیے ہوئے کوفہ لوٹے تو چونکہ موصوف کے ماخذِ دعویٰ میں صراحت ہے کہ امام صاحب ۱۳۰ھ میں مقیم حرمین شریفین ہوئے، اس لیے موصوف کے دعوی اور ماخذِ دعویٰ کے مجموعہ سے یہ بات بہرحال مستفاد ہوتی ہے کہ مجلس تدوین قائم کرنے کا مسئلہ ۱۳۶ھ میں امام صاحب کے ذہن کا صرف ایک منصوبہ تھا جس کے بعد ہی امام صاحب نے مجلس مذکور قائم کی ہوگی، اور جب اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ مجلس مذکور ۱۳۶ھ کے بعد قائم ہوئی تو مجلس مذکور کے ساتھ امام صاحب کی تدوین فقہ کی مدتِ کارکردگی قطعی طور پر چودہ سال سے کم قرار پاتی ہے کیونکہ ۱۵۰ھ میں امام صاحب کا انتقال ہو گیا تھا، ظاہر ہے کہ امام صاحب کا کوئی بھی کام ۱۵۰ھ تک ہی جاری رہا ہوگا اور امام صاحب کا جو کام ۱۳۶ھ کے بعد شروع ہو کر ۱۵۰ھ میں موقوف ہو گیا اس کی مدت کار قطعی طور پر چودہ سال سے کم ہوگی، اس لیے مصنف انوار کی ان ساری باتوں کا حاصل یہ ہوا کہ مجلس مذکور کے ساتھ امام صاحب کی مدت تدوین فقہ چودہ سال سے کم ہے مگر دوسری طرف موصوف کی متعدد باتوں کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب کی مدّت مذکور تیس سال ہے، اس سے بھی مصنف انوار کی باتوں کا متعارض و مضطرب ہونا نیز موصوف کا اپنے ماخذ کی مخالفت کرنا ثابت ہوتا ہے۔

سادساً: تفصیل مذکور سے مستفاد ہوتا ہے کہ مصنف انوار کے بعض دعاوی کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب نے مجلس تدوین ۱۳۶ھ کے بعد قائم کی اور مصنف انوار نے ایک جگہ فرمایا ہے:

''امام صاحب تقریباً تین سال کی قید کے بعد جیل کی چہار دیواری میں واصل بحق ہوئے۔''[1]

مصنف انوار کے مذکورہ بالا بیان کا مفاد یہ ہے کہ امام صاحب اپنی وفات سے تقریباً تین سال پہلے یعنی ۱۴۷ھ میں کوفہ سے دور قید خانہ بغداد میں ہمیشہ کے لیے اس طرح مقید کر دیے گئے کہ تا وفات کبھی اس سے آزاد نہیں ہوئے، اور مصنف انوار کا یہ ارشاد بھی ہے کہ امام صاحب کو اپنی حکومت کا باغی سمجھ کر خلیفہ ابوجعفر منصور نے ہمیشہ کے لیے مقید کیا تھا۔[2] دریں صورت یہ مستبعد ہے کہ بغداد سے دور کوفہ میں واقع شدہ چہل رکنی مجلس کے ساتھ امام صاحب جیل خانۂ بغداد میں محبوس رہتے ہوئے تدوین فقہ کا کام جاری رکھ سکیں، اور یہ مستبعد ہے کہ حکومت اپنے کسی گردن زدنی مخالف کو اجازت دے کہ وہ بغداد سے دور کوفہ میں قائم شدہ اپنی کسی مجلس تدوین کے چہل ارکان نیز ان کے علاوہ سینکڑوں فقہاء و محدثین کو کوفہ سے جیل خانۂ بغداد میں منتقل کر کے تدوین فقہ کی مہم جاری رکھیں، نیز مصنف انوار کا یہ ارشاد بھی ہے کہ جیل خانہ کی تقریباً اس تین سالہ قید میں امام صاحب تقریباً سات ہزار ختم قرآن کیے۔[3] یعنی امام صاحب روزانہ سات مرتبہ سے زیادہ ختمِ قرآن اس زمانۂ قید میں کیا کرتے تھے، ظاہر ہے

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۴۸) [2] مقدمہ انوار (۱/ ۱۴۷، ۱۴۸) [3] مقدمہ انوار (۱/ ۵۶ و ۱۱۸)

کہ روزانہ سات مرتبہ ختمِ قرآن سے بھی زیادہ تلاوت میں مصروف رہنے والے کسی شخص کے لیے یہ ناممکن ہے کہ تلاوتِ قرآن کے علاوہ چہل رکنی مجلس تدوین کے ساتھ تدوین فقہ جیسا کام بھی انجام دے سکے، خصوصًا جبکہ مصنف انوار کا یہ ارشاد بھی ہے کہ اس زمانہ قید میں امام صاحب کو کچھ دنوں تک روزانہ دس کوڑا مارا جاتا تھا، پھر روزانہ سو کوڑے مارے جانے کا حکم دیا گیا اور دس دس روز تک امام صاحب کا کھانا پینا بھی بند کر دیا جایا کرتا تھا۔[1] اور ہر شخص بڑی آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ جس مدتِ قید میں امام صاحب کے ساتھ یہ برتاؤ ہوتا رہا ہو اس مدت میں موصوف کا کار تدوین فقہ کسی طرح بھی جاری نہیں رہ سکتا تھا۔ دس دس روز تک بھوکا پیاسا رہ کر روزانہ سو کوڑے یا دس کوڑے مارے جانے والے جو امام صاحب روزانہ سات مرتبہ سے بھی زیادہ ختمِ قرآن کرنے میں مصروف رہے ہوں بھلا وہ اس مدت میں تدوین فقہ کا کام کیونکر جاری رکھ سکتے تھے؟

حاصل یہ کہ مصنف انوار کی مذکورہ بالا باتوں کے پیش نظر یہ ماننا لازم ہے کہ مجلس تدوین کے ساتھ امام صاحب کی تدوین فقہ کا کام ۱۴۷ھ میں امام صاحب کے جیل خانۂ بغداد میں مقید ہو جانے کے بعد موقوف ہو گیا اور اوپر یہ بتلایا جا چکا ہے کہ مصنف انوار کے بعض دعاوی کا حاصل یہ ہے کہ مجلس تدوین کے ساتھ امام صاحب کی تدوین فقہ کا کام ۱۳۶ھ کے بعد کسی زمانہ میں شروع ہوا، دریں صورت مصنف انوار کے ان بیانات کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ مجلس مذکور کے ساتھ امام صاحب کی مدت تدوین گیارہ سال سے بھی کم ہے مگر اس کے بالکل خلاف مصنف انوار کا ایک دعوی یہ ہے کہ مدت مذکور تیس سال ہے۔

مصنف انوار نے اپنے اس دعوی کا ماخذ نہیں بتلایا کہ امام صاحب کو وفات سے تقریبًا تین سال پہلے ہمیشہ کے لیے قید خانہ بغداد میں مقید کر دیا گیا تھا مگر مصنف انوار مناقب ابی حنیفہ سے متعلق جس طرح کی روایات کو نصوص کتاب وسنت کی طرح حجت بنایا کرتے ہیں اسی طرح کی ایک روایت میں ہے:

”عن سليمان بن مجالد أن المنصور أراد أبا حنيفة على القضاة فامتنع من ذالك... فولاه القيام ببناء المدينة وضرب اللبن وعده وأخذ الرجال بالعمل... وكان أبوحنيفة المنول لذالك حتى فرغ من استتمام حائط المدينة مما يلي الخندق وكان استتمامه في سنة ١٤٩هـ.“[2]

”منصور نے امام صاحب کو قاضی بنانا چاہا مگر امام صاحب نے انکار کیا، لہٰذا اس نے امام صاحب کو تعمیر بغداد پر مامور کیا کہ خشت سازی، خشت شماری اور کام کے لیے آدمیوں کی فراہمی کا کام کریں، چنانچہ امام صاحب یہ کام کرتے رہے یہاں تک کہ خندق سمیت دیوارِ پناہ کی تعمیر سے ۱۴۹ھ میں فارغ ہو گئے۔“

مندرجہ بالا روایت معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب تعمیر شہر بغداد پر مامور کیے گئے تھے اور یہ معلوم ہے کہ تعمیر بغداد کا منصوبہ ۱۴۴ھ میں بنا اور اس کا تعمیری کام ۱۴۵ھ سے شروع ہوا اور تکمیل ۱۴۹ھ میں ہوئی۔[3] جس کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب تعمیر بغداد کے کام میں کوفہ سے دور ۱۴۵ھ سے لے کر ۱۴۹ھ تک مصروف رہے، یعنی ۱۴۵ھ ہی میں امام صاحب اس شہر کوفہ کو چھوڑ کر بغداد چلے گئے جہاں بدعوئ مصنف انوار مجلس تدوین قائم تھی اور ۱۴۵ھ سے لے کر امام صاحب کوفہ سے باہر تعمیر بغداد میں ۱۴۹ھ تک مصروف رہے، مصنف انوار نے نہ جانے کیوں اس روایت کو صحیح ومعتبر قرار دے کر حجت نہیں بنایا، اس روایت کے

[1] مقدمه انوار (١/ ١٤٨) [2] تاريخ طبري (٩/ ١٤٥) [3] تاريخ طبري (٩/ ٢٣٨ تا ٢٧٦)

مضمون کو امام صاحب کے قیام حرمین سے متعلق مندرجہ بالا تفصیل کے ساتھ جوڑنے سے لازم آتا ہے کہ امام صاحب کے کارنامۂ تدوین فقہ کی مدت زیادہ سے زیادہ ۱۳۶ھ کے بعد سے لے کر ۱۴۵ھ کے درمیان محصور ہے، آخر مصنف انوار نے اس بات کو کیوں نہیں لکھا۔؟

کیا امام صاحب نے مجلسِ تدوین اپنی وفات کے بعد قائم کی؟

ہمارے قائم کردہ مذکور بالاعنوان کو دیکھ کر ممکن ہے کہ کچھ لوگوں کو وحشت اور حیرت ہو کہ اپنی وفات کے بعد امام صاحب کا مجلس تدوین کو قائم کرنا کیونکر متصور ہوسکتا ہے؟ مگر یہ حقیقت ہے کہ مصنف انوار کے بعض بیانات کا حاصل بہر حال یہ ہے کہ امام صاحب نے مجلس مذکور اپنی وفات کے بعد قائم کی۔

مندرجہ بالا تفصیل میں مذکور ہو چکا ہے کہ مصنف انوار کے اس دعوی کہ ''حرمین شریفین میں تقریباً چھ سال گزار کر کوفہ لوٹنے کے وقت امام صاحب کے ذہن میں مجلس مذکور قائم کرنے کا منصوبہ تھا'' کا لازمی مطلب ہے کہ ۱۳۶ھ تک مجلس مذکور قائم کرنے کا مسئلہ امام صاحب کے ذہن میں صرف ایک منصوبہ کے مرحلہ میں تھا جس کو امام صاحب نے ۱۳۶ھ کے بعد ہی عملی جامہ پہنایا ہوگا۔ مصنف انوار کی باتوں سے مستفاد ہونے والی اس چیز کو ذہن نشین رکھتے ہوئے ناظرین کرام موصوف کی مندرجہ ذیل بات بغور ملاحظہ فرمائیں:

''امام صاحب نے چار ہزار اساتذہ سے علم حاصل کیا اور تکمیل کے بعد مسند درس پر بیٹھے تو ان کے پاس ایک ہزار شاگرد جمع ہوگئے ان میں سے چالیس کو منتخب کیا تدوین فقہ کے لیے جو سب مجتہد تھے۔''[1]

مصنف انوار کی مندرجہ بالا بات نیز اس کی ہم معنی دوسری باتیں بھی ہم پہلے نقل کر آئے ہیں۔[2] اور بتلا آئے ہیں کہ مصنف انوار کی ان باتوں کا حاصل یہ ہے کہ تلامذۂ امام صاحب میں سے چالیس افراد جب مجتہد بن کر مجلس تدوین کے ارکان منتخب کیے جانے کے لائق ہو گئے تو امام صاحب نے مجلس مذکور قائم کی اور مجلس مذکور کے چہل ارکان میں مصنف انوار نے امام محمد بن حسن شیبانی کو بھی شمار کیا ہے اور ان کے تذکرہ وتعارف میں فرمایا ہے:

''امام محمد کی ولادت ۱۳۲ھ میں اور وفات ۱۸۹ھ میں بعمر ستاون سال ہوئی، موصوف چودہ سال کی عمر میں یعنی ۱۴۶ھ میں امام صاحب کی خدمت میں پڑھنے کے لیے حاضر ہوئے چار سال تک یعنی وفات امام صاحب تک موصوف امام صاحب کی خدمت میں رہ کر پڑھتے رہے، پھر تکمیل امام ابو یوسف سے کی ان کے علاوہ امام اوزاعی وثوری و مالک وغیرہ سے بھی استفادہ کیا، بیس سال کی عمر میں درس دینا شروع کیا۔[3] امام اعظم کی وفات کے بعد امام محمد نے امام ابو یوسف کی صحبت اختیار کی فقہ وحدیث وغیرہ علوم میں ان سے تکمیل کی اور پھر ان دونوں کے علوم کی اشاعت میں لگ گئے۔ مبسوط، جامع صغیر، سیر کبیر لکھیں، امام طحاوی اسماعیل بن حماد سے ناقل ہیں کہ ہم لوگ صبح سویرے امام ابو یوسف کی مجلس میں پہنچ جاتے تھے لیکن امام محمد کا معمول یہ تھا کہ وہ صبح اول وقت دوسرے ائمہ

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۵۵) [2] اللمحات (۳/ ۲۸۲)

[3] مقدمہ انوار (۱/ ۱۹۲)

حدیث کی خدمت میں اخذِ حدیث کے لیے جاتے تھے اور پھر درسگاہِ ابی یوسف میں پہنچ جاتے تھے، اتنے وقت میں بہت سے علمی مباحث گزر چکے ہوتے تھے اور امام ابو یوسف ان کی رعایت سے پھر ان کا اعادہ فرما دیا کرتے تھے۔"[1]

مصنف انوار کی مندرجہ بالا بات کا نہایت واضح مطلب یہ ہے کہ وفات امام صاحب کے وقت امام صاحب کی مجلس تدوین کے رکن رکین امام محمد ایک طالب علم تھے، اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی، انھوں نے درسگاہِ امام صاحب میں صرف چار سال تعلیم پائی تھی کہ امام صاحب کا انتقال ہو گیا، اس لیے تکمیل علم کے لیے موصوف امام محمد درسگاہِ ابی یوسف نیز دوسری درسگاہوں میں حدیث و فقہ پڑھنے لگے، اور یہ معلوم ہے کہ تکمیلِ علم کے بعد ہی کسی کے مجتہد ہونے کا تصور کیا جا سکتا ہے جس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ امام محمد وفات امام صاحب کے بعد مجتہد بنے، اور مصنف انوار کی متعدد باتوں کا یہ حاصلِ مطلب اوپر بتلایا جا چکا ہے کہ مجلس مذکور کے چہل ارکان بشمول امام محمد کے مجتہد بن چکنے کے بعد امام صاحب نے مجلس تدوین قائم کی، لہٰذا مصنف انوار کی ان ساری باتوں کا حاصل یہ ہوا کہ امام صاحب نے اپنی وفات کے بعد مجلس تدوین قائم کی، صرف یہی نہیں بلکہ اپنی وفات کے بعد اپنی قائم کردہ مجلس مذکور کے ساتھ امام صاحب تیس سال مسلسل تدوین فقہ میں مصروف رہے۔

معمولی عقل کا آدمی بھی بڑی آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ جس چہل رکنی مجلس تدوین کا یہ حال ہو اس کا کوئی حقیقی وجود نہیں ہو سکتا، وہ کوئی خیال، فرضی اور افسانوی چیز ہی ہو سکتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ مجلس مذکور کی پوری کہانی کو اس کی جملہ تفاصیل سمیت زیادہ سے زیادہ اضغاث احلام یعنی پراگندہ و بے معنی خواب قرار دیا جا سکتا ہے جس کی کوئی حقیقت و تعبیر نہیں ہوتی۔

مصنف انوار کے مندرجہ بالا بیان میں یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ جس زمانے میں اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ درسگاہِ ابی یوسف میں پڑھنے کے لیے جایا کرتے تھے اس میں امام محمد بھی درسگاہ ابی یوسف کے طالب علم تھے نیز دوسری درسگاہوں میں بھی اس وقت امام محمد زیر تعلیم تھے، اور یہ بتلایا جا چکا ہے کہ جن کتب رجال و مناقب میں مندرج روایات کو مصنف انوار نصوص کتاب و سنت کی طرح حجت بناتے چلے جاتے ہیں ان میں یہ صراحت ہے کہ اسماعیل بن حماد نے اپنے دادا امام صاحب کا زمانہ نہیں پایا۔ دریں صورت یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وفات امام صاحب کے کتنے زمانہ بعد اسماعیل درسگاہ ابی یوسف میں پڑھنے کے لیے داخل ہوئے تھے کہ اس زمانہ میں امام محمد بھی درسگاہِ ابی یوسف کے طالب علم تھے کیونکہ مصنف انوار کے مذکورہ بالا بیان کے پیش نظر یہ مانے بغیر چارہ نہیں ہے کہ جس زمانہ میں اسماعیل درسگاہِ ابی یوسف میں زیر تعلیم تھے اس زمانہ میں امام محمد بھی تکمیل علوم کے لیے درسگاہ ابی یوسف اور دوسری درسگاہوں میں زیر تعلیم تھے اس زمانہ میں امام محمد بھی تکمیل علوم کے لیے درسگاہ ابی یوسف اور دوسری درسگاہوں میں زیر تعلیم تھے، دریں صورت یہ سوچنے کی ضرورت بھی ہے کہ مصنف انوار نے جو یہ کہہ رکھا ہے کہ امام محمد بیس سال کی عمر میں درس دینے لگے تھے وہ کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے کیونکہ مصنف انوار کے اس بیان سے لازم آتا ہے کہ امام محمد وفات امام صاحب کے صرف دو سال بعد ۱۵۲/۱۵۳ھ میں فارغ التحصیل ہو کر مدرس بن گئے تھے، تو کیا وفات امام صاحب کے بعد صرف دو سال کے اندر اندر امام محمد کے ساتھ اسماعیل بن حماد کو درسگاہ ابی یوسف میں رفاقت حاصل ہو گئی تھی جبکہ کتب مناقب کے مطابق اسماعیل نے زمانۂ ابی حنیفہ نہیں پایا تھا؟ علاوہ ازیں اسماعیل بن حماد ہی سے یہ بات مروی ہے کہ

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۹۶)

بیس سال کی عمر میں امام محمد مدرس بن گئے۔[1] اور اسماعیل کا مجروح ہونا بیان کیا جا چکا ہے اور اسماعیل سے روایت مذکور کا ناقل ابوعصمہ سعد بن معاذ مجہول ہے۔

یہ بتلایا جا چکا ہے کہ مصنف انوار کے بتلائے ہوئے چہل ارکان مجلس مذکور میں سے امام محمد کے علاوہ متعدد حضرات ۱۲۰ھ کے بعد پیدا ہوئے تھے اور متعدد حضرات ۱۲۰ھ میں اپنی ماؤں کا دودھ پینے والے بچے اور متعدد حضرات اطفال مکتب تھے مگر مصنف انوار نے یہ نہیں بتلایا کہ یہ لوگ درسگاہ امام صاحب میں پڑھنے کے لیے کب داخل ہوئے اور کس سال فارغ التحصیل ہوئے، پھر کس سال مجتہد ہو کر اراکین مجلس مذکور بنائے جانے کے قابل ہوئے؟ اسی طرح موصوف نے باقی دوسرے اراکین مجلس ومعاونین تدوین فقہ کے بارے میں بھی نہیں بتلایا کہ وہ کب مجتہد بنے؟ لیکن چونکہ موصوف نے یہ بتلا دیا ہے کہ مجلس مذکور کے رکن امام محمد بوقت وفاتِ امام صاحب ایک طالب تھے، بنا بریں وہ وفات امام صاحب کے بعد تکمیل علم میں مصروف رہے یعنی موصوف وفات امام صاحب کے بعد مجتہد بنے، اس لیے مصنف انوار کی باتوں کا حاصل بہر حال یہ ہے کہ اپنی وفات کے بعد ہی امام صاحب نے مجلس تدوین قائم کی۔

ممکن ہے کہ مصنف انوار کی باتوں کے اس حاصل مضمون سے کچھ لوگوں کو تعجب اور حیرت ہو کہ امام صاحب نے اپنی وفات کے بعد کس طرح مجلس مذکور قائم کی؟ نیز موصوف کس طرح اپنی وفات کے بعد اپنی قائم کردہ مجلس مذکور کے ساتھ تیس سال مسلسل تدوین فقہ کے کام میں مصروف رہے؟ مگر یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ مصنف انوار کی تحریر کردہ باتوں سے اس طرح کے متعدد نتائج برآمد ہوتے ہیں کہ مرے ہوئے لوگ اپنی قبروں سے زندہ ہو کر دنیا میں چلے آئے یا یہ کہ اپنی ولادت سے پہلے ہی متعدد لوگ مجتہد بن کر ارکان مجلس تدوین منتخب ہو گئے اور امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ کرنے لگے۔

مصنف انوار کے مذکورہ بالا اس حاصل مضمون کہ ''امام صاحب نے اپنی وفات کے بعد مجلس تدوین قائم کی'' پر حیرت اور وحشت محسوس کرنے والے ذرا صبر وضبط سے کام لے کر مصنف انوار کے بتلائے ہوئے چہل ارکان کے سالِ وفات پر نظر ڈالیں جس کو ہم ایک نقشہ میں اوپر ظاہر کر چکے ہیں، اس نقشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وفات امام صاحب کے بعد تیس سال گزرنے کے پہلے ہی یعنی ۱۸۰ھ کے پہلے ان چہل ارکان میں سے متعدد حضرات فوت ہو گئے تھے، اور مصنف انوار کے دعاوی کا حاصل یہ ہے کہ ۱۵۰ھ میں فوت ہونے والے امام صاحب نے جو مجلس تدوین اپنی وفات کے بعد یعنی ۱۵۰ھ کے بعد قائم کی تھی اس کے چہل ارکان امام صاحب کے ساتھ تیس سال تک تدوین فقہ کرتے رہے تھے۔ دریں صورت لازم آتا ہے کہ مجلس مذکور کے متعدد حضرات اپنی وفات کے بعد بھی اپنی قبروں سے زندہ ہو کر امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ کا کام کرنے میں مصروف تھے؟

گزشتہ صفحات میں مصنف انوار کی تحریک کردہ متعدد باتوں کا یہ حاصلِ مضمون ناظرین کرام کے سامنے آ چکا ہے کہ مجلس مذکور کے متعدد ارکان اپنی ولادت سے پہلے اور متعدد ارکان ایام رضاعت وطفلی میں مجتہد بن کر مجلس مذکور کے ارکان چن لیے گئے تھے اور وہ ۱۲۰ھ ہی سے امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ کا کام کرنے لگے تھے، اور اب ناظرین کرام یہ دیکھ رہے ہیں کہ مصنف انوار کے متعدد اقوال کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب اور ان کی مجلس تدوین کے متعدد ارکان اپنی وفات کے بعد بھی تدوین فقہ میں مصروف تھے۔

---

[1] خطیب (۲/ ۱۷٤)

اس سے قطع نظر اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ بقول مصنف انوار درسگاہِ امام صاحب میں امام محمد ۱۴۶ھ تا ۱۵۰ھ یعنی چار سال زیر تعلیم رہے مگر مصنف انوار کا یہ ارشاد بھی ہے:

''امام صاحب تقریباً تین سال قید میں رہ کر جیل خانہ کی چار دیواری میں واصل بحق ہوئے۔''[1]

مصنف انوار کے مذکورہ بالا قول کا تذکرہ بھی آ چکا ہے اور مصنف انوار ہی کے اقوال کی روشنی میں اس کا حاصل مطلب یہ بتلایا جا چکا ہے کہ امام صاحب ۱۴۷ھ میں کوفہ سے دور جیل خانۂ بغداد میں ہمیشہ کے لیے اس طرح مقید ہو گئے کہ ان سے امام محمد یا کسی بھی شخص کا پڑھتے رہنا مستبعد تھا۔ دریں صورت مصنف انوار کا ایک طرف یہ کہنا کہ درسگاہِ امام صاحب میں امام محمد ۱۴۶ھ میں پڑھنے کے لیے آئے اور دوسری طرف یہ کہنا کہ ۱۴۷ھ میں امام صاحب کوفہ سے دور جیل خانۂ بغداد میں ہمیشہ کے لیے مقید ہو گئے اور تیسری طرف یہ کہنا کہ درسگاہ امام صاحب میں امام محمد کی مدت تعلیم چار سال ہے، کیا معنی رکھتا ہے؟ کیونکہ مصنف انوار کی باتوں کا حاصل یہ ہے کہ کوفہ کی جس درسگاہِ امام صاحب میں امام محمد پڑھنے کے لیے ۱۴۶ھ میں داخل ہوئے وہ کوفہ سے دور امام صاحب کے جیل خانۂ بغداد میں مقید ہو جانے کے سبب ۱۴۷ھ میں ختم ہو گئی، دریں صورت درسگاہِ امام صاحب میں امام محمد کی مدت تعلیم دو سال سے بھی کم قرار پاتی ہے، پھر مدت مذکور کو مصنف انوار کا چار سال بتلانا تضاد بیانی نہیں ہے تو کیا ہے؟ نیز مصنف انوار کے ایک بیان کا حاصل یہ ہے کہ طالب علم کی حیثیت سے امام محمد امام صاحب کی چہل رکنی مجلس کے رکن کی حیثیت سے امام صاحب کی سرپرستی میں تدوین فقہ کرنے میں تیس سال تک مصروف رہے۔

امام ابن خلکان نے وفیات الاعیان ترجمہ امام محمد میں درسگاہ امام صاحب میں امام محمد کی مدت تعلیم دو سال بتلائی ہے، پھر مصنف انوار نے تضاد بیانی کرتے ہوئے ایک طرف یہ مدت چار سال کس دلیل سے بتلائی ہے اور دوسری طرف ایسی باتیں کیوں تحریر فرمائی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ درسگاہ امام صاحب میں امام محمد کی مدت تعلیم دو سال سے بھی کم ہے؟

اس سے قطع نظر بحث یہ چل رہی تھی کہ مصنف انوار کی تحریر کردہ کچھ باتوں سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ امام صاحب نے چہل رکنی مجلس تدوین اپنی وفات کے بعد قائم کی، یہ بات مصنف انوار کے مندرجہ ذیل بیان سے بھی لازم آتی ہے، ملاحظہ ہو:

مصنفِ انوار نے ایک دوسری جگہ کہا:

> ''دور بنو امیہ میں ایسا وقت گزر چکا تھا کہ قاضی کے لیے معمولی لکھا پڑھا ہونا بھی ضروری نہیں تھا، دور عباسی کی ابتداء میں بھی حالات بہتر نہ تھے، قاضی شریک نے جب عہدۂ قضا قبول کیا تو یہ شرط لگا دی تھی کہ فیصلوں میں کوئی رعایت نہ کریں گے مگر عمل کا حال یہ تھا کہ خلیفہ کی ایک لونڈی کی شکایت پر قاضی شریک برطرف کر دیے گئے، امام صاحب نے ان حالات کا جائزہ لے کر یہ منصوبہ بنایا کہ تدوین فقہ کے ساتھ ایسے قضاۃ تیار کریں جو ہر حال میں قانون اسلام کی برتری برقرار رکھ سکیں۔''[2]

مصنف انوار کے مذکورہ بالا بیان کا حاصل یہ ہے کہ خلافت بنو امیہ اور ابتدائے زمانہ عباسیہ کے حالات کا جائزہ لینے خصوصاً ایک لونڈی کی شکایت کے سبب قاضی شریک کی معزولی جیسے واقعات کو دیکھنے کے بعد امام صاحب نے مجلس تدوین قائم کرنے کا

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۴۸) [2] مقدمہ انوار (۱/ ۹۰ ملخصا ومختصرا)

منصوبہ بنایا اور یہ معلوم ہے کہ ۱۳۲ھ میں خلافت بنوامیہ ختم اور خلافت بنوعباس قائم ہوئی، ابوالعباس سفاح عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب عباسی ہاشمی عباسی خلافت کا سب سے پہلا خلیفہ ۱۳۲ھ میں مقرر ہوا اور اواخر ۱۳۶ھ میں ابوالعباس سفاح کے انتقال پر اس کا بھائی ابوجعفر منصور عبداللہ بن محمد دوسرا عباسی خلیفہ مقرر کیا گیا۔[1]

اور طبقات ابن سعد وغیرہ میں ہے کہ اواخر ۱۳۶ھ میں خلیفہ ہونے والے ابوجعفر منصور نے امام شریک کو قاضی کوفہ بنایا تھا یعنی ۱۳۶ھ کے بعد کسی زمانہ میں موصوف امام شریک قاضی کوفہ بنائے گئے اور قاضی بنائے جانے کے وقت سے لے کر وفات منصور تک عہدۂ قضا پر برقرار رہے اور منصور کے بعد جانشینِ منصور خلیفہ مہدی محمد بن عبداللہ عباسی نے بھی امام شریک کو ایک زمانہ تک عہدۂ قضا پر برقرار رکھا تھا۔[2]

حاصل یہ کہ قاضی شریک کی معزولی کا واقعہ ۱۵۸ھ کے بعد یعنی وفات امام صاحب کے زمانہ بعد پیش آیا تھا، خواہ لونڈی کی شکایت کے سبب پیش آیا یا کسی دوسرے سبب سے (کما سیأتي) اور مصنف انوار کے مذکورہ بالا بیان کا حاصل یہ ہے کہ معزولئ شریک کے بعد امام صاحب نے مجلس تدوین کو قائم کرنے کا منصوبہ بنایا جس کا لازمی مطلب یہ ہوا کہ امام صاحب نے اپنی وفات کے بعد مجلس تدوین قائم کی۔

مصنف انوار کے مندرجہ ذیل تیسرے بیان کا حاصل بھی یہ ہے کہ امام صاحب نے مجلس تدوین اپنی وفات کے بعد قائم کی۔ ملاحظہ ہو مصنف انوار فرماتے ہیں:

''دور بنوامیہ کے غیر اسلامی رجحانات اور دینی ابتری کے حالات سے امام صاحب بہت متاثر تھے، ان خرابیوں پر نظر کر کے امام صاحب کا سیاسی رجحان یہ رہا کہ کوئی انقلاب ہو اور جب بنوعباس میں خلافت آئی تو وہ کچھ مطمئن ہوگئے مگر جب ان کے حالات بھی امام صاحب کی توقعات پوری کرنے والے ثابت نہ ہوئے تو پھر وہ در پردہ اہل بیت کو حصول خلافت کے لیے آمادہ کرتے رہے حتی کہ اس وجہ سے خلیفہ ابوجعفر منصور کی نظروں میں مشتبہ ہوئے، تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ منصور کو امام صاحب کی ان در پردہ کوششوں کا علم ویقین ہوگیا تھا، اس لیے اس نے امام صاحب کو بڑے بڑے ہدایا پیش کر کے اور وزارت وقاضی القضاۃ کے عہدے پیش کر کے ساتھ ملانا چاہا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ امام صاحب کا حلقۂ اثر دور دراز ملکوں تک پھیلا ہوا ہے لیکن امام صاحب نے سلطانی تحفے اور عہدے قبول نہیں کیے، خلیفہ نے ہزار سمجھایا، کوششیں کیں، ڈرایا دھمکایا مگر امام صاحب کو آمادہ نہ کر سکا، اس کی بڑی وجہ امام صاحب کا غیر معمولی تقویٰ وپرہیزگاری تھی، دوسرے آپ کے سامنے ایک اہم ترین پروگرام تھا جو دنیا کی تاریخ میں بے مثال اثرات کا حامل تھا اور وہ اسلامی قانون کی مکمل تدوین تھی، وہ سمجھتے تھے کہ حکومت کے زیر اثر رہ کر کوئی عظیم الشان کارنامہ انجام نہیں دے سکتے، چنانچہ انھوں نے اپنے ہزاروں اصحاب وتلامذہ میں سے چالیس کا انتخاب کر کے اپنی سرپرستی میں اس جماعت کی تشکیل کی وہ سب مجتہد کا درجہ رکھتے تھے، ان میں بڑے بڑے

---

[1] البداية والنهاية (١٠/ ٣٨ تا ٦١) وتلقيح فهوم أهل الأثر في عيون التاريخ والسير (ص: ٤١) وعام كتب تاريخ.

[2] طبقات ابن سعد (٦/ ٣٧٨، ٣٧٩) وخطيب (٩/ ٢٩٣)

محدث، مفسر، لغوی، عالم تاریخ ومغازی اوران علوم میں دوسرے مشائخ بلاد کے خصوصی ترتیب یافتہ بھی تھے۔"[1]

اس میں شک نہیں کہ مصنف انوار کا مندرجہ بالا طویل بیان دراصل سفید کو سیاہ ثابت کر دکھانے کے لیے کار خیر سمجھ کر جھوٹ کو مسلمانوں میں پھیلانے والے کذابین کے اختراع کردہ خالص اکاذیب میں سے ہے۔ (كما سيأتي) مگر ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ اپنے مندرجہ بالا طویل بیان میں مصنف انوار نے صراحت کر رکھی ہے کہ خلیفہ ابوجعفر منصور کے پیش کردہ تحفوں اور عہدوں کو امام صاحب نے دو وجہ سے قبول نہیں کیا۔ ایک غیر معمولی تقوی کی وجہ سے دوسری اس وجہ سے کہ ان کے سامنے تدوین فقہ کا عظیم الشان پروگرام تھا اور لفظ پروگرام کا معنی منصوبہ و پلان ہے جو کسی کام کو عملی شکل دینے سے پہلے ذہن میں ہوا کرتا ہے۔[2]

یہ معلوم ہے کہ بہت سے پروگرام اور منصوبے عملی جامہ پہنے بغیر فیل ہو جاتے ہیں، مصنف انوار کی مذکورہ بالا طویل عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اواخر ۱۳۶ھ میں خلیفہ ہونے والے منصور کی طرف سے عہدے کی پیش کش کے وقت ذہنِ امام صاحب میں مجلس مذکور کو قائم کرنے کا منصوبہ و پروگرام تھا، بلفظ دیگر امام صاحب نے ۱۳۶ھ کے بعد اپنے اس منصوبہ کو عملی شکل دی، اور مصنف انوار نے اگرچہ اپنے مذکورہ بالا طویل بیان میں یہ صراحت نہیں کی ہے کہ ۱۳۶ھ کے کتنے زمانہ بعد کس سال امام صاحب نے اپنے منصوبۂ مذکورہ کو عملی شکل دی اور اس وقت سے لے کر کس سال مجلس مذکور کے ساتھ امام صاحب کی تیس سالہ مدت تدوین ختم ہوئی مگر مصنف انوار نے اس طویل بیان میں یہ صراحت ضرور کی ہے کہ امام صاحب نے اپنے ہزاروں تلامذہ میں سے جن چالیس کا انتخاب کر کے اپنی سرپرستی میں مجلس مذکور قائم کی وہ سب بوقت تشکیلِ مجلسِ مذکور مجتہد بن چکے تھے۔ ان میں بڑے بڑے محدث، مفسر، لغوی، عالم تاریخ ومغازی بھی تھے، اور یہ معلوم ہے کہ ان چالیس حضرات کی جو فہرست مصنف انوار نے تحریر کی ہے ان میں سے امام محمد بتصریحِ مصنف انوار ۱۳۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۴۶ھ تا ۱۵۰ھ درسگاہِ امام صاحب میں زیر تعلیم رہے، پھر وفات امام صاحب کے بعد دوسرے اساتذہ سے بھی تحصیل علم کرتے رہے یعنی وفات امام صاحب کے زمانہ بعد مجتہد بنے تو امام صاحب نے مجلس مذکور قائم کی اور اس وقت سے لے کر تیس سال مسلسل تدوین فقہ کا کام کرتے رہے، بلفظ دیگر اپنی وفات کے بعد امام صاحب عالم برزخ سے عالم فانی میں آکر تیس سال اراکین مجلس مذکور کے ساتھ رہ کر تدوین فقہ کرتے رہے۔ بدعوئ مصنف انوار مذکورہ بالاقسم کی باتیں خالص علمی وتحقیقی اور دینی نقطۂ نظر سے افراط وتفریط سے الگ ہو کر راہِ اعتدال پر چلتے ہوئے لکھی گئی ہیں اور سب کی سب صحیح ومعتبر ہیں۔

حکومت کی طرف سے امام صاحب کی خدمت میں قاضی القضاۃ اور وزارت عظمی کے عہدے پیش کیے جانے اور امام صاحب کے انکار پر تقریباً تین سال یا طویل زمانہ تک قید وبند اور زدوکوب کیے جانے سے متعلق مصنف انوار کے دعاوی کا جائزہ ہم نے اپنی اس کتاب میں دوسری جگہ پوری تفصیل وتحقیق کے ساتھ لیا ہے۔ ناظرین کرام وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

---

[1] مقدمه انوار (۱/ ۸۹)

[2] ملاحظہ ہو انگریزی اردو ڈکشنری، از علامہ عبدالحق بابائے اردو وعام کتب لغت۔

کیا امام صاحب نے مجلسِ تدوین ۱۲۰ھ سے پہلے قائم کی؟

مندرجہ بالا تفصیل سے یہ بات ظاہر ہوگئی ہے کہ مصنف انوار کی متعدد باتوں کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب نے مجلس تدوین ۱۲۰ھ میں قائم کی اور موصوف کی متعدد باتوں کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب نے مجلس تدوین اپنی وفات کے بعد قائم کی، اور موصوف کی متعدد باتوں کا حاصل یہ ہے کہ مجلس تدوین کے ساتھ امام صاحب کی مدت تدوین تیس سال ہے اور موصوف کی متعدد باتوں کا حاصل یہ ہے کہ مجلس مذکور کے ساتھ امام صاحب کی مدت تدوین تیس سال سے کہیں زیادہ کم ہے حتی کہ نو سال سے بھی کم ہے۔

اب ہم اس موضوع پر مصنف انوار کی باتوں پر دوسرے نقطۂ نظر سے بھی گفتگو کرنی چاہتے ہیں، مصنف انوار کی جن باتوں کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب نے مجلس تدوین ۱۲۰ھ میں قائم کی ان کو اگر مصنف انوار کی ان باتوں سے مربوط کیا جائے جن کا حاصل یہ ہے کہ مجلس تدوین کے ساتھ امام صاحب تیس سال مسلسل تدوین فقہ کرتے رہے تو لازم آتا ہے کہ مجلس مذکور کے ساتھ امام صاحب کی تیس سالہ مدت تدوین ۱۵۰ھ میں ختم ہوئی لیکن اوپر یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ مصنف انوار کے بعض دعاوی کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب ۱۴۷ھ میں ہمیشہ کے لیے کوفہ سے دور جیل خانہ بغداد میں محبوس کر دیے گئے، بنا بریں محبوس ہونے کے بعد موصوف کا سلسلہ تدوین و تدریس جاری رکھنا ناممکن ہو گیا، لہٰذا مصنف انوار کی باتوں سے مستفاد ہونے والی اس بات کو اگر موصوف کی اس بات سے مربوط کیا جائے کہ مجلس تدوین کے ساتھ امام صاحب کی مدت تدوین تیس سال ہے تو یہ لازم آتا ہے کہ امام صاحب نے مجلس مذکور ۱۲۰ھ سے تین سال پہلے ۱۱۷ھ میں قائم کی تھی، نیز ہم یہ بھی عرض کر چکے ہیں کہ جس طرح کی روایات کو مصنف انوار نصوص کتاب وسنت کی طرح حجت بنائے ہوئے ہیں اسی طرح کی بعض روایات کا مفاد ہے کہ امام صاحب ۱۴۵ھ میں کوفہ سے دور تعمیر بغداد کے کام میں مصروف ہو گئے اور ۱۴۹ھ تک اس کام میں مصروف رہے، اور اس کو بنیاد مان کر مصنف انوار کے اصول سے دعوی کیا جا سکتا ہے کہ مجلس تدوین کے ساتھ امام صاحب کی تیس سالہ مدت تدوین ۱۴۵ھ میں ختم ہوئی جس کا مفاد یہ ہے کہ مجلس تدوین امام صاحب نے ۱۱۵ھ میں قائم کی مگر مصنف انوار اپنے اصول سے متخرج ہونے والے اس نتیجہ کو اگر قبول نہ کریں تو اس میں شک نہیں کہ مصنف انوار نے بدست خاص مندرجہ ذیل بات خود لکھ رکھی ہے:

''صیمری نے روایت کی کہ یوسف بن خالد سمتی بصرہ سے کوفہ گئے اور امام صاحب سے تفقہ کیا فارغ ہوئے تو بصرہ کا ارادہ کیا، امام صاحب نے فرمایا کہ اب تم بصرہ جاؤ گے تو ایسے لوگوں سے واسطہ ہوگا جو تم سے پہلے مسند علم وفضل پر متمکن ہو چکے ہوں گے، لہٰذا تم مسند درس سنبھالنے کی جلدی نہ کرنا کہ بیٹھ کر کہنے لگنا کہ ابوحنیفہ نے ایسا کہا اور ویسا کہا اگر ایسا کرو گے تو وہاں جم نہ سکو گے بلکہ نکال دیے جاؤ گے، یوسف گئے اور چونکہ علم وافر لے کر وہاں پہنچے تھے صبر نہ ہو سکا مسند سنبھال کر کہنے لگے کہ امام ابوحنیفہ نے یہ کہا اور وہ کہا، عثمان بتی بصرہ کے امام اور مشہور فقیہ ومحدث تھے، یوسف نے ان کے اصحاب وتلامذہ سے مسائل میں بحثیں کیں اور امام صاحب کے دلائل سے انھیں مغلوب کرنا چاہا جس پر وہ لوگ خلاف وعناد پر اتر آئے حتی کہ ان کو مسجد سے اٹھا دیا یہ خاموش ہو گئے اور پھر امام زفر تک کسی اور کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ امام صاحب کا ذکر وہاں کر سکتا، جب امام زفر وہاں پہنچے تو وہ چونکہ سیاسی

دماغ رکھتے تھے دوسرا طریقہ اختیار کیا وہاں کے شیوخ کی مجلس میں جاتے تھے ان کے مسائل سنتے اور ان کی اصل کے خلاف کچھ فروعی مسائل نکال کر کہتے کہ آپ نے ان مسائل میں اپنی اصل کو کیوں چھوڑ دیا؟ عثمان بتی اور ان کے اصحاب وتلامذہ جواب سے عاجز ہوتے تو کہتے کہ اس باب میں دوسری اصل اس سے بہتر ہے اور دلائل سے اس کی برتری اور جامعیت وغیرہ ان سے منوا لیتے جب وہ پوری طرح تسلیم کر لیتے تو کہتے کہ یہ اصل امام ابوحنیفہ کی قائم کی ہوئی ہے، کبھی ایسا کرتے کہ ان ہی مشائخِ بصرہ کے اقوال کے اثبات میں ایسے دلائل پیش کرتے جو ان کے دلائل سے زیادہ قوی ہوتے وہ بہت خوش ہوتے، پھر کہتے کہ یہاں ایک دوسرا قول بھی ہے جو تمھارے اقوال کے علاوہ ہے اور اس کو بیان کر کے اس کے لیے اور بھی اعلیٰ وقوی دلائل دیتے جب وہ تسلیم کر لیتے تو بتلاتے کہ یہ قول ابوحنیفہ کا ہے، وہ کہتے کہ واقعی یہ قول بہت ہی اچھا ہے خواہ کسی کا ہو، اسی طرح امام زفر کرتے رہے اور امام صاحب کے اقوال سے مانوس بناتے رہے کچھ ہی روز میں شیخ عثمان بتی جیسے شیخِ وقت تک کے اصحاب بھی ان کو چھوڑ کر امام زفر کے حلقہ درس میں آ شامل ہوئے اور شیخ عثمان تنہا رہ گئے۔"[1]

ناظرین کرام مصنف انوار کے مندرجہ بالا بیان خصوصًا خط کشیدہ الفاظ پر دھیان دیں، اس کا حاصل یہ ہے کہ امام زفر شیخِ بصرہ عثمان بن مسلم بتی کی زندگی میں امام صاحب کا ساتھ چھوڑ کر بصرہ میں اپنی قائم کردہ درسگاہ میں مصروف تدریس ہو گئے اور ان سے پہلے یہی کام امام یوسف سمتی کر چکے تھے، اور یہ معلوم ہے کہ شیخ عثمان بتی ۱۴۳ھ میں فوت ہوئے تھے۔[2] اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ مصنف انوار کے مختلف دعاوی کا حاصل یہ ہے کہ مجلس تدوین کے چہل ارکان امام زفر و یوسف سمتی سمیت تاسیس مجلس مذکور کے وقت سے امام صاحب کے ساتھ تیس سال مسلسل تدوین کے کام میں مصروف رہے، اس کا لازمی مطلب یہ ہوا کہ امام زفر و سمتی اپنے دوسرے رفقائے مجلس کے ساتھ امام صاحب کی ماتحتی میں تیس سالہ مدت تدوین بصرہ آنے سے پہلے یعنی ۱۴۳ھ سے پہلے پوری کر چکے تھے، بلفظ دیگر مجلس مذکور کے چہل ارکان کی یہ تیس سالہ مہم امام صاحب کی ماتحتی میں ۱۱۳ھ کے پہلے شروع ہو چکی تھی یعنی مجلس مذکور کو امام صاحب ۱۱۳ھ سے پہلے قائم کر چکے تھے ورنہ مصنف انوار ہی بتلائیں کہ ۱۴۳ھ سے پہلے مجلس مذکور کے یہ دونوں ارکان امام صاحب کو چھوڑ کر اپنے رفقائے تدوین کے ساتھ تیس سالہ مہم تدوین پوری کیے بغیر ہی بصرہ آ گئے تھے یا کہ بصرہ سے دوبارہ کسی زمانہ میں ۱۴۳ھ کے بعد خدمتِ امام صاحب میں پہنچ کر یہ لوگ ارکان مجلس مذکور بنائے گئے کیونکہ مصنف انوار نے بعض اقوال کا حاصل یہ بھی ہے کہ امام صاحب نے مجلس مذکور ۱۴۳ھ کے زمانہ بعد قائم کی؟ ان ساری باتوں میں سے آخر کون سی بات مصنف انوار مانتے ہیں؟

اس کا حاصل یہ ہے کہ مصنف انوار کے متعدد اقوال سے لازم آتا ہے کہ امام صاحب نے مجلس مذکور ۱۱۳ھ سے بھی پہلے قائم کی مگر مشکل یہ ہے کہ ۱۱۳ھ میں مجلس مذکور کے بہت سارے ارکان پیدا ہی نہیں ہوئے تھے اور کچھ حضرات اپنی ماؤں کی گود میں دودھ پیتے تھے اور کچھ لوگ اطفالِ مکتب تھے، خود امام زفر و سمتی بھی ۱۱۳ھ کے بعد پیدا ہوئے۔ (كما سيأتي)

---

[1] مقدمه انوار (۱/ ۱٦٥)

[2] تقريب التهذيب وعام كتب رجال.

یہ عجیب بات ہے کہ ایک طرف مصنف انوار کے مختلف بیانوں کا حاصل یہ ہے کہ مجلس مذکور کے رکن خاص امام محمد ۱۳۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۴۶ھ میں امام صاحب کے پاس پڑھنے گئے اور ۱۵۰ھ میں وفات امام صاحب کے بعد وہ ایک طالب علم کی حیثیت سے تکمیل علم کے لیے درسگاہ ابی یوسف میں داخل ہوئے، اوراس کے باوجود بھی موصوف ۱۲۰ھ میں مجلس تدوین قائم ہونے سے پہلے مجتہد بن کر مجلس مذکور کے رکن منتخب کیے جانے کے لائق ہو چکے تھے اور موصوف ۱۲۰ھ سے لے کر ۱۵۰ھ تک امام صاحب کی سرپرستی میں جملہ ارکان مجلس سمیت تدوین فقہ میں مصروف رہے مگر دوسری طرف موصوف مصنف انوار کے مختلف دعاوی کا حاصل یہ ہے کہ مجلس مذکور کے چہل ارکان میں سے امام زفر وسمتی ۱۴۳ھ سے پہلے امام صاحب کا ساتھ چھوڑ کر بصرہ میں علمی وتدریسی اور تبلیغی خدمت انجام دینے لگے اوراس کے باوجود یہ دونوں حضرات بشمول امام محمد جملہ ارکان مجلس کے ساتھ ۱۲۰ھ سے لے کر ۱۵۰ھ تک مسلسل تیس سال امام صاحب کی ماتحتی میں تدوین فقہ کرتے رہے اوراس سے بھی عجیب بات یہ کہ مصنف انوار نے بالصراحت کہا:

''یوسف سمتی کوفہ میں امام صاحب سے فقہ پڑھ کر فارغ التحصیل ہونے کے بعد ہی اس زمانہ میں بصرہ جا کر مصروف تعلیم وتبلیغ ہوئے جبکہ امام عثمان بتی زندہ تھے۔''[1]

جب مصنف انوار کا دعویٰ یہ ہے کہ مجلس مذکور کے چہل ارکان مجتہد بن چکنے کے بعد ارکان مجلس منتخب ہو کر امام صاحب کی سرپرستی میں تیس سال تک تدوین میں مشغول رہے تو پھر موصوف کا یہ دعویٰ کیا معنی رکھتا ہے کہ مجلس مذکور کے رکن یوسف سمتی امام صاحب نے پڑھ کر فارغ ہونے کے بعد ۱۴۳ھ سے پہلے ہی بصرہ جا کر مصروفِ تعلیم وتبلیغ ہوئے؟

مصنف انوار نے اس طرح کی مضطرب ومتعارض باتیں بکثرت لکھ رکھی ہیں جن کا استقصاء ہمارے لیے ممکن نہیں البتہ تفاصیلِ آئندہ میں اس طرح کی بعض باتوں کا ذکر آتا رہے گا۔

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ مصنف انوار کے بعض اقوال سے لازم آتا ہے کہ امام صاحب کی سرپرستی میں چہل رکنی مجلس کی تیس سالہ مدت کارکردگی ۱۴۳ھ سے پہلے ختم ہو گئی تھے مگر یہ نہیں پتہ چلتا کہ ۱۴۳ھ سے کتنا پہلے یہ کام مکمل ہوا؟ لیکن تذکرۂ امام داود طائی میں عنقریب یہ بحث آ رہی ہے کہ مصنف انوار کی باتوں سے لازم آتا ہے کہ مجلس مذکور کی تیس سالہ مدت کارکردگی ۱۴۰ھ سے بھی پہلے مکمل ہو گئی۔ مصنف انوار کی ان باتوں کا دوسرا مطلب یہ ہوا کہ امام صاحب نے مجلس مذکور ۱۱۰ھ سے بھی پہلے قائم کی، مصنف انوار کے بیانات سے حاصل شدہ ان امور کا تقابل موصوف کے ان بیانات سے کیا جائے جن کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب نے مجلس تدوین ۱۲۰ھ میں یا ۱۳۶ھ یا ۱۴۵ھ کے بعد حتیٰ کہ اپنی وفات کے بعد قائم کی تو نہایت ہی دلچسپ نتائج برآمد ہوں گے، خصوصًا جبکہ ہم دیکھتے ہیں مصنف انوار کی باتوں کا یہ حاصل بھی ہے کہ امام صاحب ۱۲۰ھ کے بعد زمانہ تک تحصیل علم میں مصروف رہے۔

جب مصنف انوار کے بعض اقوال کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب نے مجلس مذکور ۱۲۰ھ میں قائم کی اور بعض کا حاصل یہ ہے کہ مجلس مذکور کے ساتھ امام صاحب کی تدوین فقہ کا کام ۱۴۷ھ تک جاری رہا تو دونوں کے مجموعہ سے یہ نتیجہ نکلا کہ مجلس مذکور

[1] ماحصل از مقدمه انوار (۱/ ۱٦٥)

کے ساتھ امام صاحب کی مدت تدوین ستائیس سال ہے مگر یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ مصنف انوار اپنے متعدد اقوال میں امام صاحب کی مدت تدوین تیس سال بتلائے ہوئے ہیں، اس سلسلے میں مصنف انوار کی طرف سے کہا جا سکتا ہے کہ ستائیس سالہ مدت تدوین کو تیس سال کے لفظ سے تعبیر کر دیا گیا ہے کیونکہ عام زبانوں میں رواج ہے کہ کبھی کسر کو دہائی سے حذف کر دیا جاتا ہے اور کبھی دہائی سے کم والے عدد کو پوری دہائی سے تعبیر کر دیا جاتا ہے، دریں صورت یہ کہنے کی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ ۱۴۷ھ میں ختم ہونے والی امام صاحب کی تیس سالہ مدت تدوین ۱۱۷ھ سے شروع ہوئی تھی، یعنی مجلس تدوین ۱۱۷ھ میں قائم ہوئی تھی مگر اس کا کیا حل ہے کہ ۱۲۰ھ کے بعد پیدا ہونے والے متعدد اشخاص کی بابت مصنف انوار کی لکھی ہوئی متعدد باتوں کا حاصل یہ ہے کہ یہ حضرات ۱۲۰ھ میں مجلس تدوین قائم ہونے کے وقت مجتہد بن چکے تھے، نیز یہ کہ انھوں نے امام صاحب کے ساتھ تیس سال تک تدوین فقہ کا کام کیا ہے، نیز مصنف انوار کی ان باتوں کا کیا حل ہے جن کا حاصل یہ ہے کہ مجلس مذکور کے ساتھ امام صاحب کی مدت تدوین پندرہ سال سے بھی کم ہے۔

مصنف انوار کے بعض اقوال کا ذکر آ چکا ہے کہ امام صاحب مجلس تدوین کے ساتھ مسلسل تیس سال تدوین فقہ کرتے رہے مگر مصنف انوار نے یہ بھی کیا ہے:

"امام صاحب کی تدوینِ فقہ کا یہ عظیم الشان کام تقریباً پچیس تیس سال تک جاری رہا۔"[1]

مصنف انوار کے مندرجہ بالا بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحب کی مدت تدوین فقہ پچیس تیس سال سے کم ہے، ہم عرض کر چکے ہیں کہ اس سلسلے میں مصنف انوار کی طرف سے کہا جا سکتا ہے کہ تقریباً پچیس تیس سال کی مدت کو عام رواج کے مطابق پورے تیس سال کے لفظ سے تعبیر کر دیا گیا ہے لیکن مصنف انوار نے ایک جگہ یہ کہا:

"امام صاحب کی شورائی طرز کی فقہی مجلس کی دھاک دور دور تک بیٹھی ہوئی تھی اور یہ دنیا کی بے نظیر علمی مہم دو چار دس سال بھی نہیں تقریباً تیس سال بلکہ اس سے زیادہ تک پورے شدومد سے جاری رہی۔"[2]

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مصنف انوار نے اپنے مندرجہ بالا بیان میں مجلس مذکور کے ساتھ امام صاحب کی مدت تدوین تقریباً تیس سے زیادہ بتلائی ہے جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مصنف انوار کے نزدیک مدت مذکورہ "تقریباً تیس سال" کے بجائے تیس سے زیادہ ہے کیونکہ تقریباً تیس سال کا ظاہر مطلب ہے تیس سال سے کم کی مدت اور اس سے زیادہ کا ظاہر مطلب ہے تیس سال سے زیادہ مدت اگر اپنے اس جملہ سے مصنف انوار کی مراد ہماری مذکورہ بالا بات سے مختلف ہے تو وہ واضح نہیں کہ تقریباً تیس سال بلکہ اس سے زیادہ کے جملہ سے موصوف کی کیا مراد ہے؟ تقریباً تیس سال سے زیادہ مدت سے مصنف انوار کی مراد جو بھی ہو وہ بہرحال اس مدت سے مختلف ہے جو موصوف نے اپنے "تقریباً پچیس تیس سال" کے فقرہ کے ذریعہ ظاہر کی ہے۔ اس سے مصنف انوار کے بیان میں اضطراب اور تعارض بہرحال ثابت ہے، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ مصنف انوار کی جن باتوں کا مطلب یہ ہے کہ مجلس مذکور کے ساتھ امام صاحب کی مدت تدوین پندرہ سال سے کم ہے وہ موصوف کی مذکورہ بالا باتوں کے معارض ہے، یعنی مدت مذکورہ تقریباً پچیس تیس سال ہے یا کہ مدت مذکورہ تیس سال ہے یا کہ مدت مذکورہ

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۷۹) [2] مقدمہ انوار (۱/ ۱۵۸)

تقریباً تیس سال بلکہ اس سے زیادہ ہے۔

اس سے قطع نظر مصنف انوار کے مختلف بیانات سے مدت مذکورہ پندرہ سال سے بھی کہیں کم قرار پاتی ہے۔ (کمامر) اوراس سے لازم آتا ہے کہ امام صاحب نے ہر روز پانچ سو سے بھی زیادہ مسائل مدوّن کرائے جن میں غیر وقوع پذیر امور سے متعلق مسائل کی تعداد بہت زیادہ ہوا کرتی تھی، اور یہ بتلایا جا چکا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غیر وقوع پذیر امور سے متعلق مسائل کے ساتھ اشتغال کو فعلِ ملعون قرار دیتے تھے اوراس طرح کے اقدام پر سخت تنقیدیں کرتے تھے، پھر بھی مصنف انوار کا دعوی ہے کہ امام صاحب کے وضع کردہ ساڑھے بارہ لاکھ مسائل بمنزلۂ احادیث مرفوعہ یا بدرجۂ احادیث موقوفہ ہیں جو طریق نبوی وطریق صحابہ کے مطابق حل کیے گئے ہیں، نیز ان ساڑھے بارہ لاکھ مسائل کی پیروی رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کی پیروی ہے۔[1]

یہ بیان ہو چکا ہے کہ مصنف انوار کی مستدل روایتِ خوارزمی میں صراحت ہے کہ ایک ایک مسئلہ کو حل کرنے میں امام صاحب اوران کی مجلسی تدوین کو ایک ماہ بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصہ صرف ہوتا تھا مگر موصوف کے مختلف بیانات سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ ایک ہی دن میں سینکڑوں مسائل حل ہو جاتے تھے، اوراس سے بھی بڑی بات یہ کہ ایک لونڈی کی خریداری کے معاملہ میں امام صاحب بیس سال تک استخارہ اور تبادلۂ خیالات نیز مشورے کرتے رہے مگر تردد کے شکار رہے فیصلہ نہیں کر سکے کہ کون سے لونڈی خریدیں، دریں صورت ایک ہی دن میں سینکڑوں فقہی مسائل کا حل کر لینا بھی ایک عجوبہ ہے۔

بقول مفتی دیوبند مولانا عمیم الاحسان مجلسِ تدوین ۱۳۲ھ کے بعد قائم ہوئی:

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ بقول سیوطی حافظ ذہبی نے کہا کہ امام صاحب نے اپنی فقہ کی تدوین ۱۴۳ھ میں شروع کی مگر مصنف انوار نے اس کا ذکر اشارۃً بھی نہیں کیا لیکن مصنف انوار کے ایک ہم مذہب مفتی عمیم الاحسان نے کہا:

''امام صاحب نے مجلس تدوین ۱۳۲ھ کے بعد قائم کی اور ۱۴۲ھ سے پہلے پہلے موصوف نے اس مجلس کے تعاون سے تدوین فقہ کا کام مکمل کر لیا۔''[2]

مصنف انوار نے مفتی صاحب موصوف کی بات پر بھی کوئی دھیان نہیں دیا اور نہ ان کی تردید میں دلائل پیش کیے، مفتی صاحب موصوف کی باتیں بھی عام لوگوں کے لیے ناقابل فہم ہیں کیونکہ ۱۳۲ھ کے بعد امام صاحب کی قائم کردہ جس مجلس کی مدت کارکردگی ۱۴۲ھ سے پہلے پہلے ختم ہوگی وہ زیادہ سے زیادہ دس سال کے لگ بھگ قرار پائے گی مگر ریاضی دانی میں حد سے بڑھی ہوئی مہارت کے سبب مفتی صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ مدت مذکورہ تقریباً بائیس سال ہے۔[3]

عادتِ تضاد بیانی مفتی صاحب میں بھی ہے، ایک جگہ فرماتے ہیں کہ ۱۳۲ھ میں قائم شدہ مجلس مذکور کی مدت کارکردگی ۱۴۲ھ سے پہلے ختم ہوگئی، دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ یہ مدت وفات امام صاحب کے ساتھ ختم ہوئی کیونکہ مجلس مذکور کا کام امام صاحب کے جیل خانۂ بغداد جانے کے بعد بھی تا وفات قائم رہا۔[4]

---

[1] مقدمه انوار (۱/ ۱۳، ۱۴ و ٦٦ تا ٦٩)

[2] تاريخ فقه مطبوعه برهان ١٩٦٢ء (ص: ٤٨ و ٥٨ و٦٦)

[3] تاريخ علم فقه (ص: ٦٦)

[4] تاريخ علم فقه (ص: ٤٨ و ٥٨ و ٦٦)

اس اعتبار سے یہ مدت اٹھارہ سال ہونی چاہیے مگر مصنف تاریخ علم فقہ مفتی عمیم صاحب فرماتے ہیں کہ مدت مذکور تقریباً بائیس سال ہے، تضاد بیانی میں یہ قوم ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے میں دوڑ لگائے ہوئے ہے۔

اپنے کتنے تلامذہ میں سے امام صاحب نے مجلسِ تدوین کے چہل ارکان منتخب کیے؟

یہ بیان ہو چکا ہے کہ مصنف انوار کے متعدد بیانات کا حاصل یہ ہے کہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد امام صاحب مسند درس پر بیٹھے تو انھوں نے اپنے پاس جمع ہونے والے تلامذہ میں سے درجۂ اجتہاد پر پہنچے ہوئے چالیس حضرات کو مجلس تدوین کے ارکان منتخب کیے، نیز یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ امام صاحب کا سالِ فراغت بتلانے میں مصنف انوار کے بیانات مضطرب ومتضاد ہیں، اس لیے یہ بتلانا بھی مشکل ہے کہ امام صاحب نے اپنے فقہی مذہب کی تدوین کے لیے چہل رکنی مجلس کس زمانہ میں قائم کی اور کس زمانہ میں اپنے پاس جمع شدہ تلامذہ میں سے چالیس کو امام صاحب نے مجلس تدوین کے ارکان بنانے کے لیے منتخب کیا اور ساتھ ہی ساتھ مصنف انوار نے ایک طرف یہ کہا:

> ''امام صاحب نے مسند نشین درس ہونے کے بعد اپنے پاس جمع ہونے والے ایک ہزار شاگردوں میں سے چالیس حضرات کو ارکان مجلس بنانے کے لیے منتخب کیا جو مجتہد بن چکے تھے۔'' ❶

مگر دوسری جگہ یہ فرمایا:

> ''امام صاحب نے اپنے پاس جمع ہونے والے ہزاروں شاگردوں میں سے چالیس کو ارکان مجلس بنانے کے لیے منتخب کیا۔'' ❷

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مصنف انوار نے اپنے ایک بیان میں یہ کہا ہے کہ امام صاحب نے اپنے پاس جمع ہونے والے ''ایک ہزار تلامذہ میں سے چہل ارکان مجلس کو منتخب کیا'' اور دوسرے میں کہا ''ہزاروں'' تلامذہ میں سے چالیس کو منتخب کیا۔ معلوم نہیں کہ دونوں متعارض باتوں میں سے مصنف انوار اپنی کس بات کو خالص علمی ودینی اور تحقیقی نقطۂ نظر سے صحیح مانتے ہیں اور دونوں میں سے ہر ایک کے معتبر ہونے پر موصوف کے پاس معلوم نہیں وہ کون سی دلیل ہے جس کے سبب اسے ان لوگوں کا جھوٹا پروپیگنڈہ نہیں کہا جا سکتا جو بقول

مصنف انوار سفید کو سیاہ ثابت کر دکھانے کے لیے کارِ ثواب سمجھ کر الحاق وحذف اور ترویجِ اکاذیب کا کاروبار کیا کرتے ہیں۔ ❸

درسگاہِ امام صاحب میں ہزاروں تلامذہ کے جمع ہونے میں کتنا وقت لگا؟

امام صاحب کے مسند درس پر بیٹھنے کا زمانہ بتلانے میں اور ان کی درسگاہ میں جمع شدہ ان طلبہ کی تعداد بتلانے میں جن سے چالیس کو امام صاحب نے مجلس تدوین کے ارکان منتخب کیے، اگرچہ مصنف انوار کے بیانات مضطرب ومختلف ہیں مگر یہ مسئلہ بہر حال قابل غور ہے کہ امام صاحب جب مسند درس پر بیٹھے تو ان کی درسگاہ قائم ہوتے ہی فوراً یک بیک ان کے پاس پڑھنے کے لیے ایک ہزار یا ہزاروں تلامذہ جمع ہو گئے یا کہ درسگاہ امام صاحب کھلنے کے بعد اس درسگاہ میں ایک ہزار یا ہزاروں طلبہ کے جمع

---

❶ مقدمہ انوار (١/ ١٥٥) ❷ مقدمہ انوار (١/ ٨٩) ❸ مقدمہ انوار (١/ ١٢٣، ١٢٤)

ہونے میں کچھ وقت لگا؟ یہ سوال اس لیے پیدا ہوتا ہے کہ امام صاحب کی مسند نشینی سے متعلق متعدد روایات کا ذکر اوپر آ چکا ہے، ان میں بعض کا حاصل یہ ہے کہ وفات حماد کے بعد اصحابِ حماد نے جب امام صاحب کو جانشینِ حماد بننے کے لیے کہا تو امام صاحب نے یہ شرط لگائی کہ اس بات کی گارنٹی اور ضمانت دی جائے کہ دس آدمی ضرور ہی سال بھر تک میری درسگاہ میں حاضر رہا کریں گے، چنانچہ امام صاحب کے مطالبہ کے مطابق اس کی ضمانت دی گئی اور ان کی اس شرط کو پورا بھی کیا گیا، اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ مسند نشینی کے وقت امام صاحب کو اس کی بھی پوری توقع نہیں تھی کہ میری درسگاہ میں روزانہ دس افراد بھی حاضر رہا کریں گے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسی قسم کی روایات کو مصنف انوار نصوص کتاب وسنت کی طرح حجت بناتے ہیں اور اس کا مفاد بہر حال یہ ہے کہ درسگاہ امام صاحب میں سال بھر تک روزانہ دس طلبہ حاضر رہا کرتے تھے۔

نیز ایک دوسری روایت میں ہے کہ درسگاہِ امام صاحب بارہ تلامذہ کے ساتھ قائم ہوئی جن میں ایک امام صاحب کے استاذ حماد بھی تھے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ ابتداء میں امام صاحب کی درسگاہ میں سال بھر تک دس بارہ افراد حاضر ہوا کرتے تھے، انھیں دس بارہ افراد کو بعض روایات میں طبقۂ علیا کے افراد کہا گیا ہے جن کے بعد طبقۂ سفلی کے لوگ داخل درسگاہِ امام صاحب ہوئے اور طبقہ سفلی میں امام ابو یوسف وزفر واسد بن عمرو وابوبکر ہذلی وولید بن ابان وقاسم کے نام آتے ہیں، اور یہ معلوم ہے کہ امام ابو یوسف ۱۱۳ھ میں اور امام زفر ۱۱۶ھ میں پیدا ہوئے۔ دریں صورت سوچنے کی بات ہے کہ کس سن وسال میں یہ طبقۂ سفلی کے لوگ امام صاحب کی درسگاہ میں پڑھنے آئے ہوں گے، اسی طبقہ میں عبداللہ بن مبارک (مولود ۱۱۸/ ۱۱۹ھ) اور محمد بن حسن (مولود ۱۳۲/ ۱۳۵ھ) اور یحییٰ بن زکریا (مولود ۱۲۰/ ۱۲۱ھ) کے نام بھی آتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ سارے لوگ بیک وقت درسگاہِ امام صاحب میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے بلکہ بتدریج یکے بعد دیگرے داخل ہو کر امام صاحب کے پاس جمع ہوئے ہوں گے، دریں صورت فطری طور پر یہ جاننے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ امام صاحب کے مسند نشین ہونے کے بعد کتنے زمانہ میں موصوف کے پاس ہزاروں تلامذہ جمع ہوئے تھے جن میں سے چالیس کو ارکانِ مجلس منتخب کیا گیا۔

اگر یہی مان لیا کہ امام صاحب وفاتِ حماد کے بعد ۱۲۰ھ میں مسند درس پر بیٹھ گئے تو یہ مانے بغیر چارہ نہیں کہ مسند نشینی کے بعد کچھ دنوں میں امام صاحب کے پاس ہزاروں طلبہ جمع ہو سکے تھے، پھر ۱۲۰ھ میں مسند نشینی کے دو چار گھنٹوں کی تعلیم سے چالیس افراد مجتہد نہیں بن سکتے تھے، انھیں پڑھا کر درجہ اجتہاد تک پہنچانے میں یقیناً ایک عرصہ لگا ہوگا لیکن مصنف انوار کے بیانات میں ان اہم باتوں کے حل کی طرف کوئی توجہ نہیں دی گئی ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ مصنف انوار کا ارشاد ہے کہ ۱۲۰ھ ہی سے امام صاحب نے چالیسوں حضرات کے ساتھ تدوین کا کام شروع کر دیا تھا جس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ ۱۲۰ھ میں اس کام کے شروع کرنے سے پہلے ہی امام صاحب ان چالیس حضرات کو اپنی تعلیم وتربیت کے ذریعہ مجتہد بنا کر ارکان مجلس منتخب کیے جانے کے لائق بنا چکے تھے، لیکن یہ کیسے ممکن ہے جبکہ بقول مصنف انوار امام صاحب وفات حماد کے بعد یعنی ۱۲۰ھ کے بعد مسند نشین درس ہوئے؟ پھر یہ بتلایا جائے کہ اپنی مسند نشینی کے بعد کتنے زمانہ کی تعلیم وتربیت کے ذریعہ کب اور کس سال امام صاحب ان چالیس حضرات کو مجتہد بنا چکے تھے کہ انھیں موصوف ارکان مجلس منتخب کر کے مجلس تدوین قائم کر سکے جبکہ ان ارکان میں سے امام محمد بقول مصنف انوار ۱۳۲ھ اور امام وکیع ۱۲۹ھ میں اور امام مکی وشعیب میں سے ہر ایک ۱۲۶ھ میں پیدا ہوئے، پھر ان چہل

ارکان کے انتخاب میں امام صاحب کو کتنا وقت لگا ہوگا جبکہ ایک لونڈی کی خریداری کا معاملہ وہ بیس سال کے استخارہ واستشارہ کے باوجود طے کرنے میں متردد رہے۔

خلاصۂ کلام:

ہماری پیش کردہ مندرجہ بالاتفصیل سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ چہل رکنی مجلس تدوین ایک فرضی وخیالی چیز ہے جس کا کوئی حقیقی وجود نہیں، اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ امام صاحب نے اپنی کسی بھی فقہی یا غیر فقہی بات کی نقل وتحریر اور ترویج واشاعت سے منع کر دیا ہے، دریں صورت کوئی بھی صاحب عقل یہ تصور نہیں کرسکتا کہ امام صاحب نے کسی چہل رکنی یا چند رکنی مجلس کے ذریعہ یا ذاتی طور پر تنہا اپنی فقہ کی تدوین کی ہوگی اور جب یہ معاملہ ہے تو مجلس مذکور کے چہل ارکان کا وجود بھی فرضی وخیالی ثابت ہوا، خود مصنف انوار معترف ہیں کہ ان کے پہلے کسی نے بھی مجلس مذکور کے چہل ارکان کا تعارف نہیں کرایا تھا اگرچہ اجمالی طور پر اس کا ذکر ملتا تھا کہ فقہ حنفی کی تدوین چالیس حضرات نے کی۔[1]

اس سے صاف ظاہر ہے کہ چہل ارکان کا تعارف کرانے والا کام مصنف انوار کا ایجاد واختراع کردہ ہے، ظاہر ہے کہ چودھویں صدی میں اختراع شدہ اس چیز کی علمی وتحقیقی حیثیت کیا ہوگی؟ مگر اس پر مستزاد یہ ہے کہ مصنف انوار نے محدثین کو مطعون کیا ہے کہ انھوں نے مجلس تدوین اوراس کے چہل ارکان کا تعارف وتذکرہ نہیں کیا ہے۔[2] اس سے بھی مصنف انوار کی دیانت داری واضح ہے۔

اپنی ایجاد واختراع سے مصنف انوار نے چہل ارکان کی جو کہانی مرتب کی ہے اس کا مکذوب ہونا خود بخود ظاہر ہے مگر اس کہانی میں مصنف انوار کی حقیقت بیانی کی وضاحت کے لیے ہم بھی چاہتے ہیں کہ موصوف نے ان اراکین کا جو تعارف کرایا ہے اس کا جائزہ لیں۔ ناظرین کرام بنظرِ انصاف ملاحظہ فرمائیں۔

ملاحظہ:

مصنف انوار نے مقدمہ انوار الباری جلد اول میں (ص: ۱۲۸) تک امام صاحب کے احوال وکوائف اور فضائل ومناقب بیان کیے، اس کے بعد (ص: ۱۲۹) سے لے کر (ص: ۱۴۹) تک یعنی بیس صفحات میں ائمہ ثلاثہ امام مالک وامام شافعی وامام احمد کے حالات وکوائف اورفضائل ومناقب لکھے، ان تینوں حضرات کے تعارف میں بھی موصوف نے بار بار امام صاحب اوران کے اصحاب کا تذکرہ کیا ہے، پھر موصوف نے (ص: ۱۵۰ تا ۱۶۱) میں یعنی تقریباً بارہ صفحات میں ''تدوین فقہ حنفی'' کی شاہ سرخی کے تحت مختلف ذیلی عنوانات قائم کر کے مجلس تدوین کا تعارف کرایا یا اس کی مدح سرائی فرمائی، پھر موصوف نے (ص: ۱۶۱) سے لے کر (ص: ۲۱۲) تک یعنی پچاس ، اکاون صفحات میں اراکین مجلس تدوین کا تعارف فرداً فرداً کرایا، اراکین مجلس تدوین میں بعض افراد ائمہ ثلاثہ میں سے امام مالک سے بھی باعتبار زمانہ مقدم ہیں اور امام شافعی تو امام صاحب کے سال وفات ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے اورامام احمد ان کے بھی بعد پیدا ہوئے، اس اعتبار سے فرضی مجلس تدوین کے فرضی اراکین امام شافعی وامام احمد سے

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۵۹، ۱۶۰)

[2] مقدمہ انوار (۱/ ۱۶۰، ۱۶۱)

بلحاظ زمانہ بہت مقدم ہیں، اس کے باوجود مصنف انوار نے اس تقدم زمانی کا لحاظ کیے بغیر ارکان مجلس تدوین کا ذکر ائمہ ثلاثہ کے تذکرہ کے بعد کیا اور مصنف انوار کے بہت سارے بیانات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ علم وفضل میں بھی فرضی مجلس تدوین کے متعدد فرضی ارکان کو ائمہ ثلاثہ پر مقدم مانتے ہیں۔ (كما سيأتي) اس کے باوجود بھی مصنف انوار نے ارکان مجلس تدوین کا تذکرہ وتعارف ائمہ ثلاثہ کے بعد کیا کرایا اور اس کے لیے اپنی طرف سے معذرت پیش کرتے ہوئے موصوف نے بعنوان ''ضروری واہم گزارش'' فرمایا:

''امام اعظم کے حالات کے ساتھ ہی موزوں ہوتا کہ ان کے چالیس شرکاءِ تدوین فقہ کے حالات بھی متصلاً آجاتے لیکن ائمہ متبوعین کو ایک جگہ کرنے اور ائمہ ثلاثہ کی جلالت قدر واہمیتِ شان کے پیش نظر امام صاحب کے بعد ان تینوں اکابر ائمہ مجتہدین امام مالک، امام شافعی، امام احمد کے حالات پیش کر دیے گئے، دوسرے اس لیے بھی یہ ترتیب غیر موزوں نہیں رہی کہ یہ تینوں حضرات بھی امام صاحب کے سلسلۂ تلامیذ میں داخل ہیں۔''[1]

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ مصنف انوار نے تذکرۂ امام صاحب کے بعد ہی متصلاً تعارف ارکان مجلس کرانے کی موزونیت کا احساس رکھنے کے باوجود ارکان مجلس کے تذکرہ پر تذکرۂ ائمہ متبوعین کو مقدم اس لیے رکھا کہ ان کی نظر میں ائمہ متبوعین کی جلالت قدر واہمیت شان اسی کی مقتضی تھی مگر صاحب مشکوٰۃ نے تذکرۂ امام صاحب پر تذکرۂ امام مالک کو مقدم کر دیا اور اس کے لیے اپنی طرف سے معذرت بھی پیش کر دی، لیکن مصنف انوار کی نظر میں موصوف مصنف مشکوٰۃ کا یہ جرم قابل عفو نہ ہو سکا حالانکہ مصنف انوار نے بذات خود بزعم خویش اپنے اختیار کردہ اس موقف کے لیے اپنے پیش کردہ عذر کو قابل قبول سمجھا، اس سے قطع نظر ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ موصوف کا پیش کردہ یہ عذر کس حد تک قابل قبول ہے کہ ائمہ ثلاثہ کا ذکر اس لیے پہلے کیا گیا کہ وہ ائمہ متبوعین ہیں اور ان کی جلالتِ قدر اور اہمیتِ شان اس امر کی مقتضی ہے کہ ان کا ذکر ارکانِ مجلس پر مقدم کیا جائے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ائمہ متبوعین کی فہرست میں امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے علاوہ امام سفیان ثوری، اوزاعی، اسحاق بن راہویہ، ابن جریر طبری، سفیان بن عیینہ، لیث بن سعد مصری اور داود ظاہری بھی ہیں۔[2] مگر مصنف انوار نے ائمہ متبوعین میں سے آخر الذکر سات حضرات کا ذکر ارکان مجلس تدوین کے بہت بعد کیا ہے، پھر مصنف انوار کا یہ عذر کیا معنی رکھتا ہے؟

اب ہم فرضی مجلس تدوین کے فرضی ارکان سے متعلق مصنف انوار کی باتوں کا جائزہ لیں گے، البتہ ہم کو مصنف انوار کے اس طرز عمل پر بے حد افسوس وغم ہے اور شکوہ وتعجب بھی کہ موصوف نے اپنی اختراعی صلاحیت اور تخلیقی استعداد مجلس تدوین کے صرف چالیس متعین ارکان کے نام ایجاد کرنے اور ان کے خود ساختہ تعارف ہی کرانے پر خرچ کی اور مجلس مذکور کے ان متعین چہل ارکان کے علاوہ بدعوئ مصنف انوار اس کے کارنامۂ تدوین کی انجام دہی میں جو دوسرے سینکڑوں فقہاء ومحدثین ومجتہدین بھی شریک ومعاون رہے۔[3] ان میں سے کسی کا بھی نام مصنف انوار نے اپنے زورِ اختراع سے کام لے کر نہیں بتلایا کہ یہ بھی تدوین فقہ حنفی میں امام صاحب اور ان کی قائم کردہ چہل رکنی مجلس کے اس عظیم الشان کارنامہ کو انجام دینے میں شریک ومعاون

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۵۹)

[2] تقريب النووي مع شرح تدريب الراوي وحواشي (۲/ ۳۶۰، ۳۶۱)

[3] مقدمہ انوار (۱/ ۱۷۹ و ۱/ ۱۵۲)

رہے۔ ظاہر ہے کہ مصنف انوار نے یہ کام امام صاحب کے اس کارنامہ کی عظمت واہمیت گھٹانے خصوصًا امام صاحب کے اس کام کے صدہا اور سینکڑوں معاونین کے فضل وکمال اور کارکردگی کو چھپانے کے لیے محض حسد وتعصب ،عناد وناانصافی کی وجہ سے کیا ہے، اگر وہ امام صاحب کے اس عظیم الشان کارنامے میں معاونت کرنے والے سینکڑوں فقہاء ومحدثین اور مجتہدین کے نام بتلا کر ان کا تعارف مختصر ہی الفاظ میں سہی اسی انداز میں کراتے جس انداز میں مجلس مذکور کے متعین شدہ چہل ارکان کا کرایا ہے تو مجلس مذکورہ سے متعلق موصوف کا بیان کردہ افسانوی قصہ اور بھی زیادہ طویل وعریض، دلچسپ وشاندار اور پر از معلومات، مشتمل برحقائق بن جاتا مگر بُرا ہو تعصب وحسد اور تنگ نظری وعناد ،ظلم وزیادتی ،افراط وتفریط، بے اعتدالی وبے راہ روی کا کہ ان چیزوں کا شکار ہو کر مصنف انوار نے مجلس تدوین کے ان سینکڑوں معاونین میں سے سو پچاس اور دس پانچ کے نام تک گنانے کو گوارا نہیں کیا، ان کا تعارف کیا کراتے؟ ان کے کارناموں کا ذکر کیا کرتے؟ اس طرح انھوں نے مجلس مذکور کی ایک عظیم الشان فضیلت کو چھپایا۔

❶

امام زُفر
(مولود ۱۱٦ھ ومتوفی ۱۵۸ھ) عمر بیالیس سال

مصنف انوار نے مجلس تدوین کے چہل ارکان میں سب سے پہلے امام زُفر کا تعارف کرایا ہے جو پانچ سے زیادہ صفحات پر مشتمل ہے۔[1] یہ پتہ نہیں چلتا کہ موصوف مصنف انوار نے ارکان مجلسِ تدوین کے تعارف میں جو ترتیب اختیار کی ہے اس میں انھوں نے کن باتوں کا لحاظ کیا ہے، یہ ترتیب نہ تو حروف تہجی کے اعتبار سے ہے نہ زمانہ کی تقدیم وتاخیر کے اعتبار سے نہ علمی عظمت ومرتبت کے اعتبار سے، پھر نہ جانے اس ترتیب میں کن باتوں کا اعتبار کیا گیا ہے؟ تعارفِ امام زُفر میں مصنف انوار نے مندرجہ ذیل الفاظ میں سرخی لگائی ہے:

''امام زُفر رضی اعنہ (ولادت ۱۱۰ھ ووفات ۱۵۸ھ) عمر ۴۸ سال۔''[2]

عنقریب یہ تفصیل آرہی ہے کہ مصنف انوار کی قائم کردہ سرخی کا مضمون بعید از صواب ہے۔

اسم ونسب:

مذکورہ بالا سرخی کے بعد مصنف انوار نے ''اسم ونسب'' کی ذیلی سرخی قائم کی، پھر اس کے تحت لکھا:

''إمام العصر مجتهد مطلق أبو الهذيل زُفر عنبري بصري بن الهذيل بن زُفر بن هذيل بن قيس بن سليم بن مكمل بن قيس بن عدنان رحمهم اللّٰه تعالىٰ.''[3]

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں مصنف انوار نے امام زُفر کا مذکورہ بالا نسب نامہ وفیات الاعیان لابن خلکان وغیرہ کے حوالہ سے لکھا ہے حالانکہ وفیات الاعیان میں امام زُفر کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

''أبو الهذيل زُفر بن الهذيل بن قيس بن سليم بن قيس بن مكمل بن ذهل بن ذؤيب بن جذيمة بن حنجور بن جندب بن العنبر بن عمرو بن تميم.''[4]

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مصنف انوار نے جس وفیات الاعیان کے حوالہ سے نسب نامۂ زُفر بیان کیا ہے اس میں امام زُفر کا نسب نامہ اس طرح نہیں ہے جس طرح کہ مصنف انوار نے لکھا ہے، دونوں عبارتوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱٦۱ تا ۱٦٦) [2] مقدمہ انوار (۱/ ۱٦٦)

[3] مقدمہ انوار (۱/ ۱٦۱ بحوالہ وفيات الأعيان لابن خلكان وغيره)

[4] وفيات الأعيان (۲/ ۲۱۷) نیز ملاحظہ ہو: تراجم الأحبار من رجال شرح معاني الآثار (۱/ ٤۷۹)

مصنف انوار نے امام زُفر کا نسب نامہ اپنی طرف سے ایجاد کر کے کہہ دیا کہ یہ نسب نامہ وفیات الاعیان میں موجود ہے، عبارتِ ابن خلکان میں اس طرح کی تحریف وتصرف کی معلوم نہیں کیا ضرورت مصنف انوار نے محسوس کی؟ عبارتوں میں تحریف وتصرف کے عادی مصنف انوار سے کیا توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ کسی معاملہ میں صحیح موقف اختیار کر سکتے ہیں؟

مصنف انوار کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام زُفر کے دادا کا نام بھی زُفر ہی تھا اور موصوف کے پردادا کا نام ہذیل بن قیس تھا حالانکہ وفیات الاعیان میں زُفر کے دادا کا نام قیس اور پردادا کا نام سلیم بتلایا گیا ہے۔

وفیات الاعیان میں مذکور شدہ نسب نامۂ زُفر تاریخ اصبہان لابی نعیم میں مذکور شدہ نسب نامہ سے بظاہر مختلف ہے۔ تاریخ اصبہان میں نسب نامۂ زُفر اس طرح مذکور ہے:

"زفر بن هذيل بن قيس بن مسلم بن مكمل بن ذهل بن ذؤيب بن عمرو بن جندب بن العنبر بن عمرو بن تميم."[1]

تاریخ اصبہان میں امام زفر کے پردادا کا نام "مسلم" مذکور ہے جس کا پہلا حرف میم ہے مگر وفیات الاعیان میں "سلیم" مذکور ہے جس کا پہلا حرف سین ہے اور انساب سمعانی میں یہ لفظ سلم (تین حرفی) مذکور ہے جس کا پہلا حرف اگرچہ سین ہے مگر یہ تین حرفی ہے جبکہ وفیات اور تاریخ اصبہان میں یہ لفظ چار حرفی ہے۔[2] ہمارے خیال سے یہ لفظ تصحیف کی بنا پر مختلف شکلوں میں نظر آتا ہے ورنہ یہ کوئی معنوی اختلاف نہیں، اس لفظ میں یعنی مسلم یا سلیم یا سلم کے بعد کے نسب نامہ میں تاریخ اصبہان کے بالمقابل وفیات الاعیان میں بعض نام زیادہ ہیں جس کا سبب یہ ہے کہ تاریخ اصبہان میں عام عادت کے مطابق حذف واسقاط سے کام لیا گیا ہے، اس اعتبار سے دونوں میں کوئی خاص معنوی اختلاف نہیں صرف اختصار وتفصیل کا اختلاف ہے۔

امام زفر کی جائے ولادت وجائے سکونت:

مصنف انوار نے کہا:

"آپ کا یعنی امام زفر کا ترجمہ ابوالشیخ کی طبقات المحدثین باصبہان میں ہے جس کا قلمی نسخہ ظاہر یہ دمشق میں ہے اور ابونعیم کی تاریخ اصبہان میں بھی ہے جو لندن سے طبع ہوئی ہے، موصوف امام زفر ۱۱۰ھ میں بمقام اصبہان پیدا ہوئے جہاں ان کے والد حاکم تھے اور وفات ۱۵۸ھ میں ہوئی۔"[3]

ابوالشیخ کی کتاب تک ہماری رسائی نہیں ہوسکی جس کا ہم کو بے حد افسوس ہے مگر تاریخ اصبہان کا مطبوعہ نسخہ ہمارے موجود ہے جس میں یہ صراحت ہے:

"روى عنه النعمان والحكم بن أيوب رجع عن الرأي وأقبل على العبادة وكان أبوه الهذيل بأصبهان في خلافة يزيد بن الوليد بن عبد الملك وكان ينزل قرية بزاوان."[4]

---

[1] تاريخ أصبهان لأبي نعيم (١/ ٣١٧) ولسان الميزان (٢/ ٤٧٦)

[2] انساب سمعاني، لفظ بزانى (٢/ ٢٠٠)

[3] مقدمه انوار (١/ ١٦١) ولمحات النظر للكوثري (ص: ٤)

[4] تاريخ اصبهان (١/ ٣١٧)

''امام زفر سے نعمان بن عبدالسلام اورحکم بن ایوب روایتِ حدیث کرتے ہیں، موصوف امام زفر مذہب رائے (مذہب ابی حنیفہ) سے پھر گئے تھے اورعبادت میں مشغول تھے، زفر کے باپ ہذیل خلیفہ یزید بن ولید بن عبدالملک (متوفی ۱۲۶ھ) کے زمانۂ خلافت میں اصبہان میں رہتے تھے،موصوف اصبہان سے قریب بزاءان نامی بستی میں رہا کرتے تھے، والدِ زفر کے تین لڑکے تھے، زفر،کوثر، ہرثمہ اور زفر ۱۵۸ھ میں فوت ہوئے۔''

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ تاریخ اصبہان لابی نعیم میں صراحت ہے کہ امام زفر کے والد ہذیل اصبہان کے قریب بزان نامی بستی میں رہا کرتے تھے، بلفظ دیگر''بزاءان''امام زفر کا آبائی وطن تھا، اورظن غالب ہے کہ اسی گاؤں یعنی''بزاوان'' میں امام زفر کی ولادت اورابتدائی نشوونما ہوئی، چنانچہ اپنے اس آبائی وطن کی طرف منسوب ہونے کے سبب امام زفر''بزانی'' بھی کہلاتے ہیں جیسا کہ امام سمعانی نے کہا:

" البزاني بضم الباء المنقوطة بواحدة وفي آخرها النون هذه النسبة إلى بزان وهي قرية من أصبهان والمشهور بالانتساب إليها... ومن القدماء أبوالهذيل زفر بن الهذيل بن قيس بن سلم بن قيس بن مكمل البزاني أحد الفقهاء من أصحاب أبي حنيفة وكان من أعرفهم بالأقيسة قدم أصبهان على أخيه الكوثر بن هذيل بقرية بزان روى عن إسماعيل بن أبي خالد وهو من بني العنبر توفي سنة ١٥٨هـ بالبصرة."[1]

یعنی''البزانی'' کے لفظ میں پہلے ایک نقطہ والی ب ہے اورآخر میں نون ہے، یہ نسبت اصبہان کے ایک گاؤں بزان کی طرف ہے، اس گاؤں کی طرف منسوب لوگوں میں سے مشہور حضرات میں فلاں فلاں ہیں اورامام ابوہذیل زفر بن ہذیل بھی اسی گاؤں کی طرف منسوب ہونے کے سبب بزانی کہلاتے ہیں، موصوف زفر اصحاب ابی حنیفہ میں سے ایک فقیہ ہیں جوتمام اصحاب ابی حنیفہ میں سب سے زیادہ عارف قیاس تھے، موصوف زفر اپنے بھائی کوثر کے پاس بزان میں آئے تھے، موصوف زفر ۱۵۸ھ میں بمقام بصرہ فوت ہوئے۔

اصبہان کے قریۂ بزان کی طرف امام زفر کا منسوب ہونا اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ امام زفر اچھے خاصے زمانہ تک بزان میں رہے، نیز دوسرے قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ بزان میں ہی امام زفر کی ولادت اور ابتدائی نشوونما نیز تعلیم وتربیت ہوئی۔ امام سمعانی کے مذکورہ بالا بیان سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ امام زفر جس زمانہ میں اصبہان سے دور کوفہ وبصرہ رہنے لگے تھے اس زمانہ میں بھی اپنے اس آبائی وطن میں آیا کرتے تھے۔ امام زفر کی دوکنیتوں کا ذکر ملتا ہے ابوالہذیل اورابوخالد۔[2]

امام زفر کی زندگی کا آخری زمانہ بصرہ میں اور ابتدائی زمانہ اصبہان میں بسر ہوا لیکن کچھ دنوں موصوف کوفہ میں بھی ضرور رہے، امام زفر کے مشہور ثقہ شاگرد امام ابونعیم فضل بن دکین نے کہا:

"زفر ثقة وهذه الدار وأشار إلى أصحاب القدور في جبانة كندة، قلت فكيف صار بالبصرة، قال خرج إلى أخت له أو ابنة أخت له فصار بالبصرة."[3]

---

[1] انساب سمعانی (۲/ ۱۹۹ تا ۲۰۱)
[2] أخبار أبي حنيفه للصيمري (ص: ۱۰۶)
[3] تاريخ ابن معين (۲/ ۱۷۲)

''امام زفر ثقہ ہیں نیز امام ابونعیم نے کوفہ کے محلّہ ''جبّانۃ کندہ'' کے درمیان رہنے والے اصحاب القدور کے ایک گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اسی گھر میں زفر رہا کرتے تھے، میں نے یعنی یحییٰ بن معین نے امام ابونعیم سے پوچھا کہ جب وہ کوفہ کے محلّہ جبانۃ کندہ میں رہا کرتے تھے تو پھر بصرہ میں کیسے جا بسے، ابونعیم نے کہا کہ وہ اپنی بہن یا بھانجی کے یہاں بصرہ گئے ہوئے تھے کہ وہیں رہ پڑے۔''

امام زفر کے شاگرد امام فضل کے مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ امام زفر ایک زمانہ تک کوفہ کے محلّہ جبّانۃ کندہ میں رہا کرتے تھے، پھر وہاں سے موصوف بصرہ منتقل ہو گئے جہاں موصوف کے رشتہ دار بہن بہنوئی اور بھائی وغیرہ رہا کرتے تھے۔

اس تفصیل سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ امام زفر کی ابتدائی زندگی اپنے آبائی وطن اصبہان میں گزری اس کے بعد موصوف کوفہ میں سکونت پذیر ہو گئے اور کوفہ سے بصرہ منتقل ہو گئے اور بصرہ ہی میں فوت بھی ہوئے۔ متعین طور پر یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ امام زفر کس زمانہ میں اپنے آبائی وطن اصبہان سے کوفہ منتقل ہوئے اور کتنے دن کوفہ رہ کر کس زمانہ میں بصرہ جا کر سکونت پذیر ہوئے، البتہ امام فضل کے مذکورہ بالا بیان سے صاف ظاہر ہے کہ کوفہ سے منتقل ہو کر امام زفر کے بصرہ میں سکونت پذیر ہونے کا قصہ اس طرح پیش آیا کہ ایک بار موصوف امام زفر اپنی بہن یا بھانجی کے یہاں بصرہ گئے تو موصوف بصرہ ہی میں رہ پڑے۔

امام ابونعیم فضل بن دکین سے یہ بھی منقول ہے:

"كان (زفر) ثقة مأمونا وقع إلى البصرة في ميراث أخيه فتثبت به أهل البصرة فلم يدعوه يخرج من عندهم."[1]

''امام زفر ثقہ تھے، اپنے بھائی کی میراث کے سلسلے میں بصرہ گئے ہوئے تھے کہ اہل بصرہ موصوف سے چمٹ اور لپٹ گئے، چنانچہ انھوں نے زفر کو اپنے یہاں بصرہ سے نکلنے نہیں دیا۔''

امام فضل بن دکین کی مذکورہ بالا بات بسند صحیح امام ابن ابی حاتم نے کتاب الجرح والتعدیل میں نقل کی ہے، دائرۃ المعارف حیدر آباد سے شائع ہونے والی کتاب الجرح والتعدیل میں روایت مذکورہ کے اندر ''اخیہ'' کی بابت ایک حاشیہ کے ذریعہ ظاہر کیا گیا ہے کہ کتاب الجرح والتعدیل کے بعض نسخوں میں اس لفظ کے حرف ''ح'' کے بعد اگر چہ حرف ''ت'' ہے لیکن بعض دوسرے نسخوں میں یہ حرف ''ی'' ہے، پہلی صورت میں (یعنی ''خ'' کے بعد ''ی'' ہونے کی صورت میں) قول فضل کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ امام زفر اپنے فوت شدہ کسی بھائی کی میراث کے سلسلے میں بصرہ گئے تھے مگر دوسری صورت میں (یعنی ''خ'' کے بعد ''ت'' ہونے کی صورت میں) مطلب یہ ہوتا ہے کہ امام زفر اپنی فوت شدہ ہمشیرہ (بہن) کی میراث کے سلسلے میں بصرہ گئے تھے، اسی طرح حیدر آباد سے شائع ہونے والی انساب سمعانی میں بھی ظاہر کیا گیا ہے۔[2]

ظاہر ہے کہ یہ اختلاف تصحیف کے سبب سے پیدا ہوا ہے، عربی کتابوں میں اس طرح کی تصحیفات کے مختلف اسباب الاکمال لابن ماکولا کے مصحح علامہ عبدالرحمٰن معلّمی یمانی نے مقدمہ اکمال (۱/ ۱ تا ۳) میں واضح کیے ہیں۔ مختلف مراجع کو دیکھنے سے

---

[1] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم، ترجمه زفر وانساب سمعاني، لفظ الرائي.

[2] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (١/ ٦٠٩ قسم دوم) وانساب سمعاني (٦/ ٦٧)

ظاہر ہوتا ہے کہ دراصل اس لفظ میں حرف ''خ'' کے بعد والا حرف ''ی'' ہے جس کا مطلب ہوا کہ امام زفر اپنے فوت شدہ کسی بھائی کی میراث کے سلسلے میں بصرہ گئے تھے، چنانچہ مختلف کتابوں مثلاً جواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ وفوائد البہیہ وغیرہ میں یہ لفظ ''خ'' کے بعد ''ی'' کے ساتھ چھپا ہوا ہے، نیز تراجم الاحبار من رجال شرح معانی الآثار کے مطبوعہ نسخہ میں بھی اس طرح ہے، ان کتابوں کی اصل عبارت ملاحظہ ہو:

"كان زفر ثقة مأمونا دخل البصرة في ميراث أخيه فتشبث به أهل البصرة فمنعوه الخروج منها." [1]

''امام زفر ثقہ و مامون تھے، اپنے بھائی کی میراث کے سلسلے میں بصرہ گئے ہوئے تھے کہ اہل بصرہ موصوف سے لپٹ گئے اور انھوں نے موصوف کو بصرہ سے دوسری جگہ نکلنے نہیں دیا۔''

امام زفر کے شاگرد امام فضل کے مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ امام زفر بصرہ میں فوت ہوجانے والے اپنے کسی بھائی کی میراث کے سلسلے میں کوفہ سے بصرہ گئے ہوئے تھے کہ اس موقع پر اہل بصرہ نے موصوف کو بصرہ میں سکونت اختیار کرنے پر مجبور کر دیا اور انھیں بصرہ سے کوفہ واپس نہیں آنے دیا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ کوفہ سے بصرہ اپنی بہن یا بھانجی کے یہاں امام زفر کے جانے کا اصل سبب اپنے فوت شدہ بھائی کی میراث کا معاملہ تھا کہ موصوف جب اس میراث کے سلسلے میں بصرہ گئے تو اپنی بہن یا بھانجی کے یہاں قیام پذیر ہوئے، پھر موصوف کو اہل بصرہ نے بصرہ سے کوفہ واپس نہیں ہونے دیا، چونکہ بھانجی بہن کی بیٹی ہوتی ہے، اس لیے بھانجی کے یہاں جانے کو بہن کے یہاں جانے سے اور بہن کے یہاں جانے کو بھانجی کے یہاں جانے سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں، غالبًا اسی وجہ سے امام فضل نے کبھی یہ کہا کہ امام زفر اپنی بہن کے یہاں بصرہ گئے اور کبھی یہ کہا کہ بھانجی کے یہاں گئے، ان کی اس بات کو راوی نے اپنے الفاظ میں یوں کہہ دیا کہ امام زفر اپنی بہن یا بھانجی کے یہاں بصرہ گئے تھے۔ (**واللہ أعلم بالصواب**)

اس تفصیل کا حاصل یہ ہوا کہ بقول امام فضل کوفہ سے منتقل ہوکر امام زفر کے بصرہ میں سکونت پذیر ہونے کا اصل سبب یہ تھا کہ وہ اپنے فوت شدہ بھائی کی میراث سنبھالنے کے لیے کوفہ سے بصرہ گئے ہوئے تھے جہاں اہل بصرہ کے اصرار پر سکونت پذیر ہوگئے۔ اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام زفر کے خاندان کے لوگ بھائی، بہن وغیرہ بصرہ میں رہا کرتے تھے اور یہ تفصیل بھی آگے آرہی ہے کہ امام زفر کی شادی بھی بصرہ میں ہوئی تھی، ان کی بیوی مشہور محدث امام خالد بن حارث ابوعثمان ہجیمی بصری (مولود ۱۱۹/ ۱۲۰ھ ومتوفی ۱۸۶ھ) کی بہن تھیں، بلفظ دیگر امام خالد بن حارث امام زفر کے سالے تھے اور امام موصوف خالد کے بہنوئی تھے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بوقت وفات امام زفر نے اپنے انھیں سالے خالد کو نیز امام عبدالواحد بن زیاد کو وصیت کی تھی۔ (كما سيأتي)

مندرجہ ذیل روایت سے پتہ چلتا ہے کہ امام زفر وفاتِ امام صاحب کے بعد کچھ دنوں کوفہ رہ کر بصرہ میں جا کر آباد ہوئے تھے اگرچہ یہ روایت سندًا غیر معتبر ہے مگر اس کی تائید دوسری روایات سے بھی ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

"قال الصيمري أخبرنا عبد الله بن محمد الشاهد قال مكرم قال حدثنا أحمد بن محمد

---

[1] جواهر المضية (١/ ٢٤٣) وفوائد البهية (ص: ٧٥) وتراجم الأحبار من رجال معاني الآثار، كتاب وجوه الفيء ١/ ٤٧٩)

قال ثنا مليح بن وكيع عن أبيه قال لما مات أبو حنيفة أقبل الناس على زفر فما كان يأتي أبا يوسف إلا نفر يسير النفسان أو الثلاثة وكان زفر يكنى بأبي خالد و بأبي الهذيل وكان من أهل أصبهان ومات أخوه فتزوج بعده بامرأة أخيه فلما احتضر دخل عليه أبو يوسف وغيره فقالوا له ألا توصي يا أبا الهذيل؟ فقال هذا المتاع الذي ترونه لهذه المرأة وهذه الثلاثة الاف الدرهم هي لولد أخي وفي نسخة لولد أتى وليس لأحد علي شيء ولا لي على أحد شيء وكان زفر شديد العبادة والاجتهاد."[1]

''امام وکیع نے کہا کہ وفات ابی حنیفہ کے بعد لوگ امام زفر کی طرف متوجہ ہو گئے، ابو یوسف کے پاس تھوڑے سے آدمی یعنی دو تین آدمی آیا کرتے تھے، امام زفر کو ابو خالد وابو ہذیل کی کنیت سے پکارا جایا کرتا تھا، موصوف زفر اصلاً اصبہانی تھے، موصوف زفر کے بھائی فوت ہو گئے تو انھوں نے اپنے فوت شدہ بھائی کی بیوہ سے شادی کر لی، اور جب امام زفر کے مرنے کا وقت قریب آیا تو ان کے پاس امام ابو یوسف وغیرہ آئے اور انھوں نے کہا کہ آپ وصیت کیوں نہیں کر دیتے؟ اس پر امام زفر نے بطور وصیت فرمایا کہ میرے پاس جو سامان آپ لوگ دیکھ رہے ہیں وہ اس عورت کے لیے ہے۔ (مناقب کردری (۲/ ۱۸۶) میں صراحت ہے کہ "هذا المتاع لزوجتي" یہ سامان میری بیوی کا ہے) اور یہ تین ہزار درہم میرے بھتیجوں کے ہیں اور مجھ پر کسی کا کوئی قرض یا حق نہیں ہے نہ میرا کسی پر قرض ہے، امام زفر بڑی عبادت وریاضت کرنے والے تھے۔''

روایت مذکورہ میں صراحت ہے کہ امام زفر کے بھائی فوت ہو گئے تو موصوف امام زفر نے اپنے فوت شدہ بھائی کی بیوہ سے شادی کر لی، ہمارا خیال یہ ہے کہ امام زفر اپنے جس فوت شدہ بھائی کی میراث کے سلسلہ میں کوفہ سے بصرہ گئے تھے اور بصرہ جانے کے بعد اہل بصرہ نے موصوف کو کوفہ واپس آنے نہیں دیا تھا اسی بھائی کی بیوہ سے موصوف زفر کی شادی ان کے اہل خاندان نے کر دی تھی، اس شادی کے سبب اہل بصرہ کو اور بھی زیادہ اس بات کا موقع مل سکا ہوگا کہ امام زفر کو بال بچوں کا واسطہ دلا کر کہیں کہ انھیں چھوڑ کر آپ بصرہ سے کوفہ واپس مت جایئے، لوگوں کے اصرار کے سبب موصوف امام زفر بصرہ ہی میں رہ پڑے۔ اس روایت کا سیاق کلام اور طرز بیان بتلاتا ہے کہ وفات امام صاحب کے بعد امام زفر کوفہ میں درس وتدریس کا کام کر رہے تھے کہ اسی زمانہ میں انھیں اپنے بھائی کی وفات ومیراث وتعزیت کے سلسلے میں کوفہ سے بصرہ کا وہ سفر پیش آیا جس میں انھوں نے اپنے بھائی کی بیوہ سے شادی بھی کی اور اہل بصرہ کے اصرار پر موصوف بصرہ میں رہ بھی پڑے اور کوفہ واپس آئے۔ اس روایت میں جس وصیت کا ذکر ہے اس کا مطلب ہماری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ امام زفر نے بوقت وفات بذریعہ وصیت یہ بتلانا چاہا تھا کہ جو سامان تم دیکھ رہے ہو نیز تین ہزار درہم کی یہ رقم جو میرے پاس موجود ہے وہ میری ذاتی ملکیت نہیں ہے بلکہ یہ سامان میری بیوی کی ملکیت ہے اور رقم مذکور میرے بھتیجوں کی ملکیت ہے، کیونکہ بیوی اپنے شوہر کی میراث میں حصہ دار ہوتی ہے اور اولاد نہ ہونے کی صورت میں بھتیجے بھی میراث میں حصہ دار ہوتے ہیں اور میراث کے حصہ داروں کے لیے وصیت جائز نہیں

[1] أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ١٠٦)

ہے، نیز مناقب کردری (۲/۱۸۳) وذیل جواہر المضیہ (۲/ ۵۳۵) وغیرہ میں مذکور ہے کہ وفاتِ زفر کے وقت ان کا سارا ترکہ مجموعی طور پر تین درہم قیمت کا بھی نہیں تھا، اس لیے ان دونوں روایات میں تطبیق کی صرف یہی صورت ہے کہ سامان مذکور اور رقم مذکور کو امام زفر کی ذاتی ملکیت کے بجائے ان کی بیوی اور بھتیجوں کی ملکیت قرار دیا جائے، روایت مذکورہ کا مفاد ہے کہ بوقتِ وفات امام زفر کے پاس امام ابویوسف موجود تھے اور انھیں کی تحریک پر امام زفر نے وصیت مذکور کی تھی، اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ امام زفر کی علالت کی خبر پا کر امام ابویوسف کوفہ سے بصرہ برائے عیادت گئے ہوئے تھے اور موصوف کی تحریک پر امام زفر نے جو وصیت کی تھی اس کے وصی امام زفر کے سالے خالد بن حارث اور امام عبدالواحد بن زیاد تھے (کما مر) بوقت وفات امام زفر کے پاس امام ابویوسف کا کوفہ سے بصرہ جانا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ امام زفر وابویوسف کے مابین گہرے تعلقات تھے۔

امام زفر کا سالِ ولادت:

یہ مذکور ہو چکا ہے کہ تعارف امام زفر کے لیے مصنف انوار کی قائم کردہ سرخی میں ظاہر کیا گیا ہے کہ امام زفر ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے اور بعمر اڑتالیس سال ۱۵۸ھ میں فوت ہوئے، اپنی قائم کردہ سرخی کے تحت ڈھائی سطریں لکھنے کے بعد مصنف انوار نے ''ولادت وتعلیم'' کے ذیلی عنوان کے تحت کہا:

''امام زفر ۱۱۰ھ میں بمقام اصبہان پیدا ہوئے جہاں ان کے والد حاکم تھے اور شعبان ۱۵۸ھ میں وفات پائی۔''[1]

ہم کہتے ہیں کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"قال الواقدي وأصاب الناس في هذه السنة وبآء شديد فتوفي فيه خلق كثير وجم غفير منهم أفلح بن حميد وحيوة بن شريح ومعاوية بن صالح بمكة وزفر بن هذيل بن قيس بن سليم ثم ساق نسبه إلى معد بن عدنان يقال له التميمي العنبري الكوفي الفقيه الحنفي أقدم أصحاب أبي حنيفة وفاة وأكثرهم استعمالا للقياس وكان عابدا اشتغل أولا بعلم الحديث ثم غلب عليه الفقه والقياس ولد سنة ستة عشرة ومائة وتوفي سنة ثمان وخمسين ومائة عن اثنتين وأربعين سنة رحمه الله."[2]

''امام زفر کے مشہور معاصر امام المغازی محمد بن عمر واقدی (مولود ۱۳۸ھ ومتوفی ۲۰۷ھ) نے کہا کہ ۱۵۸ھ میں شدید وباء پھیلی جس میں بہت سارے لوگ وفات پا گئے ان میں ایک امام زفر بھی ہیں، اصحاب ابی حنیفہ میں سب سے پہلے وفات پانے والے یہی امام زفر ہیں، موصوف سب سے زیادہ قیاس کا استعمال کرنے والے اور عابد آدمی تھے پہلے انھوں نے حدیث سے اشتغال رکھا پھر ان پر فقہ وقیاس یعنی فقہ ابی حنیفہ کا غلبہ ہو گیا، موصوف زفر ۱۱۶ھ میں پیدا ہوئے اور بعمر بیالیس سال ۱۵۸ھ میں فوت ہوئے۔

مذکورہ بالا عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ امام زفر کے معاصر واقدی نے موصوف کا سال ولادت ۱۱۶ھ بتلایا ہے، اور واقدی کی توثیق وتجریح میں اگرچہ اختلاف ہے مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ علوم تاریخ وتراجم میں واقدی ماہر اور واسع العلم

[1] مقدمه انوار (۱/ ۱٦۱)
[2] البداية والنهاية (۱۰/ ۱۲۹، واقعات ۱۵۸ھ)

تھے، نیز مصنف انوار کے شیخ اکبر بانیٔ دارالعلوم دیوبند مولانا قاسم نانوتوی کا ارشاد ہے:

" وما قالوا في تضعيف الواقدي رده صاحب السعاية بأحسن الرد ." [1]

''واقدی کو ضعیف قرار دینے والوں کی تردید صاحب سعایہ شرح، شرح وقایہ مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے بخوبی کردی ہے۔''

دریں صورت مصنف انوار کے نزدیک خصوصاً اور عام دیوبندی حضرات کے نزدیک عموماً واقدی کا مذکورہ بالا یہ قول حجت ہونا چاہیے کہ امام زفر ۱۱۶ھ میں پیدا ہوئے اور بعمر بیالیس سال ۱۵۸ھ میں فوت ہوئے، خاص طور پر اس وجہ سے بھی کہ امام زفر کے معاصرین میں سے کسی نے واقدی کے مذکورہ بالا قول کے خلاف کوئی بات نہیں کہی ہے، البتہ امام زفر کے زمانہ اور چوتھی پانچویں صدی اور اس کے بعد کے بعض لوگوں کی تحریروں میں یہ بات نظر آتی ہے:

" ومولده سنة عشرة ومائة وتوفي في شعبان سنة ثمان وخمسين ومائة." [2]

''امام زفر کا سال ولادت ۱۱۰ھ اور سال وفات شعبان ۱۵۸ھ ہے۔''

ہمارے نزدیک متاخرین کا مذکورہ بالا قول قولِ واقدی کے خلاف نہیں ہے بایں طور کہ یہ معلوم ومعروف حقیقت ہے کہ عرب اور غیر عرب میں رواجِ عام ہے کہ دہائی کے بعد کسر والے عدد کو بسا اوقات لوگ حذف کر دیا کرتے ہیں، اسی رواجِ عام کے مطابق بعض لوگوں نے ۱۱۶ھ میں سے دس سے اوپر کسر والے عدد یعنی چھ کو حذف کر دیا ورنہ دراصل یہ ۱۱۶ھ ہے ۱۱۰ھ نہیں ہے، نیز ممکن ہے کہ جس عبارت میں امام زفر کا سالِ ولادت "سنة ستة عشرة و مائة" لکھا گیا ہو اس عبارت کو نقل کرنے والے سے سہو ''ستۃ اور عشرۃ'' کے مابین والا لفظ ''ستۃ'' (چھ) چھوٹ گیا ہو جسے بعد کے لوگوں نے سمجھ لیا کہ امام زفر کا سال ولادت بلا ذکر حذف ۱۱۰ھ ہے، اسی بنیاد پر بعض نے دیکھ کر موصوف کا سال وفات ۱۵۸ھ ہے کہہ دیا کہ موصوف کی وفات بعمر اڑتالیس سال ہوئی۔ اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ امام زفر کا سال ولادت ان کے معاصر امام المغازی کے بیان کے مطابق ۱۱۶ھ ہے جو ان حضرات کے بیان کے خلاف نہیں جنھوں نے کہا کہ موصوف ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے۔

فوائد البہیہ میں مذکور ہے:

"قال أبونعيم كان ثقة مأمونا دخل البصرة في ميراث أخيه فتبثت به أهل البصرة فمنعوه الخروج منها ومات بها سنة ثمان وخمسين ومائة ومولده سنة عشرة بعد المائة." [3]

''ابونعیم فضل بن دکین نے کہا کہ زفر ثقہ تھے، اپنے بھائی کی میراث کے سلسلے میں بصرہ گئے تو وہاں کے لوگوں نے انھیں بصرہ سے باہر جانے سے روک لیا اور موصوف زفر ۱۵۸ھ میں فوت ہوئے اور ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے۔''

فوائد البہیہ کی مذکورہ بالا عبارت سے بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ "مولده سنة عشرة بعد المائة" (یعنی زفر کا سال ولادت ۱۱۰ھ ہے) کا لفظ بھی ابونعیم نے کہا یا لکھا ہے حالانکہ یہ لفظ ابونعیم کا بیان کردہ نہیں ہے، اور اگر بالفرض ہو تو مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق امام زفر کا سال ولادت بہرحال ۱۱۶ھ قرار پاتا ہے۔

---

[1] الكوكب الدري شرح جامع ترمذي للشيخ النانوتوي (۱/ ۴۱، بحث قلتين)

[2] وفيات الأعيان (۲/ ۳۱۹ وغیرہ)

[3] فوائد البهية (ص: ۷۵) نیز ملاحظہ ہو: جواهر المضية (۱/ ۲۴۴ وغیرہ)

امام زفر کے کچھ خاندانی حالات:

امام زفر خالص عربی النسل آدمی تھے، ان کے خاندان اور رشتہ کے لوگ زیادہ تر بصرہ واصبہان میں آباد تھے اور سرکاری عہدوں پر بھی فائز تھے، خود امام زفر کے والد ہذیل بن قیس اور بھائی صباح بن ہذیل سرکاری عہدیدار تھے، چنانچہ امام صیمری مشہور محدث ومؤرخ امام یعقوب بن شیبہ سدوسی (مولود ۱۸۲ھ ومتوفی ۲۶۲ھ) سے ناقل ہیں:

''والد زفر سرکاری عہدوں پر فائز رہتے تھے، بوقتِ وفات موصوف گورنر اصبہان تھے۔ زفر کے بھائی صباح محکمۂ زکوٰۃ کے حاکم تھے، زفر امام خالد بن حارث کے بہنوئی تھے، بوقت وفات امام زفر نے اپنے اسی سالے خالد نیز عبدالواحد بن زیاد کو وصیت کی تھی، زفر کی موت ۱۵۸ھ میں بصرہ میں ہوئی۔'' [1]

امام یعقوب سدوسی نیز ابن سعد (مولود ۱۷۰ھ ومتوفی ۲۳۰ھ) کے مجموعۂ بیان سے مستفاد ہوتا ہے کہ امام زفر کے ایک بھائی کا نام صباح بھی تھا اور تاریخ اصبہان لابی نعیم کی یہ بات ہم نقل کر آئے ہیں کہ امام زفر کل تین بھائی کوثر وزفر وہرثمہ تھے۔ دریں صورت یا تو یہ کہیے کہ یہ لوگ کل چار بھائی تھے چوتھے بھائی صباح کا علم ابونعیم کو نہیں ہو سکا، یا یہ کہیے کہ کوثر وہرثمہ میں سے کسی ایک کا ایک دوسرا نام صباح بھی تھا جیسا کہ متعدد لوگوں کے دو نام ہوا کرتے ہیں، صباح کی کنیت ابوالمغلس تھی، موصوف ابوالمغلس صباح کو رواۃ حدیث میں شمار کیا گیا ہے۔ [2]

اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ امام زفر کے والد اور بھائی سرکاری عہدوں پر فائز تھے، نیز یہ تفصیل عنقریب آرہی ہے کہ امام زفر کے خاندانی بزرگ امام سوار بن عبداللہ عنبری بصری بھی ایک زمانہ تک بصرہ کے قاضی رہے اور آخری زمانے میں موصوف بصرہ کے گورنر وحاکم بھی ہو گئے تھے، نیز یہ کہ بعض روایات کے مطابق امام زفر بھی قاضی بصرہ بنائے گئے تھے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام زفر کے اہل خاندان حکومت وقت کے خلاف خروج وبغاوت کا نظریہ نہیں رکھتے تھے جبکہ بدعویٰ مصنف انوار امام صاحب حکومت کے خلاف خروج وبغاوت کی حمایت کے سبب بذریعۂ زہر ہلاک کیے گئے نیز یہ کہ امام صاحب نے حکومت کی طرف سے سرکاری عہدوں کی پیش کش کو مسترد کر دیا تھا۔ (كما سيأتي)

امام زفر کے والدین اور بھائیوں کے تفصیلی حالات ہمیں نہیں معلوم ہو سکے لیکن امام زفر کے خاندان اور رشتہ داروں میں سے معروف ومشہور اشخاص کے معلوم شدہ حالات سے پوری طرح اندازہ ہوتا ہے کہ امام زفر کے عام اہل خاندان وقرابت دار بشمول والدین واخوان مذہب اہل حدیث کے پیرو اور مذہب اہل الرای خصوصاً امام صاحب کے فقہی مذہب کے شدید مخالف تھے۔ ناظرین کرام پر یہ حقیقت واضح رہنی چاہیے کہ بہت سے فقہی مسائل اور عقائد میں امام صاحب اپنے زمانہ نیز اپنے سے پہلے کے عام اہل الرائے سے مختلف طریق ومسلک پر کاربند تھے۔ (کما مر) چونکہ خاندان امام زفر کے لوگ مذہب اہل حدیث کے پیرو اور مذہب اہل الرائے خصوصًا امام صاحب کے بہت سے افکار ونظریات کے بہت مخالف تھے حتی کہ امام صاحب کے فقہی مذہب کو اس طرح کا مبتدعانہ مذہب تصور کرتے تھے کہ اس کے پیرو سے ربط وضبط اور تعلق رکھنے کے بھی روادار نہ تھے،

[1] أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ١٠٦) وطبقات ابن سعد (٦/ ٣٨٧ و ٣٨٨)

[2] الإكمال لابن ماكولا مع حواشي علامه معلمی یمانی (٥/ ١٥٨، ١٥٩)

اس لیے امام زفر نے اپنے اہل خاندان کے موقف کے خلاف جب امام صاحب سے رابطہ قائم کرلیا اور درسگاہِ امام صاحب میں پڑھنے کے لیے موصوف داخل ہو گئے تو خاندانِ امام زفر کے ذمہ دار افراد نے امام زفر کے اس طرز عمل پر سخت برہمی اور ناپسندیدگی ظاہر کی حتی کہ ایک مرتبہ امام زفر اپنے خاندانی بزرگ اور فقیہ امام قاضی سوار بن عبداللہ بن قدامہ عنبری (متوفی ۱۵۶ھ) سے ملنے کے لیے بصرہ گئے ہوئے تھے تو قاضی سوار نے امام زفر سے ملنا گوارہ نہیں کیا اور فرمایا کہ زفر چونکہ امام صاحب کے بدعتی مذہب کے پیرو ہو گئے ہیں، اس لیے موصوف سے مجھے ملاقات کرنی گوارہ نہیں ہے۔ (كما سيأتي) قاضی سوار کے صاحبزادے قاضی عبداللہ بن سوار بن عبداللہ بن قدامہ نے کہا کہ ''الإيمان قول وعمل''[1] ایمان قول وعمل سے مرکب ہے، ظاہر ہے کہ یہ بات مذہبِ ابی حنیفہ کے خلاف ہے۔ اس سلسلے میں تفصیل آگے آرہی ہے کہ امام زفر کے خاندان اور رشتہ کے عام لوگ مذہب اہل حدیث کے پیرو اور مذہب اہل الرائے کے مخالف تھے اور خود امام زفر کی بابت مصنف انوار کی تصنیف ابی حنیفہ قرار دی ہوئی کتاب جامع مسانید ابی حنیفہ للخوارزمی میں بحوالہ طبقات الفقہاء لابی اسحاق الشیرازی کہا گیا ہے:

''وكان زفر من أصحاب الحديث وهو قياس أصحاب أبي حنيفة.''[2]

''امام زفر اہل حدیث آدمی تھے اور امام صاحب کے تلامذہ میں موصوف زفر سب سے زیادہ قیّاس (ماہر علم قیاس اور قیاس کنندہ) تھے۔''

معارف ابن قتیبہ وفیات الاعیان (۲/ ۳۱۸) وغیرہ میں بھی یہ صراحت موجود ہے کہ امام زفر اصحاب الحدیث میں سے تھے۔ نیز ذیل جواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ میں بھی صراحت کی گئی:

''عن محمد بن وهب أنه كان من أصحاب الحديث ... الخ.''[3]

''امام زفر بقول محمد بن وہب اہل حدیث مذہب کے پیرو تھے۔''

مذکورہ بالا دونوں بیانوں کا نہایت واضح مفاد یہ ہے کہ امام زفر اپنے اہل خاندان کی طرح مذہب اہل حدیث کے پیرو تھے اور حافظ ابن حبان نے یہ صراحت کر رکھی ہے:

''لم يسلك مسلك صاحبه وكان أقيس أصحابه.''[4]

''امام زفر اپنے استاذ امام ابوحنیفہ کے مذہب کے پیرو نہیں تھے، البتہ ان کے اصحاب میں مراد تلامذۂ امام صاحب میں موصوف امام زفر سب سے زیادہ ماہر قیاس تھے۔''

ابواسحاق شیرازی وخوارزمی حنفی ومحمد بن وہب اور حافظ ابن حبان کے مذکورہ بالا بیانات معنوی طور پر متفق ہیں اور ان سب کا مفاد یہ ہے کہ امام زفر مذہبِ اہل حدیث کے پیرو تھے مذہب امام صاحب کے پیرو نہیں تھے، عام حنفی اہل قلم یہ اعتراف کرنے پر تقریباً متفق نظر آتے ہیں کہ امام زفر پیرو مذہب اہل حدیث ضرور تھے مگر بعد میں موصوف امام صاحب سے رابطہ وتلمذ کے زیر

[1] تهذيب التهذيب (٥/ ٢٤٨)

[2] جامع مسانيد أبي حنيفه باب ٤٠ في ذكر المشائخ (ص: ٤٦٠) مگر طبقات الفقہاء للشیرازی میں ''كان من أصحاب الحديث'' کے بعد ''ثم غلب عليه الرأی'' کا جملہ موجود ہے۔ از مصنف

[3] ذيل جواهر المضية (٢/ ٥٣٦)

[4] ثقات ابن حبان ولسان الميزان ترجمه امام زُفر.

اثر مذہب امام صاحب کے متبع ہو گئے تھے، اس کے بالکل برعکس حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی نے کہا ہے: "رجع عن الرأي[1]" امام زفر نے مذہب رائے مراد مذہبِ امام صاحب سے رجوع کر لیا تھا، بلفظ دیگر امام زفر نے مذہب امام صاحب کو چھوڑ دیا تھا۔ حافظ ابونعیم کی اس بات کا مقتضی یہ ہے کہ امام زفر نے مذہب اہل حدیث کو چھوڑ کر ایک زمانہ میں مذہب ابی حنیفہ اختیار کر لیا تھا مگر دوبارہ موصوف نے مذہبِ ابی حنیفہ کو چھوڑ کر اپنے پہلے مذہب یعنی مذہب اہل حدیث کی طرف رجوع کر لیا تھا۔

مصنف انوار کے استاذ کوثری نے حافظ ابونعیم کی اس بات کو وہم قرار دیا ہے مگر مصنف انوار نے حافظ ابن حبان کے اس بیان کو بحوالۂ حافظ ابن حجر بنظر تحسین نقل کر رکھا ہے کہ امام زفر اپنے صاحبین (امام ابوحنیفہ ومحمد) کے طریقہ پر نہیں چلے۔[2]

اور ہم اوپر بتلا چکے ہیں کہ حافظ ابن حبان کی اس بات کا مقتضی یہ ہے کہ امام زفر مذہب امام صاحب کے پیرو ہونے کے بجائے مسلک اہل حدیث کے پیرو تھے اور یہی بات بحوالۂ ابواسحاق شیرازی خوارزمی حنفی کی نقل کردہ عبارت نیز ذیل جواہر المضیہ کی عبارت سے بھی مستفاد ہوتی ہے، اور حافظ ابن حبان وابواسحاق شیرازی وذیل جواہر المضیہ کی عبارت کا ظاہری مفاد یہ ہے کہ امام زفر کبھی بھی مذہب ابی حنیفہ کے پیرو نہیں رہے تھے بلکہ موصوف اہل حدیث تھے مگر حافظ ابونعیم کی عبارت کا مفاد یہ ہے کہ امام زفر کچھ دنوں تک حنفی مذہب کے پیرو رہ کر دوبارہ پھر اہل حدیث بن گئے تھے، ان دونوں باتوں میں اس طرح تطبیق دی جا سکتی ہے کہ چونکہ آدمی جس مذہب کو چھوڑ دیتا ہے اس کا کوئی معنوی اعتبار نہیں ہوتا بلکہ وہ کالعدم ہوتا ہے، اس لیے حافظ ابن حبان نے تھوڑے دنوں تک کے لیے امام زفر کی پیرویِ مذہبِ ابی حنیفہ کا اعتبار نہ کر کے یہ کہہ دیا کہ موصوف امام زفر مذہب ابی حنیفہ کے پیرو نہیں تھے۔ جس کا مطلب صرف یہ ہے کہ موصوف امام صاحب کے مذہب پر قائم نہیں رہ گئے تھے، اس طرح حافظ ابونعیم وحافظ ابن حبان کی باتوں میں کوئی اختلاف نہیں رہتا بلکہ معنوی طور پر دونوں باتیں متحد ومتفق قرار پاتی ہیں۔

اس صورت میں جن حضرات نے یہ کہہ رکھا ہے کہ امام زفر ابتداء میں اہل حدیث تھے مگر امام صاحب سے رابطہ کے بعد حنفی ہو گئے تھے ان کی بات بھی اپنی جگہ پر برقرار رہتی ہے، وہ اس طرح کہ یہ مان لیا جائے کہ ابتداء میں امام زفر اہل حدیث تھے، پھر اہل حدیث مذہب چھوڑ کر حنفی بن گئے اور حنفی بن جانے کے بعد دوبارہ پھر اہل حدیث ہو گئے، اس طرح تینوں فریق کی باتیں برقرار رہتی ہیں اور تینوں کے موقف پر دلالت کرنے والی روایات میں صورتِ تطبیق نکل آتی ہے، البتہ جن لوگوں کا یہ دعوی ہے کہ حنفی ہونے کے بعد سے لے کر اپنی وفات تک امام زفر مذہبِ حنفی پر قائم رہے اور اسی پر فوت ہوئے ان کا دعوی قابل بحث ونظر ہے، آگے چل کر اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ اس معاملہ میں اختلاف ہے کہ امام زفر اہلحدیث مذہب چھوڑ کر کسی زمانہ میں حنفی بن گئے تھے یا نہیں نیز یہ کہ اگر حنفی بن گئے تھے تو حنفی سے دوبارہ اہل حدیث ہوئے تھے یا نہیں مگر اس پر اتفاق ہے کہ موصوف ابتدائی زندگی میں اہل حدیث تھے، اور یہ معلوم ہے کہ عموماً اوائل زندگی میں آدمی اپنے والدین اور اہل خاندان کے مذہب پر ہوتا ہے اور اسی کے مطابق اس کی تعلیم وتربیت بھی ہوتی ہے، اس لیے اس تفصیل کا مقتضی یہ بھی ہے کہ امام زفر کے والدین اور اہل خاندان اہل حدیث تھے اور انھوں نے موصوف امام زفر کو تعلیم وتربیت پانے کے لیے اہل حدیث درسگاہ میں بھیجا ہوگا۔

---

[1] تاريخ أصبهان لأبي نعيم (١/ ٣١٧) ولسان الميزان (٢/ ٤٧٦ ترجمه زفر)

[2] مقدمه انوار (١/ ١٦٣)

امام زفر کی ابتدائی تعلیم وتربیت کہاں ہوئی؟

یہ بتلایا جا چکا ہے کہ باعتراف کوثری ومصنف انوار امام زفر اصبہان (بزاء ان) میں پیدا ہوئے جہاں والد زفر حاکم تھے، اور یہ معلوم ہے کہ والدین اپنے چھوٹے بچوں کو اپنے پاس رکھ کر اپنے سایۂ عاطفت ونگرانی میں تعلیم دلانا پسند کرتے ہیں اور بچے بھی سایۂ والدین کو چھوڑ کر والدین سے دور رہ کر پڑھنا کم پسند کرتے ہیں، خصوصاً جبکہ والدین جہاں رہتے ہوں وہاں ان کے بچوں کی تعلیم وتربیت کا معقول انتظام موجود ہو۔

اور علامہ یاقوت حموی نے صراحت کی ہے:

"خرج من أصبهان من العلماء والأئمة في كل فن ما لم يخرج من مدينة من المدن."[1]

''ہر فن میں جتنے علماء اور ائمہ اصبہان سے برپا ہوئے اتنے کسی بھی شہر سے نہیں ہوئے۔''[2]

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اصبہان میں ہر علم وفن کی تعلیم وتربیت کا معقول نظم تھا، اس لیے قرینِ قیاس بات یہ ہے کہ امام زفر کی ابتدائی تعلیم اپنے والدین کے زیر سایہ اپنے وطن اصبہان میں ہوئی۔

تحصیل علم کے لیے امام زفر کا سفر:

یہ ایک واضح بات ہے کہ امام زفر تحصیل علم کے لیے اپنے وطن اصبہان سے باہر عراق آئے تھے مگر کسی دلیلِ معتبر سے اس کی تعیین نہیں ہوسکی کہ موصوف کس زمانہ میں تحصیل علم کے لیے عراق آئے، عام طور سے نو عمر طلباء اپنے آبائی وطن اور والدین کے سایۂ عاطفت کو چھوڑ کر تحصیلِ علم کے لیے چودہ پندرہ سال کی عمر میں باہر نکلا کرتے ہیں، اس لیے یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ ۱۱۶ھ میں بمقام بزاء ان اصبہان پیدا ہونے والے امام زفر ۱۳۰/ ۱۳۱ھ میں تحصیل علم کی غرض سے اصبہان سے عراق کی طرف متوجہ ہوئے ہوں گے، اساتذۂ امام زفر کی فہرست میں مصنف انوار وکوثری نے بصرہ کے مشہور محدث وفقیہ امام ایوب بن ابی تمیمہ سختیانی (متوفی ۱۳۱ھ) کا ذکر کیا ہے۔[3] جس کا مقتضی ہے کہ امام زفر نے ۱۳۱ھ میں یا اس کے پہلے بصرہ کی درسگاہِ ایوب سختیانی میں تعلیم پائی، بہت ممکن ہے کہ امام زفر اصبہان سے نکل کر سب سے پہلے بصرہ آئے ہوں، بصرہ کی طرف موصوف کے لیے ایک وجہ کشش یہ بھی تھی کہ بصرہ میں موصوف کے رشتہ دار اور اہل خاندان آباد تھے۔

مصنف انوار وکوثری نے اساتذۂ زفر میں امام سعید بن ابی عروبہ مہران ابوالنصر عدوی بصری (متوفی ۱۵۵/ ۱۵۶ھ) کو بھی شمار کیا ہے۔[4] اور موصوف سعید بن ابی عروبہ بھی بصرہ کے باشندہ تھے اور بصرہ میں ہی درس حدیث دیا کرتے تھے اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ امام زفر نے بصرہ میں تعلیم پائی ہے اگرچہ متعین طور پر یہ کہنا مشکل ہے کہ موصوف نے بصرہ میں کب سے کب تک تعلیم پائی۔ ابان بن ابی عیاش سے بھی امام زفر نے حدیث پڑھی ہے۔[5] اور ابان بھی بصرہ کے محدث تھے لگ بھگ ۱۴۰ھ میں فوت ہوئے۔ حجاج بن ارطاۃ بصرہ اور کوفہ دونوں مقامات پر رہتے تھے اور درس دیا کرتے تھے وہ بھی امام زفر کے استاذ ہیں

---

[1] معجم البلدان (١/ ٢٧٣)
[2] نیز ملاحظہ ہو: تاريخ أصبهان لأبي نعيم (١/ ٣٠ تا ٤٣)
[3] مقدمه انوار (١/ ١٦٤) ولمحات النظر.
[4] مقدمه انوار (١/ ١٦٤)
[5] تاريخ جرجان (ص: ٦٤٥، ٦٤٦)

اورقرین قیاس بات یہ ہے کہ ۱۴۵ھ میں فوت ہونے والے اپنے اس استاذ یعنی حجاج سے پڑھ چکنے کے بعد امام زفر کا ربط امام صاحب سے قائم ہوا ہوگا۔

اس سے قطع نظر آنے والی تفصیل کا ظاہری مقتضی یہ ہے کہ عراق یعنی بصرہ وکوفہ وغیرہ میں امام زفر نے ابتداء میں علمائے اہلحدیث کی درسگاہوں میں تعلیم حاصل کی لیکن جیسا کہ بعض اہل حدیث طلبہ کا ذوق ہوتا ہے کہ وہ حدیث کے علاوہ دوسرے علوم وفنون سے بھی واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں اور دوسرے طبقہ کے اصول ونظریات سے بھی باخبر رہنا چاہتے ہیں اسی طرح امام زفر کو بھی فقہ اہل الرائے سے واقفیت کا شوق ہوا، چنانچہ امام زفر نے اگرچہ ابتداء میں عراق کے شہر بصرہ وکوفہ وغیرہ کے علمائے اہلحدیث کی درسگاہوں میں داخل ہو کر علم حدیث پڑھا مگر اس کے بعد موصوف فقہ اہل الرای کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے درسگاہِ ابی حنیفہ میں داخل ہوئے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ امام زفر کے اساتذۂ حدیث میں امام یحییٰ بن سعید انصاری مدنی (متوفی ۱۴۳ھ) بھی ہیں۔[1] اور بقول صحیح امام یحییٰ بن سعید انصاری ابوجعفر منصور کے دورخلافت میں ہاشمیہ (کوفہ سے متصل قصرِ خلافت کو ہاشمیہ کہا جاتا ہے) کے قاضی بن کر آئے تھے یعنی ۱۳۶ھ کے بعد، منصور سے پہلے ابو العباس سفاح کے زمانہ میں ۱۳۲ھ تا ۱۳۶ھ میں موصوف یحییٰ بن سعید کے قاضئ ہاشمیہ یا قاضئ انبار بن کر آنے کی روایت طلحہ بن محمد بن جعفر غیر ثقہ سے نیز بعض دوسرے متاخرین سے مروی ہونے کے سبب غیر صحیح ہے۔[2] ہاشمیہ آنے کے چند ہی سال بعد موصوف یحییٰ کا ۱۴۳ھ میں ہاشمیہ میں انتقال بھی ہوگیا۔[3]

یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ امام یحییٰ سے امام زفر نے اس زمانہ میں پڑھنا شروع کیا ہوگا جبکہ امام یحییٰ ۱۳۶ھ کے بعد قاضئ ہاشمیہ بن کر عراق میں آچکے ہوں گے، اورآنے والی تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ امام زفر نے اہل حدیث علماء سے پڑھنے کے بعد امام صاحب سے رابطہ اور رشتۂ تلمذ قائم کیا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام زفر ۱۳۶ھ کے بعد ایک عرصہ تک کوفہ کے اہل حدیث علماء سے پڑھتے رہے پھر انھوں نے کسی زمانہ میں امام صاحب سے رابطہ قائم کیا۔

مندرجہ ذیل روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام یحییٰ جس زمانہ میں قاضئ ہاشمیہ (مراد کوفہ) تھے اس زمانہ میں امام زفر درسگاہِ امام صاحب میں پڑھتے تھے، یعنی موصوف زفر ۱۴۳ھ کے پہلے درسگاہِ ابی حنیفہ میں پڑھتے تھے۔ ملاحظہ ہو:

" يوسف بن خالد قال سمعت أبا حنيفة قال قدم علينا ربيعة الرائي ويحيى بن سعيد قاضي الكوفة فقال يحيى لربيعة ألا تعجب من أهل هذا المصر أجمعوا على رأي رجل واحد قال أبوحنيفة فبلغني ذالك فأرسلت إليه يعقوب وزفر وعدة من أصحابنا فقلت قايسوه وناظروه فقال له يعقوب ما تقول في عبد بين اثنين أعتق أحدهما قال لا يجوز عتقه قال لما قال لأن هذا ضرر وقد جاء عن النبيﷺ لاضرر ولا ضرار قال فإن أعتقه الآخر قال جاء عتقه قال تركت قولك إن كان الكلام الأول لم يعمل شيئا ولم يقع له عتق فقد أعتقه الثاني وهو عبد فسكت."[4]

---

[1] ثقات ابن حبان (٦/ ٣٣٩ ترجمه زفر) [2] خطيب (١٤/ ١٠١، ١٠٢) [3] خطيب (١٤/ ١٠٦)

[4] موفق (٢/ ٢٢١، ٢٢٢) ومناقب صيمري (ص: ٣٩) وعام كتب مناقب.

''یوسف بن خالد سمتی نے کہا کہ میں نے امام صاحب سے یہ سنا کہ ہمارے یہاں کوفہ میں ربیعہ الرائی آئے، اس زمانہ میں یحییٰ بن سعید انصاری کوفہ کے قاضی تھے، اس موقع پر قاضی یحییٰ بن سعید نے ربیعہ الرائی سے کہا کہ آپ کو اس بات پر کیا تعجب نہیں ہوتا کہ اس شہر یعنی کوفہ کے لوگ ایک ہی آدمی کی رائے (مذہب رائے وقیاس) پر متفقہ طور پر کاربند ہو گئے ہیں؟ امام ابوحنیفہ نے کہا کہ قاضی یحییٰ بن سعید کی یہ بات مجھے معلوم ہوئی تو میں نے ان کے پاس یعنی یحییٰ بن سعید کے پاس یعقوب (امام ابو یوسف) وزفر اوراپنے متعدد تلامذہ کو بھیجا کہ جا کر ان سے قیاسی مسائل پر مباحثہ اور مناظرہ کرو، چنانچہ یہ لوگ گئے اورابو یوسف نے ان سے کہا کہ دو آدمیوں کا اگر کوئی ایک مشترک غلام ہو اور ایک آدمی اسے آزاد کر دے تو کیا شرعی فتوی ہے؟ یحییٰ نے کہا کہ وہ غلام آزاد نہیں ہوگا، ابو یوسف نے دلیل مانگی تو موصوف نے لا ضرر ولا ضرار کی حدیث سنائی، ابو یوسف نے کہا کہ اگر دوسرا بھی اسے آزاد کر دے؟ یحییٰ نے جواب دیا کہ آزاد ہو جائے گا، اس پر ابو یوسف نے دوسرا اعتراض کیا تو یحییٰ لا جواب ہو گئے۔''

روایتِ مذکورہ کا مفاد یہ ہے کہ امام زفر وفات یحییٰ بن سعید سے پہلے یعنی ۱۴۳ھ کے پہلے امام صاحب کی درسگاہ میں پڑھا کرتے تھے اورامام صاحب کے حسب الحکم مناظرہ بھی کیا کرتے تھے مگر کتب مناقب ابی حنیفہ کی عام روایات کی طرح روایت مذکورہ بھی مکذوبہ ہے، اس کا راوی یوسف بن خالد سمتی کذاب ہے اور اس کذاب سے اس روایت کا ناقل ابراہیم بن محمد الذراع مجہول ہے۔[1] اور اس مجہول سے روایت مذکورہ کا ناقل محمد بن عبدالسلام کذاب ہے۔[2] اور اس کذاب سے روایت مذکورہ کا ناقل مکرم ہے جس کی کتاب مناقب ابی حنیفہ بقول دارقطنی مجموعۂ اکاذیب ہے۔ (کمامر) نیز یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ بقول صحیح امام یحییٰ بن سعید ۱۳۶ھ کے بعد قاضیٔ کوفہ بنائے گئے تھے، اس لیے یہ بہت واضح بات ہے کہ روایت مذکورہ میں منقول شدہ واقعہ کے واقع ہونے کا تصور ۱۳۶ھ کے بعد ہی کیا جا سکتا ہے، حالانکہ بقول صحیح ربیعہ کا انتقال ۱۳۶ھ میں ابوالعباس سفاح کے آخری دور خلافت میں ہو گیا تھا۔[3] نیز اس روایت کا مفاد یہ ہے کہ کوفہ میں قاضی یحییٰ کے قاضی ہونے کے زمانہ میں اہل کوفہ امام صاحب کے مذہب رائے پر متفقہ طور پر عمل پیرا تھے، حالانکہ یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ اس زمانہ میں کوفہ کے اکثر قابل ذکر اہل علم وعوام مذہب امام صاحب سے بیزار ومتنفر تھے۔ (كما سيأتي)

قاضی یحییٰ انصاری بذات خود امام ابوحنیفہ وابو یوسف وزفر کے جلیل القدر استاذ تھے اور یہ مستبعد ہے کہ یہ لوگ اپنے اس جلیل القدر استاذ کے خلاف مناظرہ کا منصوبہ بنا کر انھیں لا جواب کرنے میں کامیاب ہو جائیں، خصوصاً جبکہ امام صاحب کے جلیل القدر استاذ مسعر سے مروی ہے کہ انھوں نے کوفہ کے فقیہ عظیم حبیب بن ابی ثابت استاذِ ابی حنیفہ سے پوچھا کہ ''هؤلاء أعلم عندك أو أهل الحجاز'' آپ کی نظر میں اہل کوفہ زیادہ علم والے ہیں یا اہل حجاز تو امام صاحب کے جلیل القدر استاذ حبیب نے بالصراحت کہا کہ ''اہل حجاز اہل کوفہ کے بالمقابل زیادہ علم والے ہیں۔''[4]

حاصل یہ کہ روایت مذکورہ سند ومتن دونوں اعتبار سے غیر معتبر اورحقائق ثابتہ کے خلاف ہے، سب سے بڑی بات یہ ہے

---

[1] لسان الميزان (١/ ١٠٥)
[2] ميزان الاعتدال (٢/ ٤١٠)
[3] تقريب التهذيب وخطيب (٨/ ٤٢٦)
[4] تاريخ صغير للبخاري (ص: ١٥٥)

کہ کتب مناقب ابی حنیفہ کی بعض حکایات اور مصنف انوار کے بعض بیانات کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب بذات خود ۱۳۰ھ سے لے کر ۱۳۶ھ کے بعد بھی نہ جانے کتنے زمانہ تک عراق سے دور دوسرے ملکِ حجاز میں مقیم رہے (کمامر) دریں صورت ۱۳۶ھ میں فوت ہونے والے امام ربیعہ الرائی کے وارد کوفہ ہونے کے بعد امام یحییٰ کے قاضی کوفہ ہونے کے زمانہ میں مناظرۂ مذکورہ کا واقعہ کیونکر پیش آیا جبکہ یحییٰ ۱۳۶ھ کے بعد قاضی کوفہ بنائے گئے؟

مناظرۂ مذکورہ سے متعلق مندرجہ بالا روایت مکذوبہ ہونے کے باوجود اس امر کے منافی نہیں کہ امام صاحب سے ربط وتلمذ کے پہلے امام زفر اور امام ابو یوسف امام یحییٰ بن سعید انصاری کے شاگرد رہ چکے ہوں، کتنے تلامذہ اپنے اساتذہ کو چھوڑ کر بلکہ ان سے منحرف ہو کر یا کسی بھی سبب و مصلحت کے تحت دوسرے لوگوں کی درسگاہوں میں پڑھنے لگتے ہیں۔

امام صاحب سے امام زفر کا تعلق وتلمذ:

ایک طرف کتب مناقب ابی حنیفہ کی روایات کا یہ مقتضیٰ ہے کہ امام صاحب ۱۳۰ھ سے لے کر ۱۳۶ھ کے بعد بھی ایک زمانہ تک حجاز میں رہے پھر کوفہ واپس آئے، دوسری طرف بعض روایات کا مقتضیٰ ہے کہ ۱۳۲ھ کے بعد نہ جانے کس زمانہ میں امام صاحب نے علم کلام سے اشتغال ختم کر کے فقہ اہل الرای کی تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ (کمامر) ان باتوں کے مجموعہ سے مستخرج ہوتا ہے کہ امام صاحب ۱۳۶ھ کے زمانہ بعد فقہ کے درس وتدریس میں مصروف ہوئے جس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ امام صاحب کے جملہ تلامذہ بشمول امام زفر ۱۳۶ھ کے بعد کسی زمانہ میں امام صاحب کی درسگاہ میں آکر فقہ پڑھتے ہوں گے، مصنف انوار کا یہ بیان گزر چکا ہے کہ پہلے امام زفر نے حدیث سے اشتغال رکھا پھر فقہ ابی حنیفہ کی طرف متوجہ ہوئے، نیز اسی طرح کی بات واقدی وابن سعد ونووی اور مختلف اہل علم نے کہی ہے۔ یعقوب بن شیبہ نے بھی کہا:

"كان قد سمع الحديث ونظر في الرأي فغلب عليه ونسب إليه." [1]

"موصوف امام زفر نے پہلے سماع حدیث کیا پھر رائے (فقہ ابی حنیفہ) پر نظر کی تو ان پر رائے کا غلبہ ہو گیا اور اسی طرف موصوف منسوب ہو گئے۔"

حدیث کے بالمقابل رائے سے کثرتِ اشتغال اور علومِ رائے وقیاس میں زیادہ مہارت ولیاقت اور رائے کی طرف نسبت اس امر کو ہرگز مستلزم نہیں کہ آدمی امام ابوحنیفہ کے مذہب رائے وقیاس ہی کا پیرو و پابند ہو، امام صاحب کے استاذ ربیعہ الرائی علوم رائے وقیاس میں بہت زیادہ ماہر تھے حتی کہ رائے کی طرف منسوب ہونے کے سبب "الرائی" کے لقب سے ملقب ہو گئے یہاں تک کہ امام صاحب بھی درسگاہِ ربیعہ میں بیٹھتے تو ان کی باتوں (مراد قیاس ورائے سے متعلق امام ربیعہ کی دقیق اور باریک باتوں) کے سمجھنے کی کوشش میں تھک جایا کرتے تھے (کمامر) اس کے باوجود موصوف ربیعہ کا فقہی مذہب امام صاحب کے فقہی مذہب سے بالکل مختلف تھا، یعنی کہ امام ربیعہ دراصل مذہب اہل حدیث کے پیرو تھے حتی کہ امام عبدالعزیز بن ابی سلمہ نے کہا کہ اگرچہ اہل عراق ربیعہ کو "الرائی" کہتے ہیں مگر میں نے ان سے زیادہ پابند مذہب اہل حدیث کسی کو نہیں دیکھا۔ [2]

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: طبقات ابن سعد (٦/ ٣٨٧) وتهذيب الأسماء واللغات للنووي والأعلام للزركلي وأخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ١٠٦)

[2] خطيب (٩/ ٤٢٤) وتهذيب التهذيب وتذكرة الحفاظ وغيره.

اسی طرح امام عثمان بتی بھی ماہر قیاس ورائے ہونے میں شہرت رکھتے ہیں مگر ان کا فقہی مذہب امام صاحب کے فقہی مذہب سے مختلف ہے، اس لیے رائے کی طرف امام زفر کی نسبت اور الرائی کے نام سے موصوف کی شہرت اور موصوف پر رائے کے غلبہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ موصوف امام صاحب کے فقہی مذہب کے پیرو تھے۔

اسی طرح امام صاحب کے ساتھ امام زفر یا کسی کے رشتۂ تلمذ سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مذہب امام صاحب کا پیرو ہے، امام صاحب اور امام زفر دونوں حضرات کے ایک مشہور ومعروف شاگرد ہیں امام نعمان بن عبدالسلام بن حبیب ابوالمنذر تیمی اصبہانی[1] اس کے باوجود امام نعمان بن عبدالسلام کی بابت یہ صراحت ہے:

"وكان ممن ينتحل السنة وينتحل مذهب الثوري في الفقه."[2]

''موصوف نعمان بن عبدالسلام مذہبِ سنت کے پیرو تھے اور فقہ میں مذہب سفیان ثوری کے متبع تھے۔''

یہ معلوم ہے کہ مذہب ثوری مذاہب اہل حدیث میں سے ایک مذہب ہے، تاریخ التراث العربی قسم الفقہ (۲/۳۲۳) میں بھی مذہب ثوری کو مذاہب اہل حدیث میں شمار کیا گیا ہے، یہ تو صرف ایک مثال ہوئی ورنہ یہ معاملہ مثال کا محتاج نہیں، خود امام صاحب جابر جعفی جیسے رافضی، عمرو بن عبید جیسے معتزلی، طلق جیسے قدری کے شاگرد ہونے کے باوجود اپنے ان اساتذہ کے مذہب کے خلاف دوسرے مذہب کے پیرو تھے، اس لیے محض الرائی کے لقب کے ساتھ شہرت اور قیاس ورائے میں مہارت وامام ابوحنیفہ سے رشتۂ تلمذ کے سبب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ موصوف زفر امام صاحب کے مذہب رائے کے پیرو تھے تا آنکہ کوئی صریح ومعتبر دلیل موصوف کے حنفی المذہب ہونے پر دلالت نہ کرے۔

ہم اس سلسلے میں وارد شدہ روایات کا جائزہ لیں گے، امام صاحب کے ساتھ بعض لوگوں کے بیٹھنے یا امام صاحب سے محض پڑھ لینے کی بنیاد پر مصنف انوار نے کتنے لوگوں کو حنفی المذہب قرار دے لیا ہے بلکہ چہل رکنی مجلس تدوین کا رکن بھی۔

جن لوگوں نے امام زفر کو مطلقاً اہل حدیث کہا ہے ان کے اقوال اجمالی طور پر ہم نقل کر آئے ہیں۔[3]

ان اقوال میں سے ایک قول محمد بن وہب کا بھی ہم ذیل جواہر المضیہ کے حوالہ سے نقل کر آئے ہیں مگر ہم دیکھتے ہیں کہ محمد بن وہب سے ایک طویل روایت ایسی منقول ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ امام زفر ایک زمانہ تک ابتدائی زندگی میں اگرچہ اہلحدیث تھے حتی کہ مذہب اہلحدیث کے مطابق بحث ونظر کیا کرتے تھے مگر ان کی زندگی میں ایک مرتبہ ایک ایسا پیچیدہ مسئلہ پیش آ گیا جسے حل کرنے سے وہ خود اوران کے ہم مذہب دوسرے علمائے اہلحدیث عاجز رہے، مجبوراً اس مسئلہ کے سلسلے میں امام صاحب کی طرف رجوع کیا، امام صاحب نے اسے حل کر دیا، پھر امام زفر اسی زمانہ سے امام صاحب کے معتقد ہو گئے حتی کہ موصوف مذہبِ امام صاحب کے پیرو بن کر امام صاحب کی مہم تدوین فقہ میں شریک ہو گئے، یہ کہانی مصنف انوار کی زبانی ناظرین کرام ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

''محمد بن وہب کا بیان ہے کہ امام زفر اصحاب حدیث میں سے تھے، ایک دفعہ ایک مسئلہ پیش آیا کہ اس کے حل

[1] تاريخ أصبهان لأبي نعيم مترجم امام زفر وعام كتب رجال.

[2] تهذيب التهذيب (١/ ٤٥٤) وتاريخ أصبهان لأبي نعيم (٢/ ٣٢٩)

[3] اللمحات (٢/ ١٠٠، ١٠١)

کرنے سے وہ خود اوران کے دوسرے اصحاب حدیث عاجز ہوئے توامام زفر امام ابوحنیفہ کی خدمت میں پہنچے، امام صاحب نے جواب دیا، پوچھا کہ آپ نے یہ جواب کہاں سے دیا؟ فرمایا کہ فلاں حدیث اورفلاں قیاس واستنباط کی وجہ سے، امام صاحب نے مسئلہ کی نوعیت بدل کرفرمایا کہ بتاؤ اس میں کیا جواب ہوگا؟ امام زفر کہتے ہیں کہ میں نے اپنے آپ کواس کے جواب سے پہلے سے بھی زیادہ عاجز پایا، امام صاحب نے ایک اور مسئلہ بیان کیا اوراس کا جواب مع دلیل بتایا، میں ان کے پاس سے اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اوران سے بھی وہ مسائل پوچھے تو وہ بھی جواب سے عاجز ہوئے، میں نے جوابات دیے اوردلائل سنائے وہ سب کہنے لگے کہ یہ جوابات ودلائل آپ کو کہاں سے حاصل ہوئے؟ میں نے کہا کہ امام ابوحنیفہ سے، پھر تو میں ان ہی تین مسائل کی بدولت اپنے حلقۂ اصحاب کا سردار بن گیا، اس کے بعد امام زفر مستقل طور سے امام ابوحنیفہ سے وابستہ ہو گئے اوران دس اکابر میں سے ہو گئے جنھوں نے امام صاحب کے ساتھ تدوینِ کتب کی، یہی واقعہ مسالک الابصار میں امام طحاوی کے ذریعہ بھی نقل ہوا ہے۔"[1]

مصنف انوار کی مستدل مذکورہ بالا روایت سے صاف ظاہر ہے کہ امام صاحب سے رابطہ قائم کرنے کے پہلے امام زفر ایک اہل حدیث عالم تھے اورطریق اہل حدیث پر پیش آمدہ مسائل پر بحث ونظر کرتے تھے، اس لیے سوچنے کی بات ہے کہ امام زفر کس عمر میں طریق اہل حدیث کے مطابق مسائل پر بحث ونظر کے لائق ہو چکنے کے بعد خدمتِ امام صاحب میں حاضر ہوئے ہوں گے؟

حقیقت یہ ہے کہ مصنف انوار کی مذکورہ بالا مستدل روایت ساقط الاعتبار ہے کیونکہ اس افسانوی قصے کا ناقل محمد بن وہب بتصریحِ امام ابن عساکر ذاہب الحدیث ہے، امام ابن عدی نے اس کی حدیث کو باطل قرار دیا اور دوسرے اہل علم نے اسے مجروح بتلایا، کسی نے اس کی توثیق نہیں کی اور یہ شخص ۲۶۰ھ کے بعد فوت ہوا اس نے امام زفر کا زمانہ نہیں پایا۔[2] نیز اس کی سند میں عبداللہ بن محمد الاسدی الاکفانی (مولود ۳۱۶ھ ومتوفی ۴۵۵ھ) بھی ساقط الاعتبار ہے۔[3] دریں صورت روایت مذکورہ کو مصنف انوار کا دلیل وحجت بنالینا کیا معنی رکھتا ہے؟

اس میں شک نہیں کہ روایت مذکورہ یہ ثابت کرنے کے لیے گھڑی گئی ہے کہ امام صاحب کے بالمقابل علمائے اہلحدیث علم وفضل میں اتنے کمتر وکمزور تھے کہ جس پیش آمدہ مسئلہ کو امام صاحب بڑی آسانی سے آناً فاناً حل کر سکتے تھے اسے حل کرنے سے علمائے اہلحدیث عاجز وقاصر رہا کرتے تھے، مگر قدح علمائے اہلحدیث پر مشتمل مندرجہ بالا مکذوبہ روایت کو خالص علمی ودینی خدمت کے نام پر صحیح قرار دے کر بذوق وشوق نقل کرنے والے مصنف انوار ہر اس روایت کو مکذوبہ قرار دیتے ہیں جس میں امام صاحب یا کسی بھی حنفی المذہب امام کے بارے میں شائبۂ قدح محسوس کرتے ہیں، نیز ایسی روایت کے ناقل وراوی کو بھی نشانہ جرح وقدح بناتے ہیں۔ مثلاً، مصنف انوار کے رکن مجلسِ تدوین قرار دیے ہوئے امام حفص بن غیاث اورامام قیس بن ربیع ورقبہ بن مصقلہ وغیرہ سے مروی ہے:

---

[1] مقدمہ انوار (١/ ١٦٣) بحوالہ لمحات النظر (ص: ٥، ٦) نیز ملاحظہ ہو: أخبار صیمري (ص: ١٠٧)

[2] لسان المیزان (٥/ ٤١٩، ٤٢٠) وتهذیب التهذیب (٩/ ٥٠٦) ومیزان الاعتدال (٣/ ١٤٦)

[3] انساب سمعاني (١/ ٢٣٧، ٢٣٨) وخطیب (١٠/ ١٤١) ولسان المیزان (٣/ ٣٥٢، ٣٥٣)

"كان أبوحنيفة أجهل الناس بما كان وكان أعلمهم بما لم يكن."[1]

"پیش آمدہ مسائل کے بارے میں امام صاحب سب سے زیادہ ناواقف تھے مگر غیر پیش آمدہ مسائل (یعنی فرضی مسائل جو پیش نہ آئے ہوں) میں موصوف سب سے زیادہ واقفیت رکھتے تھے۔"

مصنف انوار سے ناظرین کرام پوچھیں کہ علمائے اہلحدیث کی قدح پر مشتمل آپ کی دلیل بنائی ہوئی روایتِ ابن وہب کے بالمقابل آپ کے رکن مجلس قرار دیے ہوئے امام حفص بن غیاث نیز قیس بن ربیع ورقبہ سے مروی شدہ مذکور بالا روایت کو حجت بنا کر یہ کہنا درست ہے یا نہیں کہ جب عام پیش آمدہ مسائل میں امام صاحب کی ناواقفیت کا یہ حال تھا تو جس پیش آمدہ مسئلہ کو حل کرنے سے علمائے اہلحدیث عاجز رہے ہوں اسے امام صاحب نے کیسے حل کر دیا ہوگا؟ صرف یہی نہیں بلکہ امام یحییٰ بن آدم سے یہ بھی مروی ہے:

"قال سفيان بن سعيد وحسن بن صالح وشريك أدركنا أبا حنيفة وما يعرف بشيء من الفقه ما نعرفه إلا بالخصومات."[2]

"امام سفیان ثوری وحسن بن صالح وشریک (شریک کو مصنف انوار نے رکن مجلس تدوین کہا ہے) نے کہا کہ ہم نے امام ابوحنیفہ کو دیکھا ہے، وہ فقہ سے کچھ بھی واقف وآشنا نہیں تھے۔"

معنوی طور پر مذکورہ بالا بات دوسرے کئی حضرات سے بھی متعدد اسانید کے ساتھ مروی ہے، دریں صورت ناظرین کرام مصنف انوار سے دریافت کریں کہ موصوف ان روایات کی بابت کیا فرماتے ہیں؟ اگر مصنف انوار کہیں کہ ان روایات سے امام صاحب کی توہین ہوتی ہے، اس لیے ان کا تذکرہ مناسب نہیں ہے تو ان سے پوچھا جائے کہ آپ کی دلیل بنائی ہوئی روایت ابن وہب سے کیا علمائے اہلحدیث کی تعظیم ہوتی ہے کہ اس کا تذکرہ مناسب قرار پائے؟

یہ مذکور ہو چکا ہے کہ کتب مناقب ابی حنیفہ کی متعدد روایات کا حاصل یہ ہے کہ علم کلام میں ماہر ہو چکنے اور متکلمین کے امام وپیشوا بن چکنے کے بعد بھی امام صاحب فقہ کے معمولی ترین مسائل حل کرنے سے عاجز وقاصر تھے، اور مسند نشین درس ہو چکنے کے بعد بعض فتاوی کی پیچیدگی کو دیکھ کر امام صاحب نے محسوس کر لیا کہ میں درس وافتاء کی صلاحیت نہیں رکھتا، بنابریں موصوف دس سال تک تارکِ درس وافتاء ہو کر خانہ نشین رہے۔[3] اور فارغ التحصیل ہو کر امام صاحب یہ خیال لیے ہوئے بصرہ پہنچے کہ میں ہر علمی سوال کا جواب دے سکتا ہوں مگر بعض لوگوں کے سوالات سے امام صاحب کو یقین ہو گیا کہ میں پیش آمدہ علمی مسائل کے جواب سے عاجز ہوں، لہٰذا انھوں نے دوبارہ پڑھنا شروع کر دیا۔ (کمامر) نیز امام صاحب ایک زمانہ تک اپنی صوابدید کے مطابق علمی سوالات کے جو جوابات دیتے رہے تھے اور علمی وفقہی باتیں بیان کرتے رہے تھے انھیں موصوف اپنی آخری عمر میں مجموعۂ اغلاط اور ناقابل روایت وکتابت کہنے لگے تھے۔ (کمامر) یہی وجہ تھی نیز دوسرے بھی اسباب تھے کہ امام صاحب سے تعلیم وتربیت پانے والے اور ان کے فقہی مسلک سے اشتغال رکھنے والے متعدد حضرات بعد میں امام صاحب اور مذہب امام

---

❶ جامع بيان العلم وفضله (٢/ ١٤٥) وخطيب (١٣/ ٤٠٥)

❷ خطيب (١٢/ ٤٠٦) ❸ موفق (١/ ٢٠١)

صاحب کو چھوڑ کر علم حدیث اور مذہبِ اہل حدیث کی طرف رجوع کرنے لگے، یہ منقول ہو چکا ہے کہ بقول حافظ ابونعیم اصبہانی امام زفر نے بھی امام صاحب کے مذہبِ رائے سے رجوع کر لیا تھا، حافظ ابونعیم کی اس بات کا لازمی مطلب یہ ہے کہ امام زفر اپنے جس پرانے اہل حدیث مذہب کو چھوڑ کر حنفی بنے تھے اسی کی طرف دوبارہ موصوف پھر لوٹ گئے اور انھوں نے امام صاحب کے مذہبِ رائے کو ترک کر دیا۔

امام زفر کا فقہی مذہب:

حافظ ابونعیم کی مذکورہ بالا بات کا مفاد بہرحال یہ ہے کہ امام زفر اگرچہ ایک زمانہ تک امام صاحب کے فقہی مذہب کے پیرو رہے تھے مگر بعد میں موصوف نے اس سے رجوع کر لیا تھا، اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام زفر کے حنفی المذہب ہونے پر دلالت کرنے والی روایات کا تعلق اس زمانے سے ہے جس زمانہ میں موصوف نے حنفی مذہب سے رجوع نہیں کیا تھا، لیکن یہ مذکور ہو چکا ہے کہ بحوالۂ حافظ ابن حجر مصنف انوار کے نقل کردہ امام ابن حبان کے ایک قول کا ظاہری مفاد یہ ہے کہ امام زفر کبھی بھی امام صاحب کے فقہی مذہب کے پیرو نہیں رہے تھے، حافظ ابن حجر کے اصل الفاظ ملاحظہ ہوں:

"وذكره ابن حبان في الثقات وقال كان متقنا حافظا لم يسلك مسلك صاحبه وكان أقيس أصحابه وأكثرهم رجوعا إلى الحق."[1]

''امام ابن حبان نے امام زفر کا ذکر الثقات میں کیا ہے اور کہا ہے کہ موصوف امام زفر پختہ کار حافظ تھے، اپنے استاذ امام ابوحنیفہ کے مسلک پر نہیں چلے اور امام صاحب کے اصحاب میں موصوف سب سے زیادہ قیاس داں اور حق کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔''

یہ ایک حقیقت ہے کہ شاگردوں کا اپنے اساتذہ کے فقہی مذہب کا پیرو ہونا ضروری نہیں، امام صاحب کے کتنے تلامذہ واصحاب مذہبِ امام صاحب کے پیرو نہیں تھے، اسی طرح امام صاحب بھی اپنے متعدد اساتذہ جابر جعفی، عمرو بن عبید ومحمد بن السائب کلبی وغیرہ کے پیرو نہیں تھے، اسی طرح امام صاحب کے استاذ حماد اپنے استاذ ابراہیم نخعی وعامر شعبی کے مذہب سے منحرف ہو گئے تھے، اس لیے یہ مستبعد نہیں کہ حافظ ابن حجر کے ذکر کردہ مذکورہ بالا قولِ ابن حبان کے ظاہری مفاد کے مطابق امام صاحب کے اصحاب وتلامذہ میں سے ہونے کے باوجود زفر مذہبِ امام صاحب کے پیرو نہ رہے ہوں یا اگر کسی زمانہ میں موصوف مذہب امام صاحب کے پیرو ہو گئے ہوں تو حافظ ابونعیم کے قول کے مطابق موصوف مذہب امام صاحب کے پیرو بعد میں نہ رہ گئے ہوں بلکہ اس سے پھر گئے ہوں۔

امام ابن حبان کی کتاب الثقات حال ہی میں دائرۃ المعارف حیدرآباد سے شائع ہو کر آ گئی ہے، اس میں امام زفر کا ترجمہ اس طرح مذکور ہے:

"زفر بن هذيل بن قيس من بلعنبر كنيته أبو الهذيل الكوفي وكان من أصحاب أبي حنيفة يروي عن يحيى بن سعيد الأنصاري روى عند شداد بن حكيم الباغي وأهل الكوفة

[1] لسان الميزان (٢/ ٤٧٦)

وكان زفر متقنا حافظا قليل الخطأ لم يسلك مسلك صاحبه في (قلة التيقظ[1] في) الروايات وكان أقيس أصحابه وأكثرهم رجوعا إلى الحق إذا لاح له ومات بالبصرة وكان أبوه من أصبهان وكان موته في ولاية أبي جعفر."[2]

''امام زفر اصحاب ابی حنیفہ سے تھے موصوف امام یحییٰ بن سعید انصاری سے روایت کرتے اور ان سے شداد بن حکیم بلخی نیز اہل کوفہ روایت کرتے ہیں موصوف امام زفر پختہ کار حافظ اور قلیل الخطا تھے، نیز روایات یعنی احادیث وآثار کے معاملہ میں اپنے استاذ امام ابوحنیفہ کے طریق (قلت بیدارمغزی) پرنہیں چلتے تھے، نیز امام زفر اصحاب امام صاحب میں سب سے زیادہ قیاس داں تھے اور حق ظاہر ہونے پر حق کی طرف بہت زیادہ رجوع کرنے والے تھے، امام زفر بصرہ میں بزمانۂ خلافت منصور ابوجعفر فوت ہوئے، ان کے والد ہذیل اصبہان کے باشندہ تھے۔''

امام ابن حبان کے مذکورہ بالا بیان کا حاصل یہ ہے کہ احادیث وآثار کے ردوقبول اور نقل و روایت کے معاملہ میں امام صاحب کا موقف امام زُفر سے مختلف تھا، یعنی امام زفر احادیث وآثار کے رد وقبول اور نقل وروایت میں امام صاحب کے طریق کے بجائے طریق اہل حدیث کے پیرو تھے، اسی طرح کا خیال امام ابن حبان نے امام ابویوسف کے بارے میں بھی قائم کیا ہے، چنانچہ موصوف نے اپنی کتاب الثقات میں ابویوسف کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"وكان شيخا متقنا لم يسلك مسلك صاحبيه إلا في الفروع وكان يباينهما في الإيمان والقرآن."[3]

''امام ابویوسف پختہ کار (ثقہ) شیخ تھے، اپنے صاحبین یعنی امام ابوحنیفہ اور امام محمد بن حسن شیبانی کے مسلک ومذہب کے پیرو اور متبع نہیں تھے، صرف فروعی مسائل میں موصوف امام صاحب کے پیرو مذہب تھے لیکن ایمان اور قرآن کے اصولی اور بنیادی مسائل میں امام صاحب کے مخالف تھے۔''

امام ابن حبان کے مذکورہ بالا بیان کا حاصل یہ ہے کہ ان کی اپنی تحقیق کے مطابق امام ابویوسف بنیادی طور پر امام صاحب کے فقہی مذہب کے پیرونہیں تھے، امام ابن حبان نے امام ابویوسف کی بابت اپنے قائم کردہ مذکورہ بالا خیال کے ثبوت میں امام ابویوسف ہی سے مروی شدہ دو اقوال کو بطور دلیل ذکر کیا ہے، ایک یہ کہ امام ابویوسف کہا کرتے تھے:

"الإيمان قول وعمل ويزيد وينقص."

''ایمان قول وعمل سے مرکب ہے، یعنی اعمال ایمان میں داخل ہیں اور ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔''

---

[1] قوسین کے مابین جو تین الفاظ خط کشیدہ ہیں یعنی "قلة التيقظ في" وہ دائرۃ المعارف حیدرآباد کے محشی ومصحح کے حسب بیان ثقات ابن حبان کے صرف بعض نسخوں میں موجود ہیں اور عام نسخوں میں نہیں ہیں۔ لسان المیز ان میں حافظ ابن حجر کی نقل سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے پاس ثقات ابن حبان کے جو نسخے تھے ان میں قوسین میں تحریر شدہ الفاظ نہیں ہیں، یہ مستبعد نہیں کہ بعض لوگوں نے ثقات ابن حبان کے بعض نسخوں میں یہ الفاظ بطور الحاق داخل کر دیے ہوں لیکن اگر یہ الفاظ محفوظ ہوں الحاقی نہ ہوں تو بھی عبارت ابن حبان کا حاصل مطلب وہی ہے جو ان الفاظ کے بغیر ظاہر ہوتا ہے، یعنی امام زفر امام صاحب کے مذہب ومسلک کے پیرو اور متبع ہونے کے بجائے مسلک اہل حدیث کے پیرو تھے۔ هذا ما عندي والله أعلم بالصواب وعليه أتم وأكمل، محمد رئیس ندوی.

[2] ثقات ابن حبان (٧/ ٣٣٩)

[3] ثقات ابن حبان (٧/ ٦٤٥) ولسان الميزان (٦/ ٣٠١، مطبوعه حيدر آباد هند)

دوسرا یہ کہ امام ابو یوسف نے امام صاحب کے اختیار کردہ مذہب سے اپنی براءت و بے تعلقی کا اظہار کیا ہے (كما سيأتي) اس کے بعد امام ابن حبان نے رواۃ کی تجریح وتوثیق کے سلسلے میں اپنا یہ طریق کار بتلایا ہے:

”لسنا ممن يوهم الرعاع مالا يستحله ولا ممن يحيف بالقدح في إنسان وإن كان لنا مخالفا بل نعطي كل شيخ حظه مما كان فيه ونقول في كل إنسان ما كان يستحقه من العدالة والجرح أدخلنا زفرا و أبا يوسف بين الثقات لما تبين عندنا من عدالتها في الأخبار وأدخلنا من لا يشبهها في الضعفاء بما صح عندنا مما لا يجوز الاحتجاج به.“ [1]

”ہم کسی انسان کی تجریح میں نہ ظلم کرنے والے ہیں نہ جاہل عوام کو ایسی بات کے ذریعہ مبتلائے وہم کرنے والے اور دھوکہ دینے والے ہیں جو جائز نہ ہو اگرچہ وہ ہمارا مخالفِ مذہب ہو بلکہ ہم اپنی معلومات کے مطابق ہر شخص کی تجریح وتعدیل کے سلسلے میں وہی بات کہتے ہیں جس کا مستحق ہوتا ہے، ہم نے امام زفر اور ابو یوسف کو ثقات میں شامل کیا ہے کیونکہ روایت میں ان کا عادل ہونا ہمارے نزدیک ثابت ہو چکا ہے اور جن لوگوں کا ان دونوں کی طرح ہمارے نزدیک عادل ہونا ثابت نہیں ہے بلکہ یہ ثابت ہے کہ ان کو حجت قرار دینا جائز نہیں انھیں ہم نے ضعفاء (مجروح رواۃ) میں شامل کیا ہے۔“

اپنی مذکورہ بالا عبارت کے ذریعہ امام ابن حبان کو یہ بتلانا مقصود ہے کہ رواۃ کی تجریح وتوثیق میں ہم مذہبی اور گروہی جانب داری اور عصبیت سے کام نہیں لیتے بلکہ ہر شخص کے بارے میں صحیح طور پر ہمارے نزدیک جو بات ثابت ہوتی ہے وہی کہتے ہیں، خواہ مذہبی وفقہی اعتبار سے ہمارا موافق ہو یا مخالف ہو، چنانچہ اپنے اسی اصول کے مطابق موصوف نے امام صاحب کے اساتذہ میں سے حماد بن ابی سلیمان، عمر بن ذر اوران کے باپ ذر اور مسعر بن کدام وغیرہ کو مرجی المذہب ہونے کے باوجود ثقات میں داخل کیا اور عکرمہ اور داود بن حصین کو خارجی ہونے کے باوجود ثقات میں داخل کیا اور متعدد محدثین کو ضعفاء میں داخل کیا جو مسلکاً اہلحدیث تھے، مثلاً احمد بن محمد بن مصعب بن بشر بن فضالہ ابو بشر مروزی۔ [2]

امام زفر و ابو یوسف کی بابت امام ابن حبان کی تحقیق یہ ہے کہ دونوں حضرات امام صاحب کے شاگرد ومصاحب ہونے کے باوجود ان کے ہم مذہب نہیں تھے نیز دونوں ثقہ بھی تھے، امام ابو یوسف کے بارے میں اپنے اختیار کردہ اس موقف کی دلیل امام ابن حبان نے کتاب الثقات میں بیان کردی ہے لیکن امام زفر کی بابت اپنی کہی ہوئی اس بات کی دلیل کا ذکر نہیں کیا ہے۔ جس کا اصل سبب یہ ہے کہ موصوف امام ابن حبان کی یہ کتاب یعنی کتاب الثقات اور دوسری کتاب کتاب المجروحین موصوف کی اپنی تصریح کے مطابق موصوف کی عظیم الشان کتاب ”التاریخ الکبیر“ کی تلخیص واختصار ہے، اصل کتاب یعنی التاریخ الکبیر میں موصوف نے تمام باتوں کو اسانید وطرق اور حکایات کے ساتھ بیان کیا ہے اور کتاب الثقات والمجروحین میں سہولتِ طلب کے لیے اسانید وحکایات کو حذف کر دیا ہے۔ [3]

---

[1] ثقات ابن حبان (٧/ ٦٤٦) [2] المجروحين (١/ ١٤٣ تا ١٥١)

[3] مقدمه ثقات لابن حبان (١/ ١١، ١٢) وحاشيه كتاب الثقات (٤/ ١، ٢)

اسی طرح موصوف امام ابن حبان نے الفصل بین النقلة اور شرائط الأخبار، علل مناقب أبي حنيفه ومثالبه وعلل ما استند إليه أبوحنيفه نام کی مختلف کتابیں لکھی ہیں، ان ساری کتابوں خصوصاً اپنی تاریخ کبیر میں موصوف نے امام زفر کے بارے میں اپنے دعویٰ مذکورہ کی دلیل یقیناً بیان کی ہوگی مگر ان کتابوں تک ہماری رسائی نہیں ہوسکی۔ جن روایات وحکایات پر اعتماد کرتے ہوئے امام ابن حبان نے یہ موقف اختیار کیا وہ روایات وحکایات موصوف کے نزدیک اپنے علم کی حد تک معتبر ہیں کیونکہ موصوف نے یہ صراحت کر رکھی ہے:

" ولسنا نستجيز أن نحتج بخبر لا يصح من جهة النقل في شيء من كتبنا."[1]

''جو روایات اصولِ نقل کے اعتبار سے صحیح نہ ہوں ان میں سے ہم نے کسی بھی روایت کو اپنی کتابوں میں دلیل وحجت نہیں بنایا ہے۔''

امام ابن حبان کی اس صراحت سے صاف ظاہر ہے کہ موصوف نے امام زفر کی بابت جو یہ بات کہی ہے کہ وہ مذہب ابی حنیفہ کے پیرو نہیں تھے، وہ بات موصوف کے نزدیک معتبر دلیل پر قائم ہے اگر چہ یہ ضروری نہیں کہ امام ابن حبان کے نزدیک جو روایات وحکایات معتبر ہوں وہ دوسرے اہل علم کے نزدیک نیز از روئے حقیقت بھی معتبر ہی ہوں مگر مذکورہ بالا تفصیل کا حاصل بہر حال یہ ہے کہ اپنی مذکورہ بالا زیر بحث بات موصوف امام ابن حبان کے نزدیک معتبر دلیل پر قائم ہے۔

امام زفر کے غیر حنفی ہونے پر دلیل قرار دیے جانے کے لائق ایک روایت کا تذکرہ:

مصنف انوار اور کوثری نے یہ صراحت کر رکھی ہے کہ امام زفر سے روایت حدیث کرنے والوں میں امام سفیان بن عیینہ بھی ہیں۔[2] بلفظ دیگر امام زفر امام سفیان بن عیینہ کے اساتذۂ حدیث میں سے تھے اور مندرجہ ذیل روایت صحیحہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ امام سفیان بن عیینہ امام صاحب کے کسی ہم مذہب شاگرد کو اپنا استاذ حدیث بنانے کے روادار نہیں ہو سکتے تھے۔امام سنید بن داود سے مروی ہے:

" عن سفيان بن عيينة إنه جاءه رجل من أصحاب أبي حنيفة فأعرض عنه ثم دار من ناجية أخرى فأعرض عنه فقال سفيان :

وما يلبث الأقوام أن يتفرقوا إذا لم يولف روح شكل إلى شكل
ابن لي وكن مثلي أو اتبع صاحبا لمثلك أني ابتغي صاحبا مثلي[3]

''امام سفیان بن عیینہ کے پاس امام صاحب کے ہم مذہب اصحاب میں سے ایک شخص آیا تو امام سفیان نے اس کی طرف سے اپنا چہرہ پھیر لیا، یہ شخص دوسری طرف سے چکر لگا کر امام سفیان کے پاس آیا تو بھی انھوں نے اس سے اعراض کیا اور بعض اشعار پڑھے۔ ؎

---

❶ مقدمه كتاب المجروحين لابن حبان (١/ ١٨)

❷ مقدمه انوار (١/ ١٦٥) ولمحات النظر، تذكرۂ تلامذۂ امام زُفر.

❸ حلية الأولياء (٧/ ٢٧٦، ٢٧٧)

جن کا حاصلِ مطلب یہ ہے کہ جب دل سے دل نہیں ملتے تو الفت کے بجائے فرقت ہوتی ہے، اگر مجھ سے ربط وتعلق رکھنا چاہتے ہو تو واضح طور پر کھل کر میری طرح اہل حدیث مذہب کے پیرو بن جاؤ اور حنفی مذہب ترک کر دو ورنہ میرے بجائے اپنے کسی ہم مذہب یعنی حنفی المذہب شخص کے پاس جاؤ کیونکہ میں حنفی المذہب آدمی سے ربط نہیں رکھتا۔"

روایت مذکورہ کی سند صحیح ہے، امام ابن عیینہ سے اس روایت کے راوی سنید یعنی حسین بن داود ابوعلی مصیصی المحتسب (متوفی ۲۲۶ھ) کی بابت حاشیۂ حلیۃ الاولیاء (۷/ ۲۷۶) پر تحریک کوثری کے کسی رکن نے یا خود کوثری نے سنید (حسین بن داود) کی بابت لکھ دیا ہے کہ "ضعفه أبو حاتم" یعنی موصوف کو امام ابوحاتم نے ضعیف کہا ہے، کوثری نے اسی طرح کی بات تانیب الخطیب (ص: ۱۲۹) میں بھی کہی ہے جس کا جائزہ لے کر التنکیل میں بتلایا گیا کہ امام ابوحاتم نے سنید کو صدوق کہا ہے اور عام اہل علم نے موصوف کی توثیق کی ہے اور موصوف پر وارد شدہ جرح ثابت نہیں یا مبہم ہونے کے سبب ساقط ہے۔[1]

روایت مذکورہ کا واضح مفاد یہ ہے کہ امام سفیان بن عیینہ امام صاحب اور ان کے ہم مذہب اشخاص سے ربط وتعلق رکھنے کے روادار نہیں تھے، اس کا لازمی مطلب ہے کہ موصوف امام سفیان امام صاحب اوران کے ہم مذہب اشخاص سے روایت حدیث نہیں کرتے تھے، البتہ روایت مذکورہ کا مفاد یہ بھی ہے کہ مذہب امام صاحب کو چھوڑ کر مسلک اہلحدیث اختیار کر لینے والوں سے امام سفیان بن عیینہ ربط وتعلق قائم کرنے پر تیار تھے، بلفظ دیگر حنفی المذہب آدمی کے ساتھ ربط وتعلق رکھنے کے لیے امام سفیان بن عیینہ نے یہ شرط لگا رکھی تھی کہ وہ مذہب حنفی کو چھوڑ دے۔ یہ ضروری نہیں کہ عام اہل حدیث امام سفیان بن عیینہ کے اس طرز عمل سے متفق ہوں اور ان کی نظر میں موصوف کا یہ موقف صحیح ہو مگر ہم دیکھتے ہیں کہ امام المحدثین امام احمد بن حنبل کا ارشاد بھی یہ ہے:

"اصحاب أبي حنيفة ينبغي أن لا يروى عنهم شيء."[2]

"امام صاحب کے کسی ہم مذہب شاگرد سے روایت نہیں کرنی چاہیے۔"

علاوہ ازیں بہت سارے محدثین کا یہی مسلک رہا ہے جس کا اصل سبب یہ تھا کہ ان محدثین بشمول امام سفیان بن عیینہ وامام احمد کی نظر میں مذہب ابی حنیفہ کے متبع سے ربط وروایت مناسب نہیں، ظاہر ہے کہ ان محدثین کا یہ موقف بہت سے اہل علم کی نظر میں غیر صحیح ہے مگر یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ ان محدثین کا موقف یہی تھا کہ مذہب ابی حنیفہ کے متبع سے ربط وروایت جائز نہیں، اپنے اس موقف کے خلاف اگر کسی متبع مذہب ابی حنیفہ سے امام ابن عیینہ کے ربط وتعلق یا روایت بالفرض ثابت ہو تو یہ چیز دو باتوں سے خالی نہیں۔

أوّلاً: شخص مذکور سے امام ابن عیینہ کا ربط وتعلق جس زمانہ میں تھا اس زمانہ میں شخص مذکور حنفی المذہب نہیں تھا بلکہ بعد میں حنفی المذہب ہو گیا یا یہ کہ حنفی المذہب پہلے تھا مگر بعد میں حنفی سے اہل حدیث ہو گیا تو اس سے امام ابن عیینہ نے ربط وتعلق رکھا۔

ثانیاً: شخص مذکور نے کسی مصلحت کے سبب امام ابن عیینہ پر اپنا حنفی المذہب ہونا ظاہر نہیں ہونے دیا۔

---

[1] التنكيل (١/ ٢٢٥ تا ٢٢٩، ترجمه حجاج بن محمد اعور) و (١/ ٢٦٩ ترجمه حسين بن داود سنيد)

[2] خطيب (٧/ ١٧ ترجمه أسد بن عمرو بجلي) و (١٤/ ٢٥٩، ٢٦٠ ترجمه أبو يوسف)

جرح ابی حنیفہ میں امام ابن عیینہ سے بہت ساری روایات منقول ہیں جن کا ذکر اس جگہ باعث طوالت ہوگا، البتہ بطور مثال بعض کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے، کئی معتبر اسانید سے مروی ہے کہ امام ابن عیینہ نے فرمایا کہ دین اسلام کو تہ وبالا کرنے والوں میں امام صاحب بھی ہیں۔[1]

امام ابراہیم بن بشار نے کہا کہ امام صاحب اپنی بیان کردہ مثالوں کے ذریعہ احادیث نبویہ کو رد کر دیا کرتے تھے بھلا اس سے بڑھ کر بری اور خراب بات بھی کوئی دوسری چیز ہوسکتی ہے؟[2] امام ابواسحاق فزاری نے کہا کہ امام سفیان بن عیینہ نے امام صاحب کی خبرِ موت پر یہ تبصرہ کیا کہ امام صاحب اسلام کی ایک ایک کڑی توڑا کرتے تھے۔

امام علی بن خشرم نے کہا:

”كنا في مجلس سفيان بن عيينة فقال يا أصحاب الحديث تعلموا فقه الحديث لا يقهركم أصحاب الرأي ما قال أبوحنيفة شيئا إلا ونحن نروي فيه حديثا أو حديثين قال فتركوه وقالوا عمرو بن دينار عمن؟[3]

”ہم لوگ امام سفیان بن عیینہ کی درسگاہ میں تھے کہ موصوف امام سفیان نے ہم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے اہل حدیث حضرات! تم لوگ ”فقہ حدیث“ حاصل کر لو تو تم کو اصحاب الرای مغلوب نہیں کر سکیں گے، جو فقہی بات امام ابوحنیفہ نے بیان کی ہے ہم لوگ اس سلسلے میں یعنی امام صاحب کی بیان کردہ فقہی بات کے سلسلے میں ایک دو حدیث روایت کر سکتے ہیں۔ امام سفیان کی یہ بات سن کر اصحاب الحدیث نے امام صاحب اور ان کی فقہ کو ترک کر دیا اور کہنے لگے کہ بھلا عمرو بن دینار کن لوگوں سے روایت حدیث کیا کرتے ہیں، یعنی امام سفیان کی مذکورہ بالا بات کے نتیجہ میں اہل حدیث طلبہ نے امام صاحب اور ان کے فقہی مذہب سے اشتغال وتعلق منقطع کر لیا اور علم حدیث میں تفقہ وپختگی حاصل کرنے کے لیے علوم حدیث کے سلسلے میں مذاکرہ کرنے لگے۔“

مذکورہ بالا روایت کو معنوی طور پر امام خطیب بغدادی نے مختصر النصيحة لاهل الحديث میں بھی نقل کیا ہے، اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام سفیان بن عیینہ کی ترغیب وفرمائش سے عام اہل حدیث حضرات امام صاحب اور ان کے فقہی مسلک کو قابل ترک سمجھا کرتے تھے، جب یہ معاملہ ہے تو امام زفر سے امام سفیان بن عیینہ کا روایت حدیث کرنا دو باتوں میں سے کسی ایک پر یقیناً مبنی وموقوف ہے۔(۱) امام زفر امام سفیان کی نظر میں کبھی بھی مذہب امام صاحب کے پیرو نہیں رہے(۲) امام زفر اگرچہ ایک زمانہ تک امام صاحب کے مذہب رائے وقیاس کے پیرو رہے تھے مگر بعد میں انھوں نے اس سے رجوع کر لیا تھا، ایک تیسری بات یہ ممکن ہے کہ حنفی ہونے سے پہلے جب امام زفر اہل حدیث رہے ہوں تو ان سے امام ابن عیینہ نے روایت کی ہو مگر یہ بات اس لیے مستبعد ہے کہ امام زفر اہل حدیث سے حنفی اس زمانہ میں ہوئے تھے جبکہ موصوف طالب علم تھے اور کسی طالب علم سے امام ابن عیینہ کا روایت حدیث کرنا بعید از قیاس ہے جو کسی دلیلِ معتبر کی بنیاد پر ہی قابل قبول ہوسکتا ہے۔

---

[1] خطيب (۱۳/ ۳۹٤، ۳۹٥) واللمحات إلى ما في أنوار الباري من الظلمات.

[2] الانتقاء لابن عبد البر بسند صحيح (ص: ١٤٨، ١٤٩)

[3] معرفة علوم الحديث للحاكم (ص: ۸۲، ۸۳)

ہمارے خیال سے ان تینوں باتوں میں سے پہلی بات امام ابن حبان کی نظر میں راجح تھی، اس لیے انھوں نے مطلقاً یہ کہا: "لم يسلك مسلك صاحبه" امام زفر مذہب امام صاحب کے پیرونہیں تھے۔جس کا ظاہری مفاد یہ ہے کہ امام زفر کبھی بھی مذہب امام صاحب کے پیرونہیں رہے تھے، اور امام ابونعیم اصبہانی کی نظر میں امام زفر ایک زمانہ تک اگر چہ مذہبِ ابی حنیفہ کے پیرو رہے تھے مگر بعد میں اس سے منحرف ہو گئے تھے لیکن چونکہ اس بات کے معتبر دلائل موجود ہیں کہ امام زفر مذہب امام صاحب کے پیرو رہ چکے تھے۔ (كما سيأتي) اس لیے حافظ ابن حبان وابونعیم اصبہانی کے اقوال میں تطبیق کے لیے یہ کہنا زیادہ موزوں ومناسب ہے کہ چونکہ امام زفر تھوڑے دنوں مذہبِ امام صاحب سے وابستہ رہ کر منحرف ہو گئے تھے اور جس مذہب ومسلک سے آدمی رجوع کرے اور منحرف ہو جائے اس کا کوئی معنوی اور حقیقی اعتبار نہیں ہوتا بلکہ اعتبار اس کا ہوتا ہے جس کی طرف وہ رجوع کرتا ہے، اس لیے حافظ ابن حبان نے رجوع کے پہلے مذہب امام صاحب کے ساتھ امام زفر کی وابستگی کو کالعدم سمجھتے ہوئے مطلقاً یہ کہہ دیا کہ امام زفر مذہبِ ابی حنیفہ کے پیرونہیں تھے مگر حافظ ابونعیم نے رجوع کا ذکر مناسب سمجھ کر کہہ دیا کہ امام زفر نے مذہب رائے سے رجوع کر لیا تھا، دریں صورت دونوں جلیل القدر اماموں یعنی حافظ ابونعیم وابن حبان کے اقوال مذکورہ کے درمیان کوئی معنوی اختلاف نہیں رہتا۔

واضح رہے کہ امام زفر کی بابت "رجع عن الرأي" (امام زفر نے مذہب حنفی سے رجوع کر لیا تھا) والی بات کے کہنے والے حافظ ابونعیم اصبہانی کی دوسری کتاب حلیۃ الاولیاء سے سنید بن داود والی وہ روایت نقل کی گئی ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ امام سفیان بن عیینہ کسی حنفی المذہب شخص سے روایت حدیث نہیں کرتے تھے، ظاہر ہے کہ اپنی نقل کردہ سنید والی روایت مذکورہ نیز دوسری دلیلوں کے پیش نظر تمام باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے حافظ ابونعیم نے امام زفر کی بابت اپنا یہ بیان سپرد قلم کیا ہے کہ "رجع عن الرأي" نیز دوسری کئی روایات سے بھی سنید کی مذکورہ بالا حکایت کی معنوی متابعت اور تائید ہوتی ہے جن کی تفصیل دوسری جگہ بیان کی گئی ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ امام سفیان بن عیینہ کی نظر میں امام زفر شاگرد امام صاحب ہونے کے باوجود کبھی بھی مذہب امام صاحب کے پیرونہیں رہے تھے، جیسا کہ امام ابن حبان کے بیان کا ظاہری مفاد ہے یا یہ کہ امام سفیان کی نظر میں امام زفر صحبتِ امام صاحب کے زیر اثر کچھ دنوں تک مذہب امام صاحب کے پیرو رہنے کے بعد مذہب اہل حدیث کی طرف لوٹ آئے تھے، جیسا کہ حافظ ابونعیم اصبہانی کی اس بات کا مفاد ہے کہ "رجع عن الرأي" امام زفر نے امام صاحب کے مذہب رائے سے رجوع کر لیا تھا۔

امام زفر کے غیر حنفی ہونے پر دلیل قرار دیے جانے کے لائق بعض دوسری باتوں کا تذکرہ:

مصنف انوار نے کہا:

"صیمری کی روایت ہے کہ محمد بن عثمان بن ابی شیبہ نے کہا کہ میں نے اپنے والد عثمان بن ابی شیبہ اور چچا ابوبکر بن ابی شیبہ (صاحب مصنف مشہور) سے امام زفر کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے فرمایا کہ امام زفر اپنے زمانہ کے اکابر فقہاء سے تھے اور والد صاحب یعنی امام عثمان بن ابی شیبہ نے یہ بھی فرمایا کہ ابونعیم فضل بن دکین شیخ

اصحابِ ستہ امام صاحب کو فقیہ نبیل کہتے تھے اوران کی بڑائیاں بیان کیا کرتے تھے۔[1] امام زفر جو پہلے اصحاب حدیث میں سے تھے اور جن کے مداح ابوبکر بن ابی شیبہ جیسے محدثین بھی تھے جو امام صاحب پر معترضین میں تھے، ان کا امام صاحب کی انتہائی تعظیم وتوقیر کرنا اور تلمذ اختیار کرنا بھی کچھ کم اہم نہیں۔[2] امام یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ امام زفر صاحب رائے وثقہ تھے، میں نے فضل بن دکین کو دیکھا کہ جب ان کے سامنے امام زفر کا ذکر ہوتا تو ان کی عظمت وجلالت قدر کے حالات بیان کرتے اور ثقہ ومامون بتلاتے، کبھی ان کو خیار الناس میں سے فرماتے تھے۔[3] محدث ابونعیم فضل بن دکین نے فرمایا کہ مجھ سے امام زفر نے کہا کہ میرے پاس اپنی حدیثیں لاؤ تاکہ تمھارے لیے ان کی چھان پھٹک کر دوں۔"[4]

مصنف انوار کی مذکورہ بالا باتوں کا حاصل یہ ہے کہ امام زفر کی مدح وتوقیر اور توثیق وتعدیل کرنے والوں میں امام ابونعیم فضل بن دکین بھی ہیں، نیز یہ کہ امام زفر کی مدح امام عثمان بن ابی شیبہ وابوبکر بن ابی شیبہ نے بھی کی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ امام ابونعیم فضل بن دکین امام زفر سے روایت حدیث کرتے اور انھیں ثقہ قرار دیا کرتے تھے۔[5] اور مروی ہے:

"قال الفضل بن دكين دخلت على زفر وقد غرغرت نفسه في صدره فرفع رأسه إلى فقال لي يا أبا نعيم وددت أن الذي كنا فيه كان تسبيحا."[6]

"فضل نے کہا کہ میں امام زفر کے پاس ان کی جاں کنی کے وقت گیا تو انھوں نے مجھ سے کہا کہ کاش جس مشغلہ میں ہم رہے اس کے بجائے تسبیح خوانی میں مشغول رہے ہوتے۔"

اس روایت کا مفاد بھی یہ ہے کہ امام زفر سے امام فضل کا گہرا ربط وضبط تھا اور امام زفر کی یہ بات اسی طرح کی ہے جس طرح حضرت ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ عنہما وغیرہ نے بھی کہا تھا کہ کاش ہم نے بار خلافت نہ سنبھالا ہوتا۔[7] انھیں فضل بن دکین کی بابت محمد بن یونس کدیمی سے مروی ہے:

"لما أدخل أبو نعيم على الوالي ليمتحنه وثم ابن أبي حنيفة وأحمد بن يونس وأبو غسان وعداد فأول من امتحن ابن أبي حنيفة فأجاب ثم عطف إلى أبي نعيم فقال: قد أجاب هذا. فقال ما يقول هذا؟ والله ما زلت أتهم جده بالزندقة ولقد سمعت يونس بن بكير أنه سمع جد هذا يقول: لا بأس أن ترمي الجمرة بالقوارير، و لقد أدركت الكوفة وبها

---

[1] مقدمه انوار (۱/ ۱٦۲، سطر: ۱۱ تا ۱۳) [2] مقدمه انوار (۱/ ۱٦۲، سطر: ۲۱، ۲۲)

[3] مقدمه انوار (۱/ ۱٦۳، سطر: ۱، ۲)

[4] مقدمه انوار (۱/ ۱٦۲، سطر: ۲۰، ۲۱) نیز ملاحظہ ہو: لمحات النظر للكوثري.

[5] ملاحظہ ہو: تاريخ ابن معين (۲/ ۱۷۲) ولسان الميزان (۲/ ٤۷٦) وغيره.

[6] اقتفاء العلم والعمل للخطيب البغدادي (ص: ۸۰) روایت نمبر (۱۲٤ طبع رابع)

[7] شرف أصحاب الحديث للخطيب.

أكثر من سبعمائة شيخ الأعمش فمن دونه يقولون القرآن كلام الله . وعنقي أهون عندي من زري هذا... الخ. وسمعت أبا بكر بن أبي شيبة يقولون لما جاءت المحنة إلى الكوفة قال لي أحمد بن يونس ألق أحمد بن يونس فقل له فلقيت أبا نعيم فقلت له إنما هو ضرب السياط، قال ابن أبي شيبة فقلت له ذهب حديثنا عن هذا الشيخ فقيل لأبي نعيم فقال أدركت ثلاث مائة شيخ كلهم يقولون القرآن كلام الله ليس بمخلوق، وانما قال هذا قوم من أهل البدع كانوا يقولون لا بأس أن ترمي الجمار بالزجاج."[1]

''جب امام ابونعیم فضل بن دکین حاکم کے سامنے قرآن مجید کومخلوق قرار دینے کے معاملہ میں امتحان کے لیے لائے گئے تو وہاں امام صاحب کے پوتے[2] اور احمد بن عبداللہ بن یونس اور ابوغسان نیز مختلف لوگ موجود تھے، سب سے پہلے امام صاحب کے پوتے کا امتحان لیا گیا انھوں نے قرآن مجید کومخلوق کہہ دیا، پھر والی (حاکم) نے ابونعیم فضل کی طرف متوجہ ہوکر کہا کہ امام صاحب کے پوتے تو خلقِ قرآن کے معتقد ہیں، امام ابونعیم نے کہا کہ اس شخص کے ایسا کہنے سے کیا ہوا؟ خدا کی قسم میں اس کے دادا (امام صاحب) کو ہمیشہ سے زندیق سمجھتا آیا ہوں۔ (ابونعیم نے یہ بات اپنے نقطۂ نظر سے کہی تھی، ضروری نہیں کہ امام صاحب کی بابت موصوف کی یہ بات دوسروں کے نزدیک بھی صحیح ہو) یونس بن بکیر بیان کرتے تھے کہ اس شخص کے دادا یعنی امام صاحب کے پوتے کہا کرتے تھے کہ قواریر (کانچ کے ٹکڑوں) سے منیٰ میں رمی جمار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ میں نے سات سو سے بھی زیادہ مشائخ کوفہ کو دیکھا جن میں امام اعمش بھی تھے یہ سب کہتے تھے کہ قرآن مخلوق نہیں ہے، میرے نزدیک میری گردن میری قمیص میں لگے ہوئے بٹن سے بھی زیادہ معمولی چیز ہے، مجھے اگر مار بھی ڈالا جائے تو پرواہ نہیں مگر میں معتقد خلقِ قرآن نہیں ہوسکتا نیز میں نے (محمد بن یونس کدیمی نے) ابوبکر بن ابی شیبہ سے یہ کہتے بھی سنا ہے کہ جب خلق قرآن کے سلسلے میں کوفہ امتحان کا حکم آیا تو مجھ سے احمد بن یونس نے کہا کہ جا کر ابونعیم کو اس معاملہ کی خبر

[1] خطیب (۱۲/ ۲۴۹)

[2] امام صاحب کی اولاد میں سے امام صاحب کے پوتے اسماعیل کو معتقد خلق قرآن ہونے میں شہرت حاصل ہے لیکن یہ بیان ہو چکا ہے کہ زمانۂ محنۃ (حکومت کے ذریعہ جبراً عقیدۂ خلق قرآن کی اشاعت) شروع ہونے سے پہلے اسماعیل اپنے معتقد خلق قرآن ہونے کا دعوی کیا کرتے تھے اور یہ بھی کہتے پھرتے تھے کہ میرے باپ دادا یعنی حماد اور امام ابوحنیفہ بھی معتقد خلق قرآن تھے، نیز عام لوگوں نے بتلایا ہے کہ بذریعہ حکومت جبراً قرآن کو مخلوق کہلوانے کے کئی سال پہلے اسماعیل کا انتقال ۲۱۲ھ میں ہوگیا تھا جبکہ ایام محنۃ ۲۱۸ھ میں تھے، اس لیے روایت مذکورہ میں ابن ابی حنیفہ سے مراد اسماعیل کے علاوہ یا تو اسماعیل کا کوئی لڑکا یا بھائی ہے لیکن اس سے مراد اگر اسماعیل ہیں تو ان کا زمانۂ وفات بتلانے میں غلطی ہوئی ہے لیکن بہرحال اسماعیل کا بوجہ جبر واکراہ قرآن کو مخلوق کہنا ثابت نہیں، وہ زمانۂ جبر سے پہلے بذوق وشوق قرآن کو مخلوق کہتے تھے، امام ابونعیم سے مروی شدہ روایت مذکورہ میں بھی ابن ابی حنیفہ کے ساتھ اس معاملہ میں جبر واکراہ کا ذکر نہیں ہے بلکہ اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جیوں ہی والی نے ابن ابی حنیفہ سے کہا کہ قرآن کو مخلوق کہو انھوں نے فوراً بلا تکلف کہہ دیا، بہت ممکن ہے کہ ابن ابی حنیفہ ایسا کہنے کے لیے پہلے سے تیار رہے ہوں اور ان کے ساتھ امتحان کا صرف ڈھونگ رچایا گیا ہوتا کہ دوسروں پر اس کا نفسیاتی اثر پڑے۔ واللہ أعلم بالصواب (محمد رئیس ندوی)

کردو کہ امتحان کا معاملہ یہاں درپیش ہے، میں نے امام ابونعیم سے کہا تو انھوں نے فرمایا کہ اس سے کیا ہوا قرآن کومخلوق نہ کہنے پر کوڑے لگیں گے انھیں برداشت کرلوں گا، ابن ابی شیبہ نے سوچا کہ اب ان کی حدیث کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ (کیونکہ مار ڈالے جائیں گے) جب ابونعیم سے قرآن کومخلوق کہنے کے لیے کہا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے تین سو مشائخ کو پایا جو کہتے تھے کہ قرآن مخلوق نہیں، قرآن کومخلوق کہنے والے کچھ بدعتی لوگ ہیں جو یہ فتویٰ بھی دیا کرتے تھے کہ کانچ (آبگینوں) کے ٹکڑوں سے رمی جمار میں کوئی حرج نہیں ہے۔"[1]

مذکورہ بالا دونوں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابونعیم فضل بن دکین مذہب امام صاحب کو زندقہ سے تعبیر کرتے تھے اور اس مذہب کے موافقین و متبعین پر نقد و جرح کرتے تھے، ظاہر ہے کہ امام ابونعیم فضل بن دکین کی یہ بات بہت سے اہل علم کی نظر میں غلط ہے مگر اس تفصیل سے مستفاد ہوتا ہے کہ امام ابونعیم فضل کے نزدیک امام زفر مذہبِ امام صاحب کے پیرو نہیں تھے، ورنہ موصوف ابونعیم امام زفر کی مدح و توثیق نہ کرتے نہ انھیں اپنا پسندیدہ اور معتبر استاذ قرار دیتے۔

امام فضل بن دکین ہی نے امام زفر کا وہ بیان نقل کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب نے امام محمد بن حسن شیبانی کی موجودگی میں ۱۴۷ھ کے بعد اور اپنی وفات سے ایک آدھ سال پہلے امام ابویوسف کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ میرے فقہی مذہب میں روزانہ ترمیم و تبدیلی ہوتی رہتی ہے، پتہ نہیں کہ میری فقہی باتوں میں سے کوئی سی چیز صحیح ہے اور کوئی غلط ہے، اس لیے میری بیان کردہ باتیں مت لکھا کرو۔

الحاصل مذکورہ بالا تفصیل سے امام ابن حبان کے اس بیان کی تائید ہوتی ہے جس کا ظاہری مفاد یہ ہے کہ امام زفر کبھی بھی مذہبِ امام صاحب کے پیرو نہیں تھے مگر چونکہ حافظ ابونعیم اصبہانی کے قول "رجع عن الرأي" سے معلوم ہوتا ہے کہ امام زفر نے کچھ دنوں تک مذہب امام صاحب کے پیرو رہنے کے بعد اس سے رجوع کر لیا تھا، اس لیے امام ابن حبان و ابونعیم کی باتوں کے درمیان تطبیق کے لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ امام زفر تھوڑے ہی دنوں تک حنفی المذہب رہے تھے اور جلد ہی اس سے پھر کر مذہب اہل حدیث کی طرف واپس آ گئے تھے اور جس چیز سے آدمی رجوع کر لے اسے معنوی طور پر کالعدم سمجھا جاتا ہے، اس لیے امام ابن حبان نے رجوع والی بات کا ذکر نہ کر کے کہہ دیا کہ امام زفر مسلک امام صاحب پر نہیں چلے جس کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ امام زفر مذہب امام صاحب پر قائم نہیں رہ گئے تھے، اس طرح امام ابن حبان و حافظ ابونعیم کی باتوں میں اختلاف نہیں رہ جاتا، بلفظ دیگر حافظ ابونعیم و ابن حبان کی باتوں کے مجموعہ اور مذکورہ بالا تفصیل سے مستخرج ہوتا ہے کہ امام زفر ایک زمانہ تک مذہب امام صاحب کی طرف اگرچہ منسوب رہ چکے تھے مگر بعد میں وہ اس مذہب کے پیرو نہیں رہ گئے جس کا اصل سبب غالباً امام صاحب کا یہ فرمان تھا کہ میری بیان کردہ عام و علمی و فقہی باتیں مجموعۂ اغلاط و ناقابل نقل و روایت ہیں۔ یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ ہمہ وقت امام صاحب کے مذہب رائے میں ہونے والی تبدیلیوں کو دیکھ کر امام صاحب کے بعض تلامذہ نے مذہب امام صاحب کو چھوڑ کر اہل حدیث ہوتے ہوئے کہا تھا:

"كل دين يتحول عنه فلا حاجة لي فيه."[2]

---

[1] نیز ملاحظہ ہو: كتاب السنة للالكائي (١/ ٦٢)
[2] خطيب (١٣/ ٤٠١)

''جس دین میں روزانہ تبدیلیاں کی جاتی رہتی ہوں مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں ہے۔''

نیز مجلس تدوین کے رکن امام حفص بن غیاث نے کہا:

"كنت أجلس إلى أبي حنيفة فأسمعه ليسأل عن مسألة في اليوم الواحد فيفتي فيها بخمسة أقاويل فلما رأيت ذلك تركته وأقبلت على الحديث." [1]

''میں مجلسِ امام صاحب میں بیٹھ کر ان کی بیان کردہ علمی باتیں سنا کرتا تھا، میں نے دیکھا کہ ایک ہی دن میں موصوف ایک ہی مسئلہ میں پانچ مرتبہ اپنی فقہی رائے بدل ڈالا کرتے تھے اور ایک ہی دن میں ایک مسئلہ کی بابت پانچ مختلف فتاوی دیا کرتے تھے، میں نے جب یہ بات دیکھی تو میں نے درسگاہِ امام صاحب کو خیرباد کہہ دیا اور حدیث کی طرف متوجہ ہو گیا۔''

اس سے ایک طرف واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کی درسگاہ میں صرف مسائل رائے وقیاس کی تعلیم دی جاتی تھی (کمامر) دوسری طرف یہ معلوم ہوا کہ روزمرہ امام صاحب کے فقہی مذہب میں ہوتے رہنے والی ترمیم وتبدیلی کو دیکھ کر ان کے مخصوص تلامذہ ان کے فقہی مذہب سے منحرف ہو کر مذہب اہل حدیث کی طرف متوجہ ہونے لگے، آخر امام صاحب نے خود ہی فرما دیا کہ مجھے پتہ نہیں ہے کہ آئے دن میرا تبدیل ہوتے رہنے والا فقہی مذہب درست بھی ہے یا نہیں ہے؟ دریں صورت یہ مستبعد ہے کہ امام زفر جیسے ہوش مند وتقویٰ شعار فقیہ ومحدث مسلک رائے وقیاس کے پیرو رہے ہوں۔

امام یعقوب بن شیبہ سدوسی نے کہا:

''امام زفر نے اپنے بہنوئی خالد بن حارث ابوعثمان جہمی بصری (مولود ۱۱۹/ ۱۲۰ھ، متوفی ۱۸۶ھ) اور عبدالواحد بن زیاد بصری کو وصیت کی تھی۔'' [2]

روایت مذکورہ امام یعقوب بن شیبہ سدوسی سے منقول ہے مگر دائرۃ المعارف حیدرآباد سے شائع ہونے والی مناقب کردری میں بذریعہ تصحیف وتحریف یعقوب بن شیبہ سدوسی کے بجائے محمد بن عبدالصمد سدوسی لکھ دیا گیا ہے اور متعدد جگہ ہم عرض کر آئے ہیں کہ مطبوعات حیدرآباد میں بکثرت تحریفات وتصحیفات واقع ہوئی ہیں۔

اس سے قطع نظر اس روایت کا مفاد یہ ہے کہ امام زفر نے مرتے وقت امام عبدالواحد بن زیاد اور اپنے بہنوئی خالد بن حارث کو وصیت کی تھی اور یہ معلوم ہے کہ یہ دونوں حضرات (یعنی عبدالواحد وخالد) اہل حدیث تھے، امام زفر کے حنفی المذہب بن جانے کے زمانہ میں ایک موقع پر امام عبدالواحد بن زیاد ہی نے امام زفر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ آپ لوگوں نے یعنی حنفی لوگوں نے "ادرء وا الحدود بالشبهات" والی حدیث کو بطور حیلہ استعمال کر کے حدود خداوندی کو معطل وموقوف کر دیا ہے، اس موقع پر امام زفر امام عبدالواحد کی اس بات کا کوئی جواب نہیں دے سکے تھے مگر بعد میں ان سے یہی بات امام عبدالرحمٰن بن مہدی نے کہی تو امام زفر نے اس حنفی مسئلہ سے اپنے رجوع کا اعلان کر دیا تھا، مصنف انوار کے استاذ نے کہا ہے کہ بصرہ کے علمائے اہل حدیث حنفی مذہب اور متبعین حنفی مذہب سے شدید پرخاش رکھتے تھے۔ [3] جس طرح کے اہل حدیث ماحول میں امام

[1] خطيب (١٣/ ٤٠٢)

[2] أخبار أبي حنيفة وأصحابه للصيمري (ص: ١٠٦)

[3] لمحات النظر.

عبدالواحد بن زیاد اور خالد بن حارث رہا کرتے تھے اس کو دیکھتے ہوئے یہ بات بہت مستبعد ہے کہ حنفی المذہب ہوتے ہوئے امام زفر نے انہیں (خالد وعبدالواحد) وصیت کرنے کی ہمت کی ہو اور دونوں حضرات امام زفر کے وصی بن گئے ہوں، یہ بات اسی صورت میں قرین قیاس ہوسکتی ہے کہ امام زفر نے حنفی مذہب سے رجوع کر لیا ہو اور بوقت وفات موصوف اہلحدیث رہے ہوں نیز یہ بھی بنظر ظاہر مستبعد ہے کہ امام زفر کے حنفی ہونے کی حالت میں خالد بن حارث اوران کے اہل خاندان اپنی کسی لڑکی کے ساتھ امام زفر کی شادی کر دیں، خود اس لڑکی کا اس رشتہ پر راضی ہونا مستبعد نظر آتا ہے، یہ چیز بھی اس امر کا قرینہ ہے کہ امام زفر نے حنفی مذہب سے جب رجوع کر لیا تو ان کے ساتھ خالد کی بہن کی شادی کر دی گئی تھی، یہ تفصیل آرہی ہے کہ قاضی سوار بصری کسی حنفی شخص سے ملاقات کے بھی روادار نہ تھے، یہ بات خلافِ ظاہر ہے کہ امام زفر کے حنفی مذہب اختیار کرنے سے پہلے جبکہ وہ اہل حدیث تھے ان کے ساتھ ہمشیرۂ خالد کی شادی کر دی گئی ہو اگر بالفرض ایسا ہو اور یہ مان لیا جائے کہ ہمشیرۂ خالد سے شادی کے وقت عمر امام زفر انیس بیس سال تھی تو لازم آئے گا کہ ۱۳۵/ ۱۳۶ھ تک امام زفر اہل حدیث تھے اس کے بعد ہی موصوف درسگاہ امام صاحب میں داخل ہوئے اور تعلیم امام صاحب سے متاثر ہو کر حنفی بنے تھے، اور یہ چیز مصنف انوار کے اس دعوی کے معارض ہے کہ امام زفر مجلس تدوین کے ان چہل ارکان میں سے ہیں جو امام صاحب کی سرپرستی میں امام صاحب کے ساتھ مل کر تیس سال تک کوفہ میں تدوین فقہ کا کام کرتے رہے۔

یہ بالکل ثابت شدہ بات ہے کہ امام زفر آخری زندگی میں کوفہ چھوڑ کر بصرہ میں رہنے لگے تھے اور بصرہ ہی میں موصوف فوت ہوئے اگرچہ متعین طور پر نہیں معلوم ہو سکا کہ اپنی آخری زندگی میں کس سال اور زمانہ میں امام زفر کوفہ چھوڑ کر بصرہ میں مقیم ہوئے، مگر یہ بیان ہو چکا ہے کہ امام زفر درسگاہ امام صاحب میں ۱۴۹/ ۱۵۰ھ میں زیر تعلیم تھے اور امام صاحب کی وفات سے دو ہفتہ پہلے جب امام صاحب کو کوفہ سے منصور کے حسب الحکم بغداد لایا گیا تھا تو امام زفر امام صاحب کے پاس کوفہ میں موجود تھے، اس کا مفاد یہ ہے کہ امام زفر وفاتِ امام صاحب کے بعد ہی کوفہ چھوڑ کر بصرہ گئے ہوں گے۔

اس بات کا تذکرہ آچکا ہے کہ امام زفر اپنے بھائی کی میراث کے سلسلے میں کوفہ سے بصرہ گئے تھے جس کے بعد موصوف کو اہل بصرہ نے بصرہ سے کوفہ واپس نہیں آنے دیا، نیز یہ کہ اسی زمانہ میں امام زفر کے اہل خاندان نے امام زفر کے بھائی کی بیوہ کے ساتھ جو غالبًا امام خالد بن حارث کی بہن تھیں امام زفر کی شادی کر دی، نیز یہ کہ امام زفر کی وفات کے وقت امام ابو یوسف ان کی عیادت کے لیے موجود تھے جس سے دونوں حضرات کے مابین گہرے تعلق کا پتہ چلتا ہے اور اس بات کا تذکرہ آرہا ہے کہ امام ابو یوسف نے بھی مذہب امام صاحب سے نفرت وبیزاری کا اظہار کیا ہے، اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ وفات امام صاحب کے بعد امام زفر کی طرح امام ابو یوسف بھی مذہب امام صاحب سے منحرف ہو گئے تھے، یہ معلوم ہو چکا ہے کہ امام صاحب نے امام ابو یوسف کو خاص طور پر خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ میرے فقہی مذہب میں آئے دن تبدیلی وترمیم ہوتی رہتی ہے، مجھے پتہ نہیں رہتا کہ میری بیان کردہ کون سی فقہی وعلمی بات صحیح ہے اور کون غلط ہے، اس لیے میری بیان کردہ کسی بھی علمی بات کی روایت واشاعت مت کرو، امام صاحب کی زبان سے اس بات کے سننے کے بعد سچ پوچھیے تو مذہبِ امام صاحب پر قائم رہنے کے لیے کوئی وجہ جواز نہیں رہ جاتی، اس لیے یہ بعید نہیں کہ امام صاحب کے اس فرمان کے پیش نظر اپنے دوسرے ساتھیوں کی

طرح امام ابویوسف نے بھی مذہب امام صاحب کو ترک کر دینے کا اعلان کر دیا ہو۔

اس کا حاصل یہ نکلا کہ امام صاحب کے یہ دونوں جلیل القدر تلامذہ امام زفر وابویوسف وفات امام صاحب کے بعد مذہب امام صاحب چھوڑ دینے پر متفق ہو گئے تھے، یہ تفصیل عنقریب آرہی ہے کہ امام داود طائی امام صاحب کی زندگی ہی میں ۱۴۰ھ کے لگ بھگ مذہب امام صاحب سے کنارہ کش ہو کر خانہ نشین ہو گئے تھے اور کتب مناقب میں مذکور ہے کہ امام زفر امام داود طائی کے گہرے دوست اور عام باتوں میں ان کے طریق کار کی پیروی کرنے والے تھے۔ چنانچہ امام صیمری ناقل ہیں:

"كان زفر يتبع داود الطائي حتى أن داود لوقعد على مزبلة جاء زفر حتى يقعد معه عليها قال وإنما قدم زفر (من) البصرة يزور داود الطائي." [1]

''امام زفر امام داود طائی کی متابعت کیا کرتے تھے حتیٰ کہ داود اگر کسی گھور پر جا کر بیٹھ جاتے تو ان کے پاس امام زفر بھی گھور پر جا کر بیٹھ جایا کرتے تھے، امام زفر بصرہ سے محض داود کی زیارت کے لیے سفر کر کے آئے ہوئے تھے۔''

جب کتب مناقب کے مطابق امام زفر اس قدر امام داود کے متبع تھے تو قرین قیاس یہی ہے کہ مذہب ابی حنیفہ کو چھوڑنے میں بھی موصوف امام زفر نے داود طائی کی پیروی کی ہوگی بلکہ یہ عرض کیا گیا کہ امام صاحب کے متعدد تلامذہ آخر میں مذہب امام صاحب سے منحرف ہو گئے۔

امام زفر کے قاضئ بصرہ ہونے پر بحث:

علامہ عبدالقادر قرشی نے لکھا:

"قال ابن مقاتل سمعت أبا نعيم الفضل بن دكين يقول قال لي زفر أخرج إلي حديثك حتى أغر بد لك وتولا قضاء البصرة... الخ." [2]

''محمد بن مقاتل ابوالحسن کسائی مروزی (متوفی ۲۲۶ھ) نے کہا کہ میں نے امام فضل بن دکین کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مجھ سے امام زفر نے کہا کہ اپنی حدیثیں میرے پاس لاؤ میں ان کی چھان بین کر دوں نیز یہ کہ امام زفر بصرہ کے قاضی بنے تھے۔''

مذکورہ بالا روایت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ امام ابونعیم فضل بن دکین نے یہ کہہ رکھا ہے کہ امام زفر قاضئ بصرہ بنائے گئے تھے، تاریخ التراث العربی (۲/ ۴۸) والاعلام للزرکلی (۳/ ۸۷) میں بھی امام زفر کو قاضئ بصرہ کہا گیا ہے، تاریخ التراث العربی اور الاعلام میں کہا گیا ہے کہ امام زفر کا ترجمہ قاضی وکیع (محمد بن خلف بن حیان بن صدقہ بن زیاد ابوبکر ضبی متوفی ۳۰۶ھ) کی کتاب اخبار قضاۃ (۱/ ۳۲۳) و (۲/ ۸۲) میں موجود ہے۔ قاضی وکیع کی کتاب مذکور تک ہماری رسائی نہیں مگر اس میں ترجمہ زفر کی موجودگی اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ قاضی وکیع نے بھی امام زفر کو قاضی بصرہ بتلایا ہے، چونکہ روایتِ جواہر المضیہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام زفر کے ثقہ شاگرد فضل نے موصوف کو قاضئ بصرہ بتلایا ہے جس کی تائید قاضی وکیع نیز بعض دوسرے حضرات کے

---

[1] أخبار أبي حنيفة للصيميري (ص: ١٠٤) وكردري (٢/ ١٨٥)

[2] جواهر المضية (١/ ٢٤٤)

بیان سے بھی ہوتی ہے۔[1] اس لیے مندرجہ ذیل روایت کو ملحوظ رکھنا چاہیے:

"ذكر عمر بن شبة في أخبار البصرة أنه (محمد بن عبد الله الأنصاري) ذكر للقضاء أيام المهدي سنة ١٦٦هـ فقال عثمان بن الربيع الثقفي للفضل بن الربيع إنه فقيه وعفيف ولكنه ياتم بقول أبي حنيفة ولنا في مصرنا أحكام تخالفه فلا يصلحنا إلا من أجاز أحكامنا فتركوا ولايته إذ ذالك."[2]

''عمر بن شبہ (مولود ۱۷۳ھ ومتوفی ۲۰۲ھ) (موصوف عمر بن شبہ ثقہ ہیں كما في تهذيب التهذيب) نے اپنی کتاب "أخبار البصرة" میں لکھا کہ خلیفہ مہدی کے زمانہ میں ۱۶۶ھ میں محمد بن عبداللہ انصاری (مولود ۱۱۸ھ و متوفی ۲۱۵ھ) کو قاضئ بصرہ بنائے جانے کے متعلق بات چیت کی جانے لگی تو عثمان بن ربیع ثقفی نے خلیفہ کے حاجب فضل بن ربیع (مولود ۱۳۸/ ۱۴۰ھ ومتوفی ۲۰۸ھ) سے کہا کہ موصوف محمد بن عبداللہ انصاری فقیہ وعفیف تو ہیں مگر مذہبِ ابی حنیفہ کے پیرو ہیں اور ہمارے شہر بصرہ میں جو احکام وقوانین جاری ہیں وہ مذہب حنفی کے خلاف ہیں، اگر کوئی حنفی المذہب شخص بصرہ کا قاضی ہو گیا تو مناسب نہیں ہوگا کیونکہ بصرہ کا قاضی وہ شخص مناسب ہوگا جو ہمارے مذہب کے مطابق احکام وقوانین کا نفاذ کرے، عثمان ثقفی کی اس بات کے سبب موصوف محمد بن عبداللہ انصاری کو اس وقت قاضی نہیں بنایا گیا۔''

روایت مذکورہ صحیح ومعتبر ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ ۱۶۶ھ میں جس وقت محمد بن عبداللہ انصاری کے قاضئ بصرہ بنائے جانے سے متعلق بات چیت چل رہی تھی اس وقت تک صورت حال یہ تھی کہ کسی حنفی المذہب فقیہ کو وہاں کا قاضی نہیں بنایا جاتا تھا، اس کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ ۱۶۶ھ سے بہت پہلے ۱۵۸ھ میں فوت ہونے والے امام زفر کو جس زمانہ میں قاضئ بصرہ بنایا گیا اس زمانہ میں موصوف زفر حنفی المذہب نہیں تھے، اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ موصوف امام زفر نے مذہبِ حنفی سے رجوع کر لیا تھا، اس کے بعد انھیں قاضئ بصرہ بنایا گیا تھا۔

حاصل یہ کہ اس تفصیل سے بھی حافظ ابونعیم اصبہانی کے اس بیان کی تائید ہوتی ہے کہ امام زفر نے مذہبِ رائے سے رجوع کر لیا تھا، ۱۳۸ھ سے لے کر ۱۵۶ھ تک امام سوار بن عبداللہ بن قدامہ عنبری بصری قاضئ بصرہ رہے تھے اور ۱۵۶ھ میں سوار کی وفات ہو جانے پر امام عبداللہ بن حسن عنبری (مولود ۱۰۵/ ۱۰۶ھ ومتوفی ۱۶۸ھ) قاضئ بصرہ بنائے گئے تھے۔[3] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام زفر اگر بصرہ کے قاضی بنائے گئے تھے تو محکمۂ قضاء کے کسی خاص شعبہ کے قاضی یا کسی خاص محلّہ وخطہ کے قاضی یا نائب قاضی تھے، ظن غالب ہے کہ موصوف امام زفر وفات قاضی سوار کے بعد محکمۂ قضا میں شریک کیے گئے تھے۔

---

[1] اس عبارت کی کتابت ہو چکنے کے بعد قاضی وکیع کی کتاب اخبار القضاۃ ہم کو ملی مگر اس کے محولہ صفحات میں امام زفر کا ذکر صرف ضمناً آیا ہوا ہے مستقل طور پر نہیں، البتہ امام فضل بن دکین سے منقول شدہ مذکورہ بالا قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام زفر عہدۂ قضا پر فائز تھے۔

[2] تهذيب التهذيب (٩/ ٢٧٦ ترجمه محمد بن عبدالله انصاری)

[3] تاريخ طبري (٩/ ٢٨٨) وتهذيب التهذيب (٧/ ٨، ٩ ترجمه عبيد الله بن حسن) و (ص: ٢٦٩، ترجمه سوار)

واضح رہے کہ ۱۶۶ھ میں جس سال امام محمد بن عبداللہ انصاری کو حنفی ہونے کے سبب قاضیٔ بصرہ نہیں بنایا گیا اس کے سال بھر بعد ۱۶۷ھ میں امام ابو یوسف کو قاضیٔ بغداد بنایا گیا تھا۔ (كما سيأتي) نیز ۱۶۶ھ کے بعد موصوف محمد بن عبداللہ انصاری بھی متعدد لوگوں کی طرح مذہب حنفی سے منحرف ہو کر اہلحدیث بن گئے تھے، پھر موصوف زمانۂ ہارون رشید میں قاضی بصرہ بنائے گئے تھے اور معاذ بن معاذ (مشہور اہل حدیث عالم) کے طریق پر نفاذِ احکام کرتے تھے۔[1] حتی کہ موصوف محمد بن عبداللہ انصاری اپنے کو اہل الرای کے بالمقابل اہل الحدیث کا فرد کہنے لگے تھے۔ (كما سيأتي)

حافظ ابن عبدالبر نے لکھا:

"ولي قضاء البصرة فقال له أبوحنيفة قد علمت ما بيننا وبين أهل البصرة من العداوة والحسد والمنافسة ما أظنك تسلم منهم فلما قدم البصرة قاضيا اجتمع إليه أهل العلم وجعلوا يناظرونه في الفقه يوما بعد يوم."[2]

''امام زفر قاضیٔ بصرہ بن کر جب بصرہ جانے لگے تو ان سے امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ تم کو ہمارے (احناف) اور اہل بصرہ کے مابین جو عداوت، حسد اور باہم ایک دوسرے پر برتری حاصل کرنے کے لیے طاقت آزمائی پائی جاتی ہے وہ معلوم ہے، میرا خیال ہے کہ تم اہل بصرہ سے محفوظ نہیں رہ سکو گے، لیکن جب امام زفر بصرہ آئے اور ان کے پاس بصرہ کے اہل علم روزانہ آ کر مناظرے کرنے لگے اور مناظرہ کے دوران امام زفر کی پیش کردہ بعض بعض باتوں کو قبول کرنے اور پسند کرنے لگے تو ان سے امام زفر کہنے لگے کہ میری پیش کردہ یہ بات امام ابوحنیفہ کی بیان کردہ ہے، امام زفر سے یہ سن کر اہل بصرہ از راہ تعجب کہا کرتے تھے کہ کیا امام ابوحنیفہ بھی اتنی اچھی بات کہہ لیا کرتے ہیں، امام زفر فرماتے کہ ہاں بلکہ اس سے بھی زیادہ اچھی باتیں وہ بیان کیا کرتے ہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ دھیرے دھیرے لوگ امام زفر کی بدولت امام صاحب سے حسن ظن رکھنے لگے اور امام صاحب کی بدگوئی کرنے کے بجائے تحسین کرنے لگے، امام زفر وفات امام صاحب کے بعد امام صاحب کی جگہ پر مسند نشین ہوئے تھے اور وفات زفر کے بعد درسگاہ امام صاحب کے مسند نشین امام ابو یوسف ہوئے اور وفات ابی یوسف کے بعد امام محمد بن حسن شیبانی ہوئے۔''

حافظ ابن عبدالبر کے مندرجہ بالا بیان کا مفاد یہ ہے کہ امام زفر حیاتِ ابی حنیفہ ہی میں قاضی بن کر بصرہ چلے گئے تھے، اس وقت موصوف زفر مذہب امام صاحب کے پیرو تھے، انھوں نے بصرہ میں جا کر مذہب ابی حنیفہ کی کامیاب اشاعت بھی کی حالانکہ اس کے پہلے بتصریح امام صاحب اہل بصرہ مذہب امام صاحب کے مخالف تھے۔ مصنف انوار وکوثری نے حافظ ابن عبدالبر کی اس بات کی تغلیط کی ہے اور کہا ہے کہ مغربی آدمی ہونے کی وجہ سے حافظ ابن عبدالبر کو مشرق میں رہنے والے امام صاحب کے حالات کا صحیح علم نہیں تھا، مصنف انوار وکوثری نے کہا ہے کہ امام زفر کبھی قاضی نہیں ہوئے، مصنف انوار کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

''امام زفر کو حکومتِ وقت نے قضا کے لیے مجبور کیا مگر انھوں نے امام صاحب کی طرح صاف انکار کر دیا کسی طرح راضی نہیں ہوئے، پھر چھپ گئے اور آپ کا مکان گرا دیا گیا، آپ نے مکان بنوایا پھر قضا کے لیے مجبور کیے گئے اور آپ

---

[1] تهذيب التهذيب ترجمة محمد بن عبدالله انصارى.

[2] الانتقاء (ص: ۱۷۳، ۱۷۴)

چھپ گئے دوبارہ مکان گرا دیا گیا حتی کہ آپ کو اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا اور سمجھ لیا گیا کہ کسی طرح راضی نہ ہوں گے۔"[1]

یہ پہلے لکھا گیا کہ امام زفر نے قضا قبول نہیں کی اور بصرہ میں ان کا قیام بہ سلسلۂ درس وافادہ تھا کیونکہ بصرہ والوں نے ان کو اصرار کر کے روک لیا تھا، علامہ ابن عبدالبر نے انتقاء میں جو لکھا ہے کہ امام زفر بصرہ کے قاضی بھی رہے یہ ان کو مغالطہ ہوا ہے وہ مغرب میں تھے اور مشرق کے بعض حالات بیان کرنے میں ان سے تسامحات ہو گئے ہیں۔"[2]

ہم کہتے ہیں کہ عہدۂ قضا نہ قبول کرنے پر امام زفر کے گھر گرائے جانے اور موصوف کے قاضی نہ بننے کی جو کہانی مصنف انوار نے سنائی ہے وہ کذب خالص اور سفید جھوٹ ہے۔ (كما سيأتي) اور امام زفر کے قاضیٔ بصرہ بنائے جانے سے متعلق جو تفصیل حافظ ابن عبدالبر نے لکھی ہے وہ بھی غیر معتبر ہے مگر اس کے غیر معتبر ہونے کا سبب یہ ہرگز نہیں کہ موصوف مغربی آدمی تھے، اس لیے اہل مشرق کے حالات بیان کرنے میں ان سے بعض تسامحات ہوئے ہیں۔ مصنف انوار کے خصوصی معتمد علیہ مصنف جواہر المضیہ مشرقی آدمی ہیں اور حنفی بھی نیز انھوں نے یہ کتاب خصوصی طور پر رجال احناف کے تراجم میں لکھی ہے، انھوں نے بھی صاف اور واضح طور پر لکھا ہے کہ امام زفر قاضیٔ بصرہ بنائے گئے تھے بلکہ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ بات امام زفر کے مشہور معاصر امام فضل بن دکین سے نقل کی ہے جو امام زفر کے شاگرد بھی تھے اور بصرہ وکوفہ کے حالات سے بخوبی واقف تھے، انھیں اہل علم نے رجال وتواریخ اور تراجم کا ماہر قرار دیا ہے۔[3] امام فضل بن دکین مشرقی آدمی تھے اور حافظ ابن عبدالبر سے متقدم بھی، امام زفر کے قاضیٔ بصرہ بنائے جانے سے متعلق حافظ ابن عبدالبر کی ذکر کردہ تفصیل کے ساقط الاعتبار ہونے کا سبب یہ ہے کہ ان کی اس تفصیل کی کوئی سند نہیں ہے اور کسی بات کے معتبر ہونے کے لیے سندِ معتبر کا ہونا شرط ہے۔

اس میں شک نہیں کہ امام زفر بصرہ اپنے بھائی کی میراث کے سلسلے میں گئے تھے اور لوگوں نے اصرار کر کے روک لیا تھا لیکن یہ بات اس امر کے منافی نہیں کہ بصرہ میں موصوف کے مقیم ہو جانے نیز حنفی مذہب چھوڑ کر اہل حدیث بن جانے کے بعد موصوف کو محکمہ قضا میں شریک کر لیا گیا ہو، ہمارے خیال سے موصوف امام زفر اپنی زندگی کے بالکل آخری زمانے میں قاضی بنائے گئے ہوں گے۔

اس میں شک نہیں کہ ۱۵۸ھ میں فوت ہونے والے امام زفر کی وفات کے زمانہ بعد ۳۶۸ھ میں پیدا ہونے والے حافظ ابن عبدالبر نے اپنے مذکورہ بالا بیان کا ماخذ نہیں بتلایا اور یہ معلوم ہے کہ معتبر سند کے بغیر اس طرح کی بات کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا، حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کے ابتدائے کلام کا مفاد یہ ہے کہ امام زفر امام صاحب کی زندگی میں امام صاحب کا ساتھ چھوڑ کر کوفہ سے بصرہ قاضی بن کر چلے گئے تھے اور بصرہ میں جا کر انھوں نے بذریعہ حکمت عملی امام صاحب کے خلاف نفرت ووحشت کے جذبات ختم کر کے اہل بصرہ کو امام صاحب اور ان کے مذہب کا گرویدہ بنا دیا تھا، اور حافظ ابن عبدالبر کے آخر کلام کا مفاد یہ ہے کہ وفات ابی حنیفہ کے وقت امام زفر کوفہ میں قائم شدہ درسگاہِ امام صاحب میں امام صاحب کے جانشین کی حیثیت سے درس دینے لگے تھے۔ یہ بات عجیب ہے کہ حیاتِ امام صاحب میں امام صاحب کا ساتھ چھوڑ کر قاضی بن کر بصرہ میں آباد ہو جانے

---

[1] مقدمہ انوار (١/ ١٦٤) [2] مقدمہ انوار (١/ ١٦٦)

[3] خطیب وتهذيب التهذيب وغیرہ.

والے اور وہاں مذہب امام صاحب کی تبلیغ واشاعت میں مصروف ہوجانے والے امام زفر کوفہ میں فوت ہونے والے امام صاحب کی وفات کے بعد درسگاہ امام صاحب کے وارث بن کر اپنی وفات یعنی ۱۵۸ھ تک درس وتدریس کا کام کرتے رہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے اپنی مذکورہ بالا بات کا ماخذ نہیں بتلایا ہے لیکن مندرجہ ذیل مکذوبہ روایت کا مطالعہ ناظرین کے لیے خالی از دلچسپی نہیں ہوسکتا ملاحظہ ہو:

" عن هلال بن يحيى بن مسلم قال رجل يوسف بن خالد السمتي من البصرة إلى الكوفة فتفقه عند أبي حنيفة فلما أراد الخروج إلى البصرة قال له أبوحنيفة إذا صرت إلى البصرة فإنك تجيء إلى قوم تقدمت لهم الرياسة فلا تعجل بالقعود عند أسطوانة واتخاذ حلقة ثم تقول قال أبو حنيفة وقال أبو حنيفة فإنك إذا فعلت ذالك لم تلبث حتى تقام قال فخرج يوسف فأعجبته نفسه وجلس عند أسطوانة وقال قال أبوحنيفة قال فأقاموه من المسجد فلم يذكر أحد أبا حنيفة حتى قدم زفر البصرة فجعل يجلس عند الشيوخ الذين تقدمت لهم الرياسة فيحتج لأقوالهم بما ليس عندهم فيعجبون من ذلك ثم يقول ههنا قول آخر أحسن من هذا فيذكره ويحتج له ولا يعلم أنه قول أبي حنيفة فإذا حسن في قلوبهم قال فإنه قول أبي حنيفة فيقولون هو قول حسن لانبالي من قال به فلم يزل بهم حتى ردهم إلى قول أبي حنيفة." [1]

''ہلال بن یحییٰ نے کہا کہ یوسف بن خالد سمتی نے بصرہ سے کوفہ جا کر امام صاحب سے فقہ پڑھی، پھر بصرہ واپس ہونے لگے تو ان سے امام صاحب نے فرمایا کہ جب تم بصرہ پہنچو گے تو وہاں پہلے سے علمی ریاست رکھنے والے لوگ موجود ہوں گے لہٰذا تم مسجد کے کسی کھمبے کے پاس بیٹھ کر درسگاہ جمانے میں عجلت سے کام لے کر "قال أبوحنيفة قال أبوحنيفة" کہہ کر میرے فقہی مذہب کا درس مت شروع کردینا ورنہ تم وہاں سے نکال باہر کیے جاؤ گے، یوسف سمتی بصرہ گئے تو امام صاحب کی نصیحت پر عمل کرنے کے بجائے غرور نفس میں مبتلا ہوکر فقہ ابی حنیفہ کا درس دینے لگے تو لوگوں نے یوسف سمتی کو مسجد سے نکال باہر کیا، پھر بصرہ میں امام صاحب کا کوئی نام لیوا نہیں رہا حتی کہ جب امام زفر بصرہ آئے تو وہ ریاست والے شیوخ کے پاس بیٹھنے لگے اور ان کے موافق ایسی دلیلوں کو بیان کرنے لگے جو ان شیوخ کے پاس نہیں تھیں، امام زفر کے اس طرز عمل سے یہ شیوخ خوش ہونے لگے، پھر امام زفر نے یہ کہنا شروع کردیا کہ اس قول سے بہتر ایک دوسرا قول بھی ہے، چنانچہ یہ بتلائے بغیر کہ یہ قول امام صاحب کا ہے موصوف اقوال ابی حنیفہ بیان کرنے لگے اور ان کی دلیلیں بھی پیش کرنے لگے، جب لوگوں کے دلوں میں یہ بات سما گئی کہ اقوال اچھے ہیں تو امام زفر نے یہ بتلانا شروع کیا کہ یہ اقوال امام ابوحنیفہ کے ہیں، لوگ کہنے لگے بہرحال یہ اچھے اقوال ہیں خواہ کسی کے بھی ہوں، امام زفر اسی طریق پر کاربند رہے حتی کہ اہل بصرہ کو مذہب امام صاحب کی طرف پھیر کر لے آئے۔''

---

[1] أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ١٠٤، وجاء بمعناه في عامة كتب مناقب أبي حنيفه)

أوّلاً: روایت مذکورہ کے بنیادی راوی ہلال بن یحییٰ بن مسلم رائی کی بابت حافظ ابن حبان نے فرمایا: "لایجوز الاحتجاج به"[1] موصوف ہلال کو حجت بنانا جائز نہیں، ہلال سے روایت مذکورہ کا راوی متن کتاب صیمری میں بکر اور حاشیہ میں مکرم ظاہر کیا گیا ہے دونوں غیر متعین ہیں اس معنی ومفہوم کی بعض روایات دوسری مکذوبہ سندوں سے بھی مروی ہیں جن سے اس امر کی تعیین ہوتی ہے کہ امام زفر امام صاحب کا ساتھ چھوڑ کر کوفہ سے بصرہ ۱۴۳ھ سے پہلے گئے تھے اور بصرہ ہی میں موصوف مقیم ہو کر مذہبِ حنفی کی اشاعت تدبیرِ مذکور کے ذریعہ کرنے لگے تھے حتی کہ ۱۴۳ھ سے پہلے ہی اس تدبیر کے ذریعہ موصوف نے اہل بصرہ کو حنفی المذہب بنا لیا تھا حالانکہ دوسری طرف سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس طرح کی افسانوی کہانیاں دراصل اس حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لیے گھڑی گئی ہیں کہ امام زفر نے مذہب حنفی سے رجوع کر لیا تھا، اس سلسلے میں مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔

ثانیاً: صحیح طور پر ثابت ہے کہ امام صاحب اپنی آخری زندگی میں اپنی بیان کردہ فقہی وعلمی باتوں کو مجموعۂ اغلاط اور ناقابل نقل وروایت کہنے لگے تھے، خود امام زفر بھی ۱۴۹/ ۱۵۰ھ کے لگ بھگ یعنی امام صاحب کی وفات کے قریبی زمانہ میں امام صاحب سے اس مفہوم کی باتیں سن چکے تھے (کمامر) نیز یہ بھی ثابت ہے کہ امام زفر امام صاحب کی زندگی کے بالکل آخری زمانہ میں بلکہ ان کی وفات کے زمانہ تک امام صاحب کے ساتھ کوفہ میں موجود تھے۔ دریں صورت یہ بہت مستبعد ہے کہ موصوف امام صاحب کے مجموع اغلاط اور ممنوع الروایۃ قرار دیے ہوئے مذہب کی اشاعت وتبلیغ پر امام زفر بصرہ میں اس طرح کی حیرت انگیز تدبیر وحکمت عملی سے کام لیتے جن کا ذکر ان روایات میں ہے۔

ثالثاً: ان روایات کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب کی طرف جو فقہی مذہب یا علمی اقوال منسوب تھے وہ امام صاحب کے ذاتی اقوال اور رائے وقیاس سے مستخرج کردہ مسائل تھے کیونکہ ان روایات میں صراحت ہے: "ثم تقول قال أبوحنيفة قال أبوحنيفة"۔ ان روایات میں اس ثابت شدہ حقیقت کا اعتراف بھی موجود ہے کہ علمائے بصرہ کے نزدیک مذہب ابی حنیفہ ناپسندیدہ چیز تھی مگر ساتھ ہی ساتھ ان روایات کے ذریعہ یہ ظاہر کرنے کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ امام زفر کی حکمت عملی سے اہل بصرہ مذہب ابی حنیفہ کے معتقد اور پیرو بن گئے تھے، حالانکہ مذکورہ بالا تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ امام زفر بذات خود مذہب ابی حنیفہ کو چھوڑ کر اہلحدیث ہو گئے تھے۔

کیا امام زفر امام صاحب کے جانشین تھے؟

اوپر حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کا یہ قول مذکور ہو چکا ہے کہ وفات ابی حنیفہ کے بعد امام صاحب کی جگہ امام زفر نے سنبھالی تھی، بلفظ دیگر امام صاحب کے جانشین علم وفقہ کی حیثیت سے کوفہ میں امام صاحب کی جگہ پر درس وتدریس اور فتویٰ کا کام کرتے تھے، بعض دوسری روایات سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ وفات امام صاحب کے بعد کوفہ میں قائم شدہ درسگاہِ ابی حنیفہ میں امام زفر ہی امام صاحب کے جانشین کی حیثیت سے کام کرتے تھے اور کوئی مستبعد بات نہیں ہے کہ امام زفر وفات امام صاحب کے بعد جانشین امام صاحب بنائے گئے ہوں، یہ تفصیل گزر چکی ہے کہ امام ابراہیم نخعی اپنی زندگی میں کہا کرتے تھے کہ میری وفات کے بعد علمی امور میں حماد کی طرف رجوع کیا جائے، چنانچہ حماد وفات نخعی کے بعد جانشین نخعی بنائے بھی گئے مگر موصوف

---

[1] لسان الميزان والمجروحين.

حماد تھوڑے دن مذہب نخعی پر قائم رہنے کے بعد نہ جانے کن اسباب کے تحت مرجی المذہب ہو گئے (اس سلسلے میں تاریخ ابن معین ترجمہ حماد بھی ملاحظہ ہو) اس لیے یہ مستبعد نہیں کہ وفات امام صاحب کے بعد امام زفر جانشین امام صاحب بنائے گئے ہوں مگر بعد میں امام زفر مذہب امام صاحب سے منحرف ہو کر اہلحدیث ہو گئے ہوں لیکن کسی بھی معتبر روایت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ امام زفر جانشین امام صاحب بنے تھے جن روایات میں امام زفر کو جانشین امام صاحب بتلایا گیا ہے وہ ساقط الاعتبار ہیں، اور یہ بات مذکور ہو چکی ہے کہ امام صاحب آخری عمر میں فرمانے لگے تھے کہ میری بیان کردہ علمی وفقہی باتیں مجموعۂ اغلاط ہیں، اس لیے ان کی نقل وروایت اور ترویج واشاعت نہ کی جائے، دریں صورت یہ مستبعد ہے کہ امام صاحب کے اس فرمان کے باوجود بھی وفات امام صاحب کے بعد امام صاحب کی جگہ پر امام زفر یا کسی بھی شاگرد امام صاحب کو جانشین امام صاحب بنا کر اس غرض سے بٹھایا جاتا کہ امام صاحب کی جگہ پر کام کریں، یعنی امام صاحب کے مذہب رائے وقیاس کا درس دیں، اگر امام صاحب کے اس ارشاد کے باوجود بھی وفات امام صاحب کے بعد امام صاحب کے بیان کردہ فقہی وعلمی اقوال کی ترویج کی غرض سے کسی کو امام صاحب کے جانشین کی حیثیت سے بٹھایا گیا یا کوئی شخص از خود اپنے کو جانشین امام صاحب قرار دے کر امام صاحب کی جگہ پر بیٹھ گیا تو یہ کام بہرحال وصیتِ امام صاحب کے خلاف ہوا اور یہ مستبعد ہے کہ امام زفر جیسے متورع بزرگ امام صاحب کے اس ارشاد کے خلاف کوئی قدم اٹھائیں خصوصًا جبکہ مصنف انوار کا ارشاد ہے:

''امام زفر یہ بھی فرماتے تھے کہ میں نے کبھی یہ جرأت نہیں کی کہ امام صاحب کی مخالفت کسی مسئلہ میں ان کی وفات کے بعد بھی کروں کیونکہ میں اگر ان کی زندگی میں مخالفت کرتا اور دلیل اس پر قائم کرتا تو وہ مجھے اسی وقت اپنی حق بات کی طرف دلائل کی قوت سے مجبور کر کے لوٹا دیتے، لہٰذا بعد وفات بھی مخالفت میرے لیے موزوں نہیں ہوتی۔''[1]

ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ مصنف انوار کی نقل کردہ مذکورہ بالا بات کا مفاد یہ ہے کہ وفات امام صاحب کے بعد بھی امام زفر یہ التزام رکھتے تھے کہ کسی مسئلہ میں امام صاحب کے خلاف عمل نہ کریں، دریں صورت یہ مستبعد ہے کہ امام صاحب کے اس اعلان کے بعد بھی امام زفر مذہب امام صاحب کے پیرو رہ کر وفات امام صاحب کے بعد جانشین امام صاحب بن کر امام صاحب کے فقہی مذہب کی تدریس وتعلیم اور ترویج واشاعت کا کام انجام دیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب امام صاحب نے یہ اعلان فرمایا کہ میری بیان کردہ علمی وفقہی باتیں مجموعۂ اغلاط ہیں ان کی ترویج واشاعت نہیں ہونی چاہیے تو امام زفر نے امام صاحب کی زندگی میں بھی امام صاحب کے اس فرمان واعلان کی کوئی مخالفت نہیں کی، موصوف نے یا امام صاحب کے کسی بھی ثقہ شاگرد نے امام صاحب سے یہ نہیں کہا کہ آپ اپنی بابت جو بات کہہ رہے ہیں کہ میری بیان کردہ علمی وفقہی باتیں مجموعۂ اغلاط وناقابل ترویج واشاعت ہیں وہ صحیح نہیں ہے بلکہ بذریعہ خاموشی امام صاحب کے تلامذہ نے امام صاحب کے اس فرمان کی تائید وتصویب کی تھی، اگر بالفرض امام صاحب کے اس فرمان کے خلاف امام زفر یا کوئی بھی شخص کسی طرح کی لب کشائی کر کے کہتا کہ امام صاحب کی بیان کردہ علمی وفقہی باتیں مجموعۂ اغلاط نہیں بلکہ صحیح ومعتبر ہیں تو مصنف انوار کی نقل کردہ مذکورہ بالا بات کے مطابق امام صاحب امام زفر یا کسی بھی شخص کی کہی ہوئی اس بات کی تغلیط کر کے یہ ماننے پر مجبور کر دیتے کہ میری بیان کردہ علمی وفقہی باتیں میرے فرمان کے مطابق مجموعۂ اغلاط ہیں، اس کے خلاف لب کشائی غلط حرکت ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ عملی طور پر امام زفر نے امام

[1] مقدمه انوار (١/ ١٦٦)

صاحب کے اس فرمان کی بھرپور تصدیق وتائید کی ہے وہ یہ کہ مذکورہ بالاتفصیل کے مطابق امام زفر نے مذہب امام صاحب سے رجوع کر لیا تھا، اور مذہب امام صاحب سے رجوع کر لینے کا دوسرا لازمی مطلب یہ ہے کہ موصوف امام زفر نے مجموعی اعتبار سے مذہب امام صاحب کو مجموعۂ اغلاط قرار دیا ہے ورنہ اس سے رجوع کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی، اور یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ امام زفر کی طرح امام صاحب کے دوسرے تلامذہ مثلاً: امام حفص بن غیاث اور ابو یوسف وداود طائی وغیرہ نے بھی مذہب امام کو ترک کر دیا تھا ۔اس طرح امام صاحب کے ان جلیل القدر تلامذہ نے امام صاحب کے مذکورہ بالا قول کی عملاً یا قولاً تائید فرمائی، جس طرح مصنف انوار نے امام زفر سے نقل کیا کہ میں نے امام صاحب کی کسی مسئلہ میں وفاتِ امام صاحب کے بعد بھی مخالفت نہیں کی اسی طرح کی بات امام ابو یوسف سے بھی منقول ہے، نیز مصنف انوار امام زفر کی طرف منسوب شدہ ایک قول یہ بھی نقل کیے ہوئے ہیں:

''امام زفر فرمایا کرتے کہ میں نے امام ابوحنیفہ کی کسی مسئلہ میں مخالفت نہیں کی جس میں ان کا کوئی نہ کوئی قول اس کے موافق موجود نہ ہو۔''[1]

مصنف انوار کی نقل کردہ اس بات کا مفاد یہ ہے کہ امام زفر نے اگر کسی مسئلہ میں امام صاحب کی مخالفت کر کے امام صاحب کے خلاف کوئی موقف اختیار کیا ہے تو امام صاحب کے خلاف امام زفر کے اختیار کردہ موقف کے مطابق بھی امام صاحب کا کوئی نہ کوئی فرمان موجود ہے، بلفظ دیگر امام زفر کا ہر موقف امام صاحب کے موقف کے مطابق ہے، اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ امام زفر نے مذہبِ امام صاحب سے رجوع کر لینے کا جو موقف اختیار کیا تھا وہ خود امام صاحب کا اپنا اختیار کردہ موقف بھی ہے، یعنی جس طرح امام زفر نے مذہبِ امام صاحب کو قابل ترک ورجوع قرار دیا اسی طرح خود امام صاحب نے بھی اپنے مذہب کو قابل ترک ورجوع قرار دے دیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ امام صاحب سے ثابت ہے کہ انھوں نے اپنے بیان کردہ فقہی وعلمی اقوال کو مجموعۂ اغلاط اور قابل ترک قرار دیا ہے۔

اوپر امام وکیع سے مروی شدہ یہ روایت گزر چکی ہے ''لما مات أبوحنيفة أقبل الناس على زفر فما كان ياتي أبا يوسف إلا نفر يسير النفسان أو الثلاثة'' وفاتِ ابی حنیفہ کے بعد لوگ امام زفر کی طرف متوجہ ہو گئے مگر ابو یوسف کے پاس ایک ہی دو آدمی آیا کرتے تھے۔ مصنف انوار نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے۔ (كما سيأتي) مصنف انوار کی دلیل بنائی ہوئی اس روایت کا مفاد یہ ہے کہ وفات ابی حنیفہ کے بعد امام زفر اور ابو یوسف اپنی اپنی الگ الگ درسگاہیں قائم کر کے بیٹھ گئے تھے، درسگاہِ زفر کی طرف زیادہ طلبہ رخ اور توجہ کرتے مگر درسگاہ ابی یوسف کی طرف صرف دو تین طلبہ رخ کرتے تھے۔

اس روایت سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ وفات ابی حنیفہ کے بعد جانشین ابی حنیفہ کی حیثیت سے درسگاہِ ابی حنیفہ میں امام زفر بیٹھا کرتے تھے کیونکہ وفات ابی حنیفہ کے بعد درسگاہ زفر کی طرف لوگوں کے توجہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ امام زفر جانشین ابی حنیفہ ہی کی حیثیت سے درسگاہِ ابی حنیفہ میں کام کرنے لگے تھے، نیز بعض روایات میں ہے کہ وفات ابی حنیفہ کے بعد جانشین ابی حنیفہ امام ابو یوسف ہوئے تھے (كماسيأتي التفصيل) دریں صورت اگر امام زفر کو جانشین امام صاحب قرار دیا جائے تو اشکال لازم آئے گا۔ مصنف انوار ناقل ہیں:

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱٦٦)

''محدث خالد بن صبیح کا بیان ہے کہ ایک بار میں نے امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے سفر کیا تو راستہ ہی میں امام صاحب کے انتقال کی خبر ملی، جب میں مسجد کوفہ میں پہنچا تو دیکھا کہ سب لوگ امام زفر کے گرد جمع ہیں اور امام ابو یوسف کے پاس صرف دو چار (اصل عبارت میں دو تین کا لفظ ہے) آدمی ہیں۔ مجھے خیال ہے کہ یہ ابتدائے زمانہ کی بات ہے ورنہ پھر تو امام ابو یوسف سے حدیث وفقہ حاصل کرنے والے اس کثرت سے ہو گئے کہ کوئی ان کے مقابل نہ تھا اور اس سے کسی وقت نہ اکتانا اور کمال وسعت صورتوں کا بڑا امتیاز تھا۔''[1]

روایت مذکورہ بھی باعتبار سند ساقط الاعتبار ہے، خود خالد بن صبیح مجروح ہیں۔ (كما سيأتي) اس روایت کے مضمون سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ امام زفر جانشین امام صاحب بنے تھے اگرچہ اس سے اور اس مفہوم کی روایات سے امام زفر کے جانشین ابی حنیفہ ہونے پر استدلال کیا جا سکتا ہے مگر یہ روایات بالصراحت اس بات پر دلالت نہیں کرتی ہیں کہ امام زفر وفات امام صاحب کے بعد جانشینِ امام صاحب بنے تھے، اگر بالفرض دلالت بھی کریں تو اس عبارت میں ابو یوسف کی درسگاہ میں محض ایک دو طلبہ کے حاضر رہنے کی بات کو جس طرح ابتداء کی بات کہا گیا ہے اسی طرح ان روایات کو بھی ابتدائے امر پر محمول کرنا چاہیے کہ وفات امام صاحب کے بعد جانشین امام صاحب کی حیثیت سے امام زفر نے امام صاحب کی جگہ پر کام کیا، پھر وہ بعد میں بصرہ چلے گئے اور وہاں موصوف حنفی مذہب کو چھوڑ کر اہل حدیث بن گئے۔

ساری روایات میں تطبیق کے لیے اس طرح کا راستہ اختیار کیا جا سکتا مگر صحیح طریق کار یہ ہے کہ غیر معتبر روایات کو ساقط الاعتبار قرار دے کر صرف روایات معتبرہ کو برقرار رکھا جائے، صحیح روایات کو رد کیے بغیر اگر ان کے ساتھ غیر معتبر روایات کے لیے تطبیق وتوجیہ اور تاویل کی کوئی صورت نکل آئے تو ایسی تطبیق وتوجیہ اور تاویل کے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام محمد بن سماعہ سے مروی ہے:

"كان زفر و أبو يوسف يجلسان في مسجد الكوفة وكان زفر يستند إلى أسطوانة وكان رجلا ركينا فينتصب فلا يزول و كان أبو يوسف إذا ناظره يكثر الحركة حتى يجيء فيجلس بين يديه فكان زفر يقول إن هذه أبواب كثيرة فإن أردت أن تفر فخذ في أيها شئت."[2]

''امام زفر وابو یوسف مسجد کوفہ میں اپنی اپنی درسگاہوں میں بیٹھا کرتے تھے، امام زفر ایک ستون کے پاس بیٹھتے، وہ ایک باوقار سنجیدہ ثابت قدم رہنے والے آدمی تھے جم کر بیٹھتے اور اپنی جگہ سے ہٹتے نہیں تھے مگر ابو یوسف جب امام زفر سے بحث ونظر کرتے تو بکثرت حرکت کرتے اور حرکت کرتے کرتے اپنی مجلس سے ہٹ کر امام زفر کے پاس آبیٹھتے وامام زفر ان سے کہا کرتے تھے کہ بہت سارے دروازے تمہارے بھاگ نکلنے کے لیے موجود ہیں جس دروازہ سے بھی چاہو بھاگ جاؤ۔''

روایت مذکورہ کا ظاہری مفاد یہ ہے کہ وفات امام صاحب کے بعد امام زفر وابو یوسف مسجد کوفہ میں اپنی اپنی درسگاہیں قائم کر کے درس دیا کرتے تھے اور دونوں کے مابین علمی مسائل پر مباحثہ ومناظرہ بھی ہوا کرتے تھے۔ روایت مذکورہ باعتبار سند خالی

---

[1] مقدمہ انوار (١/ ٦٤)

[2] أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ١٠٥) وكردري (٢/ ١٨٦) وجواهر المضية (١/ ٢٤٤) ولمحات النظر (ص: ١٠٠)

از کلام نہیں مگر اس سے ان روایات کی تائید ہوتی ہے جن کا مفاد ہے کہ وفات امام صاحب کے بعد کچھ دنوں تک امام زفر کوفہ ہی میں رہ کر درس وتدریس کا کام کرتے رہے تھے اور بعد میں بصرہ جا کر مقیم ہوئے تھے، تمام روایات پر غور ونظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو یوسف وزفر ایک تو امام صاحب کی آخری زندگی میں امام صاحب سے یہ سن کر مذہب امام صاحب سے غیر مطمئن ہو گئے تھے کہ ''میری بیان کردہ عام علمی وفقہی باتیں مجموعۂ اغلاط ونا قابل روایت ہیں۔'' دوسرے وفات امام صاحب کے بعد دونوں حضرات باہم مباحثہ ومناظرہ اور مذاکرہ کرتے کرتے اس نتیجہ پر پہنچے کہ مذہب امام صاحب کو چھوڑ ہی دینا مناسب ہے چنانچہ اسی قسم کے جذبات کے تحت بالآخر دونوں حضرات مذہب امام صاحب سے منحرف ہو گئے۔ مذہب امام صاحب سے منحرف ہونے کے پہلے امام زفر کا اپنے بھائی اور اہل خاندان سے ملاقات کے لیے کوفہ سے کبھی کبھی بصرہ کا سفر کرنا بالکل ہی قرین قیاس ہے، اپنے حنفی رہنے کے زمانہ میں موصوف امام زفر جب کبھی بصرہ جاتے تھے تو انھیں اپنے خاندان اور شہر بصرہ کے اہل علم کے اس طرز عمل کا سامنا ہوتا تھا کہ وہ لوگ موصوف کے حنفی المذہب بن جانے کے سبب ان سے ملنا جلنا بھی گوارا نہ کرتے تھے اور ان پر اعتراضات بھی کیا کرتے تھے، معلوم ہوتا ہے کہ اپنے اہل خاندان کے قوی اعتراضات اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے امام زفر کو یہ احساس ہو گیا کہ جب امام صاحب بذات خود بھی اپنے فقہی مذہب کو قابل ترک کہنے لگے تھے تو اسے ترک کر دینا ہی مناسب ہے۔

امام ابو عاصم ضحاک بن مخلد سے مروی ہے:

" سمعت زفر يقول ما خالفت أبا حنيفة في قول إلا وقد كان أبوحنيفة يقوله."[1]

''میں نے جس مسئلہ میں بھی امام صاحب سے اختلاف کیا اس مسئلہ میں امام صاحب میری موافقت کرنے لگتے تھے۔''

روایت مذکورہ باعتبار سند ساقط ہے کیونکہ اس کے ناقل ابن ابی العوام کا سلسلۂ سند غیر معتبر ہے، نیز اس سند میں محمد بن شجاع غیر ثقہ ہیں لیکن بفرض صحت اس کا مطلب یہ ہے کہ جب آخری عمر میں امام صاحب کو یہ احساس ہونے لگا کہ روز مرّہ میری بدلتے رہنے والی فقہی باتیں مجموعۂ اغلاط یا مشکوک ہیں تو اپنی بات کے بالمقابل امام زفر کی بات کو امام صاحب زیادہ صحیح سمجھ کر بنظر قبول مان لیا کرتے تھے کیونکہ امام صاحب کی نظر میں امام زفر بڑے فقیہ اور عظیم المرتبت صاحب علم تھے، اسی طرح کی بات امام ابو یوسف سے بھی مروی ہے۔ (كما سيأتي) جس طرح امام زفر کے بارے میں بعض اہل علم کی صراحت ہے کہ وہ اصحاب الحدیث سے تھے بعد میں ان پر غلبۂ رائے ہو گیا تھا اسی طرح ان کے شاگرد خاص قاضی محمد بن عبداللہ بن المثنی بن عبداللہ بن انس بن مالک انصاری کے بارے میں امام زکریا ساجی نے کہا کہ "كان غلب عليه الرأي" موصوف پر غلبۂ رائے ہو گیا تھا۔[2] انصاری کو خطیب وغیرہ نے امام زفر وابو یوسف کے اصحاب میں شمار کیا ہے۔[3] امام احمد بن حنبل سے بھی منقول ہے کہ موصوف انصاری رائے پر نظر رکھتے تھے، ان کی یہ چیز اصحاب الحدیث کے نزدیک معیوب ہے۔[4] لیکن ہم عرض کر چکے

[1] جواهر المضية (١/ ٢٤٤ بحواله ابن أبي العوام) نيز لمحات النظر وغيره.

[2] خطيب (٥/ ٤١١) وتذكره الحفاظ (١/ ٣٧١) وميزان الاعتدال (٢/ ٣٩٩) وتهذيب التهذيب (٩/ ٢٧٥)

[3] خطيب (٥/ ٤١٢) وجواهر المضية (٢/ ٧٠) وأخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ١٥٧) وغيره.

[4] خطيب (٥/ ٤١٠) وعام كتب رجال.

ہیں کہ موصوف انصاری نے مذہب رائے وقیاس سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی، وہ فخر کے ساتھ فرمایا کرتے تھے:

" قد وليت القضاة مرتين والله ما حكمت بالرأي وكنت أنظر في كتب أبي حنيفة فإذا جاء دخول الجنة والنار لم نجد القول إلا بما قال معاذ."[1]

''میں دو مرتبہ قاضی بنایا گیا مگر کبھی بھی میں نے مذہب رائے کے مطابق کوئی فیصلہ نہیں کیا، میں کتب ابی حنیفہ پر نظر رکھا کرتا تھا مگر جب میرے سامنے جنت یا جہنم کو اختیار کرنے کا معاملہ آیا تو ہم نے وہی مسلک اختیار کیا جو معاذ بن معاذ کا مسلک تھا یعنی مسلک اہلحدیث۔''

اس تفصیل سے صاف ظاہر ہے کہ قاضی محمد بن عبداللہ انصاری نے بھی مذہبِ حنفی ترک کر دیا تھا، چنانچہ امام احمد سے اگر چہ اوپر یہ نقل کیا جا چکا ہے کہ اصحاب الحدیث کے نزدیک انصاری میں یہ عیب پایا جاتا تھا کہ وہ رائے پر نظر رکھا کرتے تھے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ امام احمد انصاری سے روایت حدیث کرنے والوں کی فہرست میں ہیں۔[2] اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ امام احمد کا فرمان ہے "لا ينبغي أن يروى عن أحد من أصحاب أبي حنيفة" امام صاحب کے کسی ہم مذہب شخص سے روایت مناسب نہیں ہے، لہٰذا موصوف انصاری سے امام احمد کا روایت کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایک زمانہ تک مذہب رائے کا پابند رہنے کے بعد انصاری نے مذہب رائے سے رجوع کر لیا تھا۔ حافظ ذہبی نے صراحت کی ہے "فإنه صاحب حديث"[3] اس کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ انصاری اہل حدیث مذہب کے پیرو ہو گئے تھے۔ امام ابوحاتم نے انصاری کو ائمہ حدیث میں شمار کیا ہے۔ ہمیں تعجب ہے کہ مصنف انوار نے انصاری کو امام صاحب کی مجلس تدوین کا رکن کیوں نہیں قرار دے لیا! اوپر جس ہلال بن یحییٰ بن مسلم سے اس مفہوم کی روایت نقل کی گئی ہے کہ امام زفر کی حکمتِ عملی سے اہل بصرہ حنفی المذہب ہو گئے تھے، انھیں کی بابت یہ منقول ہے:

''خلیفہ مامون الرشید نے محمد بن عبداللہ انصاری کے پاس پچاس ہزار درہم بھیجے کہ انھیں فقہائے بصرہ کے مابین تقسیم کر دیا جائے، ہلال بن مسلم (یعنی ہلال بن یحییٰ بن مسلم) کہنے لگے یہ رقم ہمارے اصحاب کو ملنی چاہیے۔ (ہلال حنفی المذہب تھے اور بزعم خویش سمجھتے تھے کہ فقہائے احناف ہی وہ فقہاء ہیں جن کو یہ رقم ملنی چاہیے) لیکن انصاری موصوف نے کہا کہ یہ رقم ہمارے اصحاب (اہلحدیث) کو ملنی چاہیے، جب یہ جھگڑا کھڑا ہو گیا تو انصاری نے ہلال کی فقاہت کی اصلیت برسر عام لانے کے لیے ہلال سے کہا کہ آپ تشہد کیسے پڑھتے ہیں؟ ہلال نے کہا کہ کیا تشہد کے معاملہ میں میرا امتحان لیا جا سکتا ہے؟ پھر موصوف نے تشہد ابن مسعود پڑھ سنایا، انصاری نے کہا کہ آپ اس تشہد کی سند بیان کیجیے اور اس کے معتبر ہونے کا ثبوت پیش کیجیے، ہلال لاجواب وخاموش ہو گئے۔ انصاری نے کہا کہ روزانہ پانچ مرتبہ نمازوں میں جس تشہد کو تم بار بار پڑھتے ہو اس کی سند جب بیان کرنے سے قاصر ہو تو اپنے اور اپنے ہم مذہب لوگوں کے فقیہ ہونے کا تمھارا دعوی کیونکر صحیح ہے، تمھارے اور

---

[1] تهذيب التهذيب (٩/ ٢٧٦)

[2] خطيب وتهذيب التهذيب.

[3] ميزان الاعتدال (٢/ ٣٩٩)

فقہ کے مابین تو اللہ تعالیٰ نے بہت بُعد اور دوری قائم کر رکھی ہے، چنانچہ انصاری نے یہ رقم اپنے اصحاب یعنی اہل حدیث علماء کے مابین تقسیم کر دی اور ہلال اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔"[1]

روایت مذکورہ سے ایک طرف یہ معلوم ہوا کہ محمد بن عبداللہ انصاری اہل الرای کے طریق کے بجائے اہل حدیث مذہب کے پیرو تھے، اور یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ موصوف انصاری ۱۶۶ھ تک حنفی المذہب تھے اس کے بعد کسی زمانہ میں اہل حدیث ہو گئے تھے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ صرف فقہی مسائل کے رٹ لینے یا استنباط کر لینے کو اگرچہ اہل الرای فقہ کہتے اور فقہی مسائل کو رٹ لینے یا مستنبط کر لینے والوں کو فقہاء کے نام سے موسوم کرتے تھے مگر علمائے اہلحدیث اسے فقہ نہیں مانتے تھے بلکہ حدیث صحیح مع سند بیان کرنے کے ساتھ اس سے استنباطِ مسائل کی صلاحیت کو تفقہ کہتے تھے۔ اس معاملہ میں بصرہ کے اہل الرای کو اہل حدیث کے بالمقابل شکست کھانی پڑی، حالانکہ اس وقت حکومت اہل الرای لوگوں کی تھی، خلیفہ مامون بذات خود حنفی المسلک، جہمی اور معتزلی عقیدہ والا تھا، بایں ہمہ بصرہ میں ان اہل الرای کے اثر ورسوخ کا یہ حال تھا کہ حکومت کی تائید وحمایت وسرپرستی حاصل ہونے کے باوجود اہل حدیث کے بالمقابل اہل الرای ناکام ولاجواب بھی ہوئے اور محروم بھی۔

اگر مصنف انوار یا کوثری روایت مذکورہ کی سند پر کلام کریں تو ان سے پوچھا جائے کہ جن اکاذیب کو آپ نے نصوص کتاب وسنت کی طرح حجت بنا کر علمائے اہل حدیث کی ہجوسرائی کر رکھی ہے ان کی اسانید کو کیوں نہیں دیکھا؟

انصاری وہلال الرائی سے متعلق روایت مذکورہ کے راوی سلیمان بن داود بن بشر بن زیاد ابوایوب منقری بصری شاذ کوفی (متوفی ۲۳۴ھ) اگرچہ مجروح ہیں حتی کہ بعض نے کذاب بھی کہا ہے مگر امام عبدان وابن عدی نے موصوف کو فی نفسہ صدوق کہا ہے۔[2] معلوم ہوتا ہے کہ شاذ کوفی فی نفسہ صدوق تھے، کثرت وہم وغلط کو بعض حضرات نے کذب سے تعبیر کر دیا۔

امام زفر کے حنفی المذہب ہونے پر دلالت کرنے والی روایات کا تذکرہ:

امام ابن عدی اپنی کتاب الکامل میں ناقل ہیں:

" عن الحارث بن مالك قال أول من قدم البصرة برأي أبي حنيفة زفر وسوار بن عبد الله على القضاء فاستأذن عليه فحجبه وسعى بي إليه فقلت أصلحك الله إن زفر رجل من أهل العلم ومن العشيرة قال إما من العشيرة فنعم وإما من أهل العلم فلا فإنه أتانا ببدعة برأي أبي حنيفة فقلت إنه يحب أن يتزين بمجالسة القاضي قال فأذن له على أن لا يتكلم معنا في العلم."[3]

"حارث بن مالک نے کہا کہ بصرہ میں امام صاحب کے مذہبِ رائے کو لے کر سب سے پہلے آنے والے امام زفر

---

[1] تاریخ بغداد للخطيب (٥/ ٤٠٩ ترجمه محمد بن عبد الله انصاری) وجواهر المضية (٢/ ٧١)

[2] لسان الميزان (٣/ ٨٤ تا ٨٨) وخطيب (٩/ ٤٠ تا ٤٨) وتذكرة الحفاظ (٢/ ٢٨٨، ٢٨٩) وانساب سمعاني مع تعليقات دائرة المعارف حيدرآباد، ولفظ شاذ كوفي (٨/ ٦ تا ٨)

[3] لسان الميزان (٢/ ٤٧٧ بحواله ابن عدی)

تھے، اس زمانہ میں امام سوار بن عبداللہ عنبری قاضیٔ بصرہ تھے، امام زفر نے امام سوار سے ملاقات کرنی چاہی مگر امام سوار نے ملنے سے انکار کر دیا، امام زفر نے میرے ذریعہ سفارش کروائی، میں نے قاضی سوار سے کہا کہ امام زفر اہل علم آدمی ہیں اور آپ کے خاندان کے فرد ہیں انھیں ملنے کا موقع دیجیے، قاضی سوار نے کہا کہ زفر میرے خاندان کے آدمی ضرور ہیں مگر وہ اہل علم میں سے نہیں ہیں کیونکہ وہ امام صاحب کا مذہب لے کر ہمارے یہاں آئے ہیں اور ہمارے نقطۂ نظر سے مذہب امام صاحب بدعتی مذہب ہے، میں نے کہا کہ امام زفر آپ کے ساتھ بیٹھنے اور آپ کی صحبت سے سرفراز ہونے کو پسند کرتے ہیں، قاضی سوار نے کہا کہ اس شرط پر انھیں میری مجلس میں بیٹھنے کی اجازت ہے کہ موصوف سے کوئی علمی گفتگو نہ کریں۔''

مذکورہ بالا بات امام عقیلی نے امام معاذ بن معاذ کی سند سے بایں الفاظ نقل کی ہے:

"حدثنا عبد الرحمن بن محمد بن سلم الرازي قال حدثنا عبد الرحمن بن عمر رسته الأصبهاني قال سمعت عبد الرحمن بن مهدي يقول حدثني معاذ بن معاذ قال كنت عند سوار بن عبد الله فجاء الغلام فقال زفر بالباب فقال زفر الرأي (الهذلي) لا تأذن له فإنه مبتدع، فقال له بعض جلسائه ابن عمك قدم من سفر لم تأته و مشى إليك لو أذنت له فأذن له فدخل فسلم فما رأيته رد عليه وأراه مد يديه فلم يناوله يده وما رأيته ينظر إليه حتى قام وخرج."[1]

''امام معاذ بن معاذ عنبری قاضی نے بیان کیا کہ میں قاضی سوار بن عبداللہ کے پاس تھا کہ غلام نے آ کر کہا کہ دروازہ پر زفر آئے ہوئے ہیں، قاضی سوار نے کہا کہ یہ زفر ہذلی ورائی بدعتی آدمی ہیں ان کو ہمارے پاس آنے کی اجازت نہیں ہے مگر قاضی سوار کے بعض ہم نشینوں نے کہا کہ آپ کے چچیرے بھائی سفر کر کے یہاں آئے اور بذات خود آپ سے ملنے کے لیے حاضر ہوئے، آپ اگر خود ان سے ملنے نہیں گئے تو کم از کم انھیں اپنے پاس آنے کی اجازت دے دیجیے، قاضی سوار نے آنے کی اجازت تو دے دی مگر امام زفر کے سلام کا جواب قاضی سوار نے نہیں دیا، امام زفر نے مصافحہ کے لیے قاضی سوار کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا مگر قاضی سوار نے ان سے مصافحہ نہیں کیا حتی کہ انھوں نے امام زفر کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا بھی نہیں، یہاں تک کہ امام زفر اٹھے اور قاضی سوار کی مجلس سے باہر چلے گئے۔''

أوّلاً: روایت مذکورہ کی سند صحیح ہے، امام عقیلی نے روایت مذکورہ امام عبدالرحمٰن بن محمد بن سلم ابو یحییٰ رازی امام جامع اصبہان (متوفی ۲۹۱ھ) سے نقل کی ہے جو ثقہ تھے نیز مسند اور تفسیر نامی کتابوں کے مصنف تھے۔[2] اور ابو یحییٰ رازی نے روایت مذکورہ امام عبدالرحمٰن بن عمر رستہ اصبہانی سے نقل کی یہ بھی بلند پایہ ثقہ ہیں۔[3] اور رستہ نے روایت مذکورہ امام عبدالرحمٰن بن

[1] الضعفاء للعقيلي (١/ ١٤٨ مخطوطه) ولسان الميزان (٢/ ٤٧٧) ومعرفة علوم الحديث للحاكم (ص: ١٧٣)

[2] تذكرة الحفاظ (٢/ ٦٩٠، ٦٩١) وتاريخ أصبهان (٢/ ١١٢، ١١٣)

[3] تهذيب التهذيب والتنكيل، ترجمة عبدالرحمن بن عمر رسته.

مہدی سے نقل کی جو مشہور ومعروف ثقہ امام ہیں، اورانھوں نے روایت مذکورہ امام معاذ بن معاذ سے نقل کی یہ بھی مشہور ومعروف ثقہ امام ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ روایت مذکورہ کی سند کے سبھی رواۃ ثقہ ہیں اور اس میں کوئی بھی علت قادحہ نہیں ہے یعنی روایت مذکورہ معتبر ہے۔

ثانیاً: روایت مذکور اپنے سے پہلے منقول شدہ روایت کی تلخیص واختصار ہے، ان دونوں روایات سے مستخرج ہوتا ہے کہ مذہب امام صاحب کے پیرو ہو کر سب سے پہلے بصرہ پہنچنے والے شخص امام زفر تھے لیکن اس کی تعیین مشکل ہے کہ امام زفر کس سال بصرہ گئے تھے کہ ان کے ساتھ معاملۂ مذکورہ پیش آیا؟ البتہ یہ معلوم ہے کہ امام سوار ۱۳۸ھ میں قاضی بصرہ بنائے گئے تھے اوراپنی وفات ۱۵۶ھ تک قاضیٔ بصرہ رہے تھے۔[1] اس لیے یہ بات طے شدہ ہے کہ قاضی سوار کے ساتھ امام زفر کا معاملۂ مذکورہ ۱۳۸ھ و ۱۵۶ھ کے درمیان کسی زمانہ میں پیش آیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وفات امام صاحب سے صرف پندرہ روز پہلے یعنی ۱۵۰ھ میں بھی امام زفر امام صاحب کے ساتھ کوفہ میں موجود تھے۔[2]

نیز ہم دیکھتے ہیں کہ امام زفر امام محمد بن حسن کے ساتھ درسگاہ امام صاحب میں پڑھنے جاتے تھے اور یہ بتلایا جا چکا ہے کہ امام محمد نے درسگاہِ امام صاحب میں دو سال پڑھا ہے، یعنی ۱۴۸ھ تا رجب یا شعبان ۱۵۰ھ تک، اسی ۱۴۸ھ و ۱۵۰ھ کے مابین یعنی امام صاحب کی آخری عمر میں امام زفر نے امام صاحب کی زبان سے اس مفہوم ومعنی کی بات سنی تھی کہ چونکہ میرے مذہب رائے میں آئے دن ترمیم ہوتی رہتی ہے اور مجھے اپنے اختیار کردہ فقہی مسائل کے صحیح وغلط ہونے کا پتہ نہیں رہتا نیز میری بیان کردہ علمی باتیں مشکوک ہیں، اس لیے ان کی روایت واشاعت نہ کی جائے، غالبًا امام صاحب کی زبان سے اس مفہوم کی سنی ہوئی باتوں کو سامنے رکھ کر امام زفر نے اپنے خاندانی بزرگ امام سوار کی مذکورہ بالا اس بات کے ساتھ موازنہ کیا ہوگا کہ امام صاحب کا مذہبِ رائے اس طرح کا مبتدعانہ مذہب ہے کہ اس کے پیرو سے سلام وکلام بھی مناسب نہیں، اس معاملہ پر غور وفکر کرنے سے موصوف امام زفر اس نتیجہ پر پہنچے ہوں گے کہ امام صاحب جب خود ہی اس مذہب کو قابل ترک قرار دیتے ہیں تو اسے چھوڑ ہی دینا بہتر ہے چونکہ یہ ثابت ہے کہ امام صاحب کے ساتھ امام زفر امام صاحب کی آخری زندگی تک رہے، اس لیے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کی زندگی تک موصوف امام زفر مذہبِ امام صاحب سے وابستہ رہے اس کے بعد کسی زمانہ میں موصوف نے مذہب امام صاحب سے رجوع کر لیا۔

اس تفصیل کا مفاد یہ بھی ہے کہ قاضی سوار بھی امام صاحب اوران کے ہم مذہب اصحاب سے ربط وتعلق رکھنے اور روایت و سماع کے روادار نہیں تھے۔ یہ کہا جا چکا ہے کہ امام سفیان بن عیینہ اور متعدد اہل حدیث علماء کا یہی حال تھا۔ امام سفیان ہی ناقل ہیں:

”قيل لسوار لو نظرت في شيء من كلام أبي حنيفة وقضاياه فقال كيف أنظر في كلام رجل لم يؤت الرفق في دينه.“[3]

---

[1] تهذيب التهذيب (٤/ ٢٦٩) والبداية والنهاية لابن كثير واقعات ١٥٦ھ.

[2] خطيب (١٣/ ٣٢٩، ٣٣٠) والانتقاء (ص: ١٧٠)

[3] خطيب (١٣/ ٣٩٩) ولمحات النظر للكوثري.

''قاضی سوار سے درخواست کی گئی کہ آپ ذرا سی ایک نظر امام ابوحنیفہ کے کلام اور فقہی فیصلوں پر ڈال لیجیے، اس پر قاضی سوار نے کہا کہ میں ایسے شخص کے کلام پر کیونکر نظر ڈال سکتا ہوں جسے دین میں سلامت روی حاصل نہیں ہے۔''

ظاہر ہے کہ قاضی سوار نے مذکورہ بالا بات اپنے علمی وفقہی نقطۂ نظر سے کہی ہے، جسے بہت سے اہل علم غیر صحیح سمجھتے ہیں مگر یہ ماننے بغیر چارہ نہیں کہ امام صاحب کے معاصرین کی اچھی خاصی تعداد قاضی سوار کے مذکورہ بالا موقف پر کار بند تھی اور بعد کے زمانہ میں بھی بہت سارے اہل علم کا یہی مسلک رہا ہے۔

امام عبدالرحمٰن بن مہدی نے کہا:

"أخبرني عبد الرحمن بن زياد قال قلت لزفر بن الهذيل عطلتم حدود الله كلها فقلنا ما حجتكم قلتم ادرء وا الحدود بالشبهات حتى إذا صرتم إلى أعظم الحدود قول النبيﷺ لا يقتل مؤمن بكافر فقبلتم ما نهيتم عنه وتركتم ما أمرتم به." [1]

''امام عبدالواحد بن زیاد نے کہا کہ میں نے امام زفر سے کہا کہ آپ لوگوں نے تمام حدود خداوندی کو معطل کر ڈالا اور جب ہم نے آپ لوگوں سے اس طریقِ عمل کی وجہ اور دلیل دریافت کی تو آپ لوگوں نے کہا کہ حدیث نبوی میں "ادرءوا الحدود بالشبهات" آیا ہے، جس کا مطلب ہے کہ شبہات کی بناء پر حدود جاری کرنے سے باز رہو مگر رسول اللہ ﷺ کے فرمان "لايقتل مؤمن بكافر" (مومن کو کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے) کے معاملہ میں اپنے اختیار کردہ مذہب کے خلاف کافر کے قاتل مومن پر آپ لوگوں نے حد جاری کر کے اعظم ترین حد کو (یعنی فرمان نبوی کو) توڑ ڈالا، آپ لوگوں کو جس بات سے حدیث نبوی میں منع کیا گیا اسے آپ نے کیا مگر جسے کرنے کو کہا گیا اسے چھوڑ دیا۔'' [2]

روایت مذکورہ کا مفاد یہ ہے کہ جس وقت امام زفر سے امام عبدالواحد بن زیاد نے مندرجہ بالا بات کہی تھی اس وقت امام زفر امام صاحب کے فقہی مذہب کے پیرو تھے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ امام زفر کے ساتھ امام عبدالواحد کے مکالمہ مذکورہ کے بعد امام زفر امام صاحب کے فقہی مذہب سے منحرف ہو کر اہلحدیث نہیں ہو گئے تھے۔

مصنف انوار کے استاذ کوثری نے بحوالۂ امام عقیلی امام زفر اور امام عبدالرحمٰن بن مہدی کے درمیان بھی مذکورہ بالا قسم کے مکالمہ کا ذکر کیا ہے، جس میں یہ صراحت بھی ہے کہ امام زفر نے امام ابن مہدی کے سامنے اعلان کیا "فاشهد أنت على رجوعي عن هذا" آپ گواہ رہیں کہ میں نے اس حنفی مسئلہ سے رجوع کر لیا۔[3] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے حنفی ہونے کے زمانہ میں بھی امام زفر راہ تاویل ومناظرہ کے ذریعہ اپنے اختیار کردہ موقف کو ثابت کر دکھانے کی کوشش کرنے کے بجائے سیدھے سادے طریقہ پر حدیث نبوی سے ثابت ہونے والی بات کی طرف رجوع کر لیا کرتے تھے، اور جس کا یہ حال ہو وہ امام صاحب کی زبان سے یہ سننے کے بعد کہ ''میری بیان کردہ فقہی وعلمی باتیں مجموعۂ اغلاط ہیں۔'' امام صاحب کے فقہی مذہب پر کیسے قائم رہ سکتا تھا۔

---

[1] معرفة علوم الحديث للحاكم (ص: ۱۷۲)

[2] نیز ملاحظہ ہو: حلية الأولياء ترجمة عبدالرحمن بن مهدي (۹/ ۱۰) والضعفاء للعقيلي مخطوطه (۱/ ۱۴۸)

[3] لمحات النظر (ص: ۲۶)

امام احمد بن معذل بن غیلان بن حکم عبدی بصری کی طرف مندرجہ ذیل اشعار منسوب ہیں:

إن كنت كاذبة الذي حدثني فعليك أثم أبي حنيفةؒ أو زفرؒ

المائلين إلى القياس تعمّدا والراغبين عن التمسك بالخبر[1]

''اگر تم نے مجھ سے جھوٹی بات کہی ہے تو تم پر امام ابوحنیفہ یا زُفر کے گناہ لادے جائیں جنھوں نے عمداو قصدا احادیث کو چھوڑ کر قیاس ورائے سے کام لیا۔''

امام احمد بن معذل ثقہ تھے۔[2] لیکن اشعار مذکورہ کا انتساب امام احمد بن معذل کی طرف مشکوک ہے کیونکہ جس سند کے ساتھ یہ اشعار احمد سے مروی ہیں اس میں ابوعبداللہ محمد بن زید واسطی (متوفی ۳۰۷ھ) موجود ہے، یہ شخص معتزلی متکلم تھا اور محدثین کی ہجو کیا کرتا تھا اس کی کسی نے توثیق نہیں کی ہے۔[3]

اخبار ابی حنیفہ للصیمری (ص: ۸۶) میں مذکور ہے کہ اس معتزلی شخص نے بزعم خویش امام احمد بن معذل کی طرف اپنے منسوب کردہ اشعار مذکورہ کے جواب میں اشعار کہے، اس شخص نے ان اشعار میں امام مالک رحمہ اللہ کی نہایت دل آزار طریق پر ہجو کی ہے۔معتزلہ کو مصنف انوار کے ممدوح کردری نے اخوان الروافض کہا ہے جو اکاذیب کی تخلیق وترویج کے شائق اور ماہر ہوتے ہیں۔(کمامر) معتزلہ نے اپنے عقیدۂ خلق قرآن اور جہمی مذہب کی اشاعت کو امام صاحب اورابو یوسف وزفر کے مذہب کی اشاعت کا نام دے رکھا تھا۔[4] اس لیے مستبعد نہیں کہ امام احمد بن معذل کی طرف اشعار مذکورہ کو محمد بن زید معتزلی نے بذات خود گھڑ کر منسوب کر دیا ہو، پھر امام مالک کی ہجو میں بطور جواب اشعار مذکورہ بھی کہہ ڈالے ہوں، اس معتزلی شخص سے روایت مذکورہ کے ناقل قاضی احمد بن مکرم بذات خود ثقہ ہیں مگر یہ معلوم ہے کہ قاضی مکرم بن احمد کی کتاب مناقب ابی حنیفہ کو امام دارقطنی نے مجموعۂ اکاذیب کہا ہے، بالفرض ان اشعار کا انتساب امام احمد بن معذل کی طرف صحیح ہو جن کا مفاد یہ ہے کہ امام زفر امام صاحب کے مذہب رائے کے پیرو تھے تو اس کا مطلب زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ امام احمد بن معذل کو حنفی مذہب سے امام زفر کے رجوع کی خبر نہیں ہوسکی تھی یا حنفی مذہب سے موصوف کے رجوع کے پہلے یہ اشعار کہے گئے تھے۔

بشر بن السری ابوعمرو الافوہ بصری (مولود ۱۳۲،۱۳۳ھ ومتوفی ۱۹۶ھ) نے کہا:

''ترحمت يوما على زفر وانا مع سفيان الثوري فأعرض بوجهه عني.''[5]

''میں نے (بشر بن السری نے) امام سفیان ثوری کی موجودگی میں ایک روز امام زفر پر ترحم کر دیا (دعائے رحمت کر دی) تو امام ثوری نے میری طرف سے اپنا رخ پھیر لیا۔''

امام زفر پر ترحم کرنے کو امام ثوری کا گوارا نہ کرنا بظاہر اس بات پر دلالت ہے کہ بوقت ترحم امام زفر مذہب ابی حنیفہ پر قائم تھے کیونکہ اس ناگواری کا اصل سبب بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام ثوری اپنے تلامذہ اور عام لوگوں کو امام صاحب کے پاس

[1] أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ٨٦) خطيب (١٣/ ٣٩٣) ولمحات النظر (ص: ٢٤)

[2] ديباج الذهب (ص: ٣٠) واللالى للبكرى مع سمط الآلي (١/ ٣٢٥)

[3] لسان الميزان (٥/ ١٧٢) [4] تاريخ قضاة مصر لكندي.

[5] لسان الميزان (٢/ ١٧٧ بحواله عقيلي)

آمدورفت سے روکتے اور امام صاحب سے ربط وضبط رکھنے سے منع کرتے تھے، لیکن جب ثوری نے دیکھا کہ اس کی ممانعت کے باوجود امام زفر نہ صرف یہ کہ امام صاحب سے ربط وضبط رکھتے بلکہ ان کے مذہب کے پیرو بھی ہیں تو موصوف ثوری امام زفر سے بہت کبیدہ خاطر رہنے لگے حتی کہ ان کا ذکر خیر بھی گوارا نہ کرتے تھے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ امام زفر بعد میں مذہبِ امام صاحب سے منحرف نہیں ہوگئے تھے۔ اسی طرح کی بات مندرجہ ذیل روایت کی بابت بھی کہی جاسکتی ہے:

"قال مؤمل كان سفيان ينهىٰ عن أبي حنيفة و زفر و عن هذه البابة."❶

''مؤمل نے کہا کہ امام سفیان ثوری لوگوں کو امام صاحب اور امام زفر نیز اس قسم کے لوگوں کے پاس آنے جانے سے منع کرتے تھے۔''

ابوموسیٰ محمد بن المثنی (مولود ۱٦۷ھ ومتوفی ۲۵۱/۱۵۲ھ) نے کہا:

"ما سمعت عبد الرحمن بن مهدي يحدث عن زفر شيئا قط."❷

''میں نے امام عبدالرحمٰن بن مہدی کو امام زفر سے کبھی کوئی روایت کرتے نہیں دیکھا۔''

مصنف انوار کے استاذ کوثری نے کہا ہے کہ ابوموسیٰ محمد بن المثنی نے یہ بات اپنے علم وظن کے مطابق کہی ہے، نیز یہ کہ امام ابن مہدی کو بھی مذہب ابی حنیفہ سے اسی طرح پرخاش تھی جس طرح امام سفیان ثوری وسوار وحجاج بن ارطاۃ وغیرہ کو۔❸

ہم کہتے ہیں کہ امام زفر سے ابن مہدی کو ابوموسیٰ کا کبھی روایت کرتے نہ دیکھنا اس امر کی دلیل ہرگز نہیں کہ امام زفر حنفی المذہب تھے یا یہ کہ ابن مہدی کی نظر میں امام زفر قابل ترک تھے۔ امام ابن مہدی کے اساتذہ کے درجے کے کتنے محدثین ایسے ملیں گے جن سے ابن مہدی نے روایت نہیں کی ہے مگر یہ چیز ان محدثین کے نہ حنفی المذہب ہونے کی دلیل ہے نہ متروک ہونے کی، ابوموسیٰ کی یہ بات واضح المعنی نہیں ہے، اگر بالفرض امام ابن مہدی امام زفر کو حنفی المذہب سمجھ کر ان سے روایت نہ کرتے ہوں تو وہ ان کے اپنے علم کے مطابق ہوگا جو اس امر کے منافی نہیں کہ امام زفر نے فی الحقیقت مذہبِ حنفی سے رجوع کر لیا تھا۔ واللہ أعلم بالصواب

مصنف انوار کے استاذ کوثری نے کہا:

''سفیان ثوری امام صاحب اور اصحاب امام صاحب سے منحرف تھے، اس لیے انھوں نے امام زفر سے ترک تعلق وروایت کا معاملہ کر رکھا تھا اور ابن مہدی بھی سفیان ثوری سے متاثر ہونے کے سبب زفر سے ترک تعلق وترک روایت کا معاملہ رکھتے تھے، نیز ابن مہدی کے امام زفر سے ترک تعلق وروایت والی بات عبدالرحمٰن بن عمر رستہ سے مروی ہے جو ظنین (غیر معتبر) ہیں، میزان الاعتدال وغیرہ میں اسی طرح منقول ہے، امام زفر سے ثوری کے ترک روایت والی بات بشر بن السری سے منقول ہے جن پر طویل کلام وجرح ہے، زفر کے خلاف ثوری کی یہ روش اس لیے بھی تھی کہ جامع ثوری کو بصرہ میں دیکھ کر زفر نے کہہ دیا تھا کہ ہماری باتیں دوسروں کی طرف منسوب کر کے اس

---

❶ الضعفاء للعقيلي (١/ ١٤٧)

❷ لسان الميزان (٢/ ٤٧٧ بحواله عقيلي) ❸ لمحات النظر.

میں ثوری نے لکھ دی ہیں، ہم نے تانیب (ص: ۱۱۰) میں ثوری کی بابت جو کچھ کہا ہے اسے ملاحظہ کر لیجیے۔"[1]

اپنے اس بیان میں کوثری نے یہ کہنے کے باوجود کہ "امام صاحب سے منحرف ہونے کے سبب امام ثوری وابن مہدی امام زفر سے ترک تعلق رکھتے تھے" یہ دعوی کر رکھا ہے کہ امام زفر سے ابن مہدی وثوری کے ترک تعلق کی بات کے ناقل رستہ عبدالرحمٰن بن عمر اور بشر بن السری مجروح ہیں مگر کوثری کے اس دعوی کی حقیقت التنکیل میں واضح کر دی گئی ہے۔

اس موقع پر کوثری نے امام عبدالملک بن قریب اصمعی باہلی (مولود ۱۲۶، ۱۲۷ھ ومتوفی ۲۱۶ھ) کو مجروح قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ "ابوزید سعید بن اوس نے بقول احمد بن عبید اصمعی کو کذاب کہا ہے۔[2] مگر اپنے مجروح وکذاب بتلائے ہوئے امام اصمعی کی روایات کو کوثری نے دوسرے مقامات پر بطور حجت نقل کر رکھا ہے۔[3] اور حقیقت امر یہ ہے کہ ابوزید سعید بن اوس سے اصمعی کی تکذیب کا ناقل احمد بن عبید بن ناصح ابوجعفر نحوی المعروف بابی عصیدہ ہے۔[4] اور احمد بن عبید ساقط الاعتبار ہے۔[5] خود کوثری نے احمد بن عبید کو ساقط الاعتبار کہا ہے۔[6]

دریں صورت تجریح اصمعی میں اپنے ساقط الاعتبار قرار دیے ہوئے راوی کی حکایت کو حجت بنا لینا کون سی دیانت داری ہے؟ اگر اس طرح کی باتوں سے اصمعی کی تجریح درست ہے تو جن ابوزید سعید بن اوس سے اصمعی پر جرح مذکور منقول ہے ان کو بھی امام ابوحاتم، ابن حبان وغیرہ نے ساقط الاعتبار کہا ہے[7] حتی کہ بندار نے کہا: "كان الأنصاري يكذبه" انصاری نے ابوزید کو کذاب کہا۔[8] حاصل یہ کہ اصمعی پر جرح ثابت نہیں ہے۔

علاوہ ازیں ابوزید سعید بن اوس سے مروی شدہ روایت مذکورہ سے چند ہی سطروں کے پہلے ایک روایت موصوف ابوزید سے تاریخ خطیب میں یہ منقول ہے:

"لقيت أبا حنيفة فحدثني بحديث فيه "يدخل الجنة قوم حفاة عراة متنين قد أحمشتهم النار" فقلت له منتنون قد محشتهم النار فقال من أنت ؟ قلت أهل البصرة قال أكل أصحابك مثلك قلت أنا أخسهم حظأ في العلم فقال طوبى لقوم تكون أخسهم."[9]

"ابوزید نے کہا کہ امام صاحب سے میری ملاقات ہوئی تو انھوں نے ایک حدیث سنائی جس کی عبارت صحیح نہیں تھی، یعنی امام صاحب حدیث کی عبارت صحیح نہیں پڑھ سکے، میں نے اس عبارت کی تصحیح کی تو امام صاحب نے پوچھا آپ کہاں کے باشندہ ہیں، میں نے کہا کہ میں اہل بصرہ میں سے ہوں! امام صاحب نے کہا آپ کے تمام اصحاب آپ ہی جیسے علم وفضل والے ہیں؟ میں نے کہا کہ میں تو اپنے اصحاب میں سب سے کمترین علم والا ہوں، امام صاحب نے فرمایا وہ لوگ بہت ہی زیادہ اچھے علم والے ہوں گے جن میں سے کمترین آدمی آپ جیسے باکمال ہیں۔"

---

[1] لمحات النظر (ص: ٢٤)
[2] تانيب الخطيب وترحيب (ص: ٢٤، ٢٥ و٥٢)
[3] لمحات النظر (ص: ١، ٢) وغيره.
[4] خطيب (٩/ ٧٩) وميزان الاعتدال (٢/ ١٥٢)
[5] تهذيب التهذيب (١/ ٦٠)
[6] تانيب الخطيب (ص: ٤٢)
[7] المجروحين (١/ ٣٢٢)
[8] تهذيب التهذيب (٤/ ٤)
[9] خطيب (٩/ ٧٩، سطر: ٥ تا ٨)

اس روایت کی بابت مصنف انوار اوران کے استاذ کوثری کیا فرماتے ہیں؟ اس روایت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحب نے علم وفضل میں اہل بصرہ کے باکمال ہونے کا اعتراف کیا ہے، اور یہ بالکل واضح بات ہے کہ ابوزید انصاری کے بالمقابل امام عبدالرحمٰن بن مہدی، قاضی سوار، عثمان بتی، معاذ بن معاذ، حماد بن زید، حماد بن سلمہ، ایوب سختیانی، یحییٰ بن سعید وغیرہ وغیرہ کہیں زیادہ صاحب علم وفضل اور بلند وبالا تھے۔

اگر مصنف انوار اوران کے ہم نوا حضرات ابوزید سے مروی شدہ مذکور بالا روایت کو غیر معتبر قرار دے کر کہیں کہ اس سے امام صاحب کی عربی دانی میں خامی پر استدلال صحیح نہیں تو ان حضرات کو یہ ضرور بتلانا چاہیے کہ امام اصمعی پر ابوزید سے منقول شدہ جرح سنداً غیر معتبر ہونے کے باوجود کیونکر موثر مانی جاسکتی ہے جبکہ سعید بن اوس بذات خود امام جرح وتعدیل میں بھی شمار نہیں کیے جاتے اور وہ ایک نحوی ولغوی عالم کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں؟ حاصل یہ کہ جس طرح قدح ابی حنیفہ کے سلسلے میں ابوزید سے مروی شدہ غیر معتبر روایت کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا اسی طرح قدح اصمعی میں بھی نہیں کیا جاسکتا۔

مصنف انوار کے استاذ کوثری نے کہا:

''امام زفر نے حنفی مذہب چھوڑا نہیں تھا بلکہ مرتے وقت عالم جان کندنی میں موصوف کو یہ کہتے سنا گیا تھا کہ فلاں صورت میں عورت کو پورا مہر ملے گا اور فلاں صورت میں تہائی، اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ موصوف امام زفر نے مذہب ابی حنیفہ کو چھوڑا نہیں تھا بلکہ اس کے پیرو تھے۔'' [1]

مگر اوّلاً: مذکورہ بالا بات ابن ابی العوام کی ساقط الاعتبار کتاب میں منقول ہے۔ ثانیاً: اس طرح کی بات کہنا اہل حدیث ہونے کے منافی نہیں۔ ثالثاً: امام سفیان بن عیینہ امام زفر سے روایت حدیث کرتے تھے اور یہ بتلایا جاچکا ہے کہ امام سفیان بن عیینہ حنفی المذہب راوی سے روایتِ حدیث نہیں کرتے تھے، یہ چیز اس بات کی واضح دلیل ہے کہ امام زفر یا تو بتصریح امام ابن حبان مسلک ابی حنیفہ کے کبھی پیرو ہی نہیں رہے یا بتصریح حافظ ابی نعیم موصوف امام زفر نے مذہب اہل الرائے کو چھوڑ دیا تھا، جتنی بھی روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام زفر حنفی المذہب تھے وہ اس بات کے منافی نہیں ہیں کہ بعد میں موصوف مذہب حنفی سے منحرف ہوکر پھر گئے تھے۔

کیا قاضی سوار بن عبداللہ عنبری امام زفر کے ساتھ مناظرہ سے بھاگتے تھے؟

اوپر اس بات کا تذکرہ آچکا ہے کہ درسگاہِ ابی حنیفہ سے پڑھ کر امام زفر اپنے خاندان کے لوگوں سے بصرہ ملنے آئے تو قاضی سوار نے یہ کہہ کر ان سے ملنے سے انکار کر دیا کہ موصوف امام صاحب کے مذہب رائے وقیاس کو ساتھ لائے ہیں جو بدعت ہے، پھر سفارشوں کے بعد قاضی سوار نے اس شرط پر ملنے کی اجازت دی کہ کسی علمی موضوع پر وہ کلام نہیں کر سکتے، اس سے یہ بات بہرحال ثابت ہوتی ہے کہ امام صاحب کے معاصر قاضی سوار امام صاحب کے مذہب رائے وقیاس کو متروک وناپسندیدہ سمجھتے تھے، جیسا کہ خود امام صاحب کو بعد میں اس حقیقت کا ادراک واحساس ہوگیا اور انھوں نے اعلان فرمادیا کہ میری باتیں مجموعۂ اغلاط ہیں وہ نہ لکھی جائیں نہ معمول بہ بنائی جائیں مگر مصنف انوار کے استاذ کوثری نے کہا:

[1] لمحات النظر (ص: ١٦)

’’ چونکہ قاضی سوار امام زفر کے ساتھ مناظرہ سے بھاگتے تھے، اس لیے انھوں نے اپنی مجلس میں امام زفر کو علمی بحث چھیڑنے کی اجازت نہیں دی، اسی طرح حجاج بن ارطاۃ بھی زفر کے ساتھ مناظرہ سے بھاگتے تھے، حالانکہ حجاج بمقابلہ سوار کثیر العلم و الروایۃ بھی تھے اور سوار قلیل الروایۃ والفقہ بھی تھے۔ اصحاب ستہ میں سے کسی نے سوار سے روایت نہیں کی حالانکہ وہ باعتبار زمانہ مقدم تھے، امام شعبہ نے سوار کی بابت کہا کہ ”ما تعني في طلب العلم وقد ساد“ اور سفیان ثوری نے کہا ”لیس بشيء“۔ علم سے قاضی سوار کی بے اعتنائی کا یہ حال تھا کہ ان سے کہا گیا کہ ذرا سی نظر آپ امام صاحب کے کلام وقضایا پر بھی ڈال لیجیے تو بولے کہ میں ایسے شخص کے کلام پر کیوں نظر ڈالوں جسے دین میں سلامت روی نہیں حاصل ہے، زفر نے اہل بصرہ کا رخ سوار وغیرہ کی طرف سے پھیر کر حنفی مذہب کی طرف پھیر دیا، اس لیے بھی قاضی سوار جیسے لوگ حنفی مذہب اور حنفی اماموں سے ناراض ہوئے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔‘‘[1]

ناظرین کرام مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں کوثری کی حقیقت بیانی کا جائزہ لے سکتے ہیں۔

قاضی سوار کے موقف سے امام حماد بن زید کی موافقت:

حافظ ابونعیم اصبہانی نے کہا:

”حدثنا سليمان بن أحمد ثنا طالب بن قرة الأذني قال حدثنا محمد بن عيسى الطباع حدثني أخي إسحاق بن عيسى قال كنا عند حماد بن زيد ومعنا وهب بن جرير فذكرنا شيئا من قول أبي حنيفة، قال حماد بن زيد اسكت لا يزال الرجل منكم داحضا في بوله يذكر أهل البدع في مجلس عشيرته حتى يسقط من أعينهم ثم أقبل علينا حماد فقال أتدرون ما كان أبو حنيفة؟ إنما كان يخاصم في الإرجاء فلما تخوف على مهجته تكلم في الرأي فقاس سنن رسول الله صلى الله عليه وسلم بعضها ببعض ليبطلها وسنن رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تقاس.“[2]

’’اسحاق بن عیسیٰ طباع نے کہا کہ ہم حماد بن زید کے پاس بیٹھے تھے، ہمارے ساتھ وہب بن جریر بھی تھے، ہم نے امام صاحب کی کسی بات کا تذکرہ چھیڑ دیا تو حماد بن زید نے فرمایا کہ خاموش رہو، جو شخص اپنے اہل خاندان کی مجلس میں اہل بدعت کا ذکر کرتا ہے وہ گویا اپنے پیشاب میں پھسلتے ہوئے حق کو باطل اور باطل کو حق قرار دینے میں مصروف رہتا ہے یہاں تک کہ لوگوں کی نظروں سے گر جاتا ہے، پھر حماد بن زید نے ہماری طرف متوجہ ہو کر کہا کہ تم لوگ جانتے ہو کہ امام ابوحنیفہ کیا ہیں؟ وہ مرجی مذہب کی حمایت میں لوگوں سے مناظرہ ومباحثہ کرتے رہتے تھے، ایک زمانہ ایسا آیا کہ امام صاحب کو اپنے اس طرز عمل سے اپنی جان کا خطرہ لاحق ہو گیا، لہٰذا حمایت مذہبِ ارجاء میں بحث ونظر بند کر کے موصوف امام صاحب نے ’’رائے‘‘ (فقہ اہل الرای) کا مشغلہ اختیار کیا، موصوف نے قیاس آرائی سے کام لیتے ہوئے بعض حدیثوں کو بعض پر قیاس کیا، حالانکہ احادیث نبویہ کے ساتھ اس طرح کی

---

[1] لمحات النظر (ص: ٢٣)

[2] حلية الأولياء (٦/ ٢٥٨، ٢٥٩)

قیاس آرائی نہیں کی جانی چاہیے۔''

روایت مذکورہ کا واضح مفاد یہ ہے کہ امام حماد بن زید بصری (مولود ۹۸ھ ومتوفی ۱۷۹ھ) بھی عام علمائے بصرہ کی طرح مذہب امام صاحب کو مبتدعانہ مذہب سمجھتے تھے اور اس مذہب کی پیروی کے سبب موصوف حماد امام صاحب اور ان کے علمی اقوال کا تذکرہ بھی علمی محفلوں میں ناپسند کرتے تھے، اس میں شک نہیں کہ بہت سارے اہل علم کے نقطۂ نظر سے حماد کا یہ موقف صحیح نہیں ہے۔ حماد کے قول مذکور کا مفاد یہ بھی ہے کہ ان کی نظر میں امام صاحب مرجی المذہب تھے اور ابتدائی زندگی میں امام صاحب مرجیہ کے طریق پر خصام وکلام کیا کرتے تھے۔ مصنف انوار کے استاذ کوثری نے کہا ہے کہ مخالفینِ امام صاحب امام صاحب کو جس مرجی مذہب کا پیرو کہا کرتے تھے وہ مخالفین امام صاحب کے نقطۂ نظر سے اگرچہ مرجی مذہب تھا مگر از روئے حقیقت وہ اصلی سنی مذہب ہے۔[1]

اس لیے حماد کی اس بات کا مفاد صرف اس قدر ہے کہ انھوں نے صرف اپنے نقطۂ نظر سے امام صاحب کو مرجی کہا ہے، اس روایت کا حاصل بہرحال یہ ہے کہ حماد کے نقطۂ نظر سے امام صاحب متکلمین کے گروہ میں مرجیہ کے فرد تھے اور موصوف مرجیہ کی حمایت میں اپنے مخالفین سے مناظرے کیا کرتے تھے مگر بعد میں انھوں نے مناظرہ کا مشغلہ چھوڑ کر رائے کا مشغلہ اختیار کرلیا، اس سے کتبِ مناقب کی ان روایات کی تصدیق ہوتی ہے جن کا مفاد ہے کہ امام صاحب پہلے متکلمین سے وابستہ رہے پھر انھوں نے فقہ کو مشغلہ بنایا، البتہ حماد کا یہ بیان کہ حمایتِ ارجاء میں مناظرہ بازی کے زمانہ میں امام صاحب کو اپنی جان کا خطرہ لاحق ہوا تو انھوں نے مناظرہ بازی ترک کر کے رائے کا مشغلہ اختیار کیا جو قابل بحث ونظر ہے، ہمارے خیال سے حماد نے یہ بات امام صاحب سے متعلق متعدد واقعات سے مستنبط کر کے بیان کی ہے جس کی تفصیل ہم نے دوسری جگہ بیان کی ہے۔ فلیراجع!

حماد سے مروی شدہ مذکورہ بالا روایت کو حماد سے نقل کرنے والے راوی اسحاق بن عیسیٰ بن نجیح بن طباع ابویعقوب نزیل اذنہ (مولود ۱۴۰ھ ومتوفی ۲۱۵/ ۲۱۶ھ) ثقہ ہیں۔[2] اور ان سے اس روایت کے ناقل ان کے بھائی محمد بن عیسیٰ ابوجعفر اذنی بغدادی (مولود ۱۵۰ھ ومتوفی ۲۲۴ھ) بھی ثقہ ہیں۔[3] اور محمد بن عیسیٰ سے روایت مذکورہ کے ناقل طالب بن قرہ اذنی ہیں جن کو حلیۃ الاولیاء کے نسخۂ مطبوعۂ مصر ۱۹۳۶ء میں بذریعہ تصحیف طالب بن فسرہ اذنی کر دیا گیا ہے، غالبًا یہ کارستانی کوثری کی ہے کیونکہ حلیۃ الاولیاء کے حواشی سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حواشی کوثری کے لکھے ہوئے ہیں، بذریعہ تصحیف طالب بن قرہ اذنی کے نام میں تحریف وترمیم کے ساتھ اس نام پر یہ حاشیہ لگایا گیا ہے کہ "كذا في الأصل ولم نقف عليه" اصل قلمی نسخہ میں یہ نام اسی طرح لکھا ہوا ہے، ہم اس راوی کے ترجمہ پر واقف نہیں ہو سکے۔[4] حالانکہ اگر اصل نسخہ میں فی الواقع اس نام میں تصحیف کے سبب یہ صورت نظر آرہی تھی تو بڑی آسانی سے اس معاملہ کو حل کیا جا سکتا تھا کیونکہ سند مذکور میں طالب کا استاذ محمد بن عیسیٰ ابن طباع کو اور شاگرد امام طبرانی سلیمان بن احمد کو بتلایا گیا ہے اور محمد بن عیسی کے تلامذہ میں اور امام طبرانی کے اساتذہ کی فہرست

[1] تانيب الخطيب (ص: ١٩، ٢٠) وتعليق الكوثري على مناقب أبي حنيفه للذهبي (ص: ٧)

[2] تهذيب التهذيب (١/ ٢٤٥)

[3] تهذيب التهذيب (٩/ ٢٩٢ تا ٣٩٤)

[4] حاشية حلية الأولياء (٦/ ٢٥٨)

میں طالب بن قرہ اذنی کا نام عام کتب رجال میں مذکور ہے۔[1]

نیز حلیۃ الاولیاء کی اسی جلد یعنی جلد (٦) میں روایت مذکورہ کے پہلے (ص: ٦٩) میں ایک دوسری روایت منقول ہے جس کی سند میں طبرانی ومحمد بن عیسی کے مابین طالب بن قرہ موجود ہیں۔[2]

اس جگہ روایت مذکورہ کے ذکر کا مقصود یہ ثابت کرنا ہے کہ مذہبِ امام صاحب کو بدعتی مذہب قرار دے کر اس کے متبعین سے ترک تعلق کے موقف میں سوار تنہا نہیں ہیں، متعدد دوسری روایات سے روایت مذکورہ کی تائید ہوتی ہے حتی کہ امام صاحب کی خبرِ موت پر حماد نے کہا کہ اچھا ہوا کہ دنیا پاک ہوگئی۔[3]

دریں صورت ناظرین کرام مصنف انوار کے استاذ علامہ کوثری کے اس دعوی کی حقیقت سمجھ سکتے ہیں کہ ''زفر کے بالمقابل مناظرہ سے ڈرنے کے سبب سوار نے زفر کی ملاقات سے انکار کر دیا تھا۔''

قاضی حجاج کے ساتھ امام زفر کے مناظرہ کی حقیقت اور سوار سے حجاج کی موافقت:

اسی طرح حجاج بن ارطاۃ کی بابت کوثری کی کہی ہوئی یہ بات کہ ''سوار کی طرح حجاج بھی زفر کے ساتھ مناظرہ سے بھاگتے تھے'' بھی سخن سازی ہی ہے، البتہ حجاج کی بابت اپنی اس بات کی تائید میں کوثری نے بعض مکذوبہ روایات کا سہارا لیا ہے۔ چنانچہ موصوف نے صیمری کی مناقب ابی حنیفہ سے ایک مکذوبہ روایت نقل کرتے ہوئے کہا:

> ''احمد بن موسیٰ ابی عمران (متوفی ٢٨٠ھ) نے کہا کہ زفر بلغبر کے شریف خاندان سے تھے، ان کی ماں ایک عجمی لونڈی تھیں، اس لیے شکل وصورت عجمیوں کی طرح تھی مگر زبان خالص عربی تھی، ایک دن وہ قاضیٔ کوفہ حجاج کی مجلس میں حاضر ہوئے حجاج بدزبان آدمی تھے اوران کے قبیلہ بنونخع والے ان کے حسب ونسب پر کلام کیا کرتے تھے، امام زفر مجلسِ حجاج میں آکر بات کرنے لگے تو مجلس پر چھا گئے، اس لیے حجاج کے دل پر اثر پڑا اور انھوں نے کہا کہ زبان تو عربی ہے مگر صورت غیر عربی ہے، زفر نے کہا میری قوم نے مجھے قبول کر لیا ہے یعنی میرے نسب پر کسی کو کلام نہیں جبکہ آپ کے نسب پر آپ کے قبیلہ والوں کو کلام ہے۔''[4]

أوّلاً: صیمری کی اس روایت میں حجاج وزفر کے مابین کسی علمی مناظرہ کا ذکر نہیں، البتہ مناقب ابی حنیفہ لابن ابی العوام میں یہ روایت اتنے اضافہ کے ساتھ ہے کہ زفر کی بات سن کر حجاج خاموش ہوگئے، پھر ابو یوسف وحجاج میں مناظرہ ہوا اور حجاج ہار گئے تو حجاج نے حاجب کو حکم دیا کہ ان دونوں کو میری مجلس میں مت آنے دینا[5] اور ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے کہ ابن ابی العوام اوران کی کتاب مناقب ابی حنیفہ غیر معتبر ہیں۔

---

[1] تهذيب التهذيب ترجمة محمد بن عيسى وحاشيه انساب (١/ ١٤٧ لفظ اذنى) نیز ملاحظہ ہو: طبقات حنابله.

[2] نیز ملاحظہ ہو: حلية الأولياء (٧/ ٥ تذكره سفيان ثورى) وغيره.

[3] حلية الأولياء (٦/ ١٢٥٩)

[4] لمحات النظر (ص: ٧، ٨، بحواله مناقب أبي حنيفة للصيمري، ص: ١٠٦، ١٠٧)

[5] لمحات النظر (ص: ٧، ٨)

ثانیاً: صیمری والی روایت اگرچہ مطلوبِ کوثری پر دال نہیں مگر یہ بھی غیر معتبر ہے کیونکہ یہ روایت بھی مکرم بن احمد سے مروی ہے جن کی بابت تفصیل گزری کہ ان کی ترتیب دی ہوئی ابن المغلس کی کتاب مناقب ابی حنیفہ مکذوب وموضوع ہے، نیز کوثری کی مستدل روایت کا سلسلۂ سند احمد بن موسیٰ ابی عمران (متوفی ۲۸۰ھ) پر ختم ہوتا ہے جنھوں نے قاضی حجاج وزفر کا زمانہ نہیں پایا ہے اس لیے منقطع السند ہونے کے سبب بھی روایت مذکورہ ساقط الاعتبار ہے۔

ثالثاً: اس روایت میں حجاج کی بابت کہا گیا ہے "کان یغلب علیه البذاء" موصوف پر بذ زبانی کا غلبہ تھا، حالانکہ غیر معتبر روایات کے علاوہ کسی معتبر طریق سے یہ بات حجاج کی بابت ثابت نہیں۔

رابعاً: روایت مذکورہ میں کہا گیا ہے کہ حجاج نے امام زفر وابو یوسف کے ساتھ مناظرہ کیا، حالانکہ مصنف انوار کے رکن مجلس تدوین قرار دیے ہوئے امام حفص بن غیاث نے کہا:

" قال الحجاج ما خاصمت أحدا ولا جادلته ولا جلست إلى قوم يختصمون."[1]

''حجاج نے کہا کہ میں نے کسی سے مناظرہ ومجادلہ نہیں کیا نہ مناظرہ ومجادلہ کرنے والوں کے پاس میں کبھی بیٹھا۔''

خامساً: روایت مذکورہ میں کہا گیا ہے کہ قبیلۂ حجاج کے لوگ نسبِ حجاج پر کلام کرتے تھے حالانکہ اس کی تائید کسی معتبر ذریعہ سے نہیں ہوتی، نیز حجاج امام صاحب کے متعدد اساتذہ کے استاذ ہیں، مثلاً: امام شعبہ وسفیان ثوری وغیرہ اور یہ مستبعد ہے کہ امام زفر اپنے اور امام صاحب کے استاذ الاساتذہ کے حسب ونسب پر طنز وتعریض کریں خصوصاً اس لیے بھی کہ مصنف انوار وکوثری مدعی ہیں کہ امام صاحب محدثین کرام کے استاذ یا استاذ الاساتذہ ہونے کے سبب اس لائق نہیں کہ ان پر کلام کیا جائے، پھر امام صاحب کے استاذ الاساتذہ پر طنز وتعریض بدرجۂ اول نامناسب ہونی چاہیے۔

بفرض صحت روایت مذکورہ سے صاف ظاہر ہے کہ حجاج کے ساتھ امام زفر وابو یوسف کا معاملۂ مذکورہ اس زمانہ میں پیش آیا تھا جب کہ دونوں حضرات طالب علم تھے، اور حجاج کے ساتھ امام زفر وابو یوسف کے مکالمہ کو استاذ کے ساتھ شاگردوں کے علمی مکالمہ سے زیادہ نہیں کہا جا سکتا۔ عنقریب اس بات کا ذکر آ رہا ہے کہ امام المغازی محمد بن اسحاق سے ربط وتعلق رکھنے کے سبب ابو یوسف سے امام صاحب نے کہا کہ ذرا ابن اسحاق سے پوچھنا کہ لشکر طالوت کا علم بردار کون تھا؟ ابو یوسف نے کہا کہ اگر آپ سے یہ دریافت کیا جائے کہ جنگ بدر واحد میں سے پہلے کون سی جنگ پیش آئی تو آپ اسے بھی صحیح نہیں بتلا پائیں گے، ابو یوسف کی اس بات کا کوئی جواب امام صاحب سے منقول نہیں ہے۔ (کماسیأتي) بالفرض حجاج کے ساتھ امام زفر کا مناظرہ مذکورہ ہوا ہو تو وہ ۱۴۵ھ کے پہلے کا واقعہ ہوگا کیونکہ حجاج کا انتقال ۱۴۵ھ میں ہو گیا تھا اور یہ چیز اس کے منافی نہیں کہ بعد میں امام زفر مذہب رائے چھوڑ کر اہلحدیث ہو گئے ہوں۔

کیا حجاج بن ارطاۃ بدزبان تھے؟

کوثری نے کہا ہے کہ حجاج بن ارطاۃ بدزبان تھے مگر ہم عرض کر چکے ہیں کہ اس کا کوئی ثبوت معتبر نہیں ہے، البتہ امام عجلی نے کہا ہے کہ موصوف کے اندر ''تیہ'' (تکبر وفخر) پایا جاتا ہے۔[2] بصیغۂ تمریض منقول ہے کہ موصوف حجاج ''تیّاہ'' (زیادہ متکبر)

[1] خطیب (۸/ ۲۲۳) ومیزان الاعتدال (۱/ ۲۱۳)
[2] تهذيب التهذيب (۲/ ۹۶ و ۲/ ۱۹۸) وخطیب (۸/ ۲۳٤)

تھے حتی کہ ان کی خدمت میں حدیث سننے کے لیے ایک دن امام سفیان ثوری آ کر بیٹھے اور جب مجلس برخواست ہوئی تو حجاج نے کہا کہ ثور کی اولاد (مراد سفیان ثوری) سمجھتی ہے کہ ہم کو ان کی پرواہ رہا کرتی ہے، حالانکہ یہ بات نہیں ہے خواہ وہ آئے یا نہ آئے۔ [1]

یہ روایت بلا سند صیغہ تمریض کے ساتھ منقول ہے جو بذات خود اس کے ساقط الاعتبار ہونے کی دلیل ہے اور امام عجلی (احمد بن عبداللہ العجلی، مولود ۱۸۳ھ ومتوفی ۲۶۱ھ) وفاتِ حجاج کے عرصہ بعد پیدا ہوئے ان کے اس قول کی دلیل مذکور نہیں لہٰذا ساقط الاعتبار ہے، اور تیہ کا معنی تکبر ہے۔ [2] جو اہل علم کے شایان شان نہیں، حجاج میں اس چیز کا وجود بلا دلیل قوی تسلیم نہیں کیا جا سکتا، البتہ ابو عاصم سے بسند صحیح مروی ہے:

''حجاج جب قاضی بصرہ بن کر بصرہ آئے تو وہاں کے شیخ عثمان بتی (متوفی ۱۴۳ھ) کی درسگاہ میں آئے اور پیچھے کسی جگہ بیٹھ گئے، شیخ عثمان بتی نے کہا کہ قاضی صاحب اونچی جگہ پر آ کر صدر مجلس میں تشریف رکھیے، قاضی صاحب یعنی حجاج نے کہا کہ میں جہاں کہیں بیٹھوں وہ صدر مجلس ہی ہے "أنا رجل حبب إلى الشرف" میں جاہ پسند آدمی ہوں۔'' [3]

بعض روایات میں ہے کہ مجھے "حسب شرف" جاہ وعظمت پسندی نے تباہ کر دیا ہے۔ [4] معلوم ہوتا ہے کہ اپنی جس جاہ پسندی کے حجاج معترف تھے نیز موصوف اسے معیوب بھی سمجھتے اور جس کے علاج کے لیے موصوف علمی مجلسوں میں معمولی اور غیر نمایاں جگہوں پر بیٹھ جایا کرتے تھے، اس کو بعض لوگوں نے غلط فہمی میں پڑ کر تیہ سے تعبیر کر دیا ہے۔

ایک روایت میں عیسیٰ بن یونس سے مروی ہے:

''حجاج باجماعت نماز نہیں پڑھتے تھے، ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو موصوف نے کہا کہ اس لیے میں حاضر جماعت نہیں ہوتا کہ مسجد میں کجڑوں، سبزی فروشوں اور حمّالوں (باربردار مزدوروں) سے مٹ بھیڑ ومزاحمت ہو گی۔'' [5]

اس روایت کی سند میں محمد بن ابی اللیث حارث بن شداد قاضی خوارزمی وراق (متوفی ۲۵۰ھ) معتزلی ومتعصب حنفی فقیہ تھا اور مجروح وغیر ثقہ بھی، اس نے قرآن کو مخلوق نہ کہنے والے محدثین وفقہاء پر مظالم کے پہاڑ توڑے اور ان کے درس وتدریس پر پابندیاں لگا دیں اور مسجدوں کے دروازوں پر یہ لفظ لکھوا دیا کہ "لا إله إلا الله رب القرآن المخلوق" اس کی مدح میں معتزلی شاعر حسین بن علی نے طویل قصیدہ کہا جس کے بعض اشعار یہ ہیں:

" فحميت قول أبي حنيفة بالهدى ومحمد واليوسفي إلا ذكر وحطمت قول الشافعي وصحبه..الخ." [6]

''تم نے امام ابوحنیفہ وابو یوسف ومحمد وزفر کے مذہب کی حمایت کر کے مذہب شافعی ومالکی وربیعہ وغیرہ کو توڑ کر ختم کر دیا اور اب پوری دنیا میں حتی کہ مسجدوں میں بھی قرآن کو مخلوق کہا جانے لگا۔''

---

[1] خطيب (٨/ ٢٣٤)
[2] مجمع البحار (١/ ١٥٠)
[3] خطيب (٨/ ٢٣٢، ٢٣٣)
[4] تهذيب وخطيب.
[5] ميزان الاعتدال (١/ ١٨٧)
[6] قضاة مصر للكندي (ص: ٤٤٩ تا ٤٧٥)

کوئی شک نہیں کہ اسی معتزلی حنفی نے حجاج کو لوگوں میں بدنام کرنے کے لیے یہ روایت گھڑ کر حجاج کی طرف منسوب کر دی، یہ معلوم نہیں کیا بات ہے کہ کتاب المجروحین لابن حبان مطبوعہ حیدر آباد کے حنفی ناشرین نے کتاب المجروحین سے حجاج بن ارطاۃ اور امام صاحب کے تراجم نکال دیے؟ ظن غالب ہے کہ المجروحین میں امام صاحب پر حجاج کی تنقیدیں اور جرحیں بھی منقول ہوں گی، کتاب المجروحین میں حجاج کا ترجمہ چار اوراق میں ہے مگر ہمارے پاس اس کا جو نسخہ مطبوعۂ حیدر آباد ہے اس سے حجاج کا ترجمہ غائب کر دیا گیا ہے اور یہی معاملہ امام صاحب کے ترجمہ کے ساتھ بھی کیا گیا ہے۔

میزان الاعتدال وتذکرۃ الحفاظ میں حافظ ذہبی ناقل ہیں کہ حجاج نے کہا" لاتتم مرؤة الرجل حتى يترك الصلوة في الجماعة" آدمی میں پوری مروّت اس وقت تک نہیں آسکتی جب تک کہ وہ نماز باجماعت ترک نہ کر دے۔"[1] حافظ ذہبی نے اس قول کی تقبیح کی ہے کی ہے اور یہ قول اسی لائق ہے بھی مگر اس کی سند نہ میزان میں منقول ہے نہ تذکرۃ الحفاظ میں اور یہ قول امام شافعی کے واسطہ سے منقول ہے جو وفات حجاج کے پانچ سال بعد پیدا ہوئے یعنی کہ روایت مذکورہ ساقط الاعتبار ہے۔

امام ابن جریر طبری سے منقول ہے:

"حدثت عن بشر بن الوليد قال سمعت أبا يوسف يقول كان الحجاج لا يشهد الجمعة ولا جماعة يقول أكره مزاحمة الانذال."[2]

''ابو یوسف نے کہا کہ حجاج نہ جمعہ پڑھنے جاتے تھے نہ جماعت سے نماز پڑھنے جاتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ رذیلوں کے ساتھ نماز پڑھنی مجھے پسند نہیں ہے۔''

ایسی بات کا قائل وفاعل یقیناً فاسق وبے دین ہے، حجاج کو اہل علم نے صدوق وعظیم المرتبت فقیہ ومحدث قرار دیا ہے، اس کہانی کا گھڑنے والا بھی کوئی کذاب ہے، اس میں ابن جریر وبشر بن ولید کے درمیان مجہول راوی ہے اسی نے یہ کہانی گھڑی ہے، ویسے بشر بن ولید بھی باعتبار جرح وتعدیل مختلف فیہ ہیں، اور حجاج سے قول مذکور کا ناقل جس امام ابو یوسف کو ظاہر کیا گیا ہے ان کی بابت امام صاحب کا یہ قول منقول ہو چکا ہے "يقول على ما لم أقل" امام صاحب پر حجاج سے سخت تجریح منقول ہے غالبًا بعض غالی حنفی مقلدین نے حجاج سے بدلہ چکانے کے لیے حجاج کی قدح میں حکایات وضع کیں اور یہ نہیں جان سکے کہ ثقہ وغیر ثقہ کی روایت میں بہت فرق ہوتا ہے۔

امام حماد بن زید سے بسند صحیح مروی ہے:

"سمعت الحجاج بن أرطاة يقول من أبوحنيفة؟ ومن يأخذ عن أبي حنيفة؟ وما أبوحنيفة."[3]

''امام ابوحنیفہ کون ہیں؟ ان سے کون سا شخص علمی بات حاصل کرنے کا روادار ہوسکتا ہے؟ وہ کیا ہیں؟ مطلب یہ کہ امام صاحب کی کوئی علمی بات قابل قبول نہیں ہے۔''

---

[1] ميزان الاعتدال (١/ ١٨٦) وتذكرة الحفاظ (١/ ١٨٧)

[2] خطيب (٨/ ٢٣٣)

[3] الضعفاء للعقيلي (٣/ ٤٣٤) وخطيب (١٣/ ٤١٥)

تاریخ خطیب میں منقول ہے:

"كان الحجاج يقع في أبي حنيفة ويقول إن أبا حنيفة لا يعقل لله عقله."❶

''حجاج امام صاحب پر تنقیدیں کرتے تھے حتی کہ موصوف امام صاحب کو لایعقل کہہ کر مطعون کرتے تھے۔''

حماد بن زید سے منقول ہے:

''امام صاحب سے ہماری گفتگو اس مسئلہ پر ہوئی کہ جو محرم شخص تہبند پر قادر نہ ہو وہ پائجامہ پہنے تو کیا فتوی ہے؟ امام صاحب نے اس سلسلہ میں وارد شدہ احادیث کے خلاف موقف اختیار کیا تو ہم نے ان کے سامنے متعدد احادیث پیش کیں مگر وہ نہیں مانے، وہاں سے میں مسجد میں آیا تو مسجد میں میں نے حجاج بن ارطاۃ کو دیکھا، میں نے اس معاملہ کا ذکر حجاج سے کیا تو انھوں نے امام صاحب کے خلاف متعدد احادیث کا ذکر کر کے اس موقف کے اختیار کرنے والے پر سخت تنقید کی جو امام صاحب نے اختیار کی تھی۔''❷

روایت مذکورہ سے صاف ظاہر ہے کہ قاضی حجاج مسجد میں جایا کرتے تھے، اس سے ان روایات کی تردید ہوتی ہے جن کا حاصل یہ ہے کہ حجاج مسجد میں جانا اور مسجد میں نماز پڑھنا پسند نہیں کرتے تھے، ظن غالب ہے کہ المجروحین لابن حبان میں امام صاحب اور حجاج کے تراجم کے تحت امام صاحب پر حجاج سے تنقیدیں نقل کی گئی ہوں گی مگر اس کے حنفی ناشرین نے کتاب مذکور سے دونوں کے تراجم غائب کر دیے۔

منقول ہے کہ حجاج کی عمر صرف سولہ سال تھی کہ ان سے فتوی پوچھا جانے لگا تھا۔❸

حجاج بن ارطاۃ کا مختصر تعارف:

موصوف ابوارطاۃ حجاج بن ارطاۃ نخعی امام ابراہیم بن نخعی کے قبیلہ کے خالص عربی النسل آدمی تھے، ان کا سال ولادت بالصراحت کہیں نہیں مل سکا لیکن عبدالحمید بن عبدالحمید بن میمون جزری رقی نے کہا کہ حجاج ساٹھ سال تک اپنی ایک باندی کے چرخے کی آمدنی سے گزر بسر کرتے رہے، پھر وہ مہدی محمد بن عبداللہ عباسی کے ساتھ خراسان گئے۔❹ اور مہدی کی خراسان روانگی ۱۴۱ھ میں ہوئی تھی۔❺ اس کا مفاد ہماری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ ساٹھ سال کی عمر تک موصوف حجاج اور ان کے متعلقین کی گزر بسر لونڈی کی کمائی سے ہوتی رہی۔

اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ موصوف ۸۰/ ۸۱ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے، موصوف کوفی الاصل تھے مگر انھوں نے حجازی علماء مثلاً: عطاء بن ابی رباح ونافع مولیٰ ابن عمر اور عمرو بن شعیب وغیرہ سے بھی پڑھا ہے اور امام شعبی سے بھی ان کا ایک حدیث سننا ثابت ہے۔ عبداللہ بن ابی نجیح مکی نے کہا کہ حجاج بن ارطاۃ جیسا کوئی آدمی ہمارے یہاں نہیں آیا، موصوف نے کہا کہ میں سولہ سال کا تھا کہ مجھ سے فتوی پوچھا جانے لگا تھا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف سے ۹۶، ۹۷ھ کے لگ بھگ فتوی پوچھا جانے لگا، حماد بن زید نے کہا کہ موصوف تیس اکتیس سال کے تھے تو ہمارے یہاں بصرہ آئے اس وقت ان کی مجلس میں اتنی بھیڑ

❶ خطیب (۸/ ۲۳٤) ❷ خطیب (۱۳/ ۳۹۲، ۳۹۳)
❸ خطیب وتهذيب التهذيب ترجمه حجاج. ❹ خطیب (۸/ ۲۳۰) ❺ البداية والنهاية (۱۰/ ۷٦)

جمع ہوتی تھی جتنی حماد بن ابی سلیمان کی مجلس میں بھی نہیں جمع ہوتی تھی، اس وقت میں نے دیکھا کہ ان کے سامنے گھٹنے ٹیکے ہوئے بیٹھ کر مطر وراق (متوفی ۱۲۵ھ) داود بن ابی ہند، یونس بن عبید جیسے لوگ ان سے علمی مسائل پوچھتے تھے۔[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حجاج بن ارطاۃ ۱۱۱/ ۱۱۲ھ کے لگ بھگ بصرہ گئے تھے، ہم عرض کر چکے ہیں کہ مذہبِ نخعی سے منحرف ہوکر مرجی ہو جانے کے بعد حماد بن ابی سلیمان جب بصرہ جاتے تھے تو وہاں کے اہل علم مثلاً، امام ایوب سختیانی وغیرہ ان کے پاس نہیں آتے تھے، اسی طرح خود کوفہ کے تلامذۂ نخعی نے بھی حماد کو متروک قرار دے دیا تھا، اس لیے حماد بن ابی سلیمان کی بصرہ آمد پر بھیڑ لگنے والی بات موصوف کے مذہب نخعی سے منحرف ہونے کے پہلے اس زمانہ کی بات ہے جبکہ موصوف حماد مذہب نخعی پر قائم تھے، عام اہل علم نے حجاج کے علم وفضل، فقاہت وحفظ اورصداقت و دیانت کی بڑی تعریف کی ہے مگر ان کی دو باتوں پر کلام کیا گیا ہے۔ایک یہ کہ موصوف مدلس تھے، دوسرے یہ کہ آخر میں سوء حفظ کے شکار ہو گئے، یہ دونوں باتیں بڑے بڑے ائمہ کبار میں پائی جاتی رہی ہیں۔

بعض اہل علم نے صراحت کی ہے کہ صیغۂ تحدیث وسماع سے ان کی روایت کردہ حدیث معتبر ہے اور متعدد اہل علم نے کہا کہ بصیغۂ تحدیث وسماع ان کی روایت کردہ حدیث بھی صرف متابع وشاہد کے طور پر معتبر وحجت ہے اور بعض نے موصوف کو متروک بھی قرار دیا ہے مگر ان کو متروک قرار دینے پر امام ذہبی وغیرہ نے نکیر کی ہے، ہمارے نزدیک معتدل رائے ان کی بابت ان اہل علم کی ہے جو فرماتے ہیں کہ بصیغۂ تحدیث وسماع ان کی روایت کردہ حدیث بطور متابع وشاہد مقبول ومعتبر ہے، اس بات کے قائلین میں امام عجلی، بخاری، ابوحاتم اور ابن عدی وغیرہ ہیں۔امام بخاری نے فرمایا:

”وقال فيه حدثنا يحتمل وروى عنه الثوري وشعبة.“[2]

”بصیغۂ تحدیث موصوف کی روایت قابل قبول ہے، مراد موصوف کی روایت متابع کی حیثیت سے مقبول ہے، ان سے امام سفیان ثوری اور شعبہ جیسے اہل علم نے روایت کی ہے۔“

بس اس سلسلے میں جو فیصلہ امام بخاری کا ہے وہ ہمارا بھی ہے، اختصار کے پیش نظر تفصیل سے اعراض کر رہے ہیں، ان کا ترجمہ تاریخ خطیب، تذکرہ الحفاظ، میزان الاعتدال وتہذیب التہذیب، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم، ثقات ابن حبان، مجروحین ابن حبان میں تفصیل سے ہے۔موصوف ۱۴۵ھ میں فوت ہوئے تھے مگر خلاصۃ التذہیب میں ۱۴۷ھ لکھا ہے، جس شہر بغداد میں امام ابوحنیفہ اور شیخ عبدالقادر جیلانی مدفون ہیں اور آج کل ان کے مقابر مرجع قبوریین بنے ہوئے ہیں، اس کی تعمیری تخطیط یعنی تعمیری منصوبہ بندی حجاج ہی نے کی تھی اور وہاں کی جامع مسجد کی تاسیسِ قبلہ بھی انھیں کے ہاتھوں ہوئی تھی جیسا کہ تاریخ خطیب جلد اول وہشتم میں تصریح ہے۔حجاج سے امام صاحب پر مروی شدہ بعض تنقیدی کلمات کا ہم نے ذکر کیا ہے جس سے عام احناف موصوف پر خفا ہیں مگر ہم عرض کر چکے ہیں کہ اس بات میں حجاج منفرد نہیں ہیں، موصوف حجاج کے متعلق بعض باتوں کا تذکرہ پہلے بھی آچکا ہے، اس لیے ہم نے اس مختصر ذکر پر اکتفا کیا۔

---

[1] خطيب (ص: ٢٣١) وتهذيب التهذيب (٢/ ١٩٧) وتاريخ جرجان (ص: ٦٥٠، ٦٥١)

[2] تاريخ صغير (ص: ١٧٦، ١٧٧)

امام صاحب پر عثمان بن مسلم بتی بصری (متوفی ۱۴۳ھ) کی تجریح:

اوپر اس کا ذکر آچکا ہے کہ عام علمائے بصرہ امام صاحب کے علم ومذہب سے اشتغال کو ناجائز سمجھتے تھے، انھیں میں سے امام عثمان بن مسلم بتی (متوفی ۱۴۳ھ) بھی تھے، بتی کے پاس امام صاحب کا ذکر آیا تو انھوں نے فرمایا "ذاك رجل اخطأ عصم دينه كيف يكون حاله"❶ امام صاحب پر بتی کی یہ تنقید بھی بہت سخت ہے۔احناف نے ذکر کیا ہے کہ امام صاحب نے امام عثمان کو ایک رسالہ لکھ کر بھیجا تھا۔❷

اس سلسلے میں تفصیل آگے آئے گی، امام عثمان بتی کو عام اہل علم نے ثقہ کہا ہے، البتہ بعض قسم کی رائے وقیاس سے وہ بھی اشتغال رکھتے تھے جس کے سبب ان پر بعض لوگوں نے نکیر کی ہے، بہر حال رائے سے اشتغال فی نفسہ ثقہ ہونے سے مانع نہیں ہے۔

قاضی سوار کا ذکر خیر:

استاذ کوثری کا یہ بیان عجیب ہے کہ اصحاب صحاح ستہ نے قاضی سوار کی روایت نہیں نقل کی کیونکہ اصحاب ستہ نے امام زفر اور بہت سے دوسرے ثقات کی روایات حتی کہ کتنے صحابہ کی روایات بھی نہیں نقل کی ہیں، پھر بھی صحیح بخاری میں ہے "أول من سأل على كتاب القاضي البينة ابن أبي ليلى وسوار"❸ قاضی سوار کو ابن المدینی نے ثقہ کہا اور ابن شاہین ،ابن عدی وابن حبان نے بھی توثیق کی، رہا قاضی سوار کا قلیل الروایۃ والحدیث ہونا تو کوثری وجملہ احناف کو امام ابوحنیفہ وزفر کا قلیل الروایۃ والحدیث ہونا تسلیم ہے، لہٰذا اگر قلیل الروایۃ ہونا امام صاحب وزفر کے حق میں موجب قدح نہیں تو سوار کے حق میں کیوں موجب قدح ہوسکتا ہے؟ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے صحابی کو سنن نسائی میں قلیل الحدیث کہا گیا ہے۔❹

قاضی سوار پر کلام ثوری کی توجیہ:

اگر امام ثوری نے سوار کو "ليس بشيء" کہا تو کوثری ہی نے امام زفر کی بابت ابن سعد کے قول "لم يكن في الحديث بشيء" کا یہ مطلب بتلایا ہے کہ وہ "قليل الحديث و الرواية" تھے اور محض قلیل الروایۃ ہونا موجبِ قدح نہیں۔❺ اسی طرح قاضی سوار کی بابت ثوری کے قول کا مطلب بھی قلیل الروایہ ہوا خصوصًا ایسی صورت میں کہ دوسرے ائمہ جرح وتعدیل نے ان کو ثقہ وصدوق ومتورع ،عادل ومنصف اور قابل مدح قاضی اور فقیہ قرار دیا ہے۔

حنفی فقہ سے قاضی سوار کی بے اعتنائی:

کوثری کی یہ بات محض سخن سازی ہے کہ قاضی سوار علم فقہ میں زہد رکھتے تھے کیونکہ وہ ایک زبردست فقیہ تھے، البتہ موصوف قاضی سوار متعدد اہل علم کی طرح اس فقہ حنفی سے بے اعتنائی برتتے تھے جس سے امام صاحب آخری عمر میں خود غیر مطمئن ہو کر فرمانے لگے تھے کہ میری بیان کردہ عام فقہی اور علمی باتیں مجموعۂ اغلاط ہیں۔

---

❶ خطيب (ص: ۱۳۱و ۳۹۹)

❷ مقدمه انوار (۱/ ۱۲۵) وعام كتب مناقب أبي حنيفه.

❸ تهذيب التهذيب (٤/ ٦٦٩)

❹ سنن النسائي باب المحاربه (۲/ ۱۵۳)

❺ لمحات النظر (ص: ۲۲)

اس کا حاصل یہ ہوا کہ اپنی فقہ کی بابت جس نتیجہ پر امام صاحب اپنی آخری عمر میں پہنچے اس پر قاضی سوار اوران جیسے لوگ بہت پہلے پہنچ گئے تھے۔

قاضی سوار کی مدح امام شعبہ کی زبانی:

امام شعبہ کے فرمان "ما تعني في طلب العلم وقد ساد" کا مطلب صرف یہ ہے کہ تحصیل علم میں بہت زیادہ محنت کیے بغیر ہی انھیں سیادت علمی وقیادت دنیوی مل گئی، ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں میں فطری صلاحیت اتنی فراوانی کے ساتھ ودیعت کر دیتا ہے کہ وہ قلیل محنت اورتھوڑی سی جدوجہد سے وہ مراتب حاصل کر لیتے ہیں جو دوسرے لوگ بڑی جان توڑ محنت کے باوجود بھی حاصل نہیں کر پاتے، لہٰذا امام شعبہ کے اس فرمان کو قاضی سوار کی بابت موجب قدح قرار دینا صحیح نہیں ہے بلکہ درحقیقت یہ مدح ہے۔

اگر بدعویٔ مصنف انوار وکوثری امام صاحب پچاس سال کی عمر کو پہنچ کر فارغ التحصیل ہو سکے تو کیا ضروی ہے کہ ہر شخص اتنی ہی عمر تک طالب علم بن کر پڑھتا رہے تب فارغ التحصیل ہو؟ پھر مجلس تدوین کے متعدد اراکین پیدا ہونے سے پہلے بدعویٰ مصنف انوار کیسے جمیع علوم کے ماہر ومجتہد ہو گئے تھے؟

کیا امام زفر نے اہل بصرہ کو حنفی بنا لیا تھا:

اوپر یہ قولِ کوثری منقول ہوا کہ علمائے بصرہ، مثلاً سوار وغیرہ نے امام زفر کا اس لیے بائیکاٹ کیا کہ انھوں نے اہل بصرہ کا رخ مذہبِ ابی حنیفہ کی طرف موڑ دیا تھا، حالانکہ اصل معاملہ یہ تھا کہ علمائے بصرہ نے وصیت امام نخعی کے مطابق جس طرح امام صاحب کے استاذ حماد کے مذہب رائے وارجاء کے سبب حماد کا بائیکاٹ کیا تھا[1] میں اسی طرح مذہب حماد کے پیروامام صاحب کے ساتھ کیا، اورجس روایت میں یہ مذکور ہے کہ امام زفر بصرہ آئے تو اصحاب تابعین کے حلقے ان کی طرف مڑ گئے۔[2] اس کی سند میں عبداللہ بن محمد اسدی اکفانی ساقط الاعتبار ہے۔ (کما مر) نیز ابن ابی العوام کی روایت میں مذکور ہے کہ جس زمانہ میں یہ بات ہوئی اس زمانہ میں عثمان بتی شیخِ بصرہ زندہ تھے، ان کی درسگاہ بھی امام زفر کے سبب ختم ہوگئی۔[3] اور یہ معلوم ہے کہ عثمان بتی ۱۴۳ھ میں فوت ہوئے جس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ امام زفر ۱۴۳ھ کے پہلے امام صاحب کی درسگاہ سے فارغ ہوکر تبلیغ مذہب حنفی کے لیے بصرہ آ گئے تھے، اورہم بتلا چکے ہیں کہ ۱۱۶ھ میں پیدا ہونے والے امام زفر مصنف انوار کی مستدل روایات کے مطابق تخمیناً ۱۳۴/ ۱۳۵ھ کے بعد امام صاحب سے پڑھنے کے لیے درسگاہ امام صاحب میں داخل ہوئے ہوں گے اور جب یہ معاملہ ہے توصحبت امام صاحب میں موصوف زفر کے تعلیم حاصل کرنے کی مدت نوسال سے بھی کم قرار پاتی ہے، پھر مصنف انوار کا یہ دعوی کیا معنی رکھتا ہے کہ امام زفران اراکین مجلس تدوین میں سے ہیں جو ۱۲۰ھ میں امام صاحب کے مسندنشین ہونے کے وقت مجتہد وفقیہ ہو چکے تھے اوریہی لوگ اراکین مجلس منتخب ہوئے اورتیس سال تک امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ کرتے رہے؟

---

[1] اللمحات (١/ ٤٢١ تا ٤٣١)

[2] لمحات النظر (ص: ٣٠) وأخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ١٧ و ١٠٨) نیز مقدمه انوار (١/ ١٦٥)

[3] لسان الميزان (٢/ ٤٧٧)

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ روایت مذکورہ کا راوی ابن ابی العوام مجہول الصفہ ہے جو رافضی حکومت کا نمک خوار تھا اور اس واقعہ کے راوی احمد بن عبدہ ضبی (متوفی ۲۴۵ھ) نے امام زفر کا زمانہ نہیں پایا ہے، پھر یہ روایت کیونکر معتبر ہے؟ اس مفہوم کی ایک روایت ہلال بن یحییٰ رائی سے بھی منقول ہے۔[1] مگر ہلال بن یحییٰ رائی ضعیف ہیں اور ان سے روایت کرنے والے بکر مجہول ہیں نیز یہ روایت بکر سے مکرم نے نقل کی جن کی کتاب بقول دارقطنی مکذوب ہے۔

ایک طرف مصنف انوار اور ان کے ہم مزاج لوگوں کی باتوں سے یہ لازم آتا ہے کہ ۱۴۳ھ کے پہلے امام زفر درسگاہ ابی حنیفہ سے فارغ ہو کر تبلیغ مذہب حنفی کے لیے بصرہ آ گئے تھے، دوسری طرف یہ بیان ہو چکا ہے کہ جس زمانہ میں امام محمد شیبانی درسگاہ ابی حنیفہ میں پڑھتے تھے یعنی ۱۴۶/ ۱۴۷ھ کے بعد اس زمانہ میں امام زفر بھی درسگاہ ابی حنیفہ میں پڑھتے تھے، یعنی ۱۴۶/ ۱۴۷ھ کے بعد اس زمانہ مین امام زفر بھی درسگاہ ابی حنیفہ میں زیر تعلیم تھے، بلکہ صحیح طور پر ثابت ہے کہ وفاتِ امام صاحب کے پندرہ روز پہلے تک امام زفر امام صاحب کے ساتھ تھے۔ (كما سيأتي) کیا جانے کہ مصنف انوار اور ان کے ہم مزاج لوگ اپنے بیانات کے تعارض و تضاد کا کوئی احساس کیوں نہیں رکھتے!

روایات مکذوبہ میں اگرچہ یہ منقول ہے کہ امام زفر تبلیغ مذہبِ حنفی کے لیے بصرہ گئے مگر کتاب الجرح والتعدیل (۲/ ۶۰۹) میں یہ مذکور ہے کہ موصوف اپنے بھائی کی میراث کے سلسلے میں بصرہ آئے تھے تو اہل بصرہ نے انھیں وہاں روک لیا اور واپس کوفہ نہیں جانے دیا۔[2]

امام زفر اور داود طائی کے مابین تعلقات و روابط:

علامہ کوثری نے اس بات کو اگرچہ وہم قرار دیا ہے کہ امام زفر نے مذہب رائے کو ترک کر دیا تھا مگر اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ داود طائی نے ترکِ رائے کر کے خانہ نشینی اختیار کر لی تھی، اور جن کتب مناقب کی روایات کو مصنف انوار و کوثری اور ان کے ہم مزاج لوگ نصوص کتاب و سنت کی طرح دلیل بناتے چلے جاتے ہیں ان میں یہ روایت بھی منقول ہے:

”عن هلال بن يحيى الرائي قال كان زفر يتبع داود الطائي حتى أن داود لو قعد على مزبلة جآء زفر حتى يقعد معه عليها قال وإنما قدم زفر (من؟) البصرة يزور داود الطائي.“[3]

”ہلال بن یحییٰ الرائی نے کہا کہ امام زفر امام داود طائی کی ہر معاملہ میں متابعت کرتے تھے حتی کہ اگر داود طائی کسی گھور پر بیٹھتے تو زفر بھی آ کر ان کے ساتھ وہاں بیٹھ جاتے اور زفر بصرہ سے صرف داود طائی کی زیارت کے لیے کوفہ آئے تھے۔“

اس روایت کا مفاد ہے کہ امام زفر داود طائی کی پیروی تمام امور میں کرتے تھے، پھر تو فقہ اہل الرای کو ترک کرنے میں بھی ضرور ہی امام زفر نے امام داود طائی کی پیروی کی ہو گی۔

---

[1] أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ١٠٤) وغيره.
[2] نیز ملاحظہ ہو: الفوائد البهية (ص: ٧٥) وجواهر المضية (ص: ٢٤٣) وتاريخ ابن معين (٢/ ١٧٢)
[3] أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ١٠٤) وذكره الكردري (٢/ ١٨٥)

امام حسن بن زیاد سے مروی ہے:

”كان زفر و داود متواخبين فأما داود فترك الفقه وأقبل على العبادة وأما زفر فإنه جمع الفقه مع العبادة.“ ❶

”زفر وداود طائی آپس میں بھائی چارگی رکھتے تھے مگر داود نے فقہ ترک کر کے عبادت کی طرف رخ کیا اور زفر نے دونوں سے اشتغال رکھا۔“ ❷

روایت مذکورہ میں بھی زفر وداود کے مابین گہرے تعلقات کا ذکر کیا گیا ہے مگر ترک فقہ میں زفر کو داود کا پیرو نہیں بتلایا گیا، یہ روایت صحیح نہیں ہے اگر بالفرض صحیح ہو تو چونکہ حافظ ابونعیم نے کہا ہے ”رجع عن الرأي“ اور ابن حبان نے کہا ”لم يسلك مسلك صاحبه“ اس لیے جس فقہ سے امام زفر نے اشتغال باقی رکھا وہ فقہ فقہ اہل الرای نہیں ہو سکتی جس کو خود امام صاحب نے مجموعۂ اغلاط اور نا قابل اشتغال قرار دیا۔ داود طائی کو امام نسائی نے امام اعمش کے اصحاب میں شمار کیا ہے جو مذہب اہل الرای کے خلاف مذہب اہل حدیث کے پیرو تھے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ داود اگرچہ امام صاحب کے شاگرد تھے مگر امام صاحب کے ہم مذہب نہیں تھے اور اگر کسی زمانہ میں تھے تو بعد میں موصوف داود مذہبِ اہل الرای سے منحرف ہو گئے تھے، یہی بات امام زفر کے بارے میں سمجھنی چاہیے۔

داود طائی کی مدح وتوصیف امام سفیان بن عیینہ نے کی ہے اور ان سے روایت حدیث بھی کی ہے اور یہ بحث گزر چکی ہے کہ امام سفیان بن عیینہ کسی اہل الرای فقیہ کی مدح وتوصیف کے روادار نہیں تھے، اسی طرح داود کی مدح امام سفیان ثوری نے بھی کی ہے اور امام صاحب کی بابت امام ثوری کے اقوال مذکور ہو چکے ہیں۔

جب امام زفر نے فقہ اہل الرای کی حمایت میں بات نہ کرنے کی شرط پر قاضی سوار کی مجلس میں شرکت قبول کر لی تھی تو پھر بہت مستبعد ہے کہ وہ بصرہ میں رہ کر عثمان بتی وغیرہ کی مجلسوں میں فقہ اہل الرای کا چرچا کرتے ہوں، چہ جائیکہ اس کی تبلیغ کرتے پھریں کیونکہ عثمان بتی امام صاحب اور مذہب امام صاحب سے قاضی سوار کے بالمقابل کم وحشت نہیں رکھتے تھے۔ (کمامر)

قبل از وقت مسند درس پر بیٹھنا باعث رسوائی ہے:

لمحات النظر (ص: ۱۴) پر کوثری نے بہت وضاحت سے کہا ہے کہ قبل از وقت منصب درس وافتاء پر بیٹھنا باعث ذلت و رسوائی ہے، یہ بات امام زفر وامام ابوحنیفہ ودیگر حنفی علماء کی طرف بھی منسوب ہے اور از روئے حقیقت صحیح بھی ہے اور فرمان نبوی ہے کہ ”تعلموا قبل أن تسودوا“ سیادت سے پہلے تحصیل علم کر لو۔ لمحات النظر (ص: ۳۳) پر کوثری نے یہ حدیث نقل کر کے قاضی سوار کی ہجو کرتے ہوئے دعوی کیا ہے کہ وہ قبل از وقت منصب سیادت پر فائز ہو گئے تھے، حالانکہ یہ محض کوثری کی اپنی ایجاد ہے، البتہ کتب مناقب ابی حنیفہ اور کوثری ومصنف انوار کے حوالہ سے ہم نقل کر آئے ہیں کہ امام صاحب صرف علم کلام میں مہارت حاصل کر کے علم وفضل کے منصب ریاست وسیادت پر فائز ہو گئے تھے مگر بعض عورتوں اور آدمیوں کے معمولی سے فقہی سوال سے

❶ صيمري (ص: ۱۰۳، ۱۰٤) وكردري (۲/ ۱۸۵)

❷ نیز ملاحظہ ہو: مقدمہ انوار (۱/ ۱٦۲)

انھوں نے محسوس کرلیا کہ میں قبل از وقت علم وفضل کے منصب پر فائز ہوگیا، چنانچہ وہ تحصیل علم کے لیے درسگاہ حماد میں داخل ہوکر اٹھارہ سال تک پڑھتے رہے اوراس کے بعد دوسرے کوفی وغیر کوفی اساتذہ کی درسگاہوں میں بھی عرصۂ دراز تک پڑھتے رہے۔

اسی طرح مصنف انوار وکوثری کی بعض متدل روایات کے مطابق درسگاہ حماد میں دس سال زیر تعلیم رہنے کے بعد امام صاحب نے اپنے کو منصب ریاست وسیادت کے لائق سمجھ کر اپنی مجلس درس الگ قائم کرنی چاہی تھی مگر پھر انھیں اپنی ناپختگی کا احساس ہوا اور موصوف تاحیاتِ حماد اپنی تعلیم جاری رکھنے کے بعد عرصہ تک کوفہ وبیرون کوفہ کی درسگاہوں میں پڑھتے رہے تھے۔

اسی طرح مصنف انوار وکوثری کی بعض متدل روایت کے مطابق امام صاحب بصرہ میں جاکر اس احساس میں مبتلا ہوگئے تھے کہ میں تمام علمی سوالات کے جواب دے سکتا ہوں مگر چند سوالات ہی نے انھیں احساس دلایا کہ ابھی ناپختہ ہیں، چنانچہ اس کے بعد امام صاحب عرصہ تک درسگاہ میں پڑھتے رہے اور وفات حماد کے بعد بھی عرصہ تک تحصیل علم میں مصروف رہے، نیز ہم یہ روایت بھی نقل کرآئے ہیں کہ مسند نشین درس ہونے کے بعد صرف ایک سال نے امام صاحب کو اپنی ناپختگی کا اتنا احساس دلایا کہ وہ دس سال تک درس وتدریس سے کنارہ کش رہے، اس سے ملتا جلتا ہوا معاملہ امام ابویوسف کی بابت بھی منقول ہے، نیز یہ بھی نقل کیا جاچکا ہے کہ امام صاحب نے نعوذ باللہ قرآن وحدیث ونحو وادب کو بے فائدہ اور فقہ کو مفید سمجھ کر صرف علم فقہ حاصل کیا، ہمارے نزدیک یہ روایات غیر معتبر ہیں (كما تقدم و سيأتي) مگر چونکہ انھیں کوثری ومصنف انوار نے یا تو بالصراحت دلیل بنایا ہے یا بالاجمال بالالتزام، اس لیے ان کے نقطۂ نظر سے لازم آیا کہ امام صاحب اور امام ابویوسف قبل از وقت علمی ریاست وسیادت کے نعوذ باللہ طالب ہوکر اس کے ناپسندیدہ نتائج سے دوچار ہوئے۔

مدح زفر کی آڑ میں امام شریک بن عبداللہ کی ہجوسرائی:

کوثری نے امام سوار وحجاج بن ارطاۃ اور دیگر ائمہ کی ہجوسرائی کے ساتھ مدح زفر کی آڑ میں ایک مشہور ومعروف محدث امام قاضی شریک بن عبداللہ کی ہجوسرائی کی اور دل کھول کر ان کا مذاق اڑایا ہے، چنانچہ وہ ایک جھوٹی روایت کو معرض استدلال میں پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''ایک آدمی نے امام ابوحنیفہ کے پاس آکر کہا میں نے رات میں نبیذ پی لی تھی اور مجھے خیال نہیں آتا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے یا نہیں، امام صاحب نے جواب دیا کہ تمھاری بیوی مطلقہ نہیں ہوئی، اگر تمھیں یقین ہوتا کہ طلاق دی ہے تو طلاق پڑ جاتی، وہاں سے وہ شخص امام ثوری کے پاس آیا اوران سے بھی وہی مسئلہ دریافت کیا، ثوری نے کہا جاؤ! اپنی بیوی سے رجوع کرلو اگر طلاق دی ہوگی تو مراجعت ہوجائے گی اور اگر نہ دی ہوگی تو بات دیگر ہے، یہ شخص وہاں سے امام شریک کے پاس آیا اوران سے بھی یہ مسئلہ پوچھا، انھوں نے کہا گھر جاکر اپنی بیوی کو ایک عدد طلاق دے دو پھر رجوع کرلو، اب یہ شخص امام زفر کے پاس آیا اوران سے بھی اس نے یہ مسئلہ پوچھا، زفر نے کہا تم نے اس سے پہلے کن کن لوگوں سے یہ مسئلہ پوچھا ہے اس نے تینوں کے جوابات کا تذکرہ کیا، اس پر زفر نے کہا امام ابوحنیفہ نے عمدہ جواب دیا ہے اورسفیان نے بہت عمدہ جواب دیا مگر شریک کا جواب مضحکہ خیز ہے،

یہ تو یوں ہوا کہ کوئی آدمی کسی مشکوک کپڑے کے بارے میں پوچھے کہ کیا کیا جائے تو شریک کے جواب کے مطابق یوں ہوا کہ اس کپڑے کو پیشاب سے تر کر کے پانی سے دھو ڈالو۔“[1]

ناظرین دیکھ رہے ہیں کہ اپنے اس طویل بیان میں کوثری نے امام شریک کے علم وفضل کا مذاق اڑایا ہے، حالانکہ مصنف انوار نے انھیں مجلس تدوین فقہ کا رکن رکین قرار دیا ہے، کیا مجلس تدوین کے اراکین اسی طرح تھے؟ دراصل روایت مذکورہ مکذوبہ ہے، اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن مالک بن مغول کذاب اور وضاع راوی ہے۔[2]

اس مکذوبہ روایت سے ملتی جلتی ہوئی ایک دوسری روایت بھی ہے جو منقطع السند ہے اور اس کے بعض رواۃ مجہول ہیں۔[3]

امام زفر کی ہجو ملیح:

مصنف انوار کے استاذ کوثری نے کہا:

”حسن بن زیاد سے مروی ہے کہ امام زفر سے جو شخص مناظرہ کرتا اس کی حالت قابل رحم (خراب وخستہ) ہو جاتی تھی، امام زفر خود فرماتے تھے کہ میں مخالف سے اعتراف غلطی کرانے کے لیے نہیں بلکہ اسے پاگل ومجنون بنانے کے لیے مناظرے کرتا ہوں، حسن بن زیاد نے کہا کہ مخالف پاگل کیسے ہو جائے گا؟ امام زفر نے کہا کہ وہ پاگلوں کی طرح ایسی باتیں کرے گا جو کسی صاحب عقل وہوش نے کبھی نہ کہی ہونگی۔“[4]

حالانکہ اسلامی نقطۂ نظر سے مقصود مناظرہ یہ ہوتا ہے کہ عام لوگوں خصوصًا فریق مخالف پر حق واضح ہو جائے تاکہ وہ حق کی طرف رجوع کر سکے نہ کہ مخالف کو پاگل بنا دیا جائے، روایت مذکورہ کے راوی حسن بن زیاد ساقط الاعتبار ہیں۔ (کما سیأتي) اوران سے روایت مذکورہ کا ناقل ولید بن حماد بھی ساقط الاعتبار ہے، لہٰذا یہ روایت غیر معتبر ہے۔

حسن بن زیاد ہی سے یہ روایت مروی ہے کہ امام زفر تعلیم دینے سے تلامذہ کو بری طرح ڈانٹتے پھٹکارتے تھے جبکہ ابو یوسف صبر وتحمل اور وسعت قلب سے کام لیتے تھے۔[5] یہ روایت بھی غیر معتبر ہے کیونکہ اس کے راوی حسن بن زیاد غیر ثقہ ہیں۔

کوثری ناقل ہیں:

”امام زفر بہت پختہ کار اور فصیح اللسان تھے، ابو یوسف کے ساتھ موصوف کا مناظرہ ہوتا تو ابو یوسف مبتلائے اضطراب ہو جاتے، امام زفر فرماتے کہ ابو یوسف! تم کہاں بھاگ کر جاؤ گے بنو کندہ (کوفہ کے جس محلّہ میں زفر رہا کرتے تھے اسے جبّانۂ بنی کندہ) کہا جاتا ہے (کمامر) کے دروازے کھلے ہیں جس دروازے سے بھی بھاگ سکو بھاگ جاؤ۔“[6]

روایت مذکورہ کی سند میں محمد بن شجاع بلخی ثلجی کذاب ہے۔[7] نیز یہ روایت مکرم کی اس کتاب میں منقول ہے جو بتصریح اہل

---

[1] ملخص از لمحات النظر (ص: ١٦، ١٧) وموفق و کردري.

[2] میزان الاعتدال (٢/ ١١٥) ولسان المیزان (٣/ ٤٢٧، ٤٢٨) وتنزيه الشريعة (١/ ٧٩)

[3] عقود الجمان (ص: ٢٧٧، ٢٧٨) ومناقب أبي حنيفة للذهبي (ص: ٢٣) وغیرہ.

[4] لمحات النظر (ص: ٧)

[5] مقدمہ انوار (١/ ١٧٨) وحسن التقاضي (ص: ١٩)

[6] لمحات النظر (ص: ١٠)

[7] أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ١٠٥)

علم مجموعۂ اکاذیب ہے، نیز اس روایت کا مفاد یہ ہے کہ امام زفر کے بالمقابل ابویوسف مناظرہ میں کمزور پڑتے تھے مگر اس کے برعکس کوثری ناقل ہیں:

''امام صاحب کی موجودگی میں امام زفر وابویوسف میں مناظرہ ہوا جو طلوع آفتاب سے لے کر زوال آفتاب تک جاری رہا، دونوں ایک دوسرے کی دلیل توڑتے رہے آخر میں امام صاحب نے ابویوسف کے فاتح ہونے کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ زفر! ابویوسف کی موجودگی میں تم ریاست وسیادت کی طمع مت کرو۔''[1]

مذکورہ بالا روایت بھی ساقط الاعتبار ہے اور ابن ابی العوام کی غیر معتبر کتاب میں منقول ہے۔

کیا امام زفر قرآن مجید کے غیر مخلوق ہونے کی تصریح ناپسند کرتے تھے:

مصنف انوار کے استاذ کوثری ناقل ہیں:

''حسن بن زیاد نے کہا کہ امام زفر سے کسی نے پوچھا کہ قرآن مجید کیا ہے؟ فرمایا:'' کلام اللہ ہے'' سائل نے کہا کہ مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟ امام زفر نے فرمایا کہ قرآن مجید کے مخلوق وغیر مخلوق ہونے کی صراحت میں پڑنا تکلف ہے، قرآن مجید نے اس کی اجازت نہیں دی ہے۔''[2]

روایت مذکورہ کا مفاد یہ ہے کہ قرآن مجید کے مخلوق وغیر مخلوق قرار دینے میں امام زفر مسلک توقف کے پیرو تھے، حالانکہ اہل سنت اسے برملا غیر مخلوق ہونے کی صراحت کرتے ہیں الّا یہ کہ خطرۂ جان کی صورت میں توقف یا کچھ بھی کہا جا سکتا ہے، زمانۂ زفر میں اس طرح کا کوئی خطرہ نہیں تھا، توقف کیا؟ دراصل روایت مذکورہ کو امام زفر کی طرف غلط طور پر منسوب کر دیا گیا ہے، اس کے بنیادی راوی حسن بن زیاد ساقط الاعتبار ہیں، حسن بن زیاد سے روایت مذکورہ کے راوی محمد بن شجاع کذاب ہیں، محمد بن شجاع سے اس کے ناقل دولابی مجروح وغیر معتبر ہیں۔ (کمامر) اور دولابی سے اس کے ناقل ابن ابی العوام مجہول ہیں۔ (کمامر) محمد بن شجاع خود جہمی تھے۔

امام زفر کے قیّاس ہونے نہ ہونے کی بابت کوثری کا متضاد دعویٰ:

مصنف انوار کے استاذ کوثری نے ایک طرف یہ دعوی کر رکھا ہے کہ امام صاحب کے اصحاب میں امام زفر سب سے زیادہ قیّاس تھے۔[3] مگر دوسری طرف فرماتے ہیں:

''حسن بن زیاد سے کسی نے پوچھا ''أكان زفر قيّاسا'' کیا امام زفر قیّاس تھے؟ حسن نے جواب دیا ''هذا كلام الجهال كان زفر عالما'' جہال لوگ امام زفر کو قیاس کہا کرتے ہیں امام زفر صرف عالم تھے، سائل نے حسن سے پوچھا ''أكان زفر نظر في الكلام'' کیا علم کلام کا مطالعہ وعلم امام زفر رکھتے تھے؟ حسن نے جواب دیا کہ تم احمق اور بے وقوف ہو، ہمارے اصحاب یعنی ابوحنیفہ اور ان کے ہم مذہب تلامذہ صرف اصحاب علم وفقہ تھے اور علم کلام سے صرف بے عقل لوگوں کو سروکار ہوتا ہے۔''[4]

---

[1] لمحات النظر (ص: ١١)
[2] لمحات النظر (ص: ١٧)
[3] لمحات النظر (ص: ٩ و ٣٢)
[4] لمحات النظر (ص: ١٧)

اپنی مذکورہ بالا بات لکھنے کے چند سطروں بعد کوثری نے یہ بھی فرمایا:

”كان أبوحنيفة وأبو يوسف وزفر و حماد بن أبي حنيفة قومًا خصموا الناس بالكلام.“ [1]

”امام صاحب اوران کے تلامذہ ابو یوسف وزفر وحماد وغیرہ نے اپنے مخالفین کو علم کلام کی بدولت مغلوب اور زیر کیا تھا۔“

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ کوثری کے نقل کردہ ایک بیان کا مفاد یہ ہے کہ قیّاس لوگ علم وفقہ سے بے بہرہ ہوتے ہیں اور دوسرے بیان کا مفاد یہ ہے کہ امام زفر اپنے اصحاب میں سب سے زیادہ قیاس تھے، دونوں کا حاصل یہ نکلا کہ نعوذ باللہ امام زفر سب سے زیادہ علم وفقہ سے بے بہرہ اور کورے تھے، اسی طرح موصوف کوثری کے مذکورہ بالا بیان سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ علم کلام سے اشتغال رکھنے والے بے عقل وبے علم ہوتے ہیں اور کوثری مدعی ہیں کہ امام صاحب اوران کے تلامذہ امام زفر وابو یوسف وحماد بن ابی حنیفہ علم کلام سے اشتغال رکھتے تھے، خصوصًا امام صاحب اور ابو یوسف وحماد کی بابت خود کوثری کا دعوی ہے کہ انھوں نے علم کلام ہی کے ذریعہ اپنے مخالفین کو مغلوب کیا، کوثری اوران کے ہم نوا حضرات اپنی اس تضاد بیانی کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

مادحین امام زفر رحمہ اللہ:

مذکورہ بالا عنوان کے تحت مصنف انوار نے کہا:

”صیمری کی روایت ہے کہ محمد بن عثمان بن ابی شیبہ نے کہا کہ میں نے اپنے والد عثمان بن ابی شیبہ سے امام زفر کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے فرمایا کہ امام زفر اپنے زمانہ کے اکابر فقہاء میں سے تھے اور والد صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ ابو نعیم فضل بن دکین امام زفر کو فقیہ نبیل کہتے تھے اوران کی بڑائیاں بیان کیا کرتے تھے۔“ [2]

ہم کہتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ امام زفر فی الواقع اکابر فقہاء میں سے تھے اور فقیہ نبیل بھی، نیز موصوف تقویٰ شعار و عبادت گزار بھی تھے، اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ بقول حافظ ابو نعیم امام زفر نے امام صاحب کے مجموعہ اغلاط قرار دیے ہوئے مذہب رائے وقیاس سے رجوع کر لیا تھا اور بقول ابن حبان امام زفر امام صاحب کے مجموعۂ اغلاط قرار دیے ہوئے مذہب پر چلے نہیں تھے۔

البتہ صیمری کے حوالہ سے مصنف انوار کی نقل کردہ مذکورہ بالا روایت کی سند میں مرزبانی (ابو عبید اللہ محمد بن عمران بن موسیٰ مولود ۲۹۶ھ ومتوفی ۳۸۴ھ) موجود ہیں۔ [3] موصوف محض اجازت کی بنا پر غیر مسموع چیزوں کی روایت اخبرنا کے صیغہ کے ساتھ کرتے اور معتزلی المذہب تھے۔ امام زہری نے کہا: ”ما كان ثقة وأشرفت منه على أمر عرفت به أنه كذاب“ موصوف مرزبانی غیر ثقہ تھے اوران کی ایک ایسی بات پر میں واقف ہوا جس سے سمجھ گیا کہ موصوف کذاب ہیں، موصوف معتزلی ہونے کے ساتھ شیعی بھی تھے، عتیقی نے موصوف کی اگرچہ توثیق کی ہے مگر وہ بھی موصوف کے معتزلی وشیعی ہونے کے معترف ہیں اور جرح تعدیل پر مقدم ہے۔ [4]

---

[1] لمحات النظر (ص: ١٨) [2] مقدمه انوار (١/ ١٦٢)

[3] أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ١٠٣)

[4] خطيب (٢/ ١٣٥، ١٣٦) ولسان الميزان.

ہم اوائل کتاب میں نقل کر آئے ہیں کہ کردری نے کہا کہ معتزلہ روافض کے بھائی اور ترویج وتخلیق اکاذیب کے شائق ہوتے ہیں، علاوہ ازیں عثمان بن ابی شیبہ اور ابوبکر بن ابی شیبہ سے قول مذکور کے راوی محمد بن عثمان کو کوثری نے کذاب کہا ہے۔[1] اس کے باوجود مصنف انوار نے صیمری کی نقل کردہ روایت مذکورہ کو کیوں دلیل وحجت بنا لیا ہے؟ واضح رہے کہ صیمری کی نقل کردہ روایت کی سند کے غیر معتبر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ امام فضل بن دکین اور ابن ابی شیبہ نے امام زفر کی مدح وتوثیق نہیں کی ہے لیکن مصنف انوار کے طرز استدلال کی خاصیت ظاہر کرنے کے لیے ہم نے مذکورہ بالا بات کہی ہے۔

مصنف انوار تقلیدِ کوثری میں فرماتے ہیں:

''عمرو بن سلیمان عطار کہتے ہیں کہ میں کوفہ میں تھا اور امام اعظم کی مجلس میں حاضر ہوا کرتا تھا، امام زفر کی تقریب نکاح میں امام صاحب بھی شریک ہوئے، انھوں نے امام صاحب سے عرض کیا کہ آپ نکاح پڑھائیں امام صاحب نے خطبۂ نکاح میں فرمایا کہ زفر ائمہ مسلمین میں بڑے امام اور دین کے نشانوں میں ایک نشان ہیں، حسب وشرف اور علم کے بارے سے ممتاز ہیں، امام زفر کی قوم کے کچھ لوگوں نے امام صاحب کے ان مدحیہ کلمات پر اظہار مسرت کیا اور کہا کہ امام صاحب کے علاوہ کوئی دوسرا خطبہ پڑھتا تو ہمیں اتنی خوشی نہیں ہوتی مگر کچھ لوگوں نے اپنی خاندانی تعلّی کا اظہار کرتے ہوئے امام زفر سے کہا کہ آپ کے بنوعم اور شرفائے قوم یہاں جمع تھے ایسے موقع پر کیا مناسب تھا کہ غیر خاندان کے شخص ابوحنیفہ سے خطبہ پڑھنے کو آپ نے کہا؟ امام زفر نے جواب دیا کہ اس وقت میرے والد بھی ہوتے تو ان پر بھی امام صاحب کو مقدم کرتا۔''[2]

أوّلاً: روایت مذکورہ کے بنیادی راوی عمرو بن سلیمان عطار کی بابت تحریک کوثری کے سرگرم رکن مولانا افغانی نے کہا:

"لم نجده في كتب الرجال."[3]

''موصوف کا حال ہم کو کتب رجال میں نہیں مل سکا۔''

اس کا حاصل یہ ہے کہ عمرو بن سلیمان عطار مجہول ہیں، لہٰذا یہ روایت ساقط الاعتبار ہے، نیز اس روایت کی سند میں واقع شدہ ایک راوی امام احمد بن زہیر بن حرب المعروف بابن خیثمہ کو کوثری نے مجروح قرار دیا ہے۔[4] اس سے قطع نظر روایت مذکورہ کا مفاد صرف اس قدر ہے کہ امام صاحب اور امام زفر ایک دوسرے کے فضل وکمال کے معترف تھے، روایت مذکورہ سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ دونوں حضرات ایک ہی مذہب ومسلک کے پیرو تھے اور یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ بقول ابن حبان امام زفر مذہبِ امام صاحب کے پیرو نہیں تھے۔

ثانیاً: روایت مذکورہ کا مفاد یہ ہے کہ خاندان زفر کے کچھ لوگ امام صاحب کو اس لائق نہیں سمجھتے تھے کہ وہ امام زفر کا خطبۂ نکاح پڑھیں، یہ روایت اگرچہ ساقط الاعتبار ہے مگر یہ تفصیل گزر چکی ہے کہ امام زفر کے خاندانی بزرگ امام سوار امام صاحب اور

---

1. تانيب (ص: ١٤٧ و ١٦٨)
2. مقدمه انوار (١/ ١٦٢) و لمحات النظر (ص: ٦، ٧) وأخبار أبي حنيفة وأصحابه للصيمري، وكردرى (٢/ ١٨٣، ١٨٤)
3. حاشيه عقود الجمان (ص: ١٣٧)
4. ترحيب (ص: ٢٥) والتنكيل (١/ ٢٧٣)

مذہب امام صاحب سے کبیدہ خاطر رہا کرتے تھے حتی کہ موصوف مذہب امام صاحب کے پیرو ہونے کے سبب امام زفر جیسے شخص سے ملنے کے روادار نہ ہوئے، حاصل یہ کہ مصنف انوار وکوثری کی یہ مستدل روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ امام صاحب کی زندگی میں خاندانِ زفر کے کچھ لوگ امام صاحب کو اس حد تک مجروح سمجھتے تھے کہ ان سے خطبۂ نکاح پڑھانا بھی درست نہیں، اس کے باوجود مصنف انوار کا دعوی ہے:

''سید الحفاظ یحییٰ قطان کے زمانہ میں اور آپ کے تلامذہ کے دور میں بھی امام صاحب واصحاب امام صاحب کے بارے میں کوئی کلام نہیں تھا اور بڑے بڑے محدثین وناقدین فن رجال بھی ان کا اتباع کرتے اور ان کے اقوال پر فتوی دیتے تھے، بعد میں ان کے تلامذہ کے تلامذہ امام بخاری وغیرہ کے دور میں امام صاحب کے صحیح حالات ومذہب سے ناواقفیت اور غلط پروپیگنڈے کی وجہ سے امام صاحب اور آپ کے بہترین مذہب سے بدگمانیاں شروع ہوئیں، ان باتوں کو جو برے اثرات خود فن حدیث وفقہ کی عظمت ومقبولیت پر پڑے ان کی طرف اشارہ ہم ابتدا میں کر آئے ہیں۔''[1]

یہ تفصیل عنقریب آرہی ہے کہ سید الحفاظ یحییٰ قطان اوران کے اساتذہ وتلامذہ کی بہت بڑی جماعت نے امام صاحب پر طویل وعریض کلام کیا اور امام صاحب کو مجروح قرار دیا ہے، اور سید الحفاظ یحییٰ قطان اور امام صاحب پر جرح وقدح کرنے والے اساتذۂ یحییٰ قطان اوران کے تلامذہ کے اس جرح وقدح کی اصل بنیاد امام صاحب کا اپنی بابت خود یہ فرمان ہے کہ میری علمی باتیں مجموعۂ اغلاط ہیں۔ (كما سيأتي)

مصنف انوار نے کہا:

''امام حسن بن زیاد فرماتے ہیں کہ امام زفر وداود طائی میں دو حقیقی بھائیوں جیسا تعلق تھا، پھر داود طائی نے فقہ چھوڑ کر عبادت گزاری اختیار کی اور امام زفر نے فقہ کے ساتھ عبادت کو جمع کیا اور امام زفر داود طائی سے ملاقات کے لیے بصرہ جایا کرتے تھے۔''[2]

مذکورہ بالا روایت کا ذکر آچکا ہے، اس روایت میں داود طائی کے جس فقہ کو چھوڑنے کا ذکر ہے وہ فقہ ابی حنیفہ ہے جسے خود امام صاحب نے مجموعۂ رائے وقیاس اور مجموعۂ اغلاط کہا ہے، نیز اس بات کا بھی ذکر آچکا ہے کہ امام داود سے اتنا گہرا ربط وتعلق رکھنے والے امام زفر نے بھی بتصریح امام ابونعیم امام صاحب کے مذہب رائے وقیاس کو چھوڑ دیا تھا، اس لیے دونوں روایتوں میں صورت تطبیق یہ ہے کہ ۱۴۰/ ۱۴۱ھ میں پہلے داود نے مذہب امام صاحب کو خیر باد کہا پھر بعد میں امام زفر نے بھی اتباعِ داود میں یا کسی بھی سبب سے مذہبِ امام صاحب کو ترک کر دیا یعنی وفات امام صاحب کے بعد۔

مدحِ زفر میں امام وکیع سے مروی شدہ ایک روایت:

مصنف انوار نے کہا:

''امام وکیع کا قول ہے کہ امام زفر بڑے متورع، اچھا قیاس کرنے والے، کم لکھنے والے تھے اور جو کچھ لکھتے تھے وہ

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۲۰۸)

[2] مقدمہ انوار (۱/ ۱۶۲ بحوالہ لمحات النظر (ص: ۶، ۷)

ان کو یاد رہتا تھا۔‘‘[1]

امام وکیع کا متورع اوراچھا قیاس کرنے والا ہونا مسلم ہے مگر مصنف انوار کی متدل روایت احمد بن محمد المعروف بابن المغلس سے مروی ہے[2] اور ابن المغلس کذاب ہے، اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ امام زفر نے امام صاحب کے مجموعۂ اغلاط قرار دیے ہوئے مذہب رائے وقیاس کو بقول حافظ ابونعیم اصبہانی چھوڑ دیا تھا۔ یہ بتلایا جا چکا ہے کہ مصنف انوار کے استاذ کوثری کی ایک متدل روایت کا مفاد یہ ہے کہ قیاس کرنے والا علم وفقہ سے ناآشنا وناواقف اور جاہل ہوتا ہے۔ اب مصنف انوار کیا فرماتے ہیں؟

مدحِ زفر میں یحییٰ بن اکثم سے مروی شدہ ایک روایت:

مصنف انوار نے کہا:

’’یحییٰ بن اکثم کا بیان ہے کہ میں نے امام وکیع کو آخر عمر میں دیکھا کہ وہ صبح کو امام زفر اور شام کو امام ابو یوسف کے پاس آتے تھے، پھر انھوں نے دونوں وقت امام زفر کے پاس آنا شروع کر دیا۔‘‘[3]

ہم کہتے ہیں کہ عام اہل علم نے صراحت کر رکھی ہے کہ یحییٰ بن اکثم ۱۵۹، ۱۶۰ھ میں پیدا ہوئے، یعنی یحییٰ بن اکثم وفات زفر کے سال دو سال بعد پیدا ہوئے، پھر وفاتِ زفر کے بعد پیدا ہونے والے یحییٰ بن اکثم نے امام وکیع کی آخری عمر میں یہ کیسے دیکھا کہ وکیع امام زفر کے پاس صبح کو اور ابو یوسف کے پاس شام کو جایا کرتے تھے، پھر اس کے بھی بعد یہ دیکھا کہ امام وکیع ابو یوسف کو ترک کر کے صبح وشام صرف امام زفر کے پاس جانے لگے؟ مصنف انوار نے لکھا ہے کہ امام وکیع ۱۹۷ھ میں بعمر ستر سال فوت ہوئے۔[4] یعنی امام وکیع ۱۲۷/ ۱۲۸ھ میں پیدا ہوئے، ۱۲۷/ ۱۲۸ھ میں پیدا ہو کر ۱۹۷ھ میں فوت ہونے والے امام وکیع کی آخری عمر کی سرحد کب سے شروع ہوتی ہے؟ اگر فرض کیجیے کہ آخری عمر کی سرحد نصف عمر گزرنے کے بعد شروع ہوتی ہے تو لازم آتا ہے کہ ۱۶۲ھ کے بعد امام وکیع کو یحییٰ بن اکثم نے درسگاہِ زفر میں پڑھتے ہوئے دیکھا تھا جبکہ وفات زفر کو کئی سال گزر چکے تھے۔ مصنف انوار کی دلیل بنائی ہوئی اس روایت میں یہ صراحت بھی ہے کہ امام زفر ہی وفاتِ امام صاحب کے بعد یعنی ۱۵۰ھ کے بعد جانشینِ ابی حنیفہ ہوئے تھے، اور مصنف انوار ہی نے لکھا ہے کہ ۱۴۳ھ سے پہلے امام زفر امام صاحب کو کوفہ میں چھوڑ کر مذہب حنفی کی تبلیغ واشاعت اور درس وتدریس کے لیے کوفہ سے دور بصرہ چلے گئے تھے۔[5] جب بقول مصنف انوار امام زفر ۱۴۳ھ کے پہلے ہی کوفہ چھوڑ کر مقیم بصرہ ہو گئے تھے اور ۱۵۸ھ میں فوت بھی ہو گئے تھے تو اپنی ولادت سے پہلے یحییٰ بن اکثم نے امام زفر کو وفات امام صاحب کے بعد یعنی ۱۵۰ھ کے بعد جانشین امام صاحب کی حیثیت سے کوفہ میں کیسے دیکھا کہ صبح کو امام وکیع درسگاہِ زفر میں اور شام کو درسگاہِ ابو یوسف میں پڑھنے جاتے تھے؟ پھر جب امام وکیع وفات امام صاحب کے بعد بھی جانشین امام صاحب کے پاس پڑھنے جایا کرتے تھے تو وہ کس طرح مجتہد بن کر ۱۲۰ھ میں امام صاحب کی قائم کردہ مجلس تدوین کے رکن منتخب کر لیے گئے تھے؟ بہرحال اس روایت سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ وفات امام صاحب کے بعد تا زندگی امام زفر وابو یوسف مذہب حنفی پر قائم رہے تھے۔

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۶۲، ۱۶۳)
[2] أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ۱۰۵) ولمحات النظر (ص: ۷)
[3] مقدمہ انوار (۱/ ۱۶۳)
[4] مقدمہ انوار (۱/ ۲۰۷)
[5] ماحصل از مقدمہ انوار (۱/ ۱۶۵)

ناظرین کرام کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مصنف انوار کے متعدد تحریری بیانات کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب کی مجلس تدوین کے متعدد ارکان پیدا ہونے سے پہلے اورایام رضاعت وطفلی میں مجتہد بن کر امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ کرنے میں مشغول ہو گئے تھے، نیز یہ کہ اپنے وفات کے زمانہ بعد امام صاحب نے مجلس تدوین قائم کی اوران کے ساتھ اپنی وفات کے بعد بھی مجلس تدوین کے متعدد ارکان اپنی قبروں سے زندہ ہو کر تدوین فقہ کا کام انجام دینے دنیا میں آگئے تھے، اب مصنف انوار نے ایک بات یہ فرمائی کہ مجلس تدوین کے رکن امام زفر کو یا تو یحییٰ بن اکثم نے اپنی ولادت سے پہلے درس دیتے ہوئے دیکھا یا پھر یہ دیکھا کہ امام زفر اپنی وفات کے بعد درس وتدریس کرنے کے لیے دنیا میں آگئے تھے، اس طرح کی ہوائی اور خیالی باتوں کے بغیر مجلس تدوین کی فرضی کہانی بھی مصنف انوار سنا سکتے تھے مگر ایسا کرنے میں سننے والوں کو زیادہ لطف نہیں آسکتا تھا، اس لیے خالص علمی ودینی اور تحقیقی خدمت کے نام پر مصنف انوار یہ ساری کاروائی کر رہے ہیں۔

لطف کی بات یہ ہے کہ اپنی مذکورہ بالا بات کا ماخذ وحوالہ بتلائے بغیر ہی مصنف انوار نے اسے نصوص کتاب وسنت کی طرح بطور حجت لکھ مارا، حالانکہ روایت مذکورہ کردری (۱۸۴/۲) میں بلاسند منقول ہے، بے سند باتیں لکھنے پر دوسروں کو مطعون کرنے والے مصنف انوار کا اس طرح کی روایت کو نصوص کتاب وسنت کے طور پر لکھ مارنا اور یہ پروپیگنڈہ بھی کرنا کہ یہ خالص علمی ودینی اور تحقیقی خدمت ہے، کون سی روش ہے؟

اس سے بھی زیادہ عجیب حرکت مصنف انوار کے استاذ کوثری نے کی کہ بذریعہ تحریف یحییٰ بن اکثم کا نام بدل کر اثم کر دیا اور دیدہ دلیری سے کہہ دیا کہ یہ یحییٰ بن اکثم کا نہیں بلکہ اثم کا بیان ہے۔[1] مصنف انوار کے استاذ کوثری اپنی اس استادی یعنی تحریفی کاروائی کی بدولت اس اشکال سے نجات پا گئے کہ وفات زفر کے بعد پیدا ہونے والے یحییٰ بن اکثم نے کب اور کیسے امام زفر کو دیکھا؟ مگر مصنف انوار اس مشکل میں پھنسے رہ گئے۔

عفیر بن معدان نے کہا:

"عمر بن موسیٰ نامی ایک شخص وارد حمص ہوا اور حدثنا شیخکم الصالح کہہ کر حدیث بیان کرنے لگا کہ تمھارے شیخ صالح نے ہم سے حدیث بیان کی، ہم نے اس شخص سے پوچھا کہ "شیخ صالح" کا نام کیا ہے؟ اس نے کہا کہ "خالد بن معدان" ہم نے کہا آپ کی ان سے کب ملاقات ہوئی؟ کہا ۱۰۸ھ میں، پوچھا گیا کہ "کہاں"؟ کہا غزوہ آرمینیہ میں، ہم نے کہا کہ خالد بن معدان ۱۰۴ھ میں انتقال کر گئے پھر آپ کی ملاقات موصوف سے ۱۰۸ھ میں کیسے ہوگئی جبکہ وہ اس سے چار سال پہلے فوت ہو گئے تھے؟ ذرا تم اللہ سے ڈرو، جھوٹ مت بولا کرو، اورایک دوسری بات یہ بھی ہے کہ خالد بن معدان کبھی بھی غزوہ آرمینیہ میں شریک نہیں ہوئے تھے وہ تو غزوات روم میں شریک ہوا کرتے تھے۔"[2]

اس مفہوم کی دوسری روایات بھی موجود ہیں۔[3] اس طرح کی روایات کے باوجود مصنف انوار عبرت گیر نہیں ہوئے۔

---

[1] لمحات النظر (ص: ١٤)

[2] الكفاية للخطيب (ص: ١١٩) ولسان الميزان (٤/ ٣٣٢، ٣٣٣)

[3] المجروحين (١/ ٥٩)

امام وکیع کی طرف منسوب ایک مکذوبہ روایت سے مصنف انوار کا استدلال:

مصنف انوار نے کہا:

''امام وکیع سے کسی نے بطور اعتراض کہا کہ آپ امام زفر کے پاس کیوں آتے جاتے ہیں؟ وکیع نے فرمایا کہ تم لوگوں نے مغالطہ آمیزیاں کر کے ہمیں امام صاحب سے چھڑانا چاہا حتی کہ وہ دنیا سے رخصت ہو گئے، اب تم اسی طرح زفر سے چھڑانے کی کوشش کرتے ہوتا کہ ہم ابو اسید اور ان کے اصحاب کے محتاج ہو جائیں۔'' [1]

مصنف انوار نے روایت مذکورہ کا ایک دوسرا ٹکڑا دوسرے مقام پر یعنی (۱/ ۱۶۵) پر نقل کیا جو مندرجہ ذیل ہے:

''امام وکیع زفر کو خطاب کر کے کہا کرتے تھے کہ خدا کا شکر ہے جس نے آپ کو امام صاحب کا جانشین بنایا۔'' [2]

ہم کہتے ہیں کہ روایت مذکورہ کو کوثری نے بحوالۂ ابن ابی العوام اپنی کتاب لمحات النظر (ص: ۸، ۹) میں نقل کیا ہے اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ابن ابی العوام کی روایت ساقط الاعتبار ہوتی ہے، ابن ابی العوام نے اپنی نقل کردہ اس روایت میں اپنا استاذ ابوبشر دولابی کو ظاہر کیا ہے اور یہ بتلایا جا چکا ہے کہ ابوبشر دولابی بھی ساقط الاعتبار ہیں۔

علاوہ ازیں مصنف انوار کی متدل اس روایت میں امام وکیع سے یہ الفاظ نقل کیے گئے ہیں:

" غررتمونا عن أبي حنيفة حتى مات."

''تم لوگوں نے امام صاحب کے بارے میں ہم کو دھوکا میں مبتلا رکھا حتی کہ امام صاحب فوت ہو گئے۔''

ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ لوگوں نے امام وکیع کو امام صاحب زندگی بھر دھوکا میں رکھا تھا جس کا مفاد یہ ہے کہ امام صاحب کی زندگی میں امام صاحب کے مخالفین امام وکیع جیسے لوگوں کو دھوکا میں مبتلا رکھنے کے لیے امام صاحب پر تنقیدیں کرتے اور ان کے عیوب بیان کرتے تھے، اور یہ بات مصنف انوار کے اس بیان کے بالکل خلاف ہے کہ سید الحفاظ امام یحییٰ قطان اور ان کے تلامذہ کے زمانہ میں امام صاحب پر کسی کو کوئی کلام نہیں تھا۔ بہرحال یہ روایت مکذوبہ ہے اس سے استدلال درست نہیں مگر اس روایت کو دلیل بنانے کے ساتھ مصنف انوار یہ بھی فرماتے ہیں:

''یہاں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ امام وکیع امام صاحب سے آخر تک وابستہ رہے اور کسی کی مغالطہ آمیزی سے بھی متاثر نہیں ہوئے، امام صاحب کے قول ہی پر فتوی دیا کرتے تھے جیسا کہ انتقاء میں ابن عبدالبر نے تصریح کی ہے اور خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ کے (۴/ ۲۴۷) میں ذکر کیا کہ کسی نے امام وکیع سے کہا کہ امام ابوحنیفہ نے خطا کی تو فرمایا کہ امام ابوحنیفہ کیسے خطا کر سکتے ہیں، حالانکہ ان کے ساتھ ابو یوسف وزفر جیسے قیاس کرنے والے، یحییٰ بن ابی زائدہ وحفص بن غیاث اور حبان ومندل جیسے حفاظ حدیث اور قاسم بن معن لغت وعربیت کے ماہر، داود طائی وفضیل بن عیاض جیسے زاہد ومتورع ہیں، جس کے ہم مجلس ایسے لوگ ہوں وہ خطا نہیں کر سکتا کیونکہ اگر خطا کر لے تو بھی وہ اسے صواب کی طرف لوٹا دیں گے۔ [3] جو شخص اس بات کا وہم وگمان کرے کہ کسی مسئلہ میں امام

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۶۳) [2] مقدمہ انوار (۱/ ۱۶۵)

[3] مقدمہ انوار (۱/ ۱۶۳)

صاحب سے غلطی ہوگئی وہ چوپایہ جانور سے زیادہ گمراہ اور بدعتی مذہب کا موجد ہے۔[1] ایک مشہور روایت ترمذی شریف باب الاشعار میں ہے کہ وکیع کے سامنے امام صاحب کا قول ذکر کیا گیا تو ان کو نہایت غصہ آیا، اس کی نسبت بھی از روئے درایت امام وکیع کی طرف صحیح نہیں معلوم ہوتی کیونکہ وکیع امام صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اورامام صاحب کے بہت مداح تھے، اس واقعہ کی روایت ابو السائب سلم بن جنادہ سے ہے جو امام صاحب سے منحرف ومعاند تھے اور وہی وکیع کی طرف بہت سی غیر صحیح حکایات کی نسبت کرتے ہیں جو تاریخ بغداد وغیرہ میں منقول ہیں اور روایات حدیث میں بھی وہ متقن نہیں تھے۔ابواحمد حاکم کبیر نے کہا کہ وہ بعض احادیث میں مخالفت کرتے تھے،غرض وکیع سے کوئی برائی کا کلمہ امام صاحب کے بارے میں صحیح وقوی سند سے مروی نہیں ہے۔''[2]

صفحاتِ گزشتہ میں ہماری پیش کردہ تفاصیل کوملحوظ رکھنے والوں پر مصنف انوار کی مذکورہ بالا عبارت کی حقیقت مخفی نہیں رہ سکتی، امام صاحب سے آخر تک امام وکیع کی وابستگی کے دعوی کی تکذیب کرنے والی روایت سلم بن جنادہ پر مصنف انوار نے جو کلام کر رکھا ہے خصوصًا موصوف نے جو یہ کہہ رکھا ہے کہ سلم امام صاحب سے منحرف تھے، اس لیے امام وکیع کی طرف بہت سی غیر صحیح روایات کی نسبت کر ڈالتے ہیں، اس کی حقیقت صرف اس بات سے واضح ہے کہ سلم بن جنادہ ثقہ ہیں اورامام صاحب پر وکیع سے نقلِ جرح وقدح میں موصوف منفرد نہیں ہیں بلکہ ان کے متعدد ثقہ متابع ہیں (كما سيأتي) جس سے مصنف انوار کے اس دعوی کی تکذیب ہوتی ہے:

''سلم بن جنادہ امام صاحب سے منحرف ومعاند تھے اور وہی امام وکیع کی طرف بہت سی غیر صحیح حکایات کی نسبت کرتے ہیں۔''

مصنف انوار کے اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ موصوف اس بات کے دعویدار ہیں کہ صرف سلم بن جنادہ ایک ایسے شخص ہیں جو امام صاحب سے انحراف وعناد کے باعث قدحِ امام صاحب میں وکیع کی طرف غیر صحیح روایات کو منسوب کر دیا کرتے ہیں، مصنف انوار کی اس بات نیز اس قول کہ ''وکیع سے کوئی برائی کا کلمہ امام صاحب کے بارے میں صحیح وقوی سند سے مروی نہیں'' سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ امام صاحب کی مدح میں مصنف انوار نے وکیع کی طرف منسوب شدہ جو بات اپنی مذکورہ بالا طویل عبارت میں نقل کر رکھی ہے جس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ امام صاحب سے کسی مسئلہ میں وقوع خطا کا وہم وگمان رکھنے والے چوپایہ جانور سے بھی زیادہ گمراہ ہیں وہ بالکل صحیح ومعتبر ہے، حالانکہ گزشتہ صفحات میں اس روایت کی حقیقت ظاہر ہو چکی ہے۔

امام فضل بن دکین کی طرف منسوب ایک مکذوبہ روایت سے مصنفِ انوار کا استدلال:

مصنف انوار نے کہا:

''محدث ابونعیم فضل بن دکین نے کہا کہ مجھ سے امام زفر نے کہا کہ میرے پاس اپنی حدیثیں لاؤ تا کہ تمھارے لیے ان کی چھان پھٹک کر دوں۔''[3]

---

[1] مقدمہ انوار (١/ ١٦٨)
[2] مقدمہ انوار (١/ ١٦٣ بحوالہ حاشیہ دراسات اللبیب، ص: ٨)
[3] مقدمہ انوار (١/ ١٦٣)

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار کی نقل کردہ روایت مذکورہ کا ذکر ہم اس کے پہلے کر چکے ہیں، نیز امام زفر کی مدح وتوصیف میں امام ابونعیم کے بعض دوسرے اقوال کا ذکر بھی آچکا ہے، روایت مذکورہ کا مفاد بہرحال یہ ہے کہ امام زفر سے امام ابونعیم کا گہرا ربط وتعلق تھا، نیز یہ کہ امام زفر علم حدیث میں محققانہ بصیرت رکھتے تھے اور ہمارا حسن ظن بھی یہی ہے کہ امام زفر علوم حدیث میں بصیرت رکھتے تھے مگر مصنف انوار کی دلیل بنائی ہوئی یہ روایت ابن ابی العوام کی خانہ ساز مجہول کتاب سے منقول ہے۔[1] اور اس کتاب میں اس روایت کی جو سند فٹ کی گئی ہے اس میں ابو بشر دولابی ہیں جن کی بابت اہل علم کا فیصلہ گزر چکا ہے کہ وہ مجروح ہیں اور دولابی نے یہ روایت محمد بن مقاتل سے نقل کی ہے، مصنف انوار کے استاذ کوثری نے یہ نہیں بتلایا کہ یہ محمد بن مقاتل کون ہیں کیونکہ ایک محمد بن مقاتل مروزی (متوفی ۲۲۶ھ) ہیں وہ ثقہ ہیں۔[2] ان سے دولابی کا لقاء وسماع نہیں ہے کیونکہ دولابی محمد بن مقاتل کی وفات کے وقت صرف دوسال کے دودھ پیتے بچے تھے بلکہ روایت مذکورہ کے راوی محمد بن مقاتل رازی (متوفی ۲۴۸ھ) ہیں اور یہ حضرت سخت مجروح ہیں امام بخاری نے فرمایا: "لأن أخر من السماء لأحب إلي من أن أحدث عنه" آسمان سے گر پڑنا مجھے اس شخص سے روایت کرنے کی بہ نسبت زیادہ محبوب ہے۔[3]

ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں کہ ایسی روایت مصنف انوار کے نزدیک ان کے خالص تحقیقی وعلمی ودینی نقطۂ نظر سے صحیح ہے جو ایک غیر معتبر کتاب سے منقول ہونے کے ساتھ ایسی سند سے مروی ہے جس میں تین رواۃ غیر معتبر ہیں۔

حافظ ذہبی وابن حبان وابن عبدالبر کی توثیقِ زفر:

مصنف انوار نے کہا:

"حافظ ذہبی نے کہا کہ امام زفر فقہاء وزہاد میں سے تھے، بہت سے لوگوں نے ان کی توثیق کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا کہ ابن حبان نے زفر کو ثقات میں ذکر کیا اور کہا زفر متقن حافظ تھے، وہ اپنے صاحبین کے طریقہ پر نہیں چلے۔ حافظ ابن عبدالبر نے کہا کہ امام زفر صاحب عقل ودین وورع تھے اور ثقہ تھے۔"[4]

ہم کہتے ہیں کہ امام زفر بقول راجح یقیناً ثقہ تھے اوران پر وارد شدہ بعض مبہم قسم کی جرحیں مدفوع ہیں کیونکہ ثبوت توثیق کے بالمقابل تجریح مبہم وغیر مفسر بے اثر ہے۔ مصنف انوار نے ابن حبان کا جو یہ قول نقل کیا ہے کہ امام زفر مذہب ابی حنیفہ پر نہیں چلے اس پر مفصل گفتگو ہو چکی ہے، اس کے بعد مصنف انوار نے بعنوان موازنہ ابو یوسف وزفر دو ایک مکذوبہ روایت نقل کی جو پہلے گزر چکی ہے۔

اسی عنوان یعنی موازنہ امام ابو یوسف وزفر کے تحت مصنف انوار نے خالد بن صبیح کی طرف منسوب شدہ وہ روایت بھی نقل کی جس کا حاصل یہ ہے کہ وفات ابی حنیفہ کے بعد مسجد کوفہ میں امام زفر وابو یوسف اپنی اپنی الگ الگ درسگاہیں قائم کر کے درس دینے لگے تھے، امام زفر کے پاس زیادہ لوگ آتے اور امام ابو یوسف کے پاس صرف دو، تین۔ اس روایت کا ذکر آچکا ہے، اس

---

[1] لمحات النظر (ص: ۹) [2] تهذيب التهذيب (۹/ ۱۶۹)

[3] تهذيب التهذيب (۹/ ٤٦٩) ولسان الميزان (۵/ ۳۸۸)

[4] مقدمه انوار (۱/ ۱۶۳ ملخصًا)

قصہ کے بیان کنندہ خالد بن صبیح مجروح ہونے کے باوصف فرمایا کرتے تھے کہ ان اصحاب الرای سے مراد ہم حنفی لوگ ہیں جن کی بابت یہ قول فاروقی ہے کہ اہل الرای احادیث کے حفظ وضبط وروایت سے عاجز رہتے اور استعمال قیاس ورائے کرتے ہیں۔ (کمامر) نیز خالد سے روایت مذکورہ کے ناقل بشر بن یحییٰ بن حسان مروزی ظاہر کیے گئے ہیں۔[1] موصوف کی بابت جواہر المضیہ میں منقول ہے:

''بشر سے پوچھا گیا کہ نجس پانی میں آٹا گوندھ کر پکائی ہوئی روٹی کو کیا کیا جائے؟ بشر نے کہا اسے نصاریٰ کے ہاتھوں فروخت کر دیا جائے لیکن میرے خیال سے مطلع ہونے کے بعد نصاریٰ یہ روٹی نہیں کھائیں گے، اس لیے یہ روٹی یہودیوں کے ہاتھ فروخت کی جائے مگر معلوم ہونے پر یہ لوگ بھی نہیں کھائیں گے، اس لیے یہ روٹی مجوسیوں کے ہاتھ بیچی جائے لیکن معلوم ہونے پر ان کا بھی یہی حال ہوگا، اس لیے یہ روٹی ان مسلمانوں کے ہاتھ فروخت کی جائے جن کا مسلک یہ ہے کہ "إن الماء طاهر لاينجسه شيء" پانی طاہر ہے اسے کوئی چیز نجس نہیں کر سکتی، یعنی امام مالک واہل ظاہر کے مسلک پر عمل کرنے والوں کے ہاتھ یہ روٹی فروخت کی جائے۔''[2]

اس حنفی فقیہ یعنی بشر بن یحییٰ کے فتوی مذکورہ کا مفاد یہ ہے کہ احناف کے نقطۂ نظر سے جو چیز نجس وحرام ہو وہ ان غیر مسلموں یا مسلمانوں کے ہاتھوں فروخت کی جا سکتی ہے جن کے نزدیک مباح وحلال ہو مثلاً: شراب وخنزیر اگر مسلمان کے پاس ہوں تو نعوذ باللہ مسلمان انھیں نصاریٰ نیز ان لوگوں کے ہاتھوں فروخت کر سکتے ہیں جن کے نزدیک حلال ہیں۔

ان حنفی فقیہ کی کسی سے توثیق منقول نہیں، البتہ مندرجہ ذیل روایت سے ان کے علم وفضل کا حال معلوم ہوتا ہے:

''ابوعثمان سعید بن عمرو بن عمار برذعی نے کہا کہ میں نے ابوزرعہ عبیداللہ بن عبدالکریم سے بشر کا حال معلوم کیا، امام ابوزرعہ نے جواب دیا کہ خراسان میں یہ شخص اہل الرای (احناف) کا سب سے بڑا فقیہ مانا جاتا ہے، یہ شخص ہمارے یہاں آیا ہم نے اس کی بیان کردہ علمی باتیں لکھیں، یہ شخص مناظرے بھی کیا کرتا تھا مگر جاہل آدمی تھا، اس کے خلاف اہل علم نے طاؤس (امام طاؤس مشہور تابعی محدث ہیں، مصنف انوار نے انھیں امام ابوحنیفہ کے اساتذہ میں شمار کیا ہے) کی نقل کردہ روایت سے حجت قائم کی تو یہ شخص فارسی زبان میں کہنے لگا کہ لوگ ہمارے خلاف پرندوں کو حجت میں پیش کرتے ہیں۔ اس شخص نے امام اسحاق بن راہویہ سے قرعہ کے مسئلہ پر مناظرہ کیا، امام ابن اسحاق نے احادیث صحیحہ کے ذریعہ اسے لاجواب کر دیا مگر اس شخص نے اپنی کتابوں میں ایک حدیث جو یہ دیکھی کہ "نهى النبي ﷺ عن القزع" (ز کو نقطہ کے ساتھ) یعنی نبی ﷺ نے قزع (سر کے بالوں کو کچھ چھوڑ کر کچھ مونڈنے) سے منع کیا ہے تو اس نے سمجھا کہ یہ لفظ قرع ز کے نقطہ کے بغیر ہے، اس لیے اس نے حدیث مذکور کو امام اسحاق کے خلاف پیش کر دیا، اس پر امام اسحاق نے اس حدیث کی اصلیت بتلائی تو یہ خاموش ہوا۔''[3]

ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس طرح کے جس جاہل کی کسی نے توثیق نہ کی ہو اس کی روایت معتبر نہیں ہو سکتی۔

---

[1] لمحات النظر (ص: ١٠) [2] جواهر المضية (١/ ١٦٧، ١٦٨)

[3] الكفاية في علم الرواية (ص: ١٦٣، ١٦٤)

امام صاحب نے زفر وابو یوسف کو قضاۃ کا مربی قرار دیا:

مصنف انوار نے کہا:

''ایک دفعہ امام صاحب نے کہا کہ یہ چھتیس آدمی ہیں، ان میں سے اٹھائیس قاضی وجج بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور چھ فتویٰ دینے کے اہل ہیں، دو ایسے ہیں جو ارباب قضاء واصحاب فتاوی کی تربیت سکتے ہیں اور ابو یوسف اور زفر کی طرف اشارہ کیا۔''❶

ہم کہتے ہیں کہ یہ روایت تاریخ خطیب (۱۴/ ۲۴۷) میں موجود ہے، اس کی سند میں امام صاحب کے پوتے اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ موجود ہیں، اسماعیل موصوف سخت مجروح غیر ثقہ وغیر معتبر اور نا قابل حجت ہیں۔ (کمامر) مزید ہر آں یہ کہ اسماعیل نے اپنے دادا امام ابوحنیفہ کا زمانہ نہیں پایا ہے یعنی یہ روایت مقطوع بھی ہے، علاوہ ازیں اس کی سند کے بعض دوسرے رواۃ بھی غیر معروف ہیں، ان ساری علل کے ہوتے ہوئے روایت مذکورہ کے مکذوبہ ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے مگر چونکہ یہ مکذوبہ روایت مصنف انوار کو پسند آ گئی ہے اس لیے دلیل و حجت بن گئی ہے۔

امام زفر کو عہدۂ قضاء کی پیشکش:

مصنف انوار اس کے بعد فرماتے ہیں:

''خدا کی شان ابو یوسف امام صاحب کے اشارہ کے مطابق قاضی القضاۃ ہوئے اور زفر کو حکومتِ وقت نے قاضی بننے کے لیے مجبور کیا مگر انھوں نے امام صاحب کی طرح انکار کیا تو حکومت نے ان کا گھر گرا دیا، زفر نے دوبارہ گھر بنوایا تو دوبارہ گرا دیا۔''❷

ہم کہتے ہیں کہ اس کی قسم کی روایتیں بہت بعد کے زمانے میں گھڑ دی گئی ہیں، ایک روایت میں یوں ہے:

''امام ابوحنیفہ نے ابو یوسف کے بارے میں یہ پیش خبری دی تھی کہ تم دنیا پرست و دنیادار ہو جاؤ گے تم کو دنیا شکست دے دے گی یعنی تم دنیا داری کے چکر میں پھنس جاؤ گے۔''❸

مصنف انوار نے اپنے اس بیان میں دعوی کیا ہے کہ زفر کو قاضی بننے کے لیے کہا گیا مگر انھوں نے امام صاحب کی طرح انکار کیا، حالانکہ ہم بتلا آئے ہیں کہ امام صاحب کو قاضی بننے کے لیے حکومت کی طرف سے خواہش کا اظہار کبھی نہیں کیا گیا تھا بلکہ بقول اما ابوبکر بن عیاش رحمہ اللہ کچھ لوگوں نے یہ افواہ اڑا دی تھی کہ امام صاحب نے حکومت کی طرف سے کی گئی عہدۂ قضا کی پیش کش قبول نہیں کی، لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ امام زفر نے امام ابوحنیفہ ہی کی طرح عہدۂ قضا قبول کرنے سے انکار کیا کیونکہ ازروئے تحقیق امام صاحب کو عہدۂ قضا پیش ہی نہیں کیا گیا تھا، البتہ مصنف انوار نے اس دعوی پر کوئی دلیل نہیں دی کہ امام زفر نے عہدۂ قضا کی پیشکش قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ مصنف انوار نے اس بات کا اعادہ (۱/ ۱۶۶) پر بھی کیا کہ امام زفر کو عہدۂ

---

❶ مقدمه انوار (١/ ١٦٤ و ١٧٤) ❷ مقدمه انوار (١/ ١٦٤)

❸ خطيب (٤/ ٢٤٨) ولمحات النظر (ص: ١٢)

قضا پیش کیا گیا لیکن انھوں نے قبول نہیں کیا، حافظ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ زفر نے عہدۂ قضا قبول کر لیا تھا۔[1] حافظ ابن عبدالبر کے اس قول کو مصنف انوار وکوثری نے یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ وہ مغربی آدمی تھے۔[2] مگر پسند آجانے کی صورت میں حافظ ابن عبدالبر یا کسی کے نقل کردہ قول کو یہ لوگ قبول کر لیتے ہیں خواہ وہ کتنا ہی غیر معتبر ہو۔

امام زفر وابو یوسف کا امام صاحب کے ساتھ حسنِ ادب

مصنف انوار نے مزید کہا:

''حسن بن زیاد نے کہا کہ زفر وابو یوسف امام صاحب کی خدمت میں ایسے رہتے تھے جیسے باز کے مقابلے میں دو چڑیاں، وہ لوگ اپنے کو امام صاحب کے سامنے کچھ نہ سمجھتے تھے۔''[3]

مذکورہ بالا روایت کی سند میں عبداللہ بن محمد اسدی اکفانی مجروح وساقط الاعتبار اور ولید بن حماد مجہول ہیں۔[4] اس سے بڑھ کر یہ کہ حسن بن زیاد کذاب اور سخت مجروح ہیں، تفصیل آرہی ہے مگر اس مکذوبہ روایت کو نقل کرنے کے بعد مصنف انوار نے یوں تبصرہ کیا ہے کہ ''غرض جاننے والے یہی جانتے ہیں کہ دونوں ایک درجے کے تھے...الخ'' حالانکہ یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ مصنف انوار کے اپنے دوسرے بیانات نیز دلائل معتبرہ سے دونوں کے مابین واضح فرق ہے۔

مدحِ ابی یوسف میں زفر سے ایک روایت:

مصنف انوار نے کہا:

''اہل بصرہ نے امام زفر کے علمی کمالات کی تعریف کی تو وہ کہنے لگے اگر تم لوگ ابو یوسف کو دیکھتے تو کیا کہتے۔''[5]

ہم کہتے ہیں کہ لمحات النظر (ص: ۹) میں روایت مذکورہ ابن ابی العوام کی غیر معتبر کتاب سے منقول ہے اور اس کی سند میں مذکور شدہ رواۃ میں سے محمد بن شجاع کذاب اور ابو بشر دولابی مجروح ہیں۔

امام زفر کی زبانی مدحِ ابی یوسف کی دوسری جھوٹی کہانی:

مذکورہ بالا روایت کے ساتھ ایک اور روایت بھی امام زفر کی طرف مصنف انوار وکوثری نے منسوب کر دی کہ امام زفر نے کہا: ''ابو یوسف سب سے زیادہ فقیہ ہیں۔'' حالانکہ یہ روایت بھی ابن ابی العوام ہی سے منقول ہے اور اس کی سند میں محمد بن بلخی مجہول ہے، ان روایتوں پر نہایت رنگ آمیز تبصرہ کرتے ہوئے مصنف انوار نے کہا:

''امام صاحب کے اصحاب وتلامذہ میں یہ بات خاص طور پر دیکھی گئی ہے کہ ان میں تحاسد وتباغض نہیں تھا اور جو بعض قصے ایسے نقل ہوئے ہیں وہ مخالفین کے چلائے ہوئے بے ثبوت ہیں، علامہ کوثری نے جابجا ایسی چیزوں کی تردید کی ہے۔'' جزاه الله تعالى![6]

---

[1] الانتقاء (ص: ۱۷۳، ۱۷٤) [2] مقدمه انوار (۱/ ۱٦٦) ولمحات النظر (ص: ۲۸)
[3] مقدمه انوار (۱/ ۱۲٤) [4] صيمري (ص: ۱۰۷)
[5] مقدمه انوار (۱/ ۱٦٤) [6] مقدمه انوار (۱/ ۱٦٤)

ہم کہتے ہیں کہ بے ثبوت قصے چلانے والے خواہ مخالف ہوں یا موافق سبھی قابل مذمت ہیں خصوصًا جبکہ بے ثبوت مکذوبہ قصہ چلانے والے خالص علمی ودینی نقطۂ نظر سے صرف صحیح باتوں کے لکھنے کے مدعی ہوں، یہاں مصنف انوار نے مخالفین کے چلائے ہوئے جھوٹے قصوں کو بیان نہیں کیا ورنہ حقیقت واضح کر دی جاتی۔

امام زفر کے اساتذہ وتلامذہ:

مصنف انوار نے اس جگہ بعض اساتذۂ امام زفر کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا:

''امام زفر فقہ میں امام صاحب کے شاگرد ہیں، خود فرماتے ہیں کہ میں بیس سال سے زیادہ امام صاحب کی خدمت میں رہا۔''[1]

ہم کہتے ہیں کہ یہ روایت طویل ہے اور اس کو حارثی کذاب نے وضع کیا ہے۔[2] یہ روایت کوثری نے بحوالۂ مناقبِ کردری لمحات النظر (ص:۱۲) پر نقل کی ہے، مصنف انوار کا دعوی تو یہ ہے کہ امام زفر رکن مجلس تدوین کی حیثیت سے خدمتِ امام صاحب میں تیس سال رہے، ظاہر ہے کہ رکن مجلس بننے کے پہلے موصوف نے امام صاحب کی خدمت میں ایک مدت رہ کر پڑھا بھی ہو گا، پھر مصنف انوار یہ کیا فرماتے ہیں کہ خدمت امام صاحب میں زفر بیس سال سے زیادہ رہے، انھیں یہ بتلانا چاہیے کہ امام زفر مذہب امام صاحب میں بیس سال سے زیادہ کتنا اور کب سے کب تک رہے کیونکہ ان کے اعتراف کے مطابق امام زفر ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے اور وفات عثمان بتی کے پہلے یعنی ۱۴۳ھ کے پہلے کوفہ سے بصرہ تبلیغ مذہب حنفی کے لیے چلے آئے اور موصوف زفر اہل حدیث عالم بن چکنے کے بعد یعنی کم سے کم سولہ سترہ سال کی عمر میں درسگاہ ابی حنیفہ میں پڑھنے آئے، پھر وہ کب سے کب تک امام صاحب کی خدمت میں پڑھتے رہے؟ پھر کب سے کب تک تدوین فقہ انھوں نے تیس سال امام صاحب کے ساتھ کی جبکہ ہم بتلا آئے ہیں کہ مصنف انوار کے بیانات سے یہ مستخرج ہوتا ہے کہ امام زفر خدمت امام صاحب میں کل نو سال سے بھی کم رہے؟ نیز یہ کہ امام صاحب ۱۳۰ھ تا ۱۳۶ھ کے بعد بھی عرصہ تک کوفہ سے دور مکہ مکرمہ میں مقیم رہے۔

اس جگہ مصنف انوار نے امام زفر کی کتاب الآثار کا بھی ذکر کیا ہے جس میں وہ امام صاحب سے روایت کرتے تھے۔[3] مگر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اپنی عام مرویات اور بیان کردہ علمی باتوں کو امام صاحب نے بذات خود مجموعۂ اغلاط قرار دیا ہے، اس جگہ مصنف انوار نے امام زفر کے بعض تلامذہ کا ذکر کرتے ہوئے ابن المبارک سے نقل کیا:

''امام زفر نے فرمایا کہ ہم رائے کا استعمال اس وقت کرتے ہیں جب اثر موجود نہ ہو اور جب اثر مل گیا تو رائے چھوڑ دیتے ہیں۔''[4]

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار کے دعوی کے مطابق قولِ امام صاحب بھی اثر ہی ہے اور امام صاحب کا قول ہے کہ میری بیان کردہ عام باتیں مجموعۂ اغلاط ہیں، لہٰذا ہمارا حسن ظن ہے کہ امام زفر اور دیگر تلامذۂ امام صاحب نے اس فرمانِ امام صاحب کو قبول کر کے امام صاحب کی بیان کردہ عام باتوں کو مجموعۂ اغلاط قرار دیا ہوگا، لہٰذا ہمارا حسن ظن ہے کہ امام زفر اور دیگر تلامذۂ امام صاحب نے اس فرمان امام صاحب کو قبول کر کے امام صاحب کی بیان کردہ عام باتوں کو مجموعۂ اغلاط قرار دیا ہوگا، اس سلسلے میں

---

[1] مقدمه انوار (١/ ١٦٤) [2] موفق (٢/ ١٥٣)

[3] مقدمه انوار (١/ ١٦٤) [4] مقدمه انوار (١/ ١٦٥)

مصنف انوار کیا فرماتے ہیں، البتہ امام زفر سے اس قول کے راوی ابن المبارک نے امام صاحب کو متروک قرار دے دیا تھا اورامام صاحب کے دوسرے کئی تلامذہ نے ایسا ہی کیا تھا جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

مصنف انوار نے کہا:

''امام وکیع امام زفر کو خطاب کر کے فرمایا کرتے کہ خدا کا شکر ہے کہ جس نے آپ کو امام صاحب کا جانشین بنایا لیکن امام صاحب کے دنیا سے تشریف لے جانے کا صدمہ دل سے نہیں نکلتا۔ فضل بن دکین کہتے ہیں کہ جب امام صاحب کی وفات ہوئی تو میں امام زفر کا ہو گیا کیونکہ امام صاحب کے اصحاب میں سب سے زیادہ فقیہ ومتورع وہی تھے۔'' [1]

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار کی نقل کردہ ان باتوں کے معتبر وصحیح ہونے پر کون سی دلیل قائم ہے جس کی وجہ سے ان کو اس گروہ کے اختراع کردہ اکاذیب میں نہیں شمار کیا جا سکتا جو بقول مصنف انوار سفید کو سیاہ کر دکھانے کے لیے جھوٹ کو کار خیر سمجھ کر مسلمانوں میں پھیلاتا رہا ہے؟ ہم بتلا آئے ہیں کہ مصنف انوار کے اصول سے ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب اوران کے عام تلامذہ زفر وابو یوسف وغیرہ سب بے عقل و بے علم تھے نعوذ باللہ من ذلک۔ امام صاحب پر امام وکیع اور فضل بن دکین سے سخت تنقیدیں منقول ہیں۔ (کما سیأتي) مصنف انوار کی اس مستدل روایت کا مفاد بھی یہ ہے کہ وفاتِ امام صاحب کے بعد امام زفر جانشین امام صاحب بنے تھے۔

اس جگہ مصنف انوار نے بعنوان ''امام زفر اور نشر مذہب حنفی'' وہ طویل کہانی سنائی جس کے مطابق امام زفر نے بصرہ میں جا کر مذہب حنفی کی ایسی تبلیغ کی کہ مشائخ بصرہ خصوصًا عثمان بتی کے علمی حلقے اکھڑ گئے۔ [2] مصنف انوار کی بیان کردہ اس طویل کہانی کی حقیقت واضح ہو چکی ہے، نیز اس کہانی کا ذکر تذکرۂ یوسف سمتی میں بھی آئے گا۔

امام زفر کی توثیق وتجریح اور مولانا فرنگی محلی پر مصنف انوار کا طعن:

مصنف انوار نے کہا:

''زفر کی توثیق اور وسعت علم کی بابت اقوال نقل ہو چکے ہیں لیکن کوئی کوئی قول ان کے خلاف بھی نقل ہوا ہے اگرچہ اس کی تاویل ہوسکتی ہے، ابن سعد کا یہ قول کہ امام زفر حدیث میں کچھ نہیں تھے بقول علامۂ زماں مولانا عبدالحی لکھنوی، کا یہ ریمارک فقط ابن سعد کے علم کے مطابق ہے، ورنہ بڑے بڑے علماء نے انھیں مجتہد وحافظ حدیث تسلیم کیا ہے۔'' [3]

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار نے اس جگہ اگرچہ ابن سعد کے جواب کے لیے مولانا عبدالحی کا سہارا لیا اور اپنے بیان میں زور پیدا کرنے کے لیے ان کو علامۂ زماں کا خطاب بھی دے دیا مگر مولانا عبدالحی کی بابت انھیں مصنف انوار کی تحقیق ذیل میں ملاحظہ ہو:

''آپ یعنی مولانا فرنگی محلی کی کچھ آراء شاذہ بھی ہیں جو مذہب میں درجۂ قبول سے نازل ہیں، بعض کتبِ جرح کی خفیہ جارحانہ منصوبہ بندیوں پر مطلع نہ ہونے کی وجہ سے آپ ان سے متاثر ہو گئے۔'' [4]

---

[1] مقدمہ انوار (١/ ١٦٥)

[2] مقدمہ انوار (١/ ١٦٥)

[3] مقدمہ انوار (١/ ١٦٦)

[4] مقدمہ انوار (٢/ ٢٣٣)

حاصل یہ کہ مصنف انوار کو مولانا فرنگی محلی کی جو بات پسند آ جائے وہ مقبول ہے لیکن جو نہ پسند آئے اسے آراء شاذہ قرار دے کر فرماتے ہیں کہ ان کی یہ باتیں درجۂ قبول سے نازل ہیں اور فرنگی محلی کتب جرح کی خفیہ جارحانہ منصوبہ بندیوں کے شکار ہو گئے تھے، مصنف انوار کے استاذ کوثری نے بھی یہی کہا ہے۔ ❶

جس طرح کوثری اور مصنف انوار نے روایات کے ردوقبول میں اپنی پسند و ناپسند کو معیار بنا رکھا ہے اسی طرح اقوال ائمہ کے ردوقبول میں بھی کیا ہے، ورنہ فرنگی محلی یا کسی بھی صاحب علم کی کوئی بھی بات ہو ان دونوں حضرات کے یہاں صرف اس صورت میں مقبول ہے کہ انھیں پسند آ جائے اور ان کے مزاج ومصالح کے خلاف نہ ہو، زفر کے بارے میں ائمہ کے اقوال جرح وتعدیل مختلف ہیں اور اس طرح بہت سے رواۃ کا بھی حال ہوتا ہے مگر راجح یہی ہے کہ زفر ثقہ وصدوق اور مقبول ہیں، امام نسائی نے بھی امام زفر کو ثقہ کہا ہے۔ ❷

واضح رہے کہ ابوالفتح ازدی نے امام زفر کو ''غیر مرضی المذہب والرای'' کہا ہے۔ ❸ انھیں ازدی سے مصنف انوار نے امام نعیم بن حماد کا کذاب ہونا نقل کیا اور اسے دلیل بنایا ہے۔ (کمامر) امام زفر کی بابت کلام ازدی کے بارے میں مصنف انوار کیا کہتے ہیں؟ ہم عرض کر چکے ہیں کہ ازدی بذات خود مجروح ہیں اس لیے نہ ان کی توثیق کا اعتبار ہے نہ تجریح کا۔

ایک طرف مصنف انوار نے یہ کہا:

''امام زفر نے فرمایا کہ میں نے امام ابوحنیفہ کے کسی مسئلہ میں مخالفت نہیں کی الی ان قال، میں نے یہ جرأت نہیں کی کہ امام صاحب کی مخالفت کسی مسئلہ میں ان کی وفات کے بعد بھی کروں۔'' ❹

مگر دوسری طرف مصنف انوار ایک ہی سانس میں یہ بھی فرماتے ہیں:

''امام زفر نے امام صاحب سے متعدد مسائل میں اختلاف کیا ہے۔'' ❺

نیز کوثری نے یہ بھی کہا:

”هذا ليس بتقليد له بل سكوت عما لم يعلم دليله و أبوحنيفة هو الذي كان ينهٰى أصحابه عن التقليد.“ ❻

''امام زفر کی اس بات کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ امام صاحب کی تقلید کرتے تھے بلکہ جس بات کی دلیل معلوم نہ ہو اس سے سکوت ہے، امام صاحب اپنے اصحاب کو تقلید سے روکتے تھے۔''

جب باعتراف کوثری امام صاحب تقلید سے روکتے تھے تو پھر مصنف انوار اور جملہ احناف نے تقلید پرستی کو اپنا شیوہ وشعار کیوں بنا رکھا ہے؟ اس سلسلے میں گفتگو گزر چکی۔

---

❶ ملاحظہ ہو: لمحات النظر (ص: ٢٢)

❷ الطبقات للنسائي ملحق به كتاب الضعفاء (ص: ٣٥)

❸ لسان الميزان (٢/ ٤٧٧) ولمحات النظر.

❹ مقدمه انوار (١/ ١٦٦) ولمحات النظر (ص: ٢١، بحواله كردرى: ٢/ ١٥٨)

❺ مقدمه انوار (١/ ١٦٦) ولمحات النظر (ص: ٢١) ❻ لمحات النظر (ص ٢١)

وفات ابی حنیفہ سے متعلق امام زفر کا بیان:

صیمری نے کہا:

"حدثنا أبو عبيد الله محمد بن عمران بن موسى المرزباني قال حدثنا الحسن بن محمد المخرمي قال محمد بن عثمان بن أبي شيبة قال حدثنا نصر بن عبد الرحمن أبوشاء قال حدثنا الفضل بن دكين قال سمعت زفر بن هذيل يقول كان أبوحنيفة يجهر حين خرج إبراهيم بالبصرة جهرا شديدا فقلت له والله ما أنت بمنته حتى نوتي فتوضع في أعناقنا الحبال، قال أبو نعيم فلما كان بعد ذالك كتب المنصور إلى عيسى بن موسى وهو على الكوفة يأمره أن يحمل أبا حنيفة إلى بغداد، وقال أبو نعيم فغدوت أريد أبا حنيفة فلقيته راكبا يريد وداع عيسى وقد كاد وجهه يسود خوفا فقدم بغداد فمات فيها وهو ابن سبعين سنة، قال أبو نعيم سقي شربة فمات منها وأخبرت أنه لما حضر بين يدى المنصور دعا له بسويق وأمره بشربه فامتنع فقال تشربنه فامتنع فأكرهه حتى شربه ثم قام مبادرا فقال له أبوجعفر إلى أين قال إلى حيث تبعث (مناقب موفق، مطبوعہ حیدرآباد، ۱۳۲۱ھ میں یہ لفظ تبعث مضارع کے صیغہ کے ساتھ ہے) بي فمضى به إلى السجن فمات في السجن."[1]

"فضل بن دکین نے کہا کہ میں نے امام زُفر کو فرماتے ہوئے سنا کہ بصرہ میں خروج ابراہیم طالبی کے زمانے میں امام صاحب حکومت کے خلاف اور ابراہیم طالبی کی حمایت میں بہت زور وشور سے باتیں کیا کرتے تھے، میں نے یعنی زفر نے امام صاحب سے کہا کہ آپ اپنی اس حرکت سے اس وقت تک باز نہیں آئیں گے جب تک کہ ہم سب کی گردن میں پھانسی کی رسی نہ لٹکا دی جائے۔ ابونعیم فضل بن دکین کہتے ہیں کہ اس واقعہ (یعنی خروج ابراہیم طالبی کے واقعہ) کے بعد خلیفہ منصور ابوجعفر نے حاکم کوفہ عیسیٰ بن موسیٰ کو تحریری حکم بھیجا کہ ابوحنیفہ کو بغداد روانہ کردو، ابونعیم فضل بن دکین نے کہا کہ میں بھی اس موقع پر امام صاحب سے ملنے کے لیے گیا، اس وقت وہ حاکم کوفہ عیسیٰ بن موسیٰ سے رخصت ہوکر فرمان منصور کے مطابق بغداد کی طرف سواری پر روانہ ہو رہے تھے اور خوف کی وجہ سے امام صاحب کا چہرہ اس وقت سیاہ ہو رہا تھا، چنانچہ امام صاحب بغداد گئے تو وہاں مر گئے جبکہ ان کی عمر ستر سال تھی۔ ابونعیم فضل بن دکین نے کہا کہ امام صاحب کو ایک مشروب پلایا گیا تھا جس کے پینے سے ان کی موت ہوگئی، مجھے اس بات کی خبر ملی ہے کہ جب امام صاحب منصور ابوجعفر کے سامنے پیش کیے گئے تو اس نے امام صاحب کے لیے ستو کا شربت منگوایا اور حکم دیا کہ یہ شربت پیجیئے، امام صاحب نے اسے پینے سے انکار کیا تو منصور نے کہا کہ یہ شربت آپ کو بالضرور پینا ہوگا، پھر بھی امام صاحب نے اسے پینے سے انکار کیا مگر منصور نے امام صاحب کو مجبور کیا یہاں تک کہ امام صاحب نے وہ شربت پی لیا اور شربت پینے کے بعد امام صاحب فوراً اٹھ

[1] أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ٨٧) وموفق (٢/ ١٧١) وكردري (٢/ ٢٤)

کھڑے ہوئے تو منصور نے ان سے کہا کہ آپ کہاں جائیں گے؟ امام صاحب نے فرمایا کہ جہاں آپ بھیجیں گے میں وہاں جاؤں گا تو امام صاحب کو جیل خانہ بھیج دیا گیا اور اسی جیل خانہ میں امام صاحب فوت ہو گئے۔''

أوّلاً: اس روایت سے معلوم ہوا کہ خروج ابراہیم طالبی کے زمانہ میں امام صاحب حکومت کے خلاف اور بغاوت کی حمایت میں کھل کر زور وشور سے تقریریں کرتے تھے، امام صاحب کے اس موقف کو ناپسند کرتے ہوئے امام زفر نے انھیں اس طریق عمل سے باز رکھنے کے لیے مذکورہ بات کہی مگر امام صاحب اس سے باز نہیں آئے۔

ثانیاً: فضل بن دکین نے صراحت کی ہے کہ خروج ابراہیم طالبی کے جس زمانہ میں امام صاحب حکومت کے خلاف تقریریں کرتے تھے اس زمانہ کے بعد خلیفہ منصور نے حاکمِ کوفہ عیسیٰ بن موسیٰ کو یہ تحریری حکم دیا کہ امام صاحب کو بغداد بھیجا جائے اور یہ معلوم ہے کہ خروج ابراہیم طالبی کا واقعہ ۱۴۵ھ میں پیش آیا ہے جس کے کچھ دنوں کے بعد امام صاحب کو بغداد طلب کیا گیا یہ بھی معلوم ہے کہ منصور نے تعمیر بغداد کی بنیاد ۱۴۵ھ میں ڈالی تھی اور ۱۴۶ھ میں اس حد تک تعمیر بغداد ہو چکی تھی کہ وہ وہاں جا کر سکونت پذیر ہو گیا جس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ ۱۴۶ھ کے بعد ہی امام صاحب کو بغداد میں منصور نے طلب کیا، اور اس روایت میں اس بات کی بھی صراحت ہے کہ جب امام صاحب بغداد لائے گئے تو منصور کے سامنے پیش کیے گئے، اسی موقع پر اس نے امام صاحب کو ستو کا وہ شربت پلایا جس کے اثر سے امام صاحب فوت ہو گئے۔ روایت میں صراحت ہے کہ ستو کا شربت پینے کے بعد جب امام صاحب اٹھ کھڑے ہوئے تو منصور نے ان سے کہا کہ کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ اس پر امام صاحب نے کہا کہ جہاں تم مجھے بھیجو وہاں جاؤں گا تو امام صاحب کو جیل خانہ بھیج دیا گیا۔ اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ بغداد پہنچتے ہی سب سے پہلے امام صاحب کو ستو پلایا گیا پھر جیل خانہ بھیجا گیا مگر یہی روایت صحیح سند کے ساتھ درج ذیل الفاظ میں بھی منقول ہے:

"فغدوت إليه ووجهه كأنه مسح قال فحمله إلى بغداد فعاش خمسة عشر يوما ثم سقاه فمات."[1]

''جب عیسیٰ بن موسیٰ نے فرمان منصور کے مطابق امام صاحب کو بغداد بھیجنے کے لیے اپنے پاس طلب کیا تو میں بھی وہاں گیا اس وقت امام صاحب کا چہرہ سیاہ ہو گیا تھا، عیسیٰ نے امام صاحب کو بغداد بھیج دیا، وہاں بغداد میں امام صاحب پندرہ روز زندہ رہے، پھر انھیں منصور نے شربت پلایا تو امام صاحب وفات پا گئے۔''

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بغداد پہنچنے کے بعد پندرہ روز تک امام صاحب وہاں رہے تب انھیں شربت پلایا گیا اور یہی بات صحیح ہے کہ بغداد جانے کے پندرہ دن بعد امام صاحب کو ایسا زہر آمیز شربتِ ستو پلایا گیا کہ اس کے اثر سے امام صاحب فوت ہو گئے، شربت پلائے جانے سے پندرہ دن پہلے ظاہر ہے کہ امام صاحب کو بغداد لانے کے بعد جیل خانہ میں رکھا گیا تھا کیونکہ وہ بغاوت کی حمایت کے جرم میں بغداد لائے گئے تھے اور بغاوت کی حمایت کرنے والے مجرم کو اگر فوری طور پر سزائے موت نہ دینی ہو تو انھیں جیل خانہ میں بند رکھا جاتا ہے، موفق کی روایت میں اگرچہ یہ لفظ ہے کہ شربت پی کر امام صاحب جب اٹھ کھڑے ہوئے تو منصور کے یہ پوچھنے پر کہ کہاں چلے؟ امام صاحب نے فرمایا: "إلى حيث تبعث بي" جہاں تم مجھے

[1] خطیب (۱۳/ ۳۳۰)

بھیجومگر مناقب صیمری وغیرہ میں ہے کہ امام صاحب نے فرمایا: ''إلى حيث بعثت بي'' جہاں تم نے مجھے بھیج رکھا ہے وہاں جاؤں گا، اگرچہ دونوں الفاظ کا ایک ہی مطلب نکل سکتا ہے مگر آخر الذکر سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ شربت پلانے سے پہلے امام صاحب کو جس جگہ بھیجا گیا تھا اس جگہ امام صاحب نے شربت پینے کے بعد جانے کا ارادہ ظاہر کیا اور وہیں انھیں بھیج دیا گیا یعنی جیل خانہ میں اور شربت پینے کے دن ہی موصوف کا انتقال ہوگیا۔ جس کا حاصل یہ ہوا کہ وفات سے صرف پندرہ روز پہلے امام صاحب کوفہ سے بغداد لاکر جیل خانہ میں رکھے گئے تھے اور پندرہ دن بعد انھیں شربت مذکور پلا کر ہلاک کر دیا گیا، اور یہ مذکور ہے کہ امام صاحب کی موت ماہ رجب ۱۵۰ھ میں ہوئی تھی۔[1] اس لیے اگر فرض کیا جائے کہ امام صاحب کی موت ۱۶ رجب ۱۵۰ھ میں ہوئی تو لازم آئے گا کہ یکم رجب ۱۵۰ھ میں امام صاحب کوفہ سے لاکر جیل خانہ بغداد میں رکھے گئے۔

ثالثاً: تاریخ خطیب میں صراحت ہے کہ امام صاحب کو والیٔ کوفہ نے جب فرمان منصور کے مطابق بغداد بھیجنے کے لیے اپنے پاس طلب کیا تو امام صاحب کو دیکھنے کے لیے امام زفر بھی والی کوفہ عیسی بن موسیٰ کے یہاں گئے تھے اور مناقب صیمری میں ہے کہ اس موقع پر فضل بن دکین بھی والیٔ کوفہ کے یہاں گئے تھے، دونوں حضرات کا وہاں جانا بلکہ ان کے علاوہ دوسرے تلامذۂ امام صاحب کا اس موقع پر جانا بالکل قرین قیاس ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کی وفات سے پندرہ دن پہلے تک امام صاحب کے ساتھ امام زفر کوفہ میں موجود تھے جس سے اس دعوی کی تردید ہوتی ہے کہ عثمان بتی کی زندگی میں ہی یعنی ۱۴۳ھ سے پہلے امام صاحب کے حکم سے امام زفر حنفی مذہب کی تبلیغ واشاعت کے لیے امام صاحب کا ساتھ چھوڑ کر بصرہ چلے گئے تھے۔

رابعاً: امام فضل کا بیان ہے کہ بغداد روانگی کے وقت خوف سے امام صاحب کا چہرہ سیاہ ہوگیا تھا اور امام زفر کے بیان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ بغداد روانگی کے وقت ہی امام صاحب کو یہ احساس ہوگیا تھا کہ خروج کی حمایت کے سبب مجھ سے مواخذہ ہونے والا ہے، یعنی آخر وہی بات ہوئی جس کا پہلے ہی سے امام زفر کو اندازہ تھا اور مشہور بھی یہی ہے کہ امام صاحب کے تلامذہ میں امام زفر سب سے زیادہ اچھا قیاس واندازہ کرتے تھے۔

خامساً: اس روایت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مواخذۂ حکومت کا خطرہ محسوس کرنے کی صورت میں امام صاحب اتنے خوف زدہ ہوگئے تھے کہ ان کا چہرہ سیاہ ہوگیا تھا۔

سادساً: روایت مذکورہ سے واضح طور پر مستفاد ہوتا ہے کہ حمایتِ بغاوت کے جرم میں امام صاحب کو پندرہ روز جیل میں رکھ کر بذریعہ زہر ہلاک کر دیا گیا جس کے خلاف بعض مکذوبہ روایات سے مستفاد ہونے والی یہ بات قطعاً ساقط الاعتبار قرار پاتی ہے کہ امام صاحب پندرہ روز سے زیادہ حتی کہ تین چار سال مقید رکھ کر ہلاک کیے گئے تھے۔

سابعاً: روایت مذکورہ سے واضح طور پر یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ امام صاحب حمایتِ بغاوت کے جرم میں بذریعہ زہر ہلاک کیے گئے، دریں صورت یہ بہت مستبعد ہے کہ موصوف کو عہدۂ قضا یا کوئی بھی سرکاری عہدہ حکومت کی طرف سے پیش کیا گیا ہو جس سے انکار کرنے کے سبب امام صاحب کو ہلاک کیا گیا ہو اور ایسی مستبعد بات اسی وقت معتبر مانی جا سکتی ہے جبکہ اس

---

[1] موفق (۲/ ۱۸۲) وخطیب (۱۳/ ۴۲۲)

پر ٹھوس دلیل موجود ہو، اور ہم بتلائیں گے کہ اس سلسلے میں وارد شدہ روایات مکذوبہ ہیں، ان میں سے بعض روایات کا ذکر آچکا ہے اور یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ امام صاحب کے معاصر امام ابوبکر بن عیاش نے کہا کہ یہ افواہ محض جھوٹ ہے کہ امام صاحب کو عہدہ قضا قبول کرنے سے انکار کرنے کے سبب زد و کوب کیا گیا بلکہ صحیح یہ ہے کہ بُنائی کے کام کی نگرانی امام صاحب کو سونپی جارہی تھی جس سے انکار کرنے پر امام صاحب کو زد و کوب کیا گیا۔[1] ہم بتلائیں گے کہ اس زد و کوب کا امام صاحب کی موت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ثامناً: روایت مذکورہ کی سند صحیح ہے، امام صاحب کے ساتھ پیش آمدہ اس واقعہ کے راوی امام زفر ہیں جن کا ثقہ ہونا معلوم ہو چکا ہے اور ان سے اس واقعہ کے راوی امام ابونعیم فضل بن دکین بھی ثقہ ہیں۔[2]

امام فضل رحمہ اللہ بروایت صیمری بذریعہ عیسیٰ بن موسیٰ امام صاحب کے بغداد بھیجے جانے اور وہاں جیل میں امام صاحب کے رکھے جانے اور بذریعہ زہر ہلاک کیے جانے کے واقعہ کے بذات خود راوی ہیں، اس لیے ایک تو وہ امام زفر سے اس واقعہ کے راوی ہیں دوسرے اس واقعہ کو بیان کرنے میں امام زفر کے متابع وشاہد بھی ہیں، یعنی امام صاحب کے ساتھ پیش آمدہ اس واقعہ کو ایک دوسرے کی متابعت کرنے والے دو ثقہ اماموں نے روایت کیا ہے اور فضل سے اس روایت کے راوی امام نصر بن عبدالرحمٰن بن بکار ناجی ازدی وشاء ابوسعید وابوسلیمان کوفی (متوفی ۲۴۸ھ) ثقہ ہیں۔[3] نصر کا نام الانتقاء لابن عبدالبر میں بشر چھپ گیا ہے اس کی تصحیح ہو جانی چاہیے، نصر وشاء موصوف سے اس روایت کے ناقل محمد بن عثمان بن ابی شیبہ ثقہ ہیں۔[4] اور محمد بن عثمان سے اس روایت کے ناقل کم از کم تین افراد ہیں۔ اسماعیل بن علی خطبی (متوفی ۳۵۰ھ)[5] وعباس بن احمد بزار[6] وحسن بن محمد مخزمی[7] ان میں سے اول الذکر اسماعیل خطبی بلند پایہ ثقہ اور تاریخ کبیر کے مصنف ہیں۔[8] اور باقی دو حضرات ان کے متابع ہیں اور اسماعیل خطبی سے یہ روایت حافظ خطیب نے اپنے ثقہ استاذ ابن رزق سے نقل کی ہے۔

امام زفر کے تقوی کی مدح سرائی:

مصنف انوار نے کہا:

''ابراہیم بن سلیمان کا بیان ہے کہ ہم لوگ جب امام زفر کی مجلس میں ہوتے تھے تو ہم میں سے کوئی بھی ان کے سامنے دنیا کی باتیں نہ کر سکتا تھا اور اگر کبھی ایسا ہوا تو وہ مجلس سے اٹھ کر چلے جاتے تھے اور ہم آپس میں کہا کرتے تھے کہ ان کی موت اس لیے جلدی ہوئی کہ خدا کا خوف ان پر سخت غالب تھا۔''[9]

ہم کہتے ہیں کہ امام زفر جیسے عالم ربانی سے یہی توقع کی جاتی ہے کہ ان پر خدا کا خوف غالب رہا کرتا تھا، نیز وہ دنیاوی مسائل پر بحث ومباحثہ نہیں پسند کرتے تھے مگر مندرجہ بالا روایت مناقب کردری میں بلاسند مذکور ہے۔

---

[1] اللمحات. [2] مقدمه انوار (١/ ٢٣٠، ٢٣١) وعام كتب رجال.
[3] تهذيب التهذيب (١٠/ ٤٢٨) وخلاصه تذهيب التهذيب.
[4] تذكرة الحفاظ (٢/ ٦٦١) والتنكيل (١/ ٤٦٠ تا ٤٦٤)
[5] خطيب (١٣/ ٣٢٩) [6] الانتقاء (ص: ١٧٠) [7] أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ٨٧)
[8] خطيب (٦/ ٣٠٤، ٣٠٥) [9] مقدمه انوار (١/ ١٦٦)

خلاصۂ بحث:

ان مباحث کا خلاصہ یہ نکلا:

۱۔ مجلس تدوین ایک فرضی چیز ہے، اس میں امام زفر کے رکن ہونے کے مختلف قسم کے دعاوی خود بخود ایک دوسرے کی تکذیب کرتے ہیں۔

۲۔ امام زفر امام ابوحنیفہ کے وضع کردہ فقہی مذہب ومسلک پر عمل پیرا نہیں تھے۔

۳۔ امام زفر بقول راجح ثقہ وصدوق، متقن، فقیہ، مجتہد، عابد وزاہد اور متورع شخص تھے۔

۴۔ مصنف انوار کا یہ پروپیگنڈہ صحیح نہیں ہے کہ حکومت کی طرف سے پیش کردہ عہدۂ قضا قبول نہ کرنے کے سبب امام صاحب تقریبًا تین سال مقید رکھ کر بذریعہ زہر خورانی ہلاک کیے گئے تھے۔

۵۔ امام صاحب نے اپنے فقہی مسائل وفتاوی کی ترویج واشاعت کو خواہ زبانی طور پر ہو یا تحریری طور پر ممنوع قرار دیا ہے۔

۶۔ مصنف انوار کے دعاوی وبیانات باہم متعارض ومتضاد ہیں اور خلاف حقائق بھی۔

۷۔ مصنف انوار نے بکثرت اکاذیب کا استعمال کیا ہے اور تحریف بھی بڑے پیمانے پر کی ہے۔

اب ہم دوسرے اراکین مجلس تدوین کے متعلق مصنف انوار کے بیانات کا جائزہ لیں گے۔

محمد رئیس ندوی

۱۸ ربیع الاول ۱۴۰۵ھ

❶